امام جعفر صادق علیہ السلام

اور

مذاہب اربعہ

مؤلف

استاد اسد حیدر

ترجمہ

علامہ السید ذیشان حیدر جوادی

ناشر

اکبر حسین جیوانی ٹرسٹ، کراچی

Presented by Ziaraat.Com

یه کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ھیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ھیں.

منجانب.

سبیلِ سکینه

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

Presented by Ziaraat.Com

۷۸۶

۹۲-۱۱۰

یا صاحب الزماںؑ ادرکنیؑ

یا عباسؑ

DvD Version

لبیک یا حسینؑ

خصوصی تعاون: نذر عباس

رضوان رضوی

اسلامی کُتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری ۔

NOT FOR COMMERCIAL

www.ziaraat.com

SABIL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.page.tl
sabeelesakina@gmail.com

Presented by Ziaraat.Com

امام جعفر صادق علیہ السلام

اور

مذاہب اربعہ

مؤلف

استاد اسد حیدر

ترجمہ

علامہ السید ذیشان حیدر جوادی

ناشر

اکبر حسین جیوانی ٹرسٹ کراچی

Presented by Ziaraat.Com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب ــــــــ امام جعفر صادق علیہ السلام اور مذاہب اربعہ

مؤلف ــــــــ استاد اسد حیدر

مترجم ــــــــ علامہ السید ذیشان حیدر جوادی

ٹائٹل ــــــــ مجاہد حسین حرؔ، قائم گرافکس، جامعہ علمیہ ڈیفنس کراچی

ناشر ــــــــ اکبر حسین جیوانی ٹرسٹ کراچی

ملنے کا پتا

رحمت اللہ بک ایجنسی

کاغذی بازار میٹھادر
کراچی ۷۴۰۰۰

PH : (021) 32431577 Mob: 0341-7234330
Mob : 0314 - 2056416 - 0332 - 3670828

Presented by Ziaraat.Com

فہرست

عرضِ تنظیم ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۷
تاثرات علامہ حامد حفنی داؤد ۔۔۔۔۔۔۔ ۹
دعوت قرآنی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۴
حرفِ آغاز ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۶
تعارف ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۰
صبحِ غم ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۲
شامِ الم ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۴

امام صادقؑ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۶۹

جائزہ تاریخ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۷۰
عطربار کلمات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۷۲

امام صادقؑ بحیثیتِ معلّم ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۸۵

مرکزِ تعلیم ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۸۶
تشنگانِ علوم ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۸۹
صحیح بخاری کا تنقیدی جائزہ ۔۔۔۔۔۔۔ ۹۸

آپ کے دور کے رؤساء و امراء ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۲۵

تمہید ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۲۶
عشرہ ظالمہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۳۰
حکام مدینہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۵۱
تجدید نظام عہدِ بنی عباس ۔۔۔۔۔۔۔ ۱۵۸

Presented by Ziaraat.Com

مذاہب اربعہ نشر و اشاعت کے عوامل و ارتقاء ______ ۱۶۵

تمہید ------------------- ۱۶۶

مذاہب کی شہرت کے اسباب ______________ ۱۷۷

مذہب حنفی ---------------- ۱۷۸

مذہب مالکی ---------------- ۱۸۱

مذہب شافعی --------------- ۱۸۵

مذہب حنبلی ---------------- ۱۸۶

اجتہاد و تقلید کا سنگم ______________ ۱۹۱

اجتہاد ------------------- ۱۹۹

تقلید ------------------- ۲۰۰

معاصرانہ چشمک -------------- ۲۰۱

مذاہب کی نشر و اشاعت ______________ ۲۱۹

عصر حاضر ----------------- ۲۲۳

ترویج مذاہب کے مدرسے -------- ۲۲۵

مذہب جعفری اور اس کی اشاعت کے اسباب - ۲۲۸

مسئلہ غلو ----------------- ۲۴۶

عبداللہ بن سبا --------------- ۲۵۰

مذہب جعفری کی اشاعت ---------- ۲۵۳

تصفیۂ حساب -------------- ۲۵۸

جعلساز جماعت ------------- ۲۷۳

امام ابو حنیفہ ______________ ۲۸۹

تمہید ------------------- ۲۹۰

ابو حنیفہ ----------------- ۲۹۱

Presented by Ziaraat.Com

مناقب ---------- ۲۹۴
فضائل کا جزر و مد ---------- ۳۰۱
ابوحنیفہ اور احباب و اغیار ---------- ۳۰۹

ابوحنیفہ ---------- ۳۱۵

ابوحنیفہ ---------- ۳۱۶
ابوحنیفہ اور امام صادقؑ ---------- ۳۲۸
خلاصۂ بحث ---------- ۳۳۶

امام جعفر صادقؑ۔ آپ کا دور اور اس کے مشکلات ---------- ۳۴۳

ہمت شکن حالات ---------- ۳۴۴
آپ کے دور کے مشکلات ---------- ۳۴۵
تمہیدِ انقلاب ---------- ۳۴۹
عباسی دورِ حکومت کا آغاز ---------- ۳۵۷
امام صادقؑ وسط معرکہ میں ---------- ۳۵۹
فتنۂ غلو ---------- ۳۶۳

امام صادقؑ کا مدرسۂ فکر اور اس کی تعلیمات ---------- ۳۶۵

مدینہ ---------- ۳۶۶
تعلیمات ---------- ۳۶۷
عمل ---------- ۳۶۸
اسلامی برادری ---------- ۳۷۰
ظلم سے مقابلہ ---------- ۳۷۲
عزتِ نفس ---------- ۳۷۶
قوتِ ارادی ---------- ۳۷۷
خطوط و نصائح ---------- ۳۷۸
صفاتِ الٰہیہ ---------- ۳۸۰

Presented by Ziaraat.Com

اصحاب کے نام ---------- ۳۸۰
نصائح ---------- ۳۸۱
عبداللہ بن جندب کو نصیحت ------ ۳۸۳
بعض اصحاب کو نصیحت ------ ۳۸۴
کلمات قصار ---------- ۳۸۴
مصادر بحث ---------- ۳۹۲

امام جعفر صادقؑ۔ تلامذہ، رواۃِ حدیث ------ ۳۹۳

تلامذہ ---------- ۳۹۸
رواۃ ---------- ۴۱۳
مشاہیر ثقات ---------- ۴۱۵
جابر بن حیان ---------- ۴۱۷
فرقے ---------- ۴۱۹

پدر بزرگوار امام محمد باقرؑ کے سایۂ عاطفت میں ------ ۴۲۱

ولادت ---------- ۴۲۲
کنیت ولقب ---------- ۴۲۳
اقوال علماء ---------- ۴۲۴
تلامذہ ورواۃ ---------- ۴۲۹
شیعہ تلامذہ ورواۃ حدیث ------ ۴۳۳
مدرسہ امام محمد باقرؑ ------ ۴۳۹
حکمتیں ---------- ۴۴۲
وصیتیں ---------- ۴۴۴

امام جعفر صادقؑ اور عہد منصور ------ ۴۵۱

عہدِ منصور ---------- ۴۵۲
امام جعفر صادقؑ اور حکام ------ ۴۶۱
منصور کی سیاست ---------- ۴۶۵

Presented by Ziaraat.Com

بسمہ سبحانہٗ

عرضِ ناظم تنظیم

بیسویں صدی کے نصف اوّل تک سوانح نگاری کا عام تصور یہ تھا کہ انسانی زندگی کے جملہ واقعات کو اوّل سے آخر تک نقل کر دیا جائے اور اس سے استنتاج کا کام قاری کے ذوق کے حوالہ کر دیا جائے جس کا نتیجہ عام طور سے یہ ہوتا تھا کہ ہر شخص ان واقعات کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کر لیتا تھا اور مختلف رسوم و عادات اور مختلف خیالات و مفروضات کے لئے منتشر واقعات کو دلیل بنا لیا جاتا تھا۔

صلح پسند انسان حدیبیہ کے واقعہ کو حوالہ میں پیش کرتا تھا اور جنگجو مزاج رکھنے والا بے سروسامانی کے باوجود بدر کے معرکہ کو اپنے لئے نمونۂ عمل قرار دیتا تھا۔

لیکن اس صدی کے نصف دوم میں یہ ذوق تقریباً ختم ہو گیا اور اہلِ قلم نے واقعات نگاری پر تجزیہ نگاری کو مقدم کرنا شروع کر دیا اور ہر معصوم سے متعلق ایسی کتابیں منظرِ عام پر آنے لگیں جن کا تعلق واقعات نگاری سے زیادہ تجزیہ و تحلیل سے تھا اور اس سلسلہ کا ایک بڑا بیش قیمت ذخیرہ فراہم ہو گیا۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ معصومینؑ میں ہر فرد کے بے مثل و بے نظیر اور حجت و سند ہونے کے باوجود امام جعفر صادقؑ کی زندگی کو ایک خاص امتیاز حاصل تھا کہ آپ کا دور دو عظیم طاقتوں کے فیصلہ کن ٹکراؤ کا زمانہ تھا اور اس طرح اس دور کا سیاسی تجزیہ بیحد ضروری تھا اور پھر اسی دور میں ائمہ مذاہب اور مذاہب کی پیداوار کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ لہٰذا مذہبی اعتبار سے بھی اس دور کا جائزہ لینا اور اس ماحول میں اسلامی عمل کا مطالعہ کرنا بیحد ضروری تھا۔

چنانچہ مختلف مصنفین اور مؤلفین کرام نے آپ کے دور کو مرکزِ توجہ قرار دیا اور اس پر چھوٹی بڑی کتابیں بھی تالیف کیں لیکن اس سلسلہ کی سب سے زیادہ گرانقدر خدمت جو اس صدی کی یادگار اور شاہکار بن گئی ــــ جناب استاد اسد حیدر کی کتاب "الامام الصادق والمذاہب الاربعہ" تھی جس میں امام کی ذاتی زندگی، آپ کے اوصاف و کمالات اور کرامات و تعلیمات کے ساتھ آپ کے دور کے جملہ سیاسی حالات کا مکمل جائزہ لیا گیا تھا ــــ اور پھر اس کے بعد ان اسباب و عوامل سے بھی بحث کی گئی تھی جن کی بنا پر دیگر مذاہب فقہ منظرِ عام پر آئے اور جن کی بنیاد پر ان مذاہب کے پیشواؤں اور رہنماؤں نے کامیابی حاصل کی۔

آپ کی کتاب نے منظرِ عام پر آتے ہی علمی دنیا میں ایک ہلچل مچا دی اور ہر طرف اس کے مضامین کی معنویت اور اسلوب بیان کی متانت کا چرچا ہونے لگا ــــ اساتذۂ فن نے دادِ بیان دی ــــ علماء و مفکرین نے اندازِ استدلال کو سراہا اور

Presented by Ziaraat.Com

مفتیانِ ممالکِ اسلامیہ استنتاج و استنباط کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکے۔
مگر اردو زبان اس ذخیرہ سے محروم تھی۔ خدا غریقِ رحمت کرے مدیر اصلاح مولانا محمد باقر نقوی طاب ثراہ کو ــــــ کہ انھوں نے ائمۂ اربعہ کے حالات کو بطور خلاصہ بیان کر دیا ـــــ لیکن قوم اصل کتاب کی معنویت کا احساس نہ کر سکی۔ جس کی بنا پر مکتبہ تعمیرِ ادب لاہور کے ذمہ دار حضرات نے صدرِ ادارۂ تنظیم المکاتب علامہ جوادی دام ظلہ سے فرمائش کی اور آپ نے اس کتاب کا ترجمہ شروع کر دیا۔ دو جلدیں شائع ہوئیں اور کام نامکمل رہ گیا۔ حالات بدل گئے اور محرومی برقرار رہی۔
ہمارا ملک ہندوستان ان دونوں کتابوں سے بھی تقریباً محروم ہی رہا جس کی بنا پر ادارۂ تنظیم المکاتب نے فیصلہ کیا کہ کم سے کم انھیں دونوں جلدوں کو شائع کرکے مومنین کرام کو ان کے مضامین اور اندازِ بیان سے روشناس کرا دیا جائے۔
ــــــ مکمل کتاب سے استفادہ تو مکمل کتاب کے ترجمہ کا متقاضی تھا اور سردست اس کے حالات نہیں تھے اور دو جلدوں کے جملہ مضامین کی اشاعت بھی اصل مقصد کے لئے کافی نہ تھی لہذا خود علامہ جوادی دام ظلہ نے فیصلہ فرمایا کہ جلد اول کے ساتھ جلد دوم کا وہ حصہ جو حضرت ابوحنیفہ کے حالات سے متعلق ہے اسے شامل کر دیا جائے اور باقی تین ائمۂ مذاہب کے حالات کو سردست نظر انداز کر دیا جائے کہ ان کے ماننے والے ہمارے ملک اور اس کے اطراف میں نہ ہونے کے برابر ہیں۔
مطالب کی تنظیم اور کتابت کا مرحلہ تقریباً ایک سال پہلے سر ہو گیا تھا لیکن اشاعت کا مسئلہ بھی دوسرے مسائل سے کم اہمیت کا مالک نہیں ہوتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بھی دوڑ دھوپ ہوتی رہی۔
خدا سلامت رکھے "ادارۂ نشرِ افکارِ جوادی" کے سب سے سرگرم کارکن ڈاکٹر اسد صادق (نیو جرسی) کو کہ انھوں نے بروقت اس مشکل کا علاج فرما دیا اور اب کتاب آپ حضرات کے ہاتھوں میں ہے۔
ترتیب، تنظیم، اشاعت کا کام ہمارا تھا جو ہم نے انجام دے دیا ــــــ خریداری، قرأت، دلچسپی اور استنتاج آپ حضرات کا کام ہے ــــــ دیکھیں آپ کہاں تک اپنے فرض کو ادا کرتے ہیں اور دیگر عظیم کتابوں کی اشاعت کی راہ ہموار کرتے ہیں۔
ربِ کریم آپ سب کے توفیقات میں اضافہ فرمائے اور ڈاکٹر صاحب کی والدہ محترمہ کو جنت الفردوس میں بلند ترین درجات عنایت فرمائے جن کے ایصالِ ثواب کے لئے کتاب کی اشاعت میں تعاون کیا گیا ہے۔
واضح رہے کہ زیرِ نظر کتاب اصل کتاب کی دو جلدوں کا خلاصہ ہے جس میں ایک جلد مکمل ہے اور دوسری جلد کا صرف ایک حصہ اخذ کیا گیا ہے ــــــ جس کی بنا پر پہلی جلد کے شائع ہونے کے بعد سامنے آنے والے تاثرات کو بھی کتاب کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے اور مترجم محترم کے انتہائی مفید مقدمہ کو بھی شریک کر دیا گیا ہے۔
ادارہ حسبِ سابق اپنے اس کارنامہ پر بھی سرفراز و سربلند ہے اور مالکِ کائنات سے ملتمس ہے کہ بطفیل معصومین علیہم السلام خدمتِ دینِ مبین کی توفیقات سے سرفراز فرماتا رہے۔

والسلام
سید صفی حیدر
سکریٹری تنظیم المکاتب لکھنؤ

Presented by Ziaraat.Com

تاثرات

کتاب "امام صادقؑ اور مذاہب اربعہ" پر ایک نظر

ڈاکٹر حامد حفنی داؤد پروفیسر ادبیات قاہرہ

"یہ تاثرات استاد اسد حیدر کی مذکورہ بالا کتاب کو دیکھ کر ڈاکٹر حامد حفنی داؤد نے ظاہر فرمائے ہیں جو بظاہر ایک خط کی شکل میں ہیں لیکن کتاب اور اس کے موضوع پر ایک جامع تبصرہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔"

— جوادی

تقریباً ۲۰ سال سے زیادہ کا عرصہ ہوا جب میں اسلامی تشریع اور دینی علوم کے بارے میں تحقیق کر رہا تھا۔ دفعتاً میری توجہ حضرت امام جعفر صادقؑ، اُن کی جاذب نظر شخصیت، عبقری فکر اور روحانی عظمت کی طرف کھنچ گئی۔ میں نے اس موضوع پر ایک اسّی صفحہ کا مقالہ لکھ دیا اور اس میں آنحضرتؑ کی شخصیت کے مختلف پہلو اجاگر کر دیئے۔ لیکن اس کے بعد جب اس مقالہ کو اپنے عدیم المثال استاد مرحوم عبدالوہاب عزام کے سامنے پیش کیا تو موصوف کے چہرہ پر صرف ایک تبسّم کی لہر دیکھی اور بس! میں نے اسی تبسّم سے اندازہ کر لیا کہ موصوف میری اس جدوجہد سے بے حد مسرور ہیں اور اس مسرت کا راز صرف یہ ہے کہ مسلمانوں نے اس عظیم المرتبت شخصیت کو بھی اپنی فرقہ واریت کا شکار بنا دیا ہے اور اب یہ امام شیعوں کے لئے زیادہ قابل ارادت ہو گئے ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

ماحول کا یہ جبر اور تعصب کی یہ تنگ نظری میرے دل میں ایک مدت تک کھٹکتی رہی اور میں نے آخر میں یہ فیصلہ کر لیا کہ "جعفر صادقؑ ربانی علماء کے امام اور مجددین مذہب کے پیشرو" کے عنوان سے ایک کتاب تالیف کروں، لیکن افسوس کہ ماحول اور معاشرہ نے میرے اس پاکیزہ ارادہ کی ذرہ برابر تائید نہ کی اور حالات میرے ارادہ کو پیچھے کی طرف ہی ڈھکیلتے رہے، پھر اس موضوع پر چند مضامین بھی نظر سے گذر گئے جن سے ارادہ اور سست پڑ گیا۔

لیکن اسے کیا کیجئے کہ حضرت احدیت حق کو حق ثابت کرنا ہی چاہتا تھا۔ اس کا منشا تھا کہ حقانیت کی قوت زمان و مکان کے حدود سے مافوق رہے اور اس طرح ۲۰ سال کی طویل مدت کے بعد بھی مقدر نے وہ وقت دکھلا دیا جب حق اپنے مرکز پر قائم ہو اور باطل کے بادل چھٹتے ہوئے نظر آئیں، حق کا چہرہ روشن سامنے آئے اور جہالت کی تاریکیاں کافور ہو جائیں۔ اس عظیم جہاد اور مبارک فتح کا سہرا استاد اسد حیدر کے سر ہے جنھوں نے "امام صادقؑ اور مذاہب اربعہ" کو تالیف کر کے یہ اعلان کر دیا کہ امام صادقؑ کی سیرت پر مغالطات کے پردے نہیں ڈالے جا سکتے ہیں۔ یہ کتاب مذہب جعفری اور دیگر مذاہب کے درمیانی رابطہ کا بھی اظہار کرتی ہے جس سے اکثر علماء اسلام ناواقف ہیں۔

اس کتاب میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ کتاب امام صادقؑ کے سلسلے میں نہایت جامع اور آپ کی سیرت پاک کے اکثر پہلوؤں پر حاوی ہے۔ مؤلف نے آپ کے بارے میں ہر صاحب رائے کی رائے کو جمع کر کے ان تمام واقعات سے بھی بحث کی ہے جنھیں حضرت کی زندگی سے دور یا نزدیک کا کوئی تعلق ہے۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ اس بحث میں منطقیت غالب ہے اور مذہبی تعصب ناپید۔ اندازِ تحریر صاف بتاتا ہے کہ مؤلف ایک طالب حق کی طرح میدان میں آئے ہیں اور کلمۂ حق کی کسی توہین کو برداشت نہیں کر سکتے ہیں۔ ابتدائے کتاب میں اسلامی خلافت سے متعلق ایسی واضح اور مستحکم بحث کی گئی ہے جسے پڑھنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ گویا یہ واقعات مؤلف کے چشم دید ہیں۔ تاریخ اسلام کے اس اندازِ تالیف کو اربابِ نقد و نظر کی طرف سے صحیح مرتبہ ملنا چاہئے اور بعد کے مؤلفین کو اسے مشعلِ راہ بنانا چاہئے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہمیں تاریخ اسلام کا علمی تجزیہ کرنے کی شدید ضرورت ہے تاکہ سیاست اور فقہ کے مذاہب کا امتیاز واضح ہو سکے اور حق کے پرستار کو صائب الرائے اور

Presented by Ziaraat.Com

باطل کے پیرو کو کھلا گمراہ کہا جا سکے۔ اس ضرورت کا سب سے اہم منشا تاریخ کے ساتھ اموی اور عبّاسی سیاستوں کا خطرناک کھیل ہے جس میں آٹھ سو سال تک شیعوں کی پامالی کی المناک داستان بھی پوشیدہ ہے۔ میری نظر میں اسلامی ثقافت کی تحلیل میں علمائِ شیعہ کا یہ جہاد اموی اور عبّاسی دور کے مظالم کا ایک ردِّ عمل ہے جس نے شیعیانِ علیؑ کو ان سیاستوں کے رخ سے نقاب اٹھانے پر مجبور کر دیا ہے اور یہ جذبہ ان کے دلوں میں اس قدر راسخ کر دیا ہے کہ آج بھی اہلِ ایمان کے دلوں میں یہ نفسیاتی ردِّ عمل وراثت کے طور پر محفوظ ہے اور ان کے رگ و پے میں خون کی طرح دوڑ رہا ہے اور یہی سبب ہے کہ شیعہ تقلیدی یا زبانی قسم کے مومن نہیں ہیں بلکہ ان کے ایمان میں وراثتی تڑپ ہے۔ ان کے مسلک میں عقائدی زندگی ہے اور انھیں اسباب کی بنا پر ان کا جہاد صدیوں سے مستمر ہے اور اپنے اندر ایک جہدِ مسلسل لئے ہوئے ہیں۔

مؤلف نے اپنی کتاب کی پہلی جلد میں تاریخ اسلام کے ان ادوار کا ذکر کیا ہے جنھوں نے مذاہب کی تعمیر میں حصّہ لیا ہے اور جن سے امام صادقؑ اور ان کے مذہب کو ٹکرانا پڑا ہے۔ اس کے بعد مذاہب کا باہمی تقابل اور ہر ایک کے رواج و بقا کے اسباب کو زیرِ بحث لائے ہیں۔ یہ وہ تحقیقات ہیں جن پر حق و انصاف کے ساتھ تبصرہ کرنے کے لئے ایک پوری جلد درکار ہے لیکن ہم اپنے جذبات کے اظہار پر مجبور اور اتنی تفصیل سے عاجز ہو کر صرف چند اشاروں پر اکتفا کئے لیتے ہیں۔

اس کتاب میں سب سے زیادہ اہم اور قابلِ توجہ بحث خلافت کے بارے میں ہے جس کے مستحکم اصولوں کے سلسلے میں میں مؤلف سے اتفاق کرتا ہوں کہ اسلامی مشکلات کا آغاز دورِ عثمان ہی سے ہوا ہے جب کہ تختِ حکومت پر بنو امیّہ کے قدم آئے ہیں اور انھوں نے اسلامی ممالک میں اسلامی مقدرات سے کھیلنا شروع کیا ہے لیکن اے کاش! مؤلف نے اور پہلے سے یہ بحث اٹھائی ہوتی اور اس کا سلسلہ وفات سرورِ کائنات تک پہنچا دیا ہوتا۔

مؤلف نے امام علیؑ کی تاریخ سے بھی کافی انصاف کیا ہے، جہاں امّ المومنین کے خروج، معاویہ کی سازشیں اور طلحہ و زبیر کی اس بیعت سے بحث کی ہے جسے اپنی خواہشات کی تکمیل کا وسیلہ بنایا گیا تھا۔ پھر خونِ عثمان کے مطالبہ کے ہنگامہ کا ذکر کیا ہے جس سے علیؑ کا دور کا بھی لگاؤ نہ تھا۔ حقیقتاً تاریخ اسلام کا یہ وہ مشکل دور تھا جہاں عرب اور مستشرقین دونوں قسم کے محققین کے پائے نگاہ

Presented by Ziaraat.Com

میں لغزش آگئی ہے اور حضرت علیؑ کو زاہد و متقی ثابت کرنے والوں نے ان کو سیاست سے ناواقف بنا دیا ہے۔ انھیں یہ خبر بھی نہ ہو سکی کہ "اسلام میں سیاست و زہد کے حسین امتزاج ہی کا نام سیرت علیؑ ہے۔" کاش ہمارے مؤلف نے سیرتِ علیؑ کے اہم جزء "تکاملِ نفسی" سے بھی بحث کی ہوتی اور اس طرح مستشرقین کی جہالت کو بے نقاب کر دیا ہوتا اس لئے کہ معاویہ کی سیاست اور اس کا حضرت علیؑ پر حملہ نومسلم افراد کے ان دلی جذبات کا مظاہرہ تھا جو انھوں نے حضرت علیؑ کے مجاہدات کے وقت سے اپنے دلوں میں چھپا رکھے تھے۔

میں تاریخ مذاہب کے اس قابلِ قدر "دائرۃ المعارف" پر زیادہ طولانی تبصرہ نہیں کرنا چاہتا لیکن امام بخاری کے بارے میں مؤلف کی رائے پر ایک نظر ضرور کرنا چاہتا ہوں اس لئے کہ انھوں نے کتاب بخاری پر دو پہلوؤں سے بحث کی ہے۔ ایک میں علمی اعتبار سے روایات کی سند پر تبصرہ کیا ہے جس سے مجھے سو فیصدی اتفاق ہے اس لئے کہ امام بخاری کی زندگی میں صرف وہی روایتیں مرتب ہو سکی تھیں جن کا وجود عبداللہ بن عمرو عاص کے صحیفہ میں تھا۔ اس کے علاوہ باقی روایتیں زیرِ نظر نہ آسکی تھیں اس لئے ان پر صحیح تنقید ہونی چاہئے اور ان میں صحیح و ضعیف کا امتیاز ہونا چاہئے۔ دوسرا پہلو صرف اجتہادی ہے جس کا تعلق امام بخاری کے احادیثِ معصومینؑ سے اعراض سے ہے۔ اس سلسلے میں میری رائے مؤلف سے مختلف ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اس کا محرک امام بخاری کا معصومینؑ کو غیر معتبر سمجھنا تھا اور میرا خیال ہے کہ اس کا باعث عباسی حکام کا وہ جبر و استبداد تھا جس میں زبان کھولنے کے لئے بہت بڑی جرأت کی ضرورت تھی۔ اور معصومینؑ سے روایت کرنے کے لئے زندہ درگور ہونے کے لئے تیار رہنا ضروری تھا اور امام بخاری میں یہ جرأت نہ تھی۔

یہ صحیح ہے کہ امام بخاری کی ادبی شجاعت نے ٹھوکر کھائی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کی ساری جدوجہد کو بے اعتبار ٹھہرا دیا جائے بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اسے ان کی "خطائے اجتہادی" تصور کر لیا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ انھوں نے حکّامِ وقت کے خوف کی بنا پر احتیاط کی اور وہ کچھ نہ لکھ سکے جو ان کے دل میں تھا۔ اور اگر آپ اس خوف کو تسلیم نہیں کرتے تو اتنا مان لینے میں کیا قباحت ہے کہ امام بخاری تک ائمۂ معصومینؑ کی روایتیں نہیں پہنچ سکیں اس لئے

Presented by Ziaraat.Com

کہ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ حکام جور نے ائمت اور اہلبیت کے درمیان ایک ایسے گہرے پردے حائل کر دیئے تھے کہ ان کے علم کی شعاعیں طلاب حقیقت تک پہنچنا انتہائی مشکل تھیں۔

بہر حال امام بخاری کا ان روایات کو ترک کر دینا نہ روایات کی عظمت و منزلت کو گھٹا سکتا ہے اور نہ خود ان کے بارے میں کوئی غلط فہمی پیدا کر سکتا ہے۔

پروردگار عالم سے ہماری التجا ہے کہ ہمیں اس عظیم کتاب سے استفادہ کے مواقع بہم پہنچائے اور مؤلف کو ان کے ارادہ کی توفیق کرامت فرمائے۔ ہم اس لمحہ کا انتظار کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر حامد حفنی داؤد

Presented by Ziaraat.Com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعوتِ قرآنی

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِۦ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم

ایمان والو اللہ سے مکمل طریقہ پر ڈرو اور بغیر اسلام کے دنیا سے

مُّسْلِمُونَ ﴿١٠٢﴾ وَٱعْتَصِمُوا۟ بِحَبْلِ ٱللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا۟ ۚ وَٱذْكُرُوا۟

نہ اٹھنا ۔ اللہ کی ریسمان ہدایت کو مضبوط پکڑے رہو اور آپس میں جدائی نہ ڈالو اللہ کی

نِعْمَتَ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَآءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ

اس نعمت کو یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمھارے دلوں کو ملا کر آپس میں

فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِۦٓ إِخْوَٰنًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ ٱلنَّارِ

بھائی بھائی بنا دیا ۔ تم جہنم کے کنارے تھے تمھیں اس سے بچا

فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمْ ءَايَٰتِهِۦ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٠٣﴾

لیا ۔ اللہ اسی طرح اپنی آیتوں کو بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت حاصل کرسکو ۔

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى ٱلْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ

تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی دعوت دے نیکیوں کا حکم دے ،

Presented by Ziaraat.Com

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا

برائیوں سے منع کرے کہ یہی ہدایت یافتہ جماعت ہوگی ۔ خبردار ان جیسے نہ بنو

كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَ

جنھوں نے آپس میں تفرقہ ڈالا اور نشانیوں کے آجانے کے بعد بھی

اُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾ۙ

اختلاف پیدا کیا کہ ایسے لوگوں کے لئے بہت بڑا عذاب ہے ۔

(آلِ عمران ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵)

Presented by Ziaraat.Com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

(طبع اوّل)

عام طور پر اس کرۂ زمین کے بسنے والے ہر انسان کو اپنے بارے میں کوئی نہ کوئی خوش فہمی یا غلط فہمی ضرور ہوتی ہے۔

صاحب علم کو یہ خیال ہوتا ہے کہ مجھ میں مرجعیت کی تمام صلاحیتیں جمع ہوگئی ہیں۔

طبیب یہ تصور کرتا ہے کہ سارا دستِ شفا میرے ہی ہاتھ لگ گیا ہے۔

الیکشن کے امیدواروں کو یہ خبط ہوتا ہے کہ ساری پبلک میری ہی فدائی ہے۔

اور جب ہر صنف کے آدمی کو کوئی نہ کوئی ناجائز تصور لاحق ہو جاتا ہے تو قلم کار کو بھی اس سے مستثنیٰ نہ ہونا چاہئے۔ وہ کوئی زبان استعمال کرے، کیسے ہی محاورات لکھے، کسی طرح کیوں نہ ادائے مطالب میں قاصر رہے، خیال یہی کرتا ہے کہ میرے قلم کی گردش کے ساتھ پڑھنے والے کے دل و دماغ کو بھی رواں دواں رہنا چاہئے۔ اسے اس سے کوئی مطلب نہیں ہوتا ہے کہ دنیا میں صاحبانِ نظر بھی ہوتے ہیں، اہل علم و ادب بھی وجود رکھتے ہیں، پڑھنے والوں کا اپنا ذوق بھی ہوتا ہے، ان کے مطالعہ کا ایک معیار بھی معین ہے ——— وہ جو کچھ سمجھتا ہے وہ اپنی ذات کو اور جو کچھ سوچتا ہے وہ اپنی ذات کے لئے ع

اپنی تلوار کو بس حاصلِ دنیا سمجھے

میرے بعض احباب بھی وقتاً فوقتاً مجھے اسی خوش فہمی کا شکار بنانا چاہتے ہیں اور ان کی

Presented by Ziaraat.Com

ضرورت سے زیادہ تعریف مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ میں بھی کچھ ہوں یا ہو گیا ہوں، لیکن خدا کا شکر ہے کہ اب تک خود فراموشی اور خود فریبی جیسے تمام خیالات سے دور ہوں۔

مجھ سے بارہا یہ تقاضا ہوا کہ قوم میں مترجم کا کوئی وقار نہیں ہوتا ہے۔ اہل علم و ادب کی محفل میں اسے کوئی مقام نہیں دیا جاتا ہے لہذا آپ بجائے اس ترجمہ و تلخیص کے مستقل مؤلف و مصنف بننے کا کام شروع کر دیجئے۔ یہی طریقہ قوم میں مقبولیت اور بزم ادب میں ایک جگہ حاصل کرنے کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔

بات یقیناً صحیح ہے لیکن اسے کیا کیا جائے کہ میں اپنی طبعی کمزوری کی بنا پر جس بات کا اہل نہیں ہوں نہ اس کا دعویٰ کرنے کی ہمت رکھتا ہوں اور نہ ویسا اقدام ہی کر سکتا ہوں میرے لئے یہ کہیں آسان تھا کہ مختلف کتابوں کے اقتباسات کو جمع کر کے مولف بننے کا شرف حاصل کر لیتا یا کسی ایک کتاب کی ترتیب و تنظیم کو زمانہ کے مطابق ڈھال کر مصنف کے لقب سے مشہور ہو جاتا ـــــ لیکن ضمیر اسے گوارا نہیں کرتا اور دل میں اتنی توانائی محسوس نہیں ہوتی ہے۔

میری نظرِ قاصر میں مؤلف و مصنف کا واقعی معیار بہت بلند ہے اس لئے میں نے اس شرف کو بزرگانِ قوم و ملت کے لئے وقف کر دیا ہے اور اپنے لئے ان کے افادات کو آپ تک پہنچا دینے ہی کو باعثِ صد شرف سمجھتا ہوں۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ فنِ تالیف و تصنیف کے لئے اصلی مآخذ کا بقدرِ ضرورت پیش نظر ہونا ضروری ہے۔ اس میں دوسروں کے بیانات پر اعتماد کر لینا بعض اوقات سخت پریشانی سے دوچار کر دیتا ہے اور سارا وقار مٹی میں مل جاتا ہے اور میرے لئے دشواری یہ ہے کہ فی الحال ایسے خزانوں تک رسائی تقریباً ناممکن ہے جہاں ایسے دریائے آبدار میسّر ہو سکتے ہوں۔ اس لئے خدمتِ مذہب اور اجرِ آخرت کی تمنا میں اسی کام پر اکتفا کرتا ہوں۔ المیسور لایسقط بالمعسور۔

حضرات چہاردہ معصومین علیہم السلام کے بارے میں مختلف زبانوں اور بالخصوص اردو زبان میں کافی مواد جمع کیا جا چکا ہے اور تقریباً ہر معصومؑ کی سوانح حیات کو ایک خاص طریقہ سے مرتب کیا جا چکا ہے لیکن جہاں تک میرا مطالعہ گواہی دیتا ہے اب تک کسی مؤلف یا مصنف

Presented by Ziaraat.Com

نے اپنی کتاب میں کسی معصوم کی زندگی پر تحلیلی انداز سے نظر نہیں ڈالی ہے اور ان کی زندگی کا باقاعدہ تجزیہ مفصل طریقہ پر نہیں کیا ہے ـــــ خدا جزائے خیر دے ہمارے ان ارباب قلم کو جنھوں نے اس ضرورت کا احساس کیا اور اس موضوع پر قلم اٹھانے لگے۔ ابھی حال ہی میں حضرت ابوطالبؑ کی زندگی کے تاریخی تجزیہ پر علامہ عبداللہ الخنیزی کی کتاب آپ کے سامنے آچکی ہے ـــــ دل چاہتا تھا کہ کسی معصوم کے سوانح حیات بھی اسی انداز سے منظر عام پر لائے جائیں۔

جارج جرداق نے امیرالمومنینؑ کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے لیکن بہرحال وہ ایک عیسائی مؤلف ہے جو مزاج اسلام سے مکمل واقفیت نہیں رکھتا ہے یا اس سے ہم آہنگ و ہم رنگ نہیں ہے۔

میں نے جب سے علامہ اسد حیدر کی کتاب "الامام الصادق والمذاہب الاربعہ" دیکھی ہے میرے دل میں یہ شوق کروٹیں لیتا رہا ہے کہ کاش یہ کتاب منظرِ عام پر آجاتی اور ہماری زبان والے بھی اس کے مطالب سے استفادہ کر سکتے کہ یہ کتاب ہمارے مذہب کا مخصوص سرمایہ ہے اور اس سے مذہب جعفری کی حقانیت کے ساتھ دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں اس کی عظمت واہمیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

کسے خبر تھی کہ قلم قدرت نے یہ خدمت بھی میری ہی قسمت میں لکھی ہے اور کون جانتا تھا کہ کاتبِ تقدیر نے یہ شرف مجھے ہی عطا کیا ہے۔ چنانچہ برادرِ محترم علی غضنفر صاحب کراروی اور جناب محترم ابرار حسین صاحب شیرازی جعفری کے تقاضے پر کمر ہمت باندھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی تمام مصروفیتوں کو چھوڑ کر کتاب کے ترجمہ میں لگ گیا۔

خدا کا شکر ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ترجمہ مکمل ہو گیا لیکن اس قسم کی تحلیلی کتابوں میں ایک عوامی نقص یہ ہوتا ہے کہ اس سے مکمل طور پر ممدوح کے حالات نہیں مل پاتے۔ اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کے ساتھ ایک مختصر مقدمہ کا بھی اضافہ کر دیا جائے جس میں امام علیہ السلام کے مختصر تعارف کے ساتھ آپ کے بارے میں پیدا کئے جانے والے شبہات کا جواب بھی مندرج ہو۔

چنانچہ آپ کی زندگی کے بارے میں "ابوزہرہ" مصر کے مشہور قلم کار نے بھی ایک کتاب لکھی ہے

Presented by Ziaraat.Com

لیکن اس میں کافی حد تک خیانت وجنایت سے کام لیا ہے اس لئے ضرورت تھی کہ اس مقدمہ میں ان کی پیدا کی ہوئی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی کر دیا جائے۔

خدا کرے میری یہ کوشش آپ کو پسند آئے اور بارگاہِ احدیت میں مقبول ہو۔

میرے اس مقدمہ کا ماخذ حسب ذیل کتابیں ہیں:۔

۱۔ امام الصادقؑ والمذاہب الاربعہ
۲۔ عقیدۃ الشیعہ فی الامام الصادقؑ
۳۔ دائرۃ المعارف
۴۔ منتہی الآمال
۵۔ منتخب التواریخ
۶۔ مناقب ابن شہر آشوب
۷۔ تذکرہ خواص الامہ
۸۔ اجوبہ مسائل جار اللہ

_____ السید ذیشان حیدر جوادی

Presented by Ziaraat.Com

تعارف

حضرت جعفرؑ ابن محمدؑ ابن علیؑ ابن حسینؑ ابن علیؑ ابن ابی طالبؑ

عربی زبان کے اعتبار سے جعفر وسیع نہر کو کہتے ہیں اور بعض روایات کی بنا پر جعفر جنت کی ایک نہر کا نام ہے۔

غالباً آپ کا نام جعفر اسی مناسبت سے رکھا گیا تھا کہ آپ کے علوم و کمالات سے ایک دنیا نے استفادہ کیا ہے اور اس سرچشمۂ فیوض و برکات سے یگانہ و بیگانہ ہر ایک سیر و سیراب ہوتا رہا ہے۔

القاب یوں تو آپ کے القاب فاضل، طاہر، قائم، صابر، مصدق، محقق، کاشف الحقائق وغیرہ سبھی کچھ ہیں۔ لیکن مشہور ترین لقب صادق ہے جس کے اسباب پر آئندہ روشنی ڈالی جائے گی اور یہ واضح کیا جائے گا کہ جس طرح کفار قریش نے رسول اکرمؐ کی رسالت سے انکار کے باوجود ان کی صداقت کا کلمہ پڑھا تھا اسی طرح آپ کی صداقت کو بھی ہر دور میں تسلیم کیا گیا ہے۔ اگرچہ روایات عصمت کی بنیاد پر اس لقب سے خود رسول کریمؐ نے آپ کو یاد کیا تھا۔ بعض دیگر احادیث میں آپ کو عالم اور شیخ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے جس سے آپ کی بلند پایہ عالمانہ صلاحیت اور بے پناہ بزرگی کا اندازہ ہوتا ہے۔

لفظ صادق کے بارے میں ایک خیال یہ بھی ہے کہ جعفر نام کے ایسے افراد بھی پیدا ہوئے ہیں جنھوں نے غلط طریقہ سے دعوئ امامت کیا یا ان کا کذب شہرۂ آفاق ہو گیا۔ اس لئے ضرورت تھی کہ ایسے افراد سے امتیاز قائم کرنے کے لئے لفظ صادق کو آپکے نام کا جز قرار دے دیا

Presented by Ziaraat.Com

جائے تاکہ دونوں جعفر ایک دوسرے سے الگ رہ سکیں۔

ولادت ۱۷ ربیع الاوّل ۸۳ھ روز جمعہ وقتِ طلوعِ فجر وہ مبارک ساعت تھی جب صادق و امین کی شریعت کا سچا امانت دار اس دنیا میں آیا اور اپنے ابتدائے وجود ہی سے یہ اعلان کرتا ہوا آیا کہ جس طرح شریعتِ اسلام کا بانی ۱۷ ربیع الاوّل کو اس عالم ظہور میں جلوہ گر ہوا تھا اسی طرح شریعت کے مٹے ہوئے نقوش کو دوبارہ ابھارنے والا اور اسلام کے پامال شدہ احکام کو از سرِ نو زندہ کرنے والا نبی کا سچا جانشین بھی اسی تاریخ کو اس دارِ دنیا میں جلوہ نما ہوا ہے۔ تاریخ ولادت کا اتحاد اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ نبی کا یہ وارث تاریخی اعتبار سے نبوت کی ابتدا سے ہم آغوش ہے اور یہ فال نیک اربابِ بصیرت کے لئے ایک مژدہُ جاں فزا ہے۔

نسب شریف آپ کے والد ماجد حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام ہیں جن کو خود سرکارِ رسالت نے اوّلین و آخرین کے علوم کا وارث قرار دیا ہے اور آپ کی والدہ ماجدہ حضرت قاسم ابن محمد ابن ابی بکر کی صاحبزادی ہیں۔ جن کا نام فاطمہ ہے اور ام فروہ کنیت، جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نسبی اعتبار سے ایک طرف سے فرزند امام ہیں تو دوسری طرف سے اس آزاد فکر، حریت پسند مجاہد کے پرنواسہ ہیں جس نے نسب سے ملتی ہوئی ظاہری شرافت کو ٹھوکر مار دی اور اپنے معنوی کمالات کو اتنا اجاگر کیا کہ خود امیرالمومنینؑ حضرت علیؑ کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ محمدؒ میرا بیٹا ہے ابوبکر کے صلب سے۔ امام محمد باقرؑ کا ام فروہ سے عقد کرنا اس بات کی علامت ہے کہ اسلام میں ازدواج کا معیار شرافتِ کردار ہے۔ خاندان و خانزادہ نہیں ہے۔

وفات آپ کی تاریخ وفات کے بارے میں چند اقوال ملتے ہیں۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ آپ نے پندرہ رجب کو رحلت فرمائی ہے۔ بعض نے پندرہ شوال کہا ہے اور بعض ۲۵ رشوال کہتے ہیں اور بعض ۲۵ ر رجب۔

روزِ وفات کے سلسلہ میں دو قول ہیں یکشنبہ دوشنبہ لیکن یہ بہرحال طے ہے کہ آپ نے ۶۵ سال کے سن میں ۱۴۸ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا ہے اور جنّت البقیع میں

Presented by Ziaraat.Com

دفن ہوئے۔ آپ کے ایک صاحبزادے حضرت اسمٰعیل تھے جن کے بارے میں لوگوں کو امامت کا شبہ تھا اور انھوں نے آپ کی زندگی ہی میں انتقال فرمایا تھا لیکن خدا برا کرے طمع دنیا اور حبِ ریاست کا کہ آپ کے دوسرے صاحبزادے عبداللہ افطح نے امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کے مقابلہ میں دعویٰ امامت کر دیا اور یہ ارادہ کیا کہ باپ کے جنازہ پر نماز بھی ادا کریں لیکن وارث حقیقی نے خالقِ کائنات کی مشیت سے ایسے معجزات ظاہر کر دیئے کہ قوم پر عبداللہ کی حقیقت ظاہر ہو گئی اور یہ عقیدہ منظرِ عام پر آگیا کہ امام کی نمازِ جنازہ امام ہی پڑھا سکتا ہے۔

خصوصیات

یوں تو خالقِ کائنات کے معین کئے ہوئے ہر ہادی اور پیشوا میں مختلف خصوصیات اور بے پناہ علمی کمالات پائے جاتے ہیں لیکن زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات کی بنا پر ہر خلیفۃ اللہ کو اتنا موقع نہیں مل پاتا کہ وہ جملہ کمالات کا اظہار کر سکے اس لئے جو کمال بھی کسی امام سے مکمل طور پر ظاہر ہوتا ہے اسے اس کی خصوصیات میں شمار کر لیا جاتا ہے۔

تاریخی اعتبار سے امام جعفر صادقؑ میں یہ پانچ خصوصیتیں پائی جاتی تھیں۔

۱۔ آپ سے اتنے علوم و کمالات اور احکام و تعلیمات ظاہر ہوئے ہیں کہ چودہ معصومینؑ کے مکمل کردار سے مرتب کیا ہوا مذہب بھی آپ کی ذاتِ مبارک کی طرف منسوب ہو گیا ہے۔

۲۔ آپ سے فریقین کے اتنے افراد نے استفادہ کیا ہے کہ اتنی تعداد کسی امام کے شاگردوں کی نہیں ہے۔ حد یہ ہے کہ آپ کے مدرسہ کے پڑھے ہوئے بچے جو کل طفلِ مکتب کہے جاتے تھے آج امامِ مذہب کہے جاتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اگر خدائی سلسلۂ امامت کے وارث ہیں تو عوامی سلسلۂ امامت کے مورث بھی ہیں۔

۳۔ آپ سے جس قدر علوم و فنون کا اشتہار ہوا ہے اتنا تاریخ عصمت کے کسی دور میں نہیں ہو سکا ہے۔ انتہا یہ ہے کہ آپ کے صرف ایک شاگرد جابر ابن حیان کے علوم پر مشرق و مغرب دونوں ناز کر رہے ہیں۔

۴۔ آپ کا دور وہ تھا جب درس و تدریس کا سارا سلسلہ آپ ہی کی ذات تک منتہی ہوتا

Presented by Ziaraat.Com

تھا اور مذہب کے سارے ذمہ دار آپ ہی کے مدرسہ کے شاگرد تھے۔

۵۔ رسول اکرمؐ کی طرح آپ کی صداقت بھی شہرۂ آفاق اور ضرب المثل تھی۔ کسی انسان سے آج تک یہ جرأت نہیں ہوسکی ہے کہ وہ آپ کی صداقت پر حرف لاسکے اور درحقیقت ایسے ہی صادق افراد ہوتے ہیں جن کے ساتھ رہنے کا قرآن مجید حکم دیتا ہے۔ کونوا مع الصادقین۔

شخصیت

ارباب فکر و نظر اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ایک ایسی عظیم المرتبت شخصیت پر تبصرہ کرنا اور وہ بھی اتنے مختصر وقت میں انتہائی دشوار گذار امر ہے۔ قاعدہ کے اعتبار سے تو اس کی ضرورت بھی نہ ہونی چاہئے تھی کہ نبیؐ کے علوم و کمالات کا وارث اور ائمہ مذاہب کا استاد کسی طرح بھی اس بات کا محتاج نہیں ہے کہ اس کی شخصیت کو نمایاں کیا جائے یا اس کی عظمت پر تبصرہ کیا جائے۔ مشک کی خوشبو کسی عطار کے کہنے کی ضرورت نہیں محسوس کرتی ہے۔ لیکن خدا برا کرے سیاسی اغراض اور نفسانی امراض کا کہ انھوں نے نہ کسی صاحب کمال کے کمال کو ظاہر ہونے دیا اور نہ کسی صاحب صلاحیت کی صلاحیتوں کو بروئے کار آنے دیا بلکہ ہمیشہ اپنی خواہش پرستی سے یہی چاہا کہ تخت و تاج اپنے ہاتھ میں رہے اور تاریکیٔ زنداں صاحب علم و کمال کی قسمت میں لکھ دی جائے۔ اقتدار حاکم جور کے قبضہ میں رہے اور خانہ نشینی صاحب استعداد و صلاحیت کے حصہ میں آئے۔ اور اگر سیاسی مقاصد اتنی سی بات سے بھی حاصل نہ ہوسکیں تو اس پر الزامات لگائے جائیں، اس کے خلاف پروپیگنڈا کیا کیا جائے اور اس کے بارے میں ہر اس سازش کو روا رکھا جائے جو سیاست کے حق میں مفید ثابت ہو اور جس سے حاکم وقت کے دل کو تسکین حاصل ہوسکے۔

کیا تاریخ اس موقع کو بھلا دے گی جب امیر شام کے دربار میں مسلمانوں کے متفق علیہ خلیفہ اور والیٔ امر حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کے نسب سے انکار کیا گیا اور ان کو نبیؐ کا بیٹا کہا گیا اور فاطمہؑ کا باپ۔

اور کیا ارباب نظر اس موقع کو فراموش کردیں گے جب حضرت علیؑ کو گرفتار کرکے دربار خلافت میں لایا گیا اور آپ نے فرمایا کہ مجھے قتل کردینا، ایک اللہ کے بندہ اور نبیؐ کے

Presented by Ziaraat.Com

بھائی کا قتل ہوگا۔ تو حضرت عمر نے جواب دیا کہ ہم آپ کو اللہ کا بندہ تو تسلیم کرتے ہیں لیکن نبی کا بھائی نہیں مانتے ہیں اور حضرت ابوبکر اس منظر کو نہایت خاموشی سے دیکھتے رہے۔

(الامامۃ والسیاستہ ص۱۳)

ظاہر ہے کہ جو امت ایسے کھلے ہوئے حقائق کے انکار کی عادی ہوگئی ہو اور جو اہل قلم اپنے قلم کو حکومتِ وقت کے ہاتھ بیچ چکے ہوں، جو اربابِ فکر و نظر اپنی صلاحیتوں کو حکومت کے غلط کردار کی تاویل کے لئے وقف کر چکے ہوں اور جو صاحبانِ تاریخ اپنی تاریخ کو کردار کا آئینہ بنانے کے بجائے حاکمِ وقت کے کردار کو اپنی تاریخ کا آئینہ بنانے پر تلے ہوئے ہوں ان سے یہ توقع رکھنا ہی بیکار ہے کہ وہ نبیؐ کے اس وارث کے فضل و کمال کو نگاہِ اعتبار سے دیکھیں گے اور اس کی شخصیت کا مکمل طور سے اعتراف کریں کر سکیں گے۔

دور جانے کی ضرورت نہیں ہے آپ ابن کثیر کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہاں ایک طرف تو بدکردار، بے ایمان اور غدار افراد کی مدح سرائی میں کتاب کے صفحات کو سیاہ کر کے صفحۂ قلب کا آئینہ بنایا گیا ہے اور دوسری طرف ۱۴۸ھ کے حالات میں فقط یہ ایک فقرہ ذکر کیا گیا ہے کہ اسی سال امام جعفر صادقؑ کا انتقال ہوا۔

انصاف سے بتائیے کہ کیا کوئی علمی غیرت رکھنے والا انسان اس ظلم پر خاموش رہ سکتا ہے؛ کیا امام جعفر صادقؑ کی شخصیت اس قابل بھی نہ تھی کہ ان کے بارے میں چند سطریں لکھ کر ان کی عظمت کا اعتراف کر لیا جاتا؛

اس کے بعد مروج الذہب جلد ۳ ص۲۱۲ کو اٹھا کر دیکھیں جس کی تصحیح علامہ محمد محی الدین نے فرمائی ہے کہ اس میں امام صادقؑ کے حالات کا مختصر تذکرہ محمد ابن جعفر علوی کے نام سے کیا گیا ہے۔

آپ اسے کاتب کی غلطی کہیں یا پریس کی فروگذاشت، لیکن اتنا ضرور کہا جائے گا کہ اگر علامۂ موصوف کو امام صادقؑ کے حالات سے کچھ بھی دلچسپی ہوتی تو اس غلطی کی طرف ضرور متوجہ ہوتے۔

ان دونوں کے بعد استاد محمد ابو زہرہ کی باری آتی ہے۔ آپ نے بظاہر امام جعفر صادقؑ

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

کے حالات میں کتاب تالیف کر کے پوری امتِ اسلامیہ اور بالخصوص مذہب شیعہ پر احسان کیا ہے لیکن آپ کا واقعی مقصد آپ کے اندازِ نگارش اور اسلوب بحث سے صاف ظاہر ہوتا ہے جہاں امام کی توہین اور ان کی شخصیت پر اعتراضات کے علاوہ کچھ اور نظر نہیں آتا ہے۔

خود اپنے یہاں مسٹر امیر علی کی تاریخ اسلام کو دیکھ لیجئے جس میں بنی عبّاس کے طرزِ حکومت پر ورق کے ورق سیاہ کئے گئے ہیں۔ بنی امیہ کے اندازِ سلطنت کو تفصیلی طور پر جگہ دی گئی ہے لیکن امام جعفر صادقؑ کے علمی خدمات کو صرف ایک سرسری نظر سے دیکھا گیا ہے اور قیامت یہ ہے کہ اس کا نام تاریخ اسلام رکھا گیا ہے۔ گویا ہمارے مصنف نما مصنّف کی نظر میں اسلام اقتدار کی تنظیم اور حکومت کے سدھارنے کا نام ہے اور اس میں علمی خدمات، ذہنی تربیت اور مستحکم تبلیغ کا کوئی درجہ نہیں ہے؛ — چھوڑیئے کہاں تک اس داستانِ غم کو سنایا جائے گا اور کب تک آپ اسی انداز سے ان قصوں پر آنسو بہاتے رہیں گے۔

آیئے ذرا اسی مسخ شدہ، اوہام پرست، تابع اقتدار اور دشمنِ امامؑ تاریخ کے آئینہ میں امام کی عظمت و شخصیت کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ کردار کی بلندی اور کمالات کی رفعت کس طرح سروں کو جھکا لیتی ہے اور دلوں کو کھینچ لیتی ہے۔ فضیلت وہی ہے جس کی گواہی مخالف یا مخالف کی تاریخ دے۔ اس سلسلہ میں مجھے کسی تفصیلی بیان کی ضرورت نہیں ہے صرف زیرِ نظر کتاب کے عطر بار کلمات کا مطالعہ ہی کافی ہے۔

علمی خدمات

تاریخ عالم میں دو ہی شخصیتیں ملتی ہیں جنھیں منظم طور پر علمی خدمت کرنے کا موقع ملا ہے اور جن کے اپنے علوم و کمالات سے ایک پورا مکتبِ خیال فیض یاب ہوا ہے۔

تاریخِ یونان میں افلاطون اور تاریخ اسلام میں امام جعفر صادقؑ۔ افلاطون کی اہمیت کا سب سے بڑا راز یہ ہے کہ اس نے بکھرے ہوئے علمی شہ پاروں کو ایک مرکز پر جمع کر کے طالبانِ علم و معرفت کے لئے ایک مدرسۂ فکر قائم کر دیا تھا جسے آج تک افلاطون اکیڈمی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود افلاطون کے اس مدرسہ کو وہ خصوصیات نہ حاصل ہو سکیں جو امام جعفر صادقؑ کے مدرسہ کو حاصل ہوئیں جس کے بعض اسباب یہ ہیں:

۱۔ افلاطونی دور میں انسانی ذہن اس منزلِ کمال تک نہ پہنچا تھا جہاں دوسری صدی ہجری میں پہنچ گیا تھا۔

۲۔ افلاطون کے دور میں انسانی علوم گھٹنیوں چل رہے تھے اور امام صادقؑ کے زمانہ میں یہی کمالات معراج منزل سے ہم کلام تھے۔

۳۔ افلاطون کے مدرسہ میں جن علوم کی تعلیم دی جاتی تھی وہ آج کے ترقی یافتہ دور میں ایک سطحی بات سے زیادہ مرتبہ نہیں رکھتے ہیں۔

۴۔ افلاطون کے مدرسہ میں تحصیل علم کرنے والے صرف اپنے عقیدت منداور مخلص شاگرد تھے۔

لیکن امام کا جو مدرسۂ فکر کوفہ میں قائم ہوا تھا اس کی نوعیت ان تمام تنظیموں سے جداگانہ تھی۔ یہاں طالبانِ علم صرف عقیدت مند نہ تھے بلکہ بیگانوں کی بھی ایک کثیر تعداد تھی۔ یہاں ناپختہ دماغ اور نارسا ذہنوں کی تربیت نہ ہوتی تھی۔ بلکہ بڑے بڑے عظماء قوم اور ائمہ مذاہب زانوئے ادب تہ کرتے تھے۔ یہاں جن علوم وفنون کی تعلیم دی جاتی تھی۔ وہ ایسے ٹھوس عقائد تھے جن کی قدر آج کی ترقی یافتہ دنیا میں بھی کی جاتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سرکار رسالتؐ، امیرالمومنینؑ یا ان کے بعد کے ائمہ ہدیٰ کو بھی اگر یہ ماحول نصیب ہو جاتا تو وہ بھی یہی تنظیم قائم کرتے جو امام جعفر صادقؑ نے قائم کی تھی لیکن اسے کیا کیا جائے کہ حالاتِ زمانہ نے یہ بات اسی وارثِ رسولؐ کے لئے اٹھا رکھی تھی چنانچہ آپ نے بھی دوسری صدی ہجری کے اس ابتدائی دور سے جس میں بنی امیہ کی تقدیر پلٹ رہی تھی اور ان کا تخت وتاج مٹتا ہوا نظر آرہا تھا۔ بنی عباس ہوس اقتدار اور خواہشِ حکومت میں جابجا بغاوتیں اور انقلاب برپا کر رہے تھے، پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اور تبلیغِ دین وترویج مذہب کے لئے ایک مسلسل علمی رابطہ قائم کر دیا۔

یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ بنی فاطمہؑ کے لئے اتھاہ مصائب نے عوامی ذہنیت کو اس قدر متاثر کر دیا تھا کہ بنی عباس یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ ان کی بغاوت صرف آل محمدؐ کے نام پر کامیاب ہو سکتی ہے چنانچہ ان لوگوں نے بھی تمام انقلابات کی بنیاد آلِ رسولؐ

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

مثل مشہور ہے کہ جتنا انسان کی نیت میں خلوص ہوتا ہے اتنا ہی اس کا کام پائیدار ہوتا ہے۔

امام صادقؑ کے حسنِ نیت اور اخلاصِ نظر کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ دوسری صدی کا قائم کیا ہوا یہ مدرسہ آج بھی ظہر کوفہ (نجف) میں پوری آب و تاب کے ساتھ علمی خدمت انجام دے رہا ہے اور اپنی اسی روایت کو باقی رکھے ہوئے ہے کہ حکومتِ وقت مخالفت کرتی ہے تو کرے۔ انسان کو اپنے عزم و استقلال کا سہارا لے کر دین کی خدمت کرتے رہنا چاہیے۔

امام جعفر صادقؑ کے مدرسہ میں پڑھنے والے افراد بچے یا نوجوان نہیں تھے بلکہ بڑے بڑے بزرگانِ قوم اور فلاسفۂ وقت آپ کی شاگردی سے استفادہ کرتے رہے۔ آپ کا مدرسہ تاریخ میں اپنی آپ نظیر ہے کہ تاریخ نے اب تک کسی ایسے مدرسے کی نشاندہی نہیں کی ہے جس میں بیک وقت چار ہزار فلاسفہ و مفکرین اور اربابِ نظر تحصیل علم کرتے ہوں اور نہ اس کا کوئی اقتصادی نظام ہو اور نہ سیاسی استحکام۔

امام کے شاگردوں کے بارے میں حافظ ابوالعباسؒ ابن عقدہ، شیخ مفیدؒ، شیخ محمد ابن علی فتال، سید علیؒ ابن عبدالحمید، شیخ طبرسیؒ، ابن شہر آشوب، محقق حلیؒ، شہید اولؒ، شیخ حسین والد علامہ بہبہانی کا بیان ہے کہ ان کی تعداد چار ہزار سے کسی طرح کم نہ تھی۔

(ارشاد۔ کتاب الانوار۔ اعلام الوریٰ۔ مناقب معتبر۔ ذکریٰ وغیرہ)

ان شاگردوں میں کچھ ایسے بھی تھے جو مذہبی اعتبار سے آپ کے مخالف رہے اور ایک پورے مکتبۂ خیال کے بانی کہلائے۔ جیسے:۔

۱۔ ابوحنیفہ نعمان ابن ثابت متوفی ۱۵۰ھ۔ جن کا خیال تھا کہ جعفرؑ ابن محمدؑ سے بڑا عالم پیدا ہی نہیں ہوا ہے اور اکثر اس بات کا اعلان بھی کرتے رہتے تھے کہ اگر دو سال ان کی شاگردی کا شرف حاصل نہ کرتا تو میں ہلاک ہو جاتا۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ استاد ابوزہرہ نے امام ابوحنیفہ کے اس مشہور فقرہ کا انکار کرتے ہوئے اسے شیعوں کی ساختہ و پرداختہ روایت قرار دیا ہے اور اتنی مقدار میں بھی مطالعہ کرنے کی زحمت نہیں گوارا کی کہ محدث دہلوی کی تحفۂ اثنا عشریہ ہی کا مطالعہ کر کے یہ فیصلہ کر لیتے کہ یہ فقرہ شیعوں کا ساختہ و پرداختہ ہے یا امام ابوحنیفہ

Presented by Ziaraat.Com

کا اعتراف فضل وکمال ؛

۲۔ مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ۔ جن کا مشہور مقولہ تھا کہ آنکھوں نے حضرت جعفرؑ ابن محمدؑ سے بہتر انسان نہیں دیکھا ہے۔

۳۔ سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ھ۔ جن کا مذہب چوتھی صدی کے بعد تک رائج رہا۔ اور جنھوں نے آداب، اخلاق اور موعظ کی بکثرت حدیثیں امام سے نقل کی ہیں۔

۴۔ سفیان بن عیینہ متوفی ۱۹۸ھ۔ جن کا مذہب ایک مدت تک رائج رہا اور اس کے بعد ختم ہوگیا۔

۵۔ شعبہ بن حجاج متوفی ۱۶۰ھ۔ جن کی بکثرت حدیثیں کتب صحاح میں پائی جاتی ہیں اور جن کے بارے میں امام شافعی کا قول تھا کہ اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث نہ ہوتی۔ امام احمد فرماتے تھے کہ شعبہ مستقل ایک امت ہے۔

۶۔ فضیل بن عیاض متوفی ۱۸۷ھ۔ جن کی روایتیں بخاری، ترمذی، مسلم، نسائی سبھی نے نقل کی ہیں۔

۷۔ حاتم بن اسمٰعیل متوفی ۱۸۰ھ۔ جن کی روایتیں بخاری، ترمذی، مسلم وغیرہ نے نقل کی ہیں۔

۸۔ حفص بن غیاث متوفی ۱۹۴ھ۔ بغداد و کوفہ کے قاضی اور ایسے اچھے حافظہ کے مالک تھے کہ تین چار ہزار حدیثیں زبانی بیان کر دیا کرتے تھے۔

۹۔ زبیر بن محمد متوفی ۱۶۲ھ۔ جن کی روایتیں کتب صحاح میں مذکور ہیں۔

۱۰۔ یحییٰ بن سعید بصری متوفی ۱۹۸ھ۔ ان کی روایتیں بھی کتب صحاح میں موجود ہیں۔

۱۱۔ اسمٰعیل بن جعفر انصاری متوفی ۱۸۰ھ۔ مدینہ کے رہنے والے تھے لیکن بغداد میں آکر انتقال فرمایا۔ ان کی روایتیں بخاری، مسلم وغیرہ نے نقل کی ہیں۔

۱۲۔ ابراہیم بن محمد مدنی متوفی ۱۹۱ھ۔ یہ صاحب تصنیف تھے اور شافعی کے استادوں میں شمار ہوتے تھے۔ شافعی نے اپنی کتاب میں اکثر ان لوگوں کی روایتیں نقل کی ہیں۔ ان بزرگوں کی توہین سے صرف اس بنیاد پر متہم کیا گیا کہ یہ اہلبیتؑ کی حدیثیں زیادہ روایت

Presented by Ziaraat.Com

کرتے تھے۔

۱۳۔ ضحاک۔ بن مخلد متوفی ۲۱۴ھ۔ انھوں نے بھی امام صادق کی حدیثیں روایت کی ہیں۔

۱۴۔ محمد۔ بن فلیح مدنی متوفی ۱۷۱ھ۔ جن کی روایتیں بخاری، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ نے نقل کی ہیں۔

۱۵۔ عبدالوہاب بن عبدالمجید متوفی ۱۹۴ھ۔ یہ ایک دولت مند بزرگ تھے اور ہر سال دو لاکھ چالیس ہزار کا غلہ اصحاب حدیث میں صرف کیا کرتے تھے۔

۱۶۔ عثمان۔ بن فرقد بصری۔ ان کی روایت بخاری و ترمذی میں موجود ہے۔

۱۷۔ عبدالعزیز۔ بن عمران متوفی ۱۹۷ھ۔ ان کی روایت ترمذی نے نقل کی ہے۔

۱۸۔ عبداللہ۔ بن دکین۔ ان کی روایت بخاری نے ادب المفرد میں نقل کی ہے۔

۱۹۔ زید۔ بن عطا جن کی حدیثیں نسائی و ترمذی نے نقل کی ہیں۔

۲۰۔ مصعب۔ بن سلام کوفی۔ جن کو ابو حاتم نے محلہ صداقت کا شیخ قرار دیا ہے۔

۲۱۔ بشیر بن میمون خراسانی متوفی ۱۸۴ھ۔ جن کی روایت ابن ماجہ نے بیان کی ہے۔

۲۲۔ ابراہیم۔ بن سعد زہری متوفی ۱۸۲ھ۔ جو احمد ابن حنبل کے استاد تھے۔

۲۴۔ حارث بن عمیر جو مکہ میں امام صادق سے روایت کرتے تھے۔

۲۵۔ مفضل۔ بن صالح کوفی۔ ترمذی کے راوی ہیں۔

۲۶۔ ایوب۔ بن تمیمہ متوفی ۱۲۱ھ۔ جو اعمش اور قتادہ کے استادوں میں شمار ہوتے تھے۔

۲۷۔ عبدالملک۔ بن جریج متوفی ۱۴۹ھ۔ جن کو اسلام میں پہلا مصنف کہا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ بکثرت افراد ہیں جو امام صادق کے بلاواسطہ یا بالواسطہ شاگرد تھے اور آپ سے روایتیں بیان کیا کرتے تھے۔ جن کے ناموں کی تفصیل کے لئے حسب ذیل کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ (تہذیب التہذیب، لسان المیزان، تقریب التہذیب، میزان الاعتدال، تذکرۃ الحفاظ، خلاصہ جزری، تاریخ بغداد، الجرح والتعدیل، ابن ابی حاتم وغیرہ)

مذکورہ بالا افراد تو وہ تھے جو مذہب و مسلک کے اعتبار سے امام جعفر صادق سے الگ مکتب خیال کے بانی ہو گئے تھے ورنہ وہ افراد جو آخر وقت تک امام کے مسلک پر قائم رہے

Presented by Ziaraat.Com

ان کی تعداد تو ایک لامحدود حیثیت رکھتی ہے اور عجب نہیں ہے کہ چار ہزار کی تعداد انھیں حضرات سے پوری ہوتی ہو۔ جیسا کہ علی ابن وشار کا بیان ہے کہ میں نے مسجد کوفہ میں نو سو حلقہ درس ایسے دیکھے ہیں جن میں ہر استاد یہ بیان کر رہا تھا کہ میرے سارے علوم اور ساری روایتیں حضرت جعفرؑ ابن محمدؑ سے حاصل کی ہوئی ہیں۔

یہی وہ افراد تھے جن کی چار سو کتابیں مذہبِ شیعہ کی چار بنیادی کتابوں کا ماخذ تھیں اور جن میں سے بعض حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں :۔

۱۔ **ابان بن تغلبؒ** ـــــ یہ وہ جلیل القدر صحابی تھے جنھوں نے امام زین العابدینؑ امام محمدؑ باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ تینوں حضرات سے استفادہ کیا تھا۔ ان کے وثوق و اعتبار کا یہ عالم تھا کہ امام باقرؑ اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ تم مسجدِ مدینہ میں بیٹھ کر لوگوں کو فتویٰ دو۔ میں اپنے شیعوں میں تم جیسے افراد کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس روایت میں فتویٰ کا لفظ بتا رہا ہے کہ امامؑ کی زندگی میں فتویٰ کا سلسلہ باقی رہ سکتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ معصومؑ کی نص کے مقابلہ میں کوئی اجتہاد نہیں ہو سکتا ہے۔

ابن ندیم نے اپنی فہرست صفحہ ۳۰۸ پر آپ کے مختلف تصنیفات کا تذکرہ کیا ہے۔

۲۔ **ابانؒ بن عثمان** ـــــ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ کاظمؑ سے روایت کیا کرتے تھے۔

محمد ابن عمیر نے آپ کے حافظہ کی یہ تعریف کی ہے کہ جب کسی کتاب کو پڑھ لیتے تھے تو اسے من و عن دہرا دیا کرتے تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۹۳)۔

۳۔ **بکیر بن اعین** ـــــ زرارہ کے بھائی امام باقرؑ و صادقؑ کے راوی تھے۔ جلالتِ قدر کا یہ عالم تھا کہ جب امام صادقؑ کو ان کے انتقال کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا کہ بکیر پیغمبرِ اسلام اور امیر المومنینؑ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ اللہ بکیر پر رحمت نازل کرے وہ ایک مردِ معتبر تھے۔

۴۔ **جمیلؒ بن درّاج** ـــــ امام جعفر صادقؑ و امام موسیٰ کاظمؑ سے روایت کیا کرتے تھے۔

Presented by Ziaraat.Com

۵۔ حمّادؒ بن عثمان ـــــ امام صادقؑ، امام کاظمؑ اور امام رضاؑ سے روایت کیا کرتے تھے۔

۶۔ حارثؒ بن مغیرہ ـــــ امام باقرؑ، امام صادقؑ اور امام کاظمؑ سے حدیثیں نقل کرتے تھے۔

۷۔ معلیٰ بن خنیس ـــــ امام جعفر صادقؑ کے مخصوص اصحاب میں شمار ہوتے تھے جب امیرِ وقت داؤد کو یہ معلوم ہوا کہ یہ حضرت سے خاص تعلق رکھتے ہیں تو اس نے انھیں قتل کرادیا اور سارا مال لوٹ لیا۔

امام علیہ السّلام کو اس کی اطلاع ملی تو آپ داؤد کے پاس تشریف لے گئے اور غضبناک لہجہ میں فرمایا۔ تو نے میرے دوست کو قتل کیا ہے اور میرے مال کو لوٹ لیا ہے؟

داؤد نے یہ عالم دیکھ کر بات کو چھپانے کے لئے پولیس آفیسر کو قصاص کے طور پر پھانسی کا حکم دے دیا لیکن قدرتِ خدا کہ اس نے تختۂ دار سے یہ اعلان کردیا کہ لوگ خود ہی قتل کراتے ہیں اور اس کے بعد حکم کی تعمیل کرنے والے کو بھی قتل کرادیتے ہیں۔

۸۔ زرارہؒ بن اعینؒ ـــــ ان کی منزلت یہ تھی امام جعفر صادقؑ نے فیض ابن مختار کو یہ حکم دیا تھا کہ جب تمھیں حدیثوں کی ضرورت ہو تو زرارہ کی طرف رجوع کیا کرو۔

دوسرے موقع پر فرمایا کہ میں زرارہ کی مذمت اس لئے کردیتا ہوں کہ زرارہ میرے مخصوص اصحاب میں شمار ہوتے ہیں اور حکومت کی نظروں میں چڑھ گئے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ حکومت انھیں کوئی نقصان پہنچا دے۔

ان کی مثال اس کشتی کی ہے جسے جناب خضرؑ نے بادشاہ کے خوف سے معیوب بنادیا تھا۔

۹۔ عبدالملک بن اعین ـــــ علمِ نجوم میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ امام جعفر صادقؑ سے عرض کیا کہ مجھے ستاروں پر تھوڑا تھوڑا سا اعتماد ہوتا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں اس علم کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے؟

Presented by Ziaraat.Com

آپ نے فرمایا کہ ان کتابوں میں آگ لگادو۔

جلالتِ قدر کا یہ عالم تھا کہ لوگ ان کے عراق سے امامؑ کی خدمت میں آنے پر تعجب کرتے تھے تو حضرت فرماتے کہ یہ میرے پدر بزرگوار کے اصحاب میں ہیں۔

۱۰۔ علیؒ بن یقطین ـــــ انھوں نے امام جعفر صادقؑ سے صرف ایک روایت نقل کی ہے لیکن امام موسیٰ کاظمؑ سے بکثرت روایتیں نقل کی ہیں۔ جن میں چند عبرتناک اور ایمان افروز قصے بھی ہیں۔

ایک مرتبہ انھوں نے امام کاظمؑ سے وضو کا مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے اہل سنت کے طریقے سے وضو کرنے کا حکم دے دیا۔

علی ابن یقطین کو سخت تعجب ہوا لیکن حکمِ امام پر عمل پیرا ہو گئے۔ ادھر لوگوں نے ہارون رشید سے ان کی شکایت کر دی کہ یہ شیعہ ہیں۔ اس نے امتحان کے طور پر خفیہ طریقہ سے ان کے وضو کا جائزہ لیا اور جب اپنا ہم خیال دیکھ لیا تو اپنے درباریوں کی سخت مذمت کی۔ جس سے اہل معرفت کو امام کی منزل علم کا صحیح اندازہ ہو گیا اور تقیہ کی مصلحت بھی کھل کر سامنے آگئی۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ہارون رشید نے علی بن یقطین کو کچھ جائزے عطا کئے۔ انھوں نے سب امامؑ کے پاس بھیج دیئے۔ حضرت نے سب کو قبول کر لیا لیکن خلعتِ شاہی کو واپس کر دیا۔ ادھر لوگوں نے بادشاہ سے یہ شکایت کی کہ یہ موسیٰؑ ابن جعفرؑ کو امام سمجھ کر سارا مال ان کے پاس بھیج دیا کرتے ہیں۔

ہارون رشید نے ان کے گھر کی تلاشی لی اور جب وہ خلعت برآمد ہو گیا تو علی ابن یقطین کو پچاس ہزار درہم بطور انعام دیئے اور شکایت کرنے والے کو ہزار کوڑے لگوائے۔

تیسرا واقعہ یہ ہے کہ ابراہیم ابن جمال، علی ابن یقطین کے پاس ملنے کے لئے آئے تو انھوں نے ملاقات کرنے سے معذرت ظاہر کر دی۔

جس کے بعد علی ابن یقطین امام موسیٰ کاظمؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے بھی ملنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ جب تک تمھیں ابراہیم معاف نہ کرے گا میں معاف

Presented by Ziaraat.Com

نہین کرسکتا ہوں۔ علی ابن یقطین یہ سن کر اعجاز امامؑ سے مدینہ سے کوفہ پہنچے اور ابراہیم سے یہ درخواست کی کہ ان کے رخسار کو اپنے پیروں سے کچل دیں تاکہ انانیت کا تصور ہی ذہن سے نکل جائے۔

ابراہیم نے اس جسارت سے انکار کردیا لیکن جب ادھر سے اصرار بڑھتا ہی گیا تو ان کی خواہش پر عمل کیا۔

علی ابن یقطین یہ کہتے جاتے تھے "خداوندا تو گواہ رہنا"۔ اب جو پلٹ کر مدینہ آئے تو امامؑ نے فوراً ملاقات کی اجازت دے دی اور ابن یقطین کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

چوتھا واقعہ یہ ہے کہ علی ابن یقطین نے امام موسیٰ کاظمؑ سے اس بات کی اجازت چاہی کہ ہارون کی وزارت سے مستعفی ہو جائیں تو آپ نے یہ کہہ کر روک دیا کہ یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تمھارے ذریعہ کسی بندۂ مومن کا شکستہ دل مطمئن ہو جائے یا کم از کم مخالفت کی آگ نہ بھڑکنے پائے۔

اس کے بعد فرمایا کہ تم میرے دوستوں کے احترام کا وعدہ کرو۔ میں تم سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ نہ کبھی قتل ہوگے، نہ کبھی گرفتار ہوگے اور نہ کبھی فاقہ کی نوبت آسکتی ہے۔

(سفینۃ البحار)

اِن روایتوں سے حسب ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:۔

(۱) امام کو غیب کا علم بھی رہتا ہے۔

(۲) دشمن کے خوف سے تقیہ کیا جاسکتا ہے۔

(۳) تقیہ کے اعمال بیشِ پروردگار مقبول ہیں اور اسی لئے حضرت نے دوبارہ نماز وں کی قضا کا حکم نہیں دیا ہے۔

(۴) حکومت واقتدار پا جانے کے بعد انسان کو کسی وقت بھی یہ حق نہیں پہنچتا ہے کہ وہ بندۂ مومن کے احترام کو فراموش کردے اور حکومت کے نشہ میں اس کو اپنے دروازہ سے واپس کردے۔

(۵) باطل حکومت کی ملازمت اسی وقت تک جائز ہے جب تک اہلِ حق کی خدمت

Presented by Ziaraat.Com

- ہوتی رہے یا ان کے فائدہ کی صورتیں نکلتی رہیں۔

۶ باطل حکومت کا دیا ہوا جائزہ و انعام قابلِ استعمال ہوتا ہے۔ کاش آج کی دنیا امامؑ کے انھیں تعلیمات کو پیش نظر رکھتی اور ظالم حکومت کی خوشامد میں اہلِ حق کے حقوق کو پامال نہ کیا جاتا۔

۱۱۔ اسحاقؒ بن عمار کوفی ـــــ امام صادقؑ، امام کاظمؑ کے شاگرد اور اہلِ رجال کے نزدیک معتبر ترین صحابی تھے۔

زمانہ قدیم کے علماء ان کو فطحی کہتے تھے یعنی عبداللہ افطح (پسر امام جعفر صادقؑ) کی امامت کے قائل ـــــ لیکن شیخ بہائیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ وہ اسحٰق موسیٰ کے پوتے تھے اور یہ اسحٰق حیان کے پوتے ہیں جو شیعہ مسلک کے قائل تھے۔ علامہ طباطبائی اور محدث نوری نے اس تحقیق کو بھی غلط ٹھہرایا ہے اور یہ فیصلہ کیا ہے کہ اسحٰق صرف ایک صحابی کا نام تھا اور وہ شیعہ تھے فطحی نہ تھے۔

۱۲۔ برید بن معاویہ ـــــ ان کا شمار اصحابِ اجماع، اہلِ بہشت، نجباء اور امانتداروں میں ہوتا تھا۔

امام صادقؑ فرماتے تھے کہ چار افراد دین کے پرچم اور زمین کے ستون ہیں۔

محمد بن مسلم، برید بن معاویہ، لیث بن بختری اور زرارہ بن اعین۔

۱۳۔ ابوحمزہ ثمالیؒ ـــــ آپ کا اسم شریف ثابت بن دینار تھا۔ چار اماموں کی خدمت میں شرفیاب ہوئے تھے۔ امام صادقؑ نے آپ کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ تمھیں دیکھ کر مجھے سکون و اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

امام رضاؑ نے فرمایا تھا کہ ابوحمزہ اپنے دور کے سلمان فارسی تھے۔

۱۴۔ حمرانؒ بن اعین ـــــ علمِ کلام کے ایک بہت بڑے ماہر مرد شامی سے مناظرہ کی نوبت آئی تو امامؑ نے ان کو بحث کرنے کا حکم دیا اور انھوں نے اس انداز سے بحث کی کہ شامی نے ان کی مہارت کا اعتراف کر لیا۔

ایک مرتبہ ان کے بھائی بکیر، امام کی خدمت میں حج کے موقع پر حاضر ہوئے اور ان کا

Presented by Ziaraat.Com

سلام عرض کیا تو آپ نے جوابِ سلام دیتے ہوئے فرمایا کہ حمران اہلِ جنّت میں سے ہیں جن ایمان متزلزل نہیں ہو سکتا ہے۔

۱۵۔ **لیثؒ بن نجتری** ـــــ آپ کا شمار ان چار افراد میں ہوتا ہے جن کے متعلق امام جعفر صادقؑ کا ارشاد تھا کہ اگر یہ نہ ہوتے تو نبوت کے آثار اور حلال و حرام سب تباہ و برباد ہو جاتے۔

عام طور سے آپ ابو بصیر کے نام سے مشہور ہیں۔

۱۶۔ **محمدؒ بن مسلم** ـــــ آپ کی جلالتِ قدر کا یہ عالم تھا کہ آپ نے تیس ہزار حدیثیں امام باقرؑ سے اور ۱۶ ہزار حدیثیں امام صادقؑ سے حاصل کی تھیں۔

ایک مرتبہ کافی رات گئے ایک عورت نے آپ کے دروازہ پر آکر یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک عورت وضع حمل کے وقت مر گئی اور بچّہ پیٹ میں زندہ ہے تو اس کے متعلق حکمِ شریعت کیا ہے؟

آپ نے پیٹ چاک کر کے بچّہ کو نکال لینے کا حکم دے دیا۔ اور فرمایا کہ میں ایک گوشہ نشین آدمی ہوں، تجھے میرا پتہ کیسے معلوم ہو گیا؟

اس نے کہا کہ مجھے حضرت ابو حنیفہ نے بھیجا ہے اور واپسی پر جواب سے باخبر کرنے کا حکم دیا ہے۔

صبح کے وقت جب محمد بن مسلم وارد مسجد ہوئے تو دیکھا کہ ابو حنیفہ اپنے شاگردوں سے یہی مسئلہ اپنے نام سے بیان فرما رہے ہیں۔

انھوں نے ایک گوشہ سے کھنکار کر انھیں اپنے وجود کی اطلاع دیدی تو انھوں نے فرمایا کہ کیا چاہتے ہو، کیا میں اس دنیا میں زندہ نہ رہوں؟

۱۷۔ **یونسؒ بن ظبیان** ـــــ آپ کی طرف سے علمارِ رجال کے خیالات اچھے نہیں ہیں لیکن محدث نوریؒ نے اس روایت کو آپ کے اعتبار کے لئے کافی قرار دیا ہے کہ جب آپ کا انتقال ہوا تو امام نے فرمایا کہ اللہ ان پر رحمت نازل کرے اور انھیں جنّت میں جگہ دے۔ وہ احادیث کے امانتدار تھے۔

Presented by Ziaraat.Com

("اصحاب اجماع" ان حضرات کو کہتے ہیں جن تک سلسلۂ سند کے صحیح ہو جانے کے بعد روایت معتبر ہو جاتی ہے اور امام اور ان کے درمیان کے راویوں پر نظر نہیں کی جاتی ہے۔ جیسے جمیل۔ بن دراج، عبداللہ۔ بن مسکان، عبداللہ۔ بن بکیر، حماد۔ بن عیسیٰ، حماد بن عثمان ابان۔ بن عثمان، زرارہ، معروف، برید، ابو بصیر فضیل بن یسار، محمد۔ بن مسلم، یونس۔ بن عبدالرحمان، صفوان۔ بن یحییٰ، محمد۔ بن ابی عمیر، عبداللہ۔ بن مغیرہ، حسن۔ بن محبوب، احمد بن محمد۔ بن ابی نصر۔)

راویانِ حدیث اور اصحاب اجماع کے علاوہ کچھ ایسے افراد بھی ہیں جن کا شمار امامؑ کے خواص میں ہوتا ہے۔ جن میں سے معلیٰ۔ بن خنیس، اسحٰق۔ بن عمار وغیرہ کا ذکر ہو چکا ہے اور تین عظیم شخصیتیں اور باقی رہ گئی ہیں:۔

ہشام۔ بن حکم، ہشام۔ بن سالم اور مومن طاق۔

چونکہ ان حضرات کے حالات میں دلچسپ مناظرے اور ایمان افروز بیانات بھی ہیں اس لئے اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے ان حضرات کا ذکر آیندہ کسی مقام پر کیا جائے گا۔

رہ گئے جناب مفضل، معاویہ بن عمار، یونس بن یعقوب جیسے بزرگ حضرات تو ان کے تذکرہ کے لئے تفصیلی کتابوں کی طرف رجوع کی جائے یا اس وقت تک کے لئے انتظار کیا جائے جب اس سلسلے کی دوسری کتاب منظرِ عام پر آسکے۔

علمِ امامؑ

امام جعفر صادقؑ کا وہ بے پناہ علم جس کی بنا پر بڑے بڑے بانیانِ مذہب آپ کی شاگردی پر ناز کیا کرتے تھے۔ اس اعتبار سے ضرور انسان کو تعجب میں ڈال دیتا ہے کہ یہ علم اور یہ کمالِ معرفت ایک انسان کو کیوں کر حاصل ہو سکتا ہے؛ اور اسی حیرت کا نتیجہ تھا کہ شیخ ابوزہرہ نے آپ کے علم سے بحث کرتے ہوئے یہ طے کرنا شروع کر دیا کہ آپ کو بھی کسی نہ کسی بڑے امام کے سامنے زانوئے ادب تہ کرنا چاہئے۔

ظاہر ہے کہ تاریخ اس خیال کی تائید سے مجبور تھی اس لئے علمِ امامت پر تبصرہ کرنے کے لئے دو راستے اختیار کئے گئے۔

کبھی یہ کہا گیا کہ وحی و الہام نبوت کے خاصے ہیں اور امامت کے درجے کو نبوت سے

Presented by Ziaraat.Com

کمتر ہونا چاہئے۔ لہذا امام کے لئے یہ بات ممکن نہیں ہو سکتی ہے ورنہ امامت اور نبوت میں کوئی فرق ہی نہ رہے گا۔

کبھی یہ ذریعہ اختیار کیا گیا کہ اپنی زحمت سے حاصل کیا ہوا علم اس علم سے کہیں بہتر ہوتا ہے جسے الہامی کہا جاتا ہے اور جس میں کسی جدو جہد کی ضرورت نہیں ہوتی ہے اور چونکہ امام کی منزل عام انسانوں سے بلند تر ہوتی ہے۔ لہذا ان کے علم میں جدو جہد کا دخل زیادہ ہونا چاہئے۔ ورنہ کوشش کرنے والوں کو اپنے امام پر تقدم حاصل ہو جائے

حقیقت امر یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں آپس میں متضاد ہونے کے علاوہ بالکل بے بنیاد نو مہمل ہیں۔

وحی والہام کا نبوت سے ایک مستحکم رشتہ ضرور ہوتا ہے لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ یہ باتیں غیر نبی کو کسی عنوان سے کبھی حاصل نہیں ہو سکتی ہیں۔

قرآن مجید میں شہد کی مکھی، حضرت عیسیٰ کے اصحاب اور جناب موسیٰ کی والدہ کی طرف وحی کرنے کا صریحی ذکر موجود ہے چاہے وہ کسی معنی میں کیوں نہ ہو۔

فرق صرف یہ ہے کہ وہ وحی والہام کسی ایک مخصوص کام کے لئے تھا اور نبوت و امامت کا الہام حیات و کائنات کے علم سے متعلق ہوتا ہے۔

رہ گیا جفا کشی کے علم کا الہام سے بہتر ہونا۔ تو اس کے بارے میں اتنا ہی کافی ہے کہ اس طرح نبی کی منزل بھی ایک عام انسان سے پست تر ہو جائے گی کہ نبی کے لئے وحی والہام بہرحال مسلّم ہے اور یہ معترض کی نظر میں قدر و قیمت کے اعتبار سے پست تر ہوتا ہے۔

کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ پروردگار عالم اپنے نبی کو پوری کائنات کا علم دے اور کلمہ گو اس کی توہین کرے۔ وہ ائمہ ہدیٰ کو اس کتاب کا وارث قرار دے جو خشک و تر کا مجموعہ ہو اور قرآن پر ایمان لانے والی امت ان کے علم میں شبہ کرے۔

درحقیقت ان لوگوں کا مقصد صرف یہ ہے کہ نبی و امام کو بھی عام علمار کی طرح سندِ اجتہاد پر بٹھلا کر ان کے لئے بھی غلطیوں کو روا کر دیں۔

امام صادق کے لئے استادوں کا فرض کرنا بھی ابو زہرہ کی نظر میں ضروری تھا۔ اس لئے

Presented by Ziaraat.Com

انھوں نے حضرت کے لئے تین استاد تلاش کرلئے اور فرمایا کہ اتنے بے پناہ علم کے لئے متعدد اساتذہ کی ضرورت تھی لیکن تاریخ نے ان تین افراد کے علاوہ کسی اور کا نام نہیں بتایا ہے۔

۱۔ امام زین العابدینؑ جو زید بن اسلم اور سعید بن جبیر کے شاگرد تھے۔

۲۔ امام محمد باقرؑ

۳۔ قاسم بن محمد بن ابی بکر

افسوس کہ ابو زہرہ نے اس سلسلہ میں کوئی تاریخی حوالہ نہیں دیا ہے جس پر کوئی تبصرہ کیا جاتا۔ صرف کتاب بدایہ و نہایہ کا ذکر کیا ہے جس میں یہ بات نظر نہیں آتی ہے بلکہ زید ابن اسلم اور سعید کے بارے مختلف علماء رجال نے یہ نقل کیا ہے کہ یہ خود امام زین العابدین سے روایتیں لیا کرتے تھے۔ (تہذیب التہذیب)

یہی حال قاسم کا بھی ہے کہ ان کا شمار امام زین العابدین اور امام باقرؑ کے اصحاب میں ہوتا ہے جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ امام زین العابدین ان حضرات کے استاد تھے نہ کہ شاگرد! تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ زید و سعید و قاسم جیسے افراد کو امام کا استاد قرار دیا جا رہا ہے جن کے علم کا کوئی شہرہ یا جن کے مذہب کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ اور حضرت ابو حنیفہ جنھیں حضرت خضرؑ پیغمبر کا استاد کہا جاتا ہے اور ایک مستقل مذہب کا بانی مانا جاتا ہے وہ خود امام جعفر صادقؑ کو پوری کائنات میں سب سے بہتر عالم قرار دیتے ہیں اور ان کی نظر میں اصحاب پیغمبرؐ میں بھی حضرت سے بڑا کوئی عالم نہیں تھا۔

امام جعفر صادقؑ کی منزل تو بہت بلند ہے۔ حضرت ابو حنیفہ نے تو آپ کے چاہنے والوں اور شیعوں سے بھی شاگردی کا شرف حاصل کیا ہے اور ان سے بھی روایتیں نقل کی ہیں۔ جیسے:۔

جابر بن یزید متوفی ۱۲۵ھ

حبیب ابن ابی ثابت متوفی ۱۱۹ھ

مخول ابن راشد متوفی ۱۴۱ھ

عطیہ بن سعد متوفی ۱۱۱ھ

Presented by Ziaraat.Com

سلمیٰ ابن کہیل متوفی ۱۱۳ھ
اجلح کندی ۱۴۵ھ
اسمٰعیل بن عبد الرحمٰن متوفی ۱۱۳ھ
منہال بن عمر کوفی
عدی بن ثابت متوفی ۱۱۶ھ
زید بن حارث متوفی ۱۲۲ھ

(کتاب الخراج، کتاب الرد علی الاوزاعی)

یہیں سے ابوعصمت کے اس بیان کی حقیقت بھی ظاہر ہو جاتی ہے جس میں شیعہ اصحاب سے روایت کرنے کو ابوحنیفہ کی نظر میں ناجائز قرار دیا ہے کہ جو شخص خود ہی شیعوں سے روایت کرتا ہے اس کی زبان سے ایسا فتویٰ کیوں کر صادر ہو سکتا ہے۔

ابوعصمت کی حقیقت یہ ہے کہ وہ علماء رجال کی نظر میں ایک انتہائی فتنہ گر اور مفسدہ پرداز آدمی تھے۔

حافظ زین الدین عراقی نے اسے جعلساز اور بخاری و ابن حجر نے اسے جھوٹا، مجوسی، بے ایمان اور مفسد قرار دیا ہے۔

امام جعفر صادقؑ کی شخصیت کو سمجھنے کے لئے اس نکتہ کو بھی پیشِ نظر رکھنا ہو گا کہ آپ کی عظمت کا اعتراف ان حضرات نے بھی کیا ہے جو آپ کے معاصر اور اعترافِ فضیلت میں انتہائی متعصب یا محتاط تھے۔

آپ کے دور میں مذہبی نوک جھونک اور معاصرانہ چشمک شباب پر تھی۔ کوئی شخص کسی کی عظمت کا اعتراف کرنا اپنے لئے باعثِ ننگ و عار سمجھتا تھا۔ حد یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ جیسے بزرگ شخص کے لئے مالک، شافعی، اوزاعی، حسن بن صالح، سفیان ثوری اور احمد بن حنبل جیسے تمام بزرگ ضلالت اور گمراہی کا فتویٰ دے رہے تھے جیسا کہ ابوبکر سجستانی نے اپنے اصحاب سے بیان کیا تھا۔ (تاریخ خطیب ۱۳ ص ۳۸۴)

مالک بن انس کے ذکر کو نامناسب خیال کیا جاتا تھا۔ (مختصر جامع بیان العلم و فضلہ)

Presented by Ziaraat.Com

ابراہیم بن سعد ان کے بارے میں بدگوئی کرتے تھے۔
ابراہیم بن یحییٰ ان کے لئے بد دعا کرتے تھے۔
محمد بن اسحٰق ان کے شجرۂ نسب پر حملے کرتے تھے۔ (تاریخ خطیب ۱ ص۲۲۳)
امام شافعی کو ابن معین غیر معتبر قرار دیتے تھے۔
علامہ زمخشری آخر تک یہی کہتے رہے کہ میں اپنے مذہب کا اظہار کرنے سے قاصر ہوں۔
حنفی کہتا ہوں تو شراب کو جائز کر دینے کا الزام آتا ہے۔
مالکی کہتا ہوں تو کتے کے گوشت کو حلال کرنا پڑتا ہے۔
شافعی کہتا ہوں تو لڑکی سے نکاح کرنا پڑتا ہے۔
حنبلی کہتا ہوں تو خدا کو مجسم ماننا پڑتا ہے۔ (حالات زمخشری در کشاف)

ایسے سخت حالات میں امام صادقؑ کو وارث کتاب، اعلم عصر، فقیہ وقت، حلال مشکلات، نباض امت، معلم اسلام جیسے گراں قدر القاب سے یاد کیا جانا اگر معجزہ نہیں تو اور کیا ہے؟ آپ کا مسلک تو چاروں مذاہب سے الگ صرف قرآن و سنت کی بنیادوں پر پروان چڑھ رہا تھا۔ آپ کے ساتھ نہ مسند قضاوت و فتویٰ کی طاقت تھی اور نہ کرسی حکومت و سلطنت کی ہمراہی۔

مگر افسوس! کہ اتنی عظمت و اہمیت کے ہوتے ہوئے بھی امام بخاری نے آپ کو اس قابل نہ سمجھا کہ عکرمہ خارجی، مغیرہ، عمران بن حطان (مداح ابن ملجم) وغیرہ جیسے راویوں کی حدیثیں نقل کرتے ہوئے ایک آدھ روایت آپ سے بھی نقل کر دیتے ——

ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہئے

—— جوادی

Presented by Ziaraat.Com

صبحِ غم

(۱)

مقدر نے بنی امیہ کو ایک نادر موقع اس وقت عطا کیا جب حضرت عثمان[۱] امت کے رئیس، قوم کے قائد اور رسول اکرمؐ کے خلیفہ کی حیثیت سے منتخب ہو گئے اور بنو امیہ کو مایوسی کی ظلمتوں میں امید کی کرن دکھائی دینے لگی۔ راحت کی نسیم ان کے دل و دماغ تک پہنچی اور اس رات کی صبح نمودار ہونے لگی جسے بڑے انتظار و اضطراب کے عالم میں گذارا گیا تھا۔

بنی امیہ اپنی شکست خوردہ پارٹی اور مٹی ہوئی حیثیت کو پلٹانے سے مایوس ہو چکے تھے۔ لیکن مقدر جو صبح و شام نیرنگیاں دکھلایا کرتا ہے اور جس کا کام لوگوں کا امتحان اور ان کی آزمائش ہے اس نے پھر پلٹا کھایا اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دوبارہ امت کے امیر بن کر اس کی قسمت سے کھیلنے لگے۔

دورِ عثمان وہ دور ہے جب مروان بن الحکم[۲] حکومت کا امین عام اور خلیفہ کا وزیرِ خاص

---

[۱] عثمان بن عفان بن العاص بن امیہ بن عبد شمس۔ ماں کا نام اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس تھا۔ ۲۳-۲۴ھ میں بیعت ہوئی۔ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ روز جمعہ قتل ہوئے۔ ۲۲ دن اپنے گھر میں محصور رہے۔ یہودیوں کے مقبرہ حش کوکب میں دفن ہوئے۔ آپ کی عمر ۶۳۔ ۶۸۔ ۷۵۔ ۸۸ یا ۹۰ سال تھی۔
(طبری ج ۲۔ حوادث ۳۵ھ)

[۲] مروان بن الحکم بن العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف روز جنگِ احد یا خندق (باقی اگلے صفحہ پر)

Presented by Ziaraat.Com

بن چکا ہے۔ اموال کو جمع کرتا ہے۔ غنیمت کا خمس وصول کرتا ہے۔ تنگ دستی و خستہ حالی کے بدلے امّت کے اموال سے رنگ رلیاں کرتا ہے۔

وہ غلام جو کل امّت کی تباہی کا باعث تھے آج رئیس وقت بن کر حکومت کو گیند کی طرح نچا رہے ہیں۔ منبرِ رسول پر بندروں[1] کی طرح رقص ہو رہا ہے۔

حضرت عثمان کا انتخاب اس انداز سے عمل میں آیا کہ اس میں نہ کسی کارِ نمایاں کا تذکرہ ہوا، نہ صاحبِ رسالتؐ سے کسی قرابت کا اور نہ خلیفہ کو حضرت علیؑ سے کسی اعتبار سے اولویت ہی حاصل تھی۔ لہذا یہ ہوا کہ اصحابِ پیغمبرؐ نے خلیفہ کا بائیکاٹ کر دیا اور بنی امیہ کے مظالم کے زیر اثر ایک ایسا انقلاب رونما ہوا جس کے حدود حضرت عثمان کے قتل اور حضرت علیؑ کی بیعت تک کھنچ گئے۔

(۲)

حضرت عثمان کے قتل اور حضرت علیؑ کی بیعت کے بعد معاویہ[2] نے اپنے کو اس کشمکش میں پایا کہ یا تو حضرت علیؑ سے جنگ کا اعلان کر دے جب کہ وہ مکمل طریقہ پر خلیفۂ رسولؐ تسلیم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) پیدا ہوا۔ ابن عبد البر کی رائے میں حضورؐ نے اسے بچپن ہی میں مدینہ سے باہر نکال دیا تھا لہذا یہ صحابی نہیں ہے۔ ۶۴ھ میں خلیفہ ہوا اور ۶۵ھ میں اس کی زوجہ ام خالد بن یزید نے قتل کر دیا۔ حکم بن العاص کو رسول اکرمؐ نے مدینہ سے نکال دیا تھا۔ عثمان نے واپس بلا لیا۔ آنحضرتؐ نے بارہا اس پر لعنت کی ہے جیسا کہ حضرت عائشہ نے مروان سے کہا تھا۔ (اصابہ ج ۱ ص ۳۴۶)

[1] بنی امیہ کے منبر پر اچکنے کا خواب حضور اکرمؐ نے دیکھا تھا اور قرآن کریم نے اس پر آپ کو تسلی دی تھی۔ جو واقعات متواتر طریقہ پر نقل کئے گئے ہیں۔ (تفسیر ابن جریر۔ تفسیر در منثور)

[2] معاویہ ابن ابی سفیان بن صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ بعثت سے ۵ یا ۷ سال قبل متولد ہوا۔ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوا۔ رجب ۶۰ھ میں دنیا سے چل بسا۔ اس کا شمار مؤلفۃ القلوب میں ہوتا تھا۔ اس کا دین مخدوش تھا۔ زمخشری نے ربیع الابرار میں لکھا ہے کہ معاویہ کو حضرت عمر نے حاکم بنایا تھا۔ انھوں نے اپنے تمام عمال سے مواخذہ کیا لیکن معاویہ کو بالکل آزاد چھوڑ دیا۔ معاویہ بیس سال تک حکومت کرتا رہا۔

Presented by Ziaraat.Com

کئے جا چکے ہیں یا اسلام میں داخلہ کی طرح ان کی بیعت میں بھی بادلِ ناخواستہ داخل ہو جائے
معاویہ حضرت علیؑ کی شخصیت اور ان کی حیثیت سے بخوبی واقف تھا۔ وہ یہ جانتا تھا کہ وہ اپنی فطری عدالت کے استعمال میں کسی شخص کا لحاظ نہیں کرتے ہیں اور ان کے دورِ حکومت تک کسی مقصد کو حاصل نہیں کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ اس کی طبعی شرارت اور حضرت علیؑ کی فطری عدالت کا تضاد بالکل واضح تھا۔

سوال صرف یہ تھا کہ ——— اگر علیؑ کی سلطنت کی جڑیں مضبوط ہو گئیں اور انھیں شوکت و حشمت حاصل ہو گئی تو معاویہ کا موقف کیا ہوگا؟ ابھی تو موجودہ حالات کا نتیجہ کبھی سامنے نہیں آیا۔ اسی کشمکش میں قریب تھا کہ معاویہ مقابلہ کے میدان سے الگ ہو جائے کہ وہ اس بات سے بھی بخوبی واقف تھا کہ میرے پاس نہ تو علیؑ سے جنگ کرنے کے آلات واسباب ہیں اور نہ امت پر حکومت کرنے کی استعداد ہے۔

وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ ہند اور ابوسفیان کا لختِ جگر ہے جنھوں نے ہر میدان میں مشرکین کی نمائندگی کی ہے اور اسلام میں ان کے خدمات کا نام ونشان تک نہیں ہے۔

معاویہ میدانِ مقابلہ سے ہٹ کر حضرت علیؑ کی بیعت میں داخل ہو جاتا لیکن ام المومنین عائشہ کے ذوقِ انتقام اور طلحہ و زبیر کی بیعت شکنی نے اس کے لئے مقابلہ کا دروازہ پاٹوں پاٹ کھول دیا۔

چنانچہ اس نے فوری طور پر زبیر کو یہ خط لکھ دیا کہ "میں نے پہلے تمھاری اور تمھارے بعد طلحہ کی بیعت کر لی ہے لہذا عراق ہاتھ سے جانے نہ پائے۔"

ظاہر ہے کہ اس بیعت کا مقصد صرف یہ تھا کہ معاویہ اپنے کو حضرت علیؑ کی بیعت سے الگ کر لے کہ وہ حضرت علیؑ کے ساتھ زندگی گذارنے پر قادر نہ تھا اور یہ بیعت ایسی تھی جس سے معاویہ ان تمام مشکلات سے نجات پا سکتا تھا جو اس کے ذہن کو الجھائے ہوئے تھیں۔

عجب نہیں کہ معاویہ کے ذہن میں یہ بات رہی ہو اور وہ اس امر کی طرف متوجہ رہا ہو کہ علی کے مقابلہ میں سب سے زیادہ خطرناک اور کارگر اسلحہ یہی ہے کہ ان سے خونِ عثمان کا مطالبہ کر دیا جائے، یہ اور بات ہے کہ عثمان کی اولاد کے ہوتے ہوئے اسے خون کے مطالبہ کا

Presented by Ziaraat.Com

کوئی حق نہیں پہنچتا تھا۔

لیکن وہ اس اسلحہ کے استعمال میں متردد تھا اور اسی کشمکش و اضطراب کے ساتھ اس وقت کا انتظار کر رہا تھا جب اسے استعمال کر کے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر سکے لیکن خود معاویہ میں اس کے استعمال کی طاقت نہ تھی جب تک کہ ام المومنین عائشہ اسے سہارا نہ دے دیں۔

چنانچہ حضرت عائشہ کا اقدام ہی تھا جس نے حضرت علیؑ کی مخالفت اور ان سے قتلِ عثمان کے قصاص کی جرأت پیدا کرائی ہے اور واقعی قتل کرنے والوں کے "واعثماناہ" کے نعروں نے شام کی فضا میں ایک ہیجان برپا کر کے شامیوں کے لئے راستہ ہموار کیا ہے۔

(۳)

معاویہ نے اپنے لئے قصاص کا حق فرض کر لیا۔ وہ اپنے طور پر حضرت عثمان کا جائز وارث بن گیا لیکن پھر بھی اس کشمکش کا شکار رہا کہ اس خون کا مطالبہ کس سے کیا جائے جب کہ مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت اس قتل میں شریک ہے۔

اس کا مقصد یہ تھا کہ اس قتل کا پورا بار حضرت علیؑ کے سر ڈال کر رائے عامہ کو ان کے خلاف کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نے تمام اصحابِ رسولؐ کی مخالفت کو نظرانداز کر دیا اور یہ نہیں دیکھا کہ عثمان کی امویت پرستی، صحابہ سے بے اعتنائی، کنبہ پروری اور مروان دوستی کی بنا پر تمام اصحاب نے ان کا بائیکاٹ کر دیا تھا اور حد یہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف جس نے کل خلافت دلوائی تھی وہ بھی یہ وصیت کر رہا تھا کہ حضرت عثمان اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھیں۔ اور طلحہ کھلم کھلا مخالفت کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان نے ان کے لئے بددعا کی تھی "خدایا طلحہ کے شر سے محفوظ رکھنا، اس نے لوگوں کو میرے خلاف آمادہ کیا ہے۔ خدا کی قسم میری تمنا یہ ہے کہ اسے کوئی فائدہ نہ ہو بلکہ اس کا خون بہایا جائے۔"

(کامل ج ۳ ص۸۶)

حضرت عائشہ کی مخالفت کا یہ عالم تھا کہ موئے مبارک، لباسِ رسولؐ، کفشِ پیغمبرؐ تمام تبرکات کو نکال کر فریاد کر رہی تھیں "ابھی تو یہ تبرکات بوسیدہ و کہنہ بھی نہیں ہوئے اور تم لوگوں نے سنتِ رسولؐ کو ترک کر دیا۔" (بلاذری ۵ ص۴۸)

Presented by Ziaraat.Com

حضرت عثمان نے اس اقدام کے خلاف سخت وسست کہا تو یہ جواب ملا کہ "عثمان نے حدودِ خدا کو معطل کر دیا ہے۔ وہ گواہوں پر سختی کرتا ہے۔"

انھوں نے کہا کہ "آپ عورت ہیں، آپ کا فریضہ گھر میں بیٹھنا ہے، آپ کو ان معاملات سے کیا تعلق ہے؟" ایک جماعت نے ان کا ساتھ بھی دیا لیکن بعض نے یہ آواز بلند کر دی کہ ان سے بہتر کون ہو سکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپس ہی میں مخالفت ہو گئی جو سرکارِ دو عالمؐ کے بعد مسلمانوں کا آپس کا پہلا جھگڑا تھا۔ (بلاذری ۵ ص۸۴)

معاویہ کا وزیرِ خاص یعنی عمرو عاص بھی حضرت عثمان کے نمایاں مخالفین میں سے تھا۔ اور انھیں توبہ کرنے کا حکم دیا کرتا تھا۔ (طبری ۳ ص۳۶۹)

ایک مرتبہ اس نے حضرت عثمان سے کہہ دیا کہ "خدا سے ڈرو۔"

تو انھوں نے جواب دیا کہ "اے زنِ زانیہ کے فرزند یہ تمام باتیں میرے معزول کر دینے کی وجہ سے ہو رہی ہیں۔"

ایک آواز پھر بلند ہوئی "توبہ کرو۔" (کامل ۳ ص۸۰) یہ دیکھ کر وہ فلسطین بھاگ گیا اور وہاں کے لوگوں کو حضرت عثمان کے خلاف ابھارنے لگا۔ اور جب قتلِ عثمان کی خبر ملی تو اسے بھی اپنے ہی کارناموں میں شمار کر لیا۔ (بلاذری ۵ ص۷۴)

مختصر یہ کہ حضرت عثمان کی خاندان پرستی کی بنا پر صحابہ کی اکثریت ان کے خلاف تھی۔ مصری لشکر کے قائد عبدالرحمٰن بن عدیس بلوی بھی صحابیٔ رسول اور اصحاب بیعت شجرہ میں سے تھے۔ محاصرہ کرنے والے رفاعہ بن رافع انصاری، نیار بن عیاض جیسے حضرات بھی اصحابِ رسولؐ میں تھے۔

اہلِ مدینہ نے مختلف شہروں میں یہ خطوط لکھ دیئے تھے کہ اگر جہاد کرنا چاہتے ہو تو مدینہ آؤ۔ یہاں خلیفۂ وقت نے دینِ خدا کو تباہ کر دیا ہے۔ (کامل ۳ ص۸۳۔ بلاذری ۵ ص۶۰۔ طبری ۳ ص۴۰۰)

معاویہ نے ان تمام حالات کو نظر انداز کر کے حضرت علیؑ کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ اس کے دل میں حضرت علیؑ کی طرف سے کسی مروت کی گنجائش نہ تھی۔ وہ حضرت علیؑ

Presented by Ziaraat.Com

کے عدل و ایمان کا مخالف تھا اور آپ کبھی اس کے ظلم و نفاق کا ساتھ نہ دے سکتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے اپنے اقدام کو کامیاب بنانے کے لئے مکر و فریب کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ کمزور دماغ، سادہ لوح عوام کے ذہنوں میں یہ بات راسخ کر دی کہ علیؑ عثمان کے قاتل ہیں۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ لوگ عثمان کی قمیص رکھ کر اس کے گرد جمع ہو کر نوحہ و ماتم کرنے لگے۔

ادھر اس نے قبیصہ عبسی کو اپنا نمائندہ بنا کر مدینہ بھیجا۔ حضرت علیؑ نے اس سے پوچھا کہ شام کا کیا عالم ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ قوم سوائے قصاص کے کسی اور سمجھوتہ پر تیار نہیں ہے۔

آپ نے پوچھا یہ قصاص کس سے لیا جائے گا؟

اس نے جواب دیا کہ آپ کی گردن سے۔ میں نے وہاں یہ منظر دیکھا ہے کہ ساٹھ ہزار شیوخ قمیصِ عثمان کے گرد جمع ہو کر گریہ و شیون کر رہے ہیں اور وہ قمیص منبرِ دمشق پر آویزاں کر دی گئی ہے۔

آپ نے حیرت زدہ انداز سے فرمایا "مجھ سے خونِ عثمان کے طالب ہیں؟

اس مقام پر سب سے بڑا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ معاویہ کے دل میں حضرت عثمان کی طرف سے یہ رحم و کرم کے جذبات کیوں کر پیدا ہو گئے جب کہ کل تک تو ان کی فریاد پر یہ رگِ حمیت نہ پھڑک سکی تھی جیسا کہ طبری (۳ ص۴۰۲) نے لکھا ہے کہ عثمان نے معاویہ کے نام شام کی طرف ایک خط روانہ کیا۔ جس کا مضمون یہ تھا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اما بعد۔ اہلِ مدینہ کافر ہو گئے ہیں۔ انھوں نے میری بیعت توڑ کر میری اطاعت سے انکار کر دیا ہے۔ تمہارا فرض ہے کہ ہر ممکن طریقہ سے شام کے مجاہدین کو روانہ کر دو۔"

معاویہ کو جب یہ خط ملا تو چپ ہو کر بیٹھ رہا۔ اس کی نظر میں اصحابِ رسولؐ کی مخالفت مناسب نہ تھی۔ لہٰذا وہ کیوں کر نصرت کرتا۔ اس کا تو مقصد یہ تھا کہ مسلمان حضرت عثمان کا خاتمہ کر دیں تاکہ اسی بہانے اس منصوبہ پر عمل درآمد کیا جا سکے جو مدتوں سے دماغ میں گونج رہا ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

ادھر بنی امیہ بھی اسی تاک میں بیٹھے تھے۔ ان کی بھی یہی خواہش تھی کہ حضرت عثمان معزول نہ ہونے پائیں بلکہ قتل ہو جائیں کہ معزولی میں ان کی ساکھ بگڑ جائے گی اور بنی ہاشم سے انتقام کا کوئی ذریعہ ہاتھ نہ آسکے گا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ مروان برابر شرارتیں کرتا رہا اور جب بھی امیر المومنینؑ نے حضرت عثمان اور مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کی تو یہ شخص آڑے آگیا اور اس مہم کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ بلکہ ان چنگاریوں کو اور بھی ہوا دیتا رہا تاکہ حالات بد سے بدتر ہو جائیں اور اپنا مقصد حاصل ہو جائے۔

حضرت عثمان کو معاویہ سے بڑی امیدیں تھیں لیکن معاویہ نے بڑی بے باکی کے ساتھ انھیں مایوس و محروم بنا دیا۔

انقلابی جماعت کی سختیاں اور بڑھیں تو حضرت عثمان نے دوبارہ معاویہ کو لکھا اور اس مرتبہ اس نے یزید قسری کی قیادت میں ایک لشکر روانہ بھی کر دیا لیکن یہ ہدایت کر دی کہ یہ لوگ مقام ذی خشب سے آگے نہ بڑھیں اس لئے کہ میں اس انجام کو دیکھ رہا ہوں جسے تم نہیں دیکھ رہے ہو۔

چنانچہ یہ لشکر اسی مقام پر ٹھہرا رہا اور جب حضرت عثمان کا قتل واقع ہو گیا تو معاویہ نے اسے شام کی طرف واپس بلا لیا جس کی طرف حضرت ابو ایوب انصاری نے معاویہ سے گفتگو کے درمیان اشارہ بھی کیا تھا کہ "وہ شخص جس نے حضرت عثمان کی موت کا انتظار کیا اور یزید بن اسید کو ان کی نصرت نہ کرنے دی وہ تم ہی ہو۔

معاویہ کا مقصد اس قصاص سے بالکل واضح تھا۔ اس کے لشکر میں خود ہی ایسے افراد موجود تھے جو قتل عثمان میں شریک رہ چکے تھے اور معاویہ کو ان کا علم بھی تھا لیکن اس کا کام تو صرف یہ تھا کہ اموی سانچہ میں ڈھلی ہوئی رعایا کو اپنی حمایت پر آمادہ کر کے ان میں حضرت عثمان کی ہمدردی کا شعور پیدا کرائے تاکہ یہی جذبہ ایک دن اپنے مقصد کی کامیابی کی تمہید بن سکے۔

معاویہ اپنے مکر و فریب کی بنا پر اس قدر ضرور کامیاب ہو گیا کہ وہ حضرت علیؑ کا مقابل

Presented by Ziaraat.Com

تصور ہونے لگا اور کمزور عقل والوں نے اسے اپنا امام تسلیم کر کے حضرت علیؑ کے خلاف جا بجا یہ پروپیگنڈا کرنا شروع کر دیا کہ خلیفۃ المسلمین کو حضرت علیؑ نے قتل کیا ہے۔

عوام کے اس نمائشی سوگ اور مقدس نما بے دین مسلمانوں کی تقریروں کا یہ اثر ہوا کہ اسلامی معاشرہ میں حضرت علیؑ کے قاتل ہونے کی داستان زہر کی طرح سرایت کر گئی اور ہر شخص فطری طور پر خلیفہ کا قصاص لینے پر آمادہ ہو گیا۔ معاویہ کو صرف اس بات کی ضرورت رہ گئی تھی کہ وہ عوام کے اس شعور کو بیدار رکھے اور ان کے ان جذبات کو ہوا دیتا رہے۔ چنانچہ اس کی مکاریوں سے تمام لوگوں نے اس بات کا عہد کر لیا کہ جب تک قاتلین عثمان سے انتقام نہ لے لیں گے۔ اس وقت تک علاوہ غسل جنابت کے کسی بھی کام کے لئے پانی کو ہاتھ نہ لگائیں گے۔

ادھر عمرو عاص اپنے دونوں لڑکوں کو لئے ہوئے روتا پیٹتا پیدل دمشق پہنچ گیا اور حضرت علیؑ کی عداوت میں معاویہ کے ہاتھ پر انتقامِ قتلِ عثمان کی بیعت کر لی اور اس سے یہ بھی طے کر لیا کہ اس خدمت کے صلہ میں تاحیات مصر کا والی رہے گا۔ (کامل ج ۳ ص ۱۲۹)

معاویہ نے برضا و رغبت اس شرط کو قبول کر لیا کہ اس کا مقصد اس قسم کے افراد کو آلۂ کار بنا کر حضرت علیؑ کے خلاف بغاوت کرنا اور ان کی حکومت کو ناکام بنانا تھا۔

آخر کار یہ مہم کامیاب ہوئی اور اب خونِ عثمان حضرت علیؑ کی گردن پر طے ہو گیا۔

(۴)

ادھر ام المومنین حضرت عائشہ جو حضرت عثمان کو محاصرہ میں چھوڑ گئی تھیں۔ مکہ میں بیٹھی ہوئی مدینہ کی خبروں کا انتظار کر رہی تھیں کہ ایک شخص اخضر نامی وارد ہوا۔ آپ نے اس سے حالات معلوم کئے۔ اس نے بتایا کہ حضرت عثمان نے اہل مصر کو قتل کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ وہ قوم جو اپنا حق لینے آئی تھی اور ظلم کی مخالف تھی اسے بھی قتل کر دیا گیا۔ خدا کی قسم میں اس حرکت سے راضی نہیں ہوں۔"

گفتگو کا انداز صاف بتا رہا تھا کہ آپ کی ہمدردیاں مصر والوں کے ساتھ تھیں اور آپ حضرت عثمان کی شدید مخالف تھیں لیکن اسی دوران میں ایک دوسرا شخص پہنچ گیا۔ آپ نے

Presented by Ziaraat.Com

[illegible]

Presented by Ziaraat.Com

پست طبیعت، ذلیل فطرت اور بے دین افراد استعمال کیا کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ آپ نے اپنے شرائط کو معاویہ کی راہوں میں حائل کر دیا جس کی بنا پر معاویہ اس کشمکش میں مبتلا ہو گیا کہ ایک طرف تو امام حسنؑ نے صلح کی ہے لہذا ان سے انتقام نہیں لیا جا سکتا ہے اور دوسری طرف صلح میں شرائط طے پا گئے ہیں جن کی مخالفت نہیں کی جا سکتی ہے۔ اس لئے اس نے در پردہ آپ کے خاتمہ کی کوشش شروع کر دی اور آخر کار ایک دن زہر دغا سے شہید کرا دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔۔۔ (اِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَاد)

(۵)

معاویہ نے کسی دن بھی اس عظیم سلطنت اور مقدس خلافت کا خواب نہ دیکھا ہوگا جس کے تخت پر آج متمکن ہے۔ وہ کل تک اقتصادی اعتبار سے فقیر، قومی لحاظ سے ذلیل اور ایک آزاد کردہ غلام کی حیثیت رکھتا تھا۔ فتح مکّہ کے موقع پر اپنے باپ کے ساتھ اسلام میں داخل ہو گیا تھا۔ لیکن سینہ کفر کے ان تمام جراثیم سے بھرا ہوا تھا جو ابوسفیان کے فرزند کے دل میں ہونے چاہئیں۔

معاویہ کا اس انداز سے حضرت علیؑ سے مقابلہ کرنا کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے۔ وہ ابوسفیان سے بنی ہاشم کی عداوت وراثت میں پا چکا تھا۔ بنی ہاشم کی دشمنی اس کے رگ پے میں سرایت کر کے اس کے وجود کا جزء بن گئی تھی۔

وہ دور مسلمانوں کے لئے کتنا سخت ہوگا جس میں ایسے اسلام دشمن افراد تختِ حکومت کے مالک ہو جائیں جن کے دل حسد و بغض، ظلم و انتقام کے جذبات سے بھرے ہوں اور جنھوں نے اپنی زندگی میں عدل و انصاف، شفقت و رحمت کا نام بھی نہ سنا ہو۔

معاویہ اسے بھی پسند نہیں کرتا تھا کہ کوئی شخص حضرت علیؑ کا ذکرِ خیر کر سکے یا صفحۂ وجود پر ان کے چاہنے والے کہیں نظر آ سکیں۔ اس نے تمام عمال کو یہ حکم دے دیا تھا کہ جس کے بارے میں محبتِ علیؑ ثابت ہو جائے اس کا نام رجسٹر سے کاٹ کر اس کا عطیہ بند کر دیا جائے کہ علیؑ کی دشمنی لوگوں کے دلوں میں اس طرح راسخ ہو جائے کہ اس کا سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ چلتا رہے۔

Presented by Ziaraat.Com

مدائنی نے کتاب الاحداث میں نقل کیا ہے کہ معاویہ نے اپنے تمام عمال کو یہ اطلاع بھیج دی کہ جو شخص ابوتراب کے فضائل میں کوئی روایت بیان کرے میں اس کے خون کا ذمہ دار نہیں ہوں۔

اب خطیبوں کا شعار یہ ہو گیا کہ حضرت علیؑ کی مذمت و منقصت کریں۔ ان کے خلاف مواد جمع کریں۔ اور مصیبت اہل کوفہ کے لئے تھی کہ ان کے سر پر مغیرہ بن شعبہ اور زیاد بن سمیہ جیسے لوگوں کو حاکم بنا دیا گیا تھا۔ زیاد کوفہ کے ساتھ بصرہ کا بھی حاکم تھا۔ اب محبت علیؑ میں ہاتھ پیر کاٹے جا رہے تھے، گھر گرائے جا رہے تھے اور موت کا جام پلایا جا رہا تھا۔

معاویہ یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ اس کی موجودہ پالیسی کامیاب نہیں ہو سکتی ہے اس لئے کہ تشدد کے اثرات تشدد کے خاتمہ کے ساتھ ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس نے ایک دوسری پالیسی اختیار کی کہ حضرت علیؑ کے دشمنوں کو مقرب بارگاہ بنایا جائے۔ شیعیان عثمان کو انعامات دیئے جائیں۔ ان کا خاص خیال رکھا جائے۔ ان کے نام معتبر افراد کی فہرست میں درج کئے جائیں تاکہ حق نمک کے ذریعہ پوری فضا کو ہموار کر لیا جائے۔

ظاہر ہے کہ تلوار کی دھار، قید خانہ کی تاریکی، قبر کی تنگی اور دربدری کی مصیبت سے ڈر جانے والے افراد خود بخود اس بات پر مجبور ہو جائیں گے کہ اپنا نام دشمنان علیؑ کی فہرست میں درج کرا دیں اور حکومت سے انعام کے مستحق ہو جائیں۔

معاویہ اس کے بعد بھی نئی نئی فکروں سے غافل نہیں رہا اور اپنے مشن کو کامیاب بنانے کے لئے مسلسل سوچتا رہا اور آخر کار ایک کارگر طریقہ نکال لیا اور ضمیر فروش تجارت پیشہ لوگوں کو اس بات پر مامور کر دیا کہ وہ سرکار دو عالمؐ کی طرف منسوب کر کے روایتیں وضع کریں اور انعامات حاصل کریں۔ وہ اپنے اس طرز عمل پر نہ خدائی مواخذہ سے ڈرتا تھا اور نہ سماجی عتاب سے۔ اس نے اپنے مدعا کو حاصل کرنے کے لئے قتل مسلمین، غصب اموال، ہتک حرمت، گرفتاری و آبرو ریزی، تباہی و بربادی، توہین مساجد، عتاب ناکردہ گناہ جیسے تمام طریقوں کے استعمال کو جائز کر لیا تھا اور کسی موقع پر کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا تھا۔

اس کے زمانے کے ان تمام حالات کو معتبر ترین مورخین نے اپنی تاریخوں میں درج کر دیا

Presented by Ziaraat.Com

ہے۔ اس لئے مجھے ان تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

قصہ مختصر یہ ہے کہ معاویہ اپنے جرائم کا بوجھ اپنی گردن پر لے کر راہی عدم تو ہو گیا لیکن اپنی فطری شرارت کی بنا پر مسلمانوں کی گردن پر اپنے فاسق و فاجر بیٹے کو حاکم بنا گیا۔ اور یہ امت کی بدقسمتی کی آخری منزل تھی کہ اس کے سر پر یزید جیسا بدکردار دشمنِ خدا و رسولؐ انسان مسلط ہو جائے۔ معاویہ کے لئے یہ بات بھی کوئی نئی نہیں تھی۔ اس کے دل میں اسلام دشمنی کے چھپے ہوئے جذبات اسے بار بار اس بات پر ابھار رہے تھے کہ وہ حکومت کی باگ ڈور ایک ایسے ہی شخص کے حوالے کر دے جو قرآن و اہلبیتؑ، اسلام و مذہب کو اسی طرح تباہ کر سکے جس طرح معاویہ خود چاہتا تھا لیکن حالات نے اس کی اجازت نہ دی تھی۔

یزید نے اپنے باپ کے دل کی یہ حسرت بھی نکال دی اور اس کے ایک ایک ارمان کو پورا کر دیا۔ اس نے سب سے پہلے فرزند رسولؐ امام حسینؑ کے قتل کا سامان کیا اور اس حادثہ کو اس انداز سے صفحۂ وجود پر لے آیا جس کے تصور سے انسانیت کے جسم میں لرزہ پڑ جاتا ہے۔

اس حادثہ کے دوسرے سال مدینہ کی تباہی کو مباح کیا۔ جس کی کیفیت یہ تھی کہ اس کا سفاک لشکر وحیِ الٰہی کے شہر میں گھر گھر کا دورہ کر کے فساد و بربادی، قتل و غارت کا وہ بھیانک منظر پیش کر رہا تھا جس کی نظیر کسی بھی تاریخ میں مشکل ہی سے ملے گی۔ مخدرات کی عفت پر یوں وحشیانہ حملے ہو رہے تھے جیسے باز شکار پر گر رہا ہو یا بھیڑیا بکریوں پر حملہ آور ہو۔

مروان بن الحکم ان حالات کو دیکھ کر خوش ہو رہا تھا کہ اس کا دلی منشا تھا کہ بزرگانِ قوم، زعمائے عرب اور شجاعانِ اسلام کو مجبور کر کے ان سے غلامی کی بیعت لے لی جائے اور انھیں حکومتِ وقت کے احکام و قوانین میں جکڑ دیا جائے۔ اِنّا للہ وانّا الیہ راجعون ۝

حکومت کے تیسرے سال یزید نے خانہ کعبہ کو منہدم کرا کے بنی امیہ کی آخری خواہش بھی پوری کر دی اور لات و ہبل کی بربادی کا آخری انتقام بھی لے لیا۔

یزید کے ان اسلام کش اور حیا سوز افعال کے بارے میں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ معاویہ کے ولیعہد کو ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا جیسا کہ یزید تھا۔

Presented by Ziaraat.Com

شامِ الم

(۶)

یزید بن معاویہ کے بعد حکومت آل ابی سفیان سے آل حکم کی طرف منتقل ہوگئی۔ اس لئے کہ یزید کے بیٹے معاویہ کا دور نہایت ہی مختصر رہا۔ اس نے تختِ خلافت کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ غاصبانہ طریقہ پر حاصل کی ہوئی خلافت کا وارث مجھ جیسا غیرت دار انسان نہیں ہوسکتا ہے۔

اس کے خطبہ کے بعض جملے یہ تھے: "خلافت ایک خدائی رشتہ ہے جسے میرے دادا معاویہ نے ناجائز طور پر حاصل کیا تھا۔ اس لئے کہ حضرت علیؑ کے ہوتے ہوئے کوئی بھی اس کا اہل نہ تھا۔ اب معاویہ کا کردار لوگوں کے پیشِ نظر ہے۔ وہ زیرِ خاک اپنے گناہوں میں گرفتار ہے۔ میرے دادا کے بعد میرے باپ نے یہ عہدہ سنبھالا۔ اس نے بنتِ رسولؐ کے لختِ دل سے جنگ کی اور آخر کار خود بھی قبر کی تنگی کا شکار ہوگیا ـــــ اس کے بعد (ایک گریہ وبکا کے ساتھ) ـــــ ہمارے لئے سب سے عظیم بات یہ ہے کہ مجھے اس کا انجام معلوم ہے۔ اس نے فرزند رسولؐ کو قتل کیا ہے۔ شراب کو مباح کر کے خانۂ کعبہ کو تباہ و برباد کیا ہے ـــــ میں نے جب خلافت کا لطف نہیں اٹھایا ہے تو اس کا بوجھ کیوں اٹھاؤں؟ تم لوگوں کو اختیار ہے جو طریقہ چاہو اختیار کرو۔ خدا کی قسم اگر یہ دنیا اچھی ہے تو مجھے اس کا ایک حصہ مل چکا ہے اور اگر یہ خراب ہے تو آل ابی سفیان کو اس میں سے بہت کچھ حاصل ہو چکا ہے۔"

(صواعق محرقہ ص۱۳۴)

Presented by Ziaraat.Com

یہ کہہ کر ـــــ منبر سے اتر آیا۔ وہ منبر جو مسلمانوں کے کاسۂ سر پر قائم ہوا تھا اور وہ خلعت اتار دیا جو ظلم و جور اور مکر و فریب سے بنا گیا تھا۔

حکومت مروان بن حکم کے ہاتھ آگئی۔ اگرچہ اس سلسلے میں جھگڑے، فسادات، فتنے اور شورشیں بھی ہوئیں۔

مروان کی خلافت بھی زیادہ دنوں نہ رہ سکی اور ۶۵ھ میں ہی اسے اس کی بیوی ام خالد بن یزید نے زہر دے کر ختم کر دیا۔

مروان کے بعد عبد الملک بن مروان کا دور آیا۔ اس دور میں بنی امیہ کی شورش کا پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا اور قریب تھا کہ حکومت عبد اللہ بن زبیر کے ہاتھوں میں پہنچ جائے اور حضرت مختار بن ابو عبیدہ ثقفی بھی انتقام خون حسینؑ کی مہم میں مصروف تھے اور ان تمام فاسقوں اور فاجروں کا قلع قمع کر رہے تھے جن کے ہاتھ فرزند رسولؐ کے خون سے رنگین تھے۔

ظاہر ہے کہ ان حالات میں عبد الملک کو کتنے تشدد سے کام لینا پڑا ہوگا۔ چنانچہ وہ ایک ایسا وحشی انسان بن گیا جس کی وحشت کی کوئی حد نہ ہو، ایک ایسا انتقام پسند جس کے دل میں رحم و کرم کی گنجائش نہ ہو اور ایک ایسا ظالم جس نے عدالت کا نام بھی نہ سنا ہو۔ اسکا دور حکومت صرف ظلم و جور، تشدد و سخت گیری کا زمانہ کہا جا سکتا ہے۔

(۷)

عبد الملک ہی کے دور میں شب جمعہ ۱۷ ربیع الاول ۸۳ھ میں امام جعفر صادقؑ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ (ایک قول کی بنا پر ابتدائے رجب میں) جب کہ امت شدائد و آلام میں مبتلا تھی۔ حکام جور برسرِ اقتدار تھے۔ انسانیت کا خون ہو رہا تھا اور لوگ بے جرم و خطا موت کے گھاٹ اتارے جا رہے تھے۔

امام صادقؑ گہوارۂ رسالتؐ میں کھیلے، بیتِ نبوت میں پلے بڑھے اور منزلِ وحی میں پروان چڑھے۔ آپ کی تربیت آپ کے جد بزرگوار امام زین العابدینؑ اور والد ماجد امام محمد باقر علیہ السلام کے ہاتھوں ہوئی۔

آپ نے بارہ پندرہ یا بقول مدائنی سولہ سال اپنے جد بزرگوار امام زین العابدینؑ کے زیر سایہ

Presented by Ziaraat.Com

گزارے جو تمام بنی ہاشم سے افضل، اہلبیتؑ کے سردار، اپنے زمانہ کے اعلم اور زہد و تقویٰ کی مکمل تصویر تھے۔ ان کے بعد ۱۹ سال تک اپنے والد ماجد امام محمد باقرؑ کے ساتھ رہے۔ اس کے بعد امامت کی تمام ذمہ داریوں کے ساتھ امت کے سامنے جلوہ گر ہوئے۔

امام صادقؑ کا دور وہ تھا جب اہلبیتِ رسالتؐ سے ملنا ایک عظیم جرم تھا۔ ان کے چاہنے والے اور ان سے استفادہ کرنے والے انتہائی احتیاط و خاموشی کے ساتھ حاضر خدمت ہوا کرتے تھے کہ آلِ محمدؐ کی محبت کا اظہار بھی وہ جرم تھا جس کی سزا تاریکیٔ قبر تھی یا ظلمتِ زنداں۔

افکار کی پریشانی، بغض و حسد و ظلم و جور کی فراوانی اور خواہشات کی طغیانی کا دور دورہ تھا۔ لوگ چغل خوری، افترا پردازی اور بہتان تراشی کے ذریعہ حکومت سے تقرب حاصل کر رہے تھے۔ نہ نفس کی قیمت تھی نہ دین کی۔ نہ کوئی نظام تھا نہ کوئی قانون۔ خواہشات کی حکومت تھی اور عوام کی قسمتوں سے کھیل۔

ان تمام مصائب میں سب سے زیادہ حصہ دوستانِ اہلبیتؑ کا تھا کہ نمازوں کا خاتمہ سب و شتم حضرت علیؑ پر ہوتا تھا۔ مسجد، معبد، مجلس اور نشست گاہ کا نعرہ توہین اہلِ بیت تھا۔ خطیب، واعظ، داستان گو کا فریضہ ہتکِ آلِ محمدؐ تھا۔

آلِ محمدؐ اس تشدد کا مقابلہ کر رہے تھے اور چاہنے والے صبر آزما منزلوں میں قدم بڑھائے جا رہے تھے ــــــ اور یہ صادقِ آلِ محمدؐ کی عمر کی ابتدائی منزل تھی۔

آپ نے عبدالملک کی خلافت کے تین سال۔ ولید بن عبدالملک کی خلافت کے نو سال ۸ مہینے۔ سلیمان کی خلافت کے ۲ سال ۲ مہینے ۵ دن۔ عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کے ۲ سال ۵ مہینے۔ یزید بن عبدالملک کی خلافت کے ۴ سال ایک مہینہ۔ ہشام بن عبدالملک کی خلافت کے ۱۰ سال۔ ولید بن یزید کی خلافت کا ایک سال۔ یزید بن ولید کی خلافت کے ۶ مہینے دیکھے ہیں۔ یہاں تک کہ ۱۳۲ھ میں بنی امیہ کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

امام صادقؑ نے ان تمام ادوار میں اس مصیبت کا بھی مشاہدہ کیا کہ آلِ محمدؐ کے دوستوں پر تشدد و مظالم کا لامتناہی سلسلہ جاری ہے۔ تہمتوں پر گرفتاریاں ہو رہی ہیں اور بڑے بڑے لوگ قتل کئے جا رہے ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

آپ نے ۱۹ سال تک سبِ علیؑ کا وہ سلسلہ بھی دیکھا جس میں روز جمعہ تمام علویین کو منبر کے قریب بٹھایا جاتا تھا تاکہ وہ علیؑ و آلِ علیؑ کے بارے میں سب و شتم کو باقاعدہ سن سکیں۔

(۸)

امام صادقؑ کا ابتدائی دور انتہائی رنج و محن اور مصائب و آلام میں گھرا ہوا تھا لیکن آپ نے کسی وقت بھی اعلاءِ کلمۂ حق اور اعلانِ حقیقت سے انحراف نہیں کیا بلکہ مرکزی طور پر لوگوں کو اس بات سے آگاہ کرتے رہے کہ ان ظالمین کی اعانت کرنا، ان کے پاس اپنے مقدمات کا لے جانا اور ان کی حکومت سے راضی رہنا اسلام کے لئے شدید خطرہ ہے۔

ادھر زید بن علیؑ نے کوفہ میں قیام کیا تو آپ نے ان کی تائید کرتے ہوئے لوگوں کو ان کی نصرت پر آمادہ کیا اور جب وہ شہید ہو گئے تو کلماتِ تعزیت بھی زبانِ مبارک پر جاری فرمائے۔ حالانکہ اس وقت زمامِ حکومت ہشام بن عبدالملک جیسے ظالم و جابر انسان کے ہاتھ میں تھی جس نے حضرت زید کے قتل کے بعد محبتِ اہلبیتؑ کو وہ ناقابلِ معافی جرم قرار دے دیا تھا جس کی بنا پر ہر سختی روا اور ہر ظلم جائز تھا۔ قید خانے آباد ہو رہے تھے اور حکومت کی طرف سے امداد کا سلسلہ ٹوٹ رہا تھا۔

ہشام نے اپنے گورنر یوسف بن عمر ثقفی کو یہ حکم دے دیا تھا کہ جناب کمیت کے ہاتھ اور ان کی زبان قطع کر دے۔ اس لئے کہ انھوں نے زید کا مرثیہ کہا ہے۔

اہلِ مدینہ پر سختی کی جائے کہ انھوں نے زید کی طرف رجحان ظاہر کیا ہے اور آلِ ابوطالب سے مکمل طور پر برائت و بیزاری کا اعلان کر دیا جائے۔

ظاہر ہے کہ یہ حالات امام کے لئے انتہائی صبر آزما اور دشوار گزار تھے لیکن کیا کہنا عنایتِ پروردگار کا کہ لوگوں کے رجحانات آلِ محمدؐ کی طرف بڑھتے ہی رہے اور ان میں بنی امیہ کے خلاف ایک عظیم انقلاب برپا کر کے حکومت کو آلِ رسولؐ کے حوالے کر دینے کے جذبات ابھرتے ہی رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بنی امیہ میں پھوٹ پڑ گئی۔ خانگی اختلافات بڑھے اور اموی حکومت زوال کے راستہ پر لگ گئی۔

یہ زمانہ اگرچہ امام صادقؑ کے لئے مسرت خیز ہونا چاہئے تھا لیکن افسوس کہ امام کا دل اس

Presented by Ziaraat.Com

دور کی بے دینی اور لامذہبیت کو دیکھ کر برابر کڑھتا رہا اور آپ کی نظر میں اس غنیمت موقع پر اس سے بہتر کوئی بات نہ تھی کہ ایک مدرسہ فکر و نظر قائم کرکے لوگوں کو دین حق کی طرف متوجہ کیا جائے۔ احکامِ الٰہیہ کی اشاعت ہو، سوئے ہوئے احساس اور مرے ہوئے شعور کو زندگی ملے۔ کہ یہ زمانہ اموی حکومت کی ضعیفی اور عباسی سلطنت کے بچپن کا زمانہ ہے اور ابھی ظلم کی تمام طاقتیں کمزور ہیں۔ چنانچہ آپ نے موقع سے فائدہ اٹھا کر یہ سلسلہ قائم کر دیا اور چار ہزار افراد آپ کے حلقۂ درس میں شریک ہو گئے۔

آپ کا گھر ایک دارالعلوم (یونیورسٹی) کی شکل اختیار کیا گیا جہاں مختلف علمار کبار فقہ و حدیث، حکمت و کلام، تفسیر و دینیات کے علوم حاصل کر رہے تھے۔ ایک ایک وقت میں دو دو چار چار ہزار علمار شریک درس ہو رہے تھے۔ (رسالۃ الاسلام عدد ۴ صلا)

اس درس میں صرف مقامی حضرات ہی شرکت نہ کرتے تھے بلکہ کوفہ، بصرہ، واسط و حجاز کے منتخب افراد دور دراز کی مسافت طے کر کے حاضر ہوتے تھے۔ عرب کے مختلف قبائل بنی اسد و مخارق و طے و سلیم و غطفان و غفار و خزاعہ و خثعم و مخزوم و بنی ضبہ و قریش کے سربرآوردہ لوگ استفادہ کر رہے تھے۔ (جعفرؑ بن محمد از سید الاہل)

امام صادقؑ سے روایت کرنے والے اور ان کے علوم سے استفادہ کرنے والے صرف عام علمار کرام ہی نہ تھے بلکہ وہ افراد بھی تھے جنھیں ایک جماعت کی امامت کا شرف حاصل ہو گیا تھا اور وہ بھی آپ کی شاگردی پر ناز کرتے تھے۔

اس فہرست میں یحییٰ بن سعید، ابن جریج، مالک بن انس، ثوری، ابن عیینہ، ابوحنیفہ، شعبہ، ایوب سجستانی وغیرہ کا نام بھی آتا ہے۔ (مطالب السئول ۲ صہ۵۵)

اسلام میں فکر و نظر کے اعتبار سے یہ پہلا مدرسہ تھا جسے امام جعفر صادقؑ نے قائم کیا تھا۔ آپ کے درس میں علمار فقہ و حدیث کے علاوہ بڑے بڑے فلاسفہ و مناطقہ اور صاحبانِ فکر و نظر بھی شریک ہوا کرتے تھے۔ (تاریخ عرب امیر علی صہ۱۷۹)

آپ کی زندگی کا یہ پہلا دور تھا جس میں مقابلہ بنی امیہ کی جاتی ہوئی حکومت سے تھا۔ اس کے بعد زندگی کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے جس میں تمام تر سابقہ عباسیوں کی اٹھتی ہوئی سلطنت

Presented by Ziaraat.Com

سے ہوا جس کے مختصر حالات یہ تھے۔

(۱)

جب ملّتِ اسلامیہ نے ایک مدت تک بنی امیہ کی دین فروشی اور محسن کشی کا مشاہدہ کر لیا تو اس کے دل میں روز بروز ان کی طرف سے نفرت کے جذبات بھڑکنے لگے اور وہ اس نظام سے بیزاری کا اعلان کرنے لگی جس میں عدل و انصاف کا کوئی تصور نہ ہو۔ ادھر کربلا کا عظیم انقلاب جس نے ظالموں کی تباہی و بربادی اور جادۂ حق و صواب کے لئے روشنیوں کا انتظام کر دیا تھا سامنے آگیا۔ جس سے جذباتِ نفرت اور دوچند ہو گئے۔ امت نے اپنے دل میں یہ ٹھان لی کہ ایسے ظالم نظام کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہو جانا چاہئے۔ چنانچہ خفیہ طور پر مختلف جماعتیں تشکیل پائیں جن کا منشا صرف یہ تھا کہ حکومت کو بنی امیہ کے حکام جور سے لے کر آل محمدؐ کے حوالے کر دیا جائے کہ یہی حضرات ائمہ حق اور حکام عدل و انصاف ہیں۔

اس تحریک میں سب سے آگے آگے بنی عباس تھے اور انھیں کے ساتھ محمد بن عبداللہ بن الحسن ایک نمایاں سیاسی شخصیت کے مالک تھے چنانچہ بنی ہاشم نے ایک جلسہ کر کے انھیں اپنا اتفاقی رہنما تسلیم کرتے ہوئے ان کے ہاتھ پر بیعت بھی کر لی۔ ان بیعت کرنے والوں میں سفاح اور منصور جیسے افراد بھی شامل تھے۔

انقلابی نعرے بلند ہوتے رہے اور انتقامی جذبات برافروختہ ہوتے رہے اور ایک دن گردشِ تقدیر نے بنی امیہ کے تاج و تخت کو الٹ دیا۔ ان کے دامنِ ظلم و جور کو آگ لگ گئی۔ خلقتِ خدا ان کے مظالم سے نجات پا گئی۔ ممالک اسلامیہ ان کے پنجۂ ظلم و استبداد سے آزاد ہو گئے اور مسلمان اس جدید دور کا انتظار کرنے لگے جس کی ریاست آل محمدؐ کو حاصل ہو گی جس میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہو گا۔

(۲)

نئے نئے حالات رونما ہوئے۔ زمانہ کروٹیں بدلتا رہا۔ حکومت بنی عباس تک پہنچ گئی۔ ان کا خیال یہ تھا کہ آلِ محمدؐ کا مصداق ہمارے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ سفاح کے ہاتھ پر بیعت ہو گئی تو انقلابات کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دنیا بنی امیہ پر تنگ ہو گئی۔ بادشاہ نے

Presented by Ziaraat.Com

اپنے خاندان والوں کی حمایت حاصل کرنے کے لئے ان کے ساتھ ہمدردی کا آغاز کردیا اور لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش شروع کردی کہ حکومت کا استحقاق صرف ایسے ہی لوگوں کو حاصل ہے۔ ادھر خون حسینؑ کے انتقام کی بھی مہم چل گئی۔ تاکہ بنی عباس سے بدظنی رکھنے والے لوگ بھی یہی سمجھیں کہ ان کی کوئی ذاتی غرض خلافت سے وابستہ نہیں ہے بلکہ صرف آلِ محمدؐ کی حمایت کرنا چاہتے ہیں۔

تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ سفاح دنیا سے رخصت ہوگیا اور اس نے اپنے بھائی منصور کو اپنا نائب بنا دیا۔ منصور ایسا چالاک اور ہوشیار انسان تھا جو زمانہ کا صحیح مطالعہ کرکے اس سے زندگی کے سبق لے رہا تھا۔ اس نے اپنی زندگی ایسی احتیاط کے ساتھ گذاری کہ قریب سے قریب تر لوگوں پر بھی بھروسہ نہیں کیا۔ ابھی حکومت پورے طور پر مستقر نہیں ہوئی تھی۔ عباسیوں کو مختلف اطراف سے خطرہ لاحق تھا۔

ایک طرف علویین تھے جو یہ دیکھ رہے تھے کہ امت کی پوری توجہ حکومتِ وقت کی طرف صرف ہمارے اشتباہ میں ہے اور اس کے واقعی حقدار ہم لوگ ہیں۔ اس میں بنی عباس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

دوسری طرف خود انقلابی جماعت کے افراد تھے جنھیں یہ شک تھا کہ بنی عباس حکومت کو کسی دوسرے کے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔

ان کے علاوہ بنی امیہ کے بچے ہوئے افراد خود ایک مستقل خطرہ بنے ہوئے تھے اور ہر آن ان کے انقلاب برپا کردینے کا اندیشہ تھا۔ مدینہ کے علماء بنی عباس کی بیعت کے باطل ہونے کا اعلان کر رہے تھے جس کے نتیجہ میں منصور کی زندگی تلخ ہو رہی تھی۔ چنانچہ وہ علویین سے انتقام لینے کی طرف متوجہ ہوگیا۔

اس کی نظر میں علویین کی جماعت میں سب سے زیادہ نمایاں شخصیت امام جعفر صادقؑ کی تھی اس لئے نظر آپ پر پڑی اور آپ کو اپنے راستہ سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگا۔

اس کے ذہن میں وہ ماضی بھی محفوظ تھا جب دربدری کی مصیبتیں اور قید خانہ کی اذیتیں آئے دن سامنے کھڑی رہتی تھیں اور ان سے نجات حاصل کرنے کا واحد ذریعہ آل محمدؐ کی

Presented by Ziaraat.Com

حمایت تھا جس کی وجہ سے اس نے حدیثِ غدیر کی بھی روایت کر دی تھی۔ (تاریخ بغداد ۲ ص۲۴۴)
وہ ان حالات سے بے حد پریشان تھا اور اپنے لئے کوئی مستقل فیصلہ نہ کر سکتا تھا۔

(۳)

منصور نے یہ دیکھا کہ وہ کل تک اس قوم میں ذلیل تھا جس میں آج امیر المومنین بن چکا ہے۔ وہ کل ایک ایک درہم کو محتاج تھا اور آج خزانہ میں دس سال تک حکومت کرنے کے لئے مال جمع ہے۔ کل راتوں کو تنہا مارا مارا پھرتا تھا اور آج ہزاروں افراد کا لشکر ساتھ چلتا ہے۔
اس انقلاب کا یہ اثر ہوا کہ وہ بات بات پر خائف رہنے لگا۔ ایک ایک پیسہ میں بخل کرنے لگا۔ اب اسے اپنے اقتدار کو بچانے کی فکر لاحق تھی۔ اس کی یہی وہ پست حرکت تھی جسے تاریخوں نے محفوظ کر لیا۔ اور دوانیقی (پیسے والا) کو اس کے نام کا جزو بنا دیا۔ وہ ایک طرف اپنے کپڑوں میں پیوند لگایا کرتا تھا اور دوسری طرف معمولی معمولی وہم پر لوگوں کو تہِ تیغ کر رہا تھا۔

اس نے لوگوں کو خفیہ طور پر مارنے کے لئے ایک عیسائی ڈاکٹر رکھ لیا تھا جسے مسلمانوں کے قتل کی کوئی پرواہ نہ تھی اور بادشاہ کے اشاروں پر لوگوں کو راہیٔ عدم کر دیا کرتا تھا۔
ایک مرتبہ منصور نے اسے پیغام بھیجا کہ محمد بن ابی العباس کا خاتمہ کر دے۔ اس نے فوراً ایک زہر تیار کیا اور موقع کا منتظر رہا۔ اتفاقاً محمد کو کچھ حرارت محسوس ہوئی۔ انھوں نے ڈاکٹر کو دکھلایا۔ اس نے پینے کی دوا تجویز کی اور محمد کے اصرار پر خود ہی بنا کر دے دی۔ محمد نے دوا پیتے ہی دنیا کو خیرباد کہہ دیا اور ان کی ماں نے منصور سے شکایت کی تو اس نے پہلے تو طبیب کو ۳۰ کوڑے لگوا کر قید کر دیا اور اس کے بعد آزاد کر کے تین سو درہم انعام دے دیا جو منصور کی شریعت میں ایک مقتول کی دیت فرض کی جا سکتی ہے۔ (طبری ۷، ص۳۰۹)
منصور نے حکومت کی پائیداری کے لئے ایک دوسرا طریقہ یہ اختیار کیا کہ لوگوں کو زندہ دیواروں میں چنوا دیا جائے۔ چنانچہ متعدد افراد اس ظلم کا بھی شکار ہوئے۔ بغداد کی دیواریں آج بھی اس بات کا اعلان کر رہی ہیں کہ اگر انھیں تابِ سخن اور طاقتِ اظہار دے دی جائے تو سب سے پہلے ان بے گناہوں کے خون کا اعلان کریں گی جنھیں زندگی ہی میں ان کے حوالے

Presented by Ziaraat.Com

کر دیا گیا تھا۔

منصور شفقت و محبت اور رحم و کرم کے معانی سے بالکل نا آشنا تھا۔ وہ ایک ایسا ظالم اور سفاک انسان تھا جسے وحشت ناک اور درد انگیز مناظر بھی کسی قسم کی ہمدردی پر نہ اکسا سکتے تھے۔

ایک مرتبہ حج کے موقع پر اس کا جلوس عبداللہ بن حسن کی لڑکی کے پاس سے ہو کر گزرا عبداللہ اس وقت منصور کی قید میں تھے۔ بیٹی نے باپ پر مرحمت کی درخواست پیش کر دی اور اس سلسلے میں چند اشعار بھی پڑھے لیکن منصور نے اس کا جواب یہ دیا کہ تو نے اچھا یاد دلایا اور یہ کہہ کر حکم دے دیا کہ انھیں قید ہی میں ختم کر دیا جائے۔

یہ تھی منصور کی ظالمانہ اور وحشیانہ طبیعت جس میں رحم و رافت، محبت و انسانیت کا کوئی تصور نہیں تھا۔ اسے نہ قرابت کا خیال تھا نہ رشتہ داری کا۔ ظاہر ہے کہ پھر ایسے ظالم شخص سے اہلبیت عصمتؑ ہی کے بارے میں کیا توقع کی جا سکتی ہے۔

(۴)

منصور یہ دیکھ رہا تھا کہ اس کا ملک اس وقت تک پائیدار نہیں ہو سکتا ہے جب تک آل محمدؐ کی کوئی ایک فرد بھی عالم وجود میں باقی ہے۔ اس لئے اس نے قتل و برباد کرنے کی ہر ممکن کوشش شروع کر دی اور آخر کار ایک مرتبہ حج کے بہانے سے مدینہ بھی پہنچ گیا تاکہ اپنے ظلم و تشدد کی رفتار اور اس کے ردّ عمل کا مشاہدہ کر سکے۔

مدینہ میں داخل ہوتے ہی اس نے بنی حسنؑ کے ان افراد کو جو ریاح کے زندان سے آزاد تھے گرفتار کرنے کا حکم دے دیا اور اولادِ علیؑ انتہائی بے دردی سے گرفتار ہونے لگی۔

عباس بن حسن بن حسن اپنے دروازہ پر اپنی ماں کے سامنے کھڑے تھے کہ ان گرفتاری کے لئے پولیس آگئی۔ ماں نے بڑے حسرت و یاس سے یہ تقاضا کیا کہ ایک مرتبہ اپنے لال کو گلے لگا کر رخصت کر دے لیکن ظالموں نے اس درخواست کو بھی قبول نہ کیا۔

ادھر محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان کو گرفتار کرا کے اپنے سامنے حاضر کرایا اور انھیں سخت سست کلمات سنائے اور حکم دے دیا کہ ان کا پاجامہ پھاڑ دیا جائے تاکہ برہنہ ہو جائیں اور انھیں اتنے تازیانہ لگوائے کہ سارا جسم لہولہان ہو گیا۔

Presented by Ziaraat.Com

اسی دوران میں آپ کو اپنے بھائی عبد اللہ بن حسن کے پہلو میں بٹھایا گیا۔ پیاس کا شدید غلبہ تھا لیکن افسوس کہ آپ کے مطالبہ پر بھی کسی شخص نے پانی نہ دیا۔ یہاں تک کہ ایک خراسانی نے رحم کھا کر سیراب کر دیا۔

اس کے بعد منصور نے حکم دے دیا کہ ان تمام اسیروں کو پابہ زنجیر کر کے مدینہ سے عراق روانہ کر دیا جائے۔

اب کیا تھا قیدیوں کے گرد سپاہیوں کا ہجوم تھا۔ اور اولادِ رسولؐ اس آخری قید خانہ کوفہ کی طرف منتقل کی جا رہی تھی جہاں رات اور دن کا امتیاز ناممکن تھا۔

منصور نے ان افراد کو تہ خانہ میں رکھا اور ان کے ساتھ وہ سلوک کیا جو ایک بھیڑیا اپنے شکار کے ساتھ بھی نہیں کرتا ہے۔ ان میں اگر کوئی مر بھی جاتا تھا تو اس کا جنازہ یوں ہی پڑا رہتا تھا اور یہ لوگ ان تمام مصائب میں بھی نامِ خدا لے کر صبر کر رہے تھے۔ سارا وقت تلاوتِ قرآن اور نمازوں میں گذارتے تھے لیکن دشواری یہ تھی کہ نماز کے اوقات کا اندازہ بھی نہ ہوتا تھا۔ تلاوتِ قرآن سے وقت کا اندازہ کرتے تھے۔ مگر افسوس کہ منصور نے اس ظلم پر بھی اکتفا نہ کی اور آخر کار قید خانہ کو ان کے سروں پر منہدم کرا کے سب کا خاتمہ کرا دیا۔

(۵)

حقیقت امر یہ ہے کہ ان دونوں ادوار میں امام صادقؑ نے انتہائی مشکلات و مصائب کا مقابلہ کیا ہے۔ بنی امیہ کے دور میں آپ بنی ہاشم کے سردار اور سرکارِ رسالتؐ کے وارث ہونے کی حیثیت سے حکومت کی نظروں میں سمائے رہے اور وہ ہر آن آپ کے خاتمہ کی تدبیر میں مصروف اور اپنے وراثتی حالات کی بنا پر اظہارِ عداوت میں سرگرم عمل رہے۔ یہ اور بات ہے کہ قدرت اپنے فضل و کرم سے امام کو بچانے میں مصروفِ تدبیر تھی۔

بنی عباس کا دور آیا تو اس میں بھی آپ حکومت کی نظروں میں رہے اس لئے کہ وہ حکومت ہی آلِ محمدؐ کے نام پر حاصل کی گئی تھی اور آپ ان کے راس و رئیس کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کی ذاتِ مبارک ایک نمایاں امتیاز کی مالک تھی۔

سفاح نے بظاہر اپنے دور میں کسی حد تک نرمی سے کام لیا تھا لیکن منصور کا دور آتے ہی

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

پانی سر سے اونچا ہو گیا۔ جس کا سبب یہ تھا کہ منصور کا آپ سے سابقہ پڑ چکا تھا اور وہ آپ کے کمالات و فضائل سے بخوبی واقف تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ان کی موجودگی میں اس کی شخصیت یا اس کا کوئی وقار قائم نہیں رہ سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے آپ کی کڑی نگرانی شروع کر دی اور آپ سے بچنے کی تمام تدبیریں عمل میں لاتا رہا۔

ادھر چغل خور قسم کے افراد بھی کوشش میں لگے ہوئے تھے اور منصور کے کان بھرے جاتے تھے۔

خواہش یہ تھی کہ کسی طرح امام کا خاتمہ کرا دیا جائے لیکن آپ بھی اپنے حسنِ تدبیر سے ان تمام تہمتوں کو بے بنیاد ٹھہراتے رہے اور منصور کو کسی وقت بھی اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہونے دیا۔

(٦)

چغل خوروں کی کثرت برابر منصور کے کان بھر رہی تھی یہاں تک کہ منصور کے باطنی جذبات ابھر ہی آئے اور بغض و حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔ اس نے سنہ ۱۴۷ھ میں حج کے بہانے مدینہ جاکر ربیع کے ذریعہ امام صادقؑ کو طلب کر لیا۔ حکم یہ تھا کہ انھیں نہایت ہی سختی کے ساتھ گرفتار کر کے لایا جائے۔ اگر میں نے آج انھیں قتل نہ کیا تو خدا مجھے قتل کر دے۔

ربیع نے اس بات کو ٹالنا چاہا لیکن منصور نے دوبارہ تاکیدی حکم صادر کر دیا۔ آخرکار آپ کو حاضر کیا گیا۔ اور منصور نے آپ سے نہایت ہی بیہودہ انداز میں گفتگو کی اور اثنائے کلام میں یہاں تک کہہ دیا کہ "تمھیں اہلِ عراق امام سمجھ کر مال زکوٰۃ دیتے ہیں اور تم میری حکومت کی مخالفت کرتے ہو۔ آج اگر میں نے تمھیں قتل نہ کیا تو خدا مجھے قتل کر دے۔

آپ نے نہایت سنجیدہ لہجہ میں فرمایا کہ "اے امیر! سلیمان کو حکومت ملی تو انھوں نے شکر کیا۔ ایوب مصائب میں مبتلا ہوئے تو انھوں نے صبر کیا، یوسف پر ظلم کیا گیا تو انھوں نے معاف کر دیا۔ تو بھی ایک بادشاہ ہے۔"

منصور یہ سن کر خوش ہوا اور کہنے لگا "اے ابو عبداللہ تم میرے نزدیک بالکل بری ہو۔ خدا تمھیں جزائے خیر دے۔"

یہ کہہ کر آپ کو اپنے پہلو میں بٹھایا اور عطر وغیرہ لگا کر آپ کو رخصت کر دیا۔ اس کے بعد

ربیع کے ذریعہ آپ کو انعام اور صلے بھی دیئے۔ ربیع آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ میں نے آپ کے آنے کے قبل اور بعد میں عجیب تفاوت دیکھا ہے۔ آخر اس کا سبب کیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے یہ دعا پڑھ لی تھی جس کی وجہ سے محفوظ رہا۔

اللھم احرسنی بعینك التی لا تنام واکفنی برکنك الذی لا یرام واغفرلی بقدرتك علی لا اھلك وانت رجائی اللھم انك اکبر واجل ممن اخاف واحذر اللھم بك ادفع فی نحرہ واستعین بك من شرہ۔

(صفوۃ الصفوۃ ابن جوزی ۲ ص۹۶ فصول مہمہ مالکی ص۲۰۷، ارشاد مفید ص۲۵)

منصور کے ذہن میں یہ بات راسخ تھی کہ کسی طرح امام کا خاتمہ ہونا چاہئے اور وہ اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ رہا تھا کہ ہزاروں افراد آپ کی امامت کے معتقد ہیں۔ آپ کو اموال بھیجتے ہیں اور آپ کی عظمت و بزرگی کے قائل ہیں۔ یہاں تک کہ خود منصور کے پہلو نشین افراد بھی آپ کی طرف میلان رکھتے تھے۔

چنانچہ ایک مرتبہ اس نے آپ کے امتحان کی غرض سے ابن مہاجر کو کچھ مال دے کر روانہ کیا کہ وہ مدینہ جا کر عبداللہ بن حسن، امام صادق اور دیگر حضرات کو یہ مال زکوٰۃ دیدے اور اپنے کو خراسان کا شیعہ بتائے اور ان حضرات سے رسید لکھوالے۔

وہ شخص مدینہ گیا اور جب پلٹ کر آیا تو منصور نے اس سے کیفیت معلوم کی۔ اس نے سب کے خطوط دیئے اور صرف امام صادق کی کوئی رسید نہ تھی۔

منصور نے اس کا سبب دریافت کیا۔ اس نے بتایا کہ میں جس وقت پہنچا وہ مسجد رسولؐ میں مشغول نماز تھے۔ میں بیٹھ گیا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمانے لگے۔ اے شخص خدا کا خوف کر اور آل محمدؐ کو فریب نہ دے اور منصور سے بھی یہی کہہ دینا اس لئے کہ وہ بھی بنی مروان کے دور سے قریبی زمانے ہی میں ہے اور پھر بھی محتاج ہیں۔

ابن مہاجر کہتا ہے کہ میں نے حضرت سے اس کلام کا مطلب دریافت کیا تو آپ نے مجھے قریب بلا کر اس پوری گفتگو کو دہرا دیا جو میرے اور تیرے درمیان ہوئی تھی۔

منصور یہ سن کر مدہوش ہو گیا اور کہنے لگا کہ سچ ہے۔ ہر دور میں اہلبیتؑ میں ایک الہامی

Presented by Ziaraat.Com

شخصیت رہتی ہے۔ آج وہ شخصیت جعفرؑ بن محمدؑ کی ہے۔ (ابن شہر آشوب ۲ ص۳۰۲)

امام کے بے پناہ علم و تدبر کا نتیجہ تھا کہ منصور کے تمام منصوبے ناکام ہو گئے اور وہ کسی معقول وجہ سے امام کے خون کو حلال نہ بنا سکا۔ اس نے شیعوں کے نام سے خطوط لکھے۔ زکوٰۃ وغیرہ کے اموال بھیجے۔ رسیدوں کا جھگڑا نکالا مگر اس کے باوجود امام کے کسی فعل کی گرفت نہ کر سکا۔ اس کی نظر میں تمام اہلبیتؑ سے زیادہ خطرناک شخصیت حضرتؑ ہی کی تھی۔ وہ دس سال تک آپ کے ساتھ رہ کر بنی امیہ کے دور میں آپ کی بے پناہ صلاحیت کا مشاہدہ کر چکا تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ آپ اس دور کی علمی رفتار کے قائد اعظم ہیں۔ آپ کے پاس تمام عرب کے علماء و فقہاء و فلاسفہ حاضر ہو کر تحصیلِ علوم کر رہے ہیں۔ اہلِ حدیث و اہلِ قیاس کے معرکے بھی آپ ہی کی فکرِ بلیغ سے سر ہوئے ہیں۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ امامؑ ہی نے محمد بن عبداللہ کو اقدام کرنے سے روکا ہے اور ان کی بیعت کو قبل از وقت قرار دیا ہے لیکن سوچتا یہ تھا کہ ایسا نباضِ وقت اور بابصیرت انسان کسی وقت بھی اس انقلاب کی قیادت کر سکتا ہے۔ چنانچہ وہ مسلسل تاک میں لگا رہا۔ یہ اور بات ہے کہ امام کی وسعتِ فکر و نظر کی بنا پر کامیاب نہ ہو سکا۔

امامؑ کی سیاست یہ تھی کہ امورِ حکومت میں مداخلت نہ کی جائے اور اس کے خلاف کوئی اقدام نہ کیا جائے۔ چنانچہ آپ نے برابر علویین کو انقلاب سے روکا۔ اور جب ابو سلمہ خلال نے آپ کو خلافت دینا چاہی تو آپ نے اس سے بھی انکار کر دیا۔ اس نے اصرار کرتے ہوئے بتایا کہ یہ ستر ہزار افراد پر مشتمل لشکر حاضر ہے، اب بھی سوچ لیجئے۔ آپ نے پھر وہی انکار کیا اور فرمایا کہ یہ حکومت آج سفاح کے ہاتھوں میں ہے اور کل منصور کو ملے گی۔

(مناقب ابن شہر آشوب ۲ ص۲۱۱)

ایران کے سربراہ ابو مسلم خراسانی نے آپ کے سامنے حکومت کی پیشکش کی اور یہ عرض کیا کہ میں نے آلِ محمدؐ کی مظلومی اور بنی امیہ کے مظالم کا حوالہ دے کر مسلمانوں کو اہلبیتؑ کی طرف موڑ دیا ہے۔ آپ حکومت چاہتے ہیں تو لے لیجئے۔ اب کسی مزید زحمت کی ضرورت نہیں ہے۔
آپ نے فرمایا کہ "نہ تم میرے کام آؤ گے اور نہ زمانہ میرے لئے سازگار ہے۔

(الملل والنحل ۱ ص۲۴۱)

Presented by Ziaraat.Com

یہی وہ وسعتِ نظر اور دور اندیشی تھی جس کی بنا پر آپ نے ہر ایسی دعوت کو ٹھکرا دیا جس کی بنیاد خلوص و مذہب پر نہ ہو اور برابر یہ ظاہر کرتے رہے کہ یہ لوگ میرے ہمراز و دمساز نہیں ہیں۔ ان کے اغراض میرے واقعی مقاصد سے بالکل جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے پہلے ہی پیشین گوئی کر دی تھی کہ خلافت بنی ہاشم میں صرف عباسیوں کو ملے گی اور اسی بنیاد پر نفس زکیہ کو اقدام کرنے سے روک دیا تھا۔

یہ بات آپ کے لئے کوئی تعجب خیز نہ تھی اس لئے کہ ائمہ اہلبیتؑ اکثر قبل از وقت امور کی خبر دے دیا کرتے تھے۔ چنانچہ بنی عباس کی لامحدود سلطنت اور ان کے بے پناہ ظلم و تشدد کے اشارے بھی ان حضرات کے کلمات میں بکثرت پائے جا رہے تھے۔

(ابن الفوطی مورخ عراق)

Presented by Ziaraat.Com

امام صادقؑ

۱۔ آپ کی شخصیت کے بارے میں اعترافات
۲۔ آپ کی علمی حیثیت
۳۔ آپ کے امراء و خلفاء
۴۔ آپ کا مدرسہ اور اس کے طلاب

Presented by Ziaraat.Com

جائزۂ تاریخ

تاریخ ایک ایسا شفاف آئینہ ہے جو اپنی تمام صورتوں کو آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ رکھتا ہے۔ وہ کسی ایک قوم یا مذہب سے مخصوص نہیں ہے۔ اس کی حیثیت اس معتبر امین کی ہے جو اپنی امانت میں کسی وقت بھی خیانت نہیں کرتا ہے۔ وہ ایسا امانت دار جوہر ہے کہ جس میں غلط عناصر شامل بھی کر دیئے جائیں تو ایک نہ ایک دن ان کو الگ کر کے بے نقاب کر دے گا۔

صحیح تاریخ اپنے واقعات میں کسی رو رعایت کی قائل نہیں ہے۔ وہ تمام واقعات و حادثات کو ان کی صحیح شکل میں محفوظ رکھتی ہے اور بلا کم و کاست ہر دور کے انسان کے سامنے پیش کر دیتی ہے۔

کبھی کبھی سیاسی بازیگر تاریخ کے دامن کو داغدار بنانے کے لئے اس کے حقائق کو مسخ کر دیتے ہیں اور اس کی آزادی کو سلب کر کے اسے اپنے ذاتی اغراض کا اسیر بنا لیتے ہیں اور پھر اس بات کا موقع نہیں دیتے ہیں کہ وہ اپنے صحیح فریضہ کو ادا کر سکے۔ لیکن یہ امانت دار اپنے دامن کے کسی نہ کسی گوشہ میں حقائق کو چھپا لیتا ہے تاکہ آنے والی نسلوں کو ان کی طرف متوجہ کر کے اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو سکے۔

تاریخ پر یہ بہت بڑا ظلم ہے کہ اسے شخصیت کا آئینہ دار ہونے کے بجائے شخصیت کا خدمت گذار بنا دیا جائے لیکن وہ اس جکڑ بند کے باوجود اپنا فریضہ ادا کرتی ہے۔ اس نے ہمیشہ

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

صاحبانِ فکر و نظر کو دعوت دی ہے کہ وہ سیاست کے کانٹوں کو ہٹا کر حقیقت کے پھول چن لیں۔ چنانچہ میں بھی حیاتِ امام صادقؑ کے گلہائے رنگین کو خواہشات و تعصب، نفسانیت و اغراض کے کانٹوں کے بیچ سے منتخب کر رہا ہوں۔

مجھے افسوس ہے کہ اکثر مورخین نے ہمارے اس امامؑ کی مقدس حیات کے ساتھ انصاف نہیں کیا ہے۔

ابن کثیر نے بعض بے سود و بے ارزش شخصیتوں پر صفحات رنگین کر دیئے ہیں۔ مگر امامؑ کا ذکر صرف ان لفظوں میں کیا ہے کہ ۱۴۸ھ کے حوادث میں ایک حادثہ یہ بھی ہے کہ اس سال امام جعفر صادقؑ نے انتقال فرمایا ہے۔

اس سے زیادہ ستم یہ ہے کہ مروج الذہب کی اصلاح و تحقیق کرتے ہوئے لغت کے علامہ محمد محی الدین، آنحضرتؑ کے تذکرہ میں آپ کا نام "محمد بن جعفر علوی" لکھتے ہیں۔ (ج ۲ ص ۲۱۲) اس مقام پر یہ فرض کر لینا غلط ہوگا اصل کتاب میں حضرت کا نام غلط چھپ گیا تھا اس لئے کہ پھر سوال یہ ہے کہ اس محقق مدقق علامہ نے اس کی اصلاح کیوں نہ کی؛ کیا یہ شبہ نہ کیا جائے کہ یہ علامہ دہر بھی نام تبدیل کر کے شخصیت کو مشتبہ بنانا چاہتا ہے۔

افسوس کہ امام صادقؑ کی سیرت پر قلم اٹھانے والے افراد نے انصاف سے کام نہیں لیا ہے اور نہ آپ کی زندگی کا حق و حقیقت کی روشنی میں تجزیہ کیا ہے۔ ان کا اندازِ بیان ہی بتاتا ہے کہ ان کی کھینچی ہوئی تصویر ایک ایسے مصور کے قلم سے کھینچی گئی ہے جس کا ہاتھ کانپ رہا ہو اور جس کی ہر حرکت کسی کے چشم و ابرو کے اشارے کی تابع ہو۔

آپ کی زندگی کا یہ ایک معجزہ ہے کہ تاریخ کی ان ناانصافیوں کے باوجود آپ کو بڑی وقیع نظروں سے دیکھا گیا ہے۔ چنانچہ اس وقت ہم امتِ اسلامیہ کے بڑے بڑے علماء و رؤساء مذہب، ائمۂ وقت اور مورخینِ عظام کے اقوال کو نقل کر کے یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ امامؑ کی حیثیت ان بزرگوں کی نظروں میں کیا تھی اور یہ لوگ آپ کو کس منزل پر سمجھتے تھے؛

عطر بار کلمات

ہر دور میں اللہ ہم اہلبیتؑ میں سے ایک حجت کو رکھتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ اپنا فرض ہدایت ادا کرے اور آج ہمارے زمانے میں حجتِ خدا میرے بھتیجے جعفرؑ ہیں، جن کا اتباع باعثِ نجات اور جن کی مخالفت سببِ ہلاکت ہے۔ (مناقب ابن شہر آشوب ۲ ص۱۴۷)

—— زیدؒ بن علیؑ

جعفرؑ پروردگار کے اس قول ثم اورثنا الکتاب کے مصداق ہیں۔ وہ وارث کتاب بھی ہیں اور سابق فی الخیرات بھی۔ (یعقوبی ۲ ص۱۷۷)

اس کے علاوہ اہلبیتؑ کی حیثیت الہامی ہوتی ہے اور اس دور میں ان کی فرد جعفرؑ بن محمدؑ ہیں۔ (مناقب ۲ ص۳۰۲)

—— منصور دوانیقی

میں جعفرؑ بن محمدؑ کے پاس بارہا حاضر ہوا اور انھیں یا تو نماز کی حالت میں پایا یا روزہ کے عالم میں یا پھر تلاوتِ قرآن کرتے ہوئے۔ (تہذیب)

علمی اعتبار سے جعفرؑ بن محمدؑ سے بہتر انسان نہ آنکھوں نے دیکھا ہے اور نہ کانوں نے سنا ہے اور نہ کسی انسان کے تصور میں آیا ہے۔ عبادت و زہد و تقویٰ میں بھی آپ کا یہی عالم تھا۔ (تہذیب ۲ ص۱۰۴)

—— مالک بن انس

Presented by Ziaraat.Com

میں جب بھی جعفرؑ بن محمدؑ کو دیکھتا تھا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ انبیاء کے وارث ہیں۔ (تہذیب ۲ ص۱۰۴)

ـــــ عمرو بن المقدام

میں نے جعفرؑ بن محمدؑ سے بہتر فقیہ نہیں دیکھا ہے۔ جب کہ منصور نے انھیں بلایا اور مجھ سے کہا کہ لوگ جعفرؑ بن محمدؑ کے گرویدہ ہوئے جا رہے ہیں۔ ان کے لئے سخت ترین مسائل تیار کرو۔ میں نے چالیس مسئلے تیار کئے اور پھر مجھے حیرہ سے بلا بھیجا۔ میں پہنچا تو حضرت جعفرؑ بن محمدؑ موجود تھے۔ میں نے جیسے ہی آپ کو دیکھا۔ ایک ہیبت طاری ہو گئی۔ میں نے سلام کیا اور حکم پا کر بیٹھ گیا۔

منصور نے امام سے کہا کہ یہ ابو حنیفہ ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں۔

اس کے بعد مجھے حکم دیا کہ میں سوالات پیش کروں۔

چنانچہ میں نے سوالات شروع کئے اور انھوں نے جوابات دینا شروع کر دیا۔ جس کا انداز یہ تھا کہ تم لوگوں کی رائے یہ ہے، اہلِ مدینہ کا خیال یہ ہے اور ہمارا فتویٰ یہ ہے۔ کبھی آپ کا فتویٰ کسی کے موافق ہوتا تھا اور کبھی بالکل خلاف۔

یہاں تک کہ میں نے تمام مسائل پوچھ لئے اور سچ تو یہ ہے کہ روایت کی بنیاد پر سب سے بہتر انسان وہ ہوتا ہے جو اختلافی مسائل پر زیادہ نظر رکھتا ہو۔ (مناقب ابی حنیفہ ۱ ص۱۷۳۔ جامع اسانید ابو حنیفہ ۱ ص۲۲۲۔ تذکرۃ الحفاظ ۱ ص۱۵۷)

ـــــ ابو حنیفہ

یہ بشر نہیں ہے، یہ تو ایک ایسی ذات ہے کہ جب چاہے جسمانی بن جائے، اور جب چاہے روحانی بن جائے۔

ـــــ ابن ابی العوجاء

جعفرؑ بن محمدؑ علم کامل اور ادب تام کے مالک اور زہد و ورع میں بے نظیر تھے۔ ایک مدت تک مدینہ میں رہ کر اپنے شیعوں پر فیضانِ علوم کرتے رہے اور اس کے بعد عراق میں بھی عالم رہا۔ نہ کبھی حکومت کی خواہش کی اور نہ خلافت کا جھگڑا اٹھایا۔ ظاہر ہے کہ دریائے معرفت میں غوطہ زن ساحل کیا جانے؟ اور حقیقت کی بلندیوں پر پہنچ جانے والا پستی کا کیا خوف

Presented by Ziaraat.Com

رکھے ؛ (الملل والنحل ا صہ ۲۷۲)

محمد بن عبدالکریم شہرستانی

امام صادق اپنے خاندان میں اپنے والد کے واقعی وارث تھے۔ آپ سے اس قدر علوم نقل کئے گئے ہیں کہ کسی اور سے نقل نہیں ہوئے ہیں۔ آپ حدیث میں راس و رئیس تھے اور آپ سے یحییٰ بن سعید، ابن جریح، مالک بن انس، ابن عیینہ، ابو ایوب سجستانی وغیرہ نے روایت کی ہے۔

قرمانی

جعفرؑ بن محمدؑ فقہ و علم و فضل کے اعتبار سے اہلبیتؑ کے سردار تھے۔

ابن حیان

جعفرؑ بن محمدؑ ایسے معتبر انسان تھے جن کے بارے میں سوال اٹھانا غلط ہے۔

حافظ ابو حاتم

جعفرؑ بن محمدؑ علماء و سادات اہلبیتؑ میں سے تھے۔ علم و عبادت، زہد و تقویٰ کے اعتبار سے نمایاں شخصیت رکھتے تھے۔ معانی قرآن، حقائق تاویل، جواہر تنزیل کے واقف اور اپنے اوقات کے باقاعدہ محاسب تھے۔ ان کے دیکھنے سے آخرت کی یاد اور ان کا کلام سننے سے دنیا میں زہد و تقویٰ کے جذبات پیدا ہوتے تھے۔ ان کی اقتدا جنت کی ضامن اور ان کا چہرہ خاندانِ نبوت کا گواہ تھا۔ امت کے بڑے بڑے علماء و فضلاء یحییٰ بن سعید، ابن جریح، مالک بن انس، ابن عیینہ، ابو ایوب سجستانی وغیرہ نے ان سے استفادہ کیا ہے اور اس شاگردی کو اپنے لئے فضل و کمال سمجھا ہے۔ (مطالب السئول ۲ صہ ۵۵)

کمال الدین محمد بن طلحہ شافعی

جعفرؑ بن محمدؑ امام ناطق اور افضل امت تھے۔ آپ نے عبادت کو اپنا شعار بنایا۔ گوشۂ عافیت میں زندگی گذاری اور ریاست و اجتماعات سے علیحدگی اختیار کی۔ (حلیۃ الاولیاء ۳ صہ ۱۹۲)

ابو نعیم

حضرت جعفر بن محمدؑ بن علیؑ بن الحسینؑ اپنی عبادتوں کی وجہ سے ریاست سے بالکل الگ

Presented by Ziaraat.Com

تھے۔ (صفوۃ الصفوۃ ۲ ص ۹۴)

عبدالرحمٰن بن جوزی ــــــ

جعفرؑ بن محمدؑ بن علیؑ بن الحسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ کی کنیت ابو اسماعیل، القاب طاہر و فاضل اور سب سے مشہور لقب صادق تھا۔ (تذکرۃ الخواص ص ۳۵۱)

ابوالمظفر یوسف ــــــ

میں نے اسی مسجد کوفہ میں ۹۰۰ بزرگوں کو جعفرؑ بن محمدؑ سے روایت بیان کرتے سنا ہے۔ (مجالس سنیہ ۵ ص ۲۰۹)

حسن بن علی الوشاء ــــــ

جعفرؑ بن محمدؑ کے دروازے پر علماء کا ہجوم رہتا تھا اور چنے ہوئے لوگ ان سے استفادہ کرتے تھے۔ آپ سات سال کے سن سے گہرے مطالب اور پیچیدہ حقائق بیان کیا کرتے تھے۔ (مناہج التوسل ص ۱۰۶)

عبدالرحمٰن بن محمد الحنفی البسطامی ــــــ

جعفرؑ بن محمدؑ نے اپنے علم و فقہ سے دنیا کو پر کر دیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ابو حنیفہ اور سفیان ثوری ان کے شاگرد تھے اور ظاہر ہے کہ یہ بات ان کے بارے میں کافی ہے۔ (رسائل جاحظ ص ۱۰۶)

ابو بحر الجاحظ ــــــ

جعفرؑ بن محمدؑ ایک راست گو فقیہ تھے۔ (تقریب التہذیب ص ۶۸)

ابن حجر عسقلانی ــــــ

حضرت صادقؑ کے مناقب جلیل اور ان کے اوصاف کامل تھے۔ وہ اپنے آباء کرام کی سیرت پر قائم اور ان کے علوم کے حامل تھے۔ انھوں نے اپنے کو زہد و تقویٰ، اطاعت و عبادت کے لئے وقف کر دیا تھا۔ ان کے اوراد و وظائف کا یہ عالم تھا کہ جسے آسمان بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

ابو الفتح ازلی ــــــ

Presented by Ziaraat.Com

ابو عبداللہ امام اعظم جعفر صادق صاحبِ معجزات و کرامات تھے۔ غیب کی خبریں دیا کرتے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ ام فروہ بنتِ قاسم بن محمد بن ابوبکر تھیں کہ جن کی ماں اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر تھیں اس لئے آپ اپنے کو ابوبکر کی اولاد میں شمار کرتے تھے۔ آپ ۸۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۴۸ھ میں انتقال فرما کر بقیع میں دفن ہوئے۔ (غایۃ الاختصار ص۶۲)

——— محمد بن حمزہ بن زہرہ نقیب حلب

جعفر بن محمدؑ سے اتنے علوم نقل ہوئے ہیں کہ جن کا چرچا شہر بشہر اور دیار بہ دیار تھا۔ اکابر یحییٰ بن سعید، ابن جریح، مالک، سفیان، ابوحنیفہ، شعبہ، ابوایوب جیسے افراد نے آپ سے روایت کی ہے۔ (صواعق ص۱۲۰)

——— احمد بن حجر

حضرت صادقؑ مدینہ میں جمعہ کے دن طلوعِ فجر کے وقت ۸۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ۶۵ سال کی زندگی پائی اور ۳۴ سال امامت کی۔ آپ سے مختلف المذاہب علماء نے اتنے علوم نقل کئے ہیں کہ جن کا شہرہ تمام آفاق میں ہے۔ آپ سے روایت کرنے والوں کی تعداد چار ہزار ہے۔ شوال ۱۴۸ھ میں وفات پائی اور بقولے منصور نے زہر دیا اور بقیع میں اپنے آباء کرام کے پہلو میں دفن ہوئے۔ (صحاح الاخبار ص۴۴)

——— محمد سراج الدین رفاعی

حضرت جعفر کا لقب صداقتِ لہجہ کی بنا پر صادق تھا۔ آپ کیمیا، جفر، فال وغیرہ میں ماہر تھے۔ ۸۰ھ میں مدینہ میں متولد ہوئے۔

——— عمرو بن الوردی

حضرت صادقؑ ——— ابو عبداللہ، امام، سید، ہاشمی، علوی، حسینی، مدنی تھے۔ آپ کے القاب صابر، فاضل، طاہر اور مشہور ترین لقب صادق ہے۔ آپ سے ابوحنیفہ، ابن جریح، شعبہ، سفیان اور مالک وغیرہ نے حدیث نقل کی ہے۔ (النجوم الزاہرہ ۲ ص۸)

——— جمال الدین ابو المحاسن

جعفر صادقؑ ائمہ اثنا عشر میں چھٹے امام تھے۔ آپ کی والدہ ام فروہؓ بنت قاسمؒ بن محمد بن

Presented by Ziaraat.Com

ابی بکر تھیں۔ آپ مدینہ میں ۸۳ھ میں پیدا ہوئے۔ امام باقرؑ کے سب سے بڑے فرزند تھے۔ اپنے والد بزرگوار کے زیر تربیت رہے۔ آپ سے امام ابوحنیفہ نے بھی شرف شاگردی حاصل کیا ہے۔ آپ ہر علم میں وسعت نظر رکھتے تھے۔ بالخصوص جفر وکیمیا۔ آپ سے اس فن کو جابر نے بھی حاصل کیا تھا۔ زہد و تقویٰ، قناعت و حسن اخلاق میں آپ کا مثل نہ تھا۔ صدق حسب کی بنا پر آپ کا لقب صادق تھا۔ منصور آپ کا احترام کرتا تھا اور آپ سے استفادہ کیا کرتا تھا۔ ابومسلم خراسانی نے ابتدا میں حکومت آپ ہی کو پیش کی تھی لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ آپ کے سات لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔ ۱۴۸ھ میں ۶۵ سال کی عمر میں مدینہ میں انتقال فرمایا اور اپنے آباء و اجداد کے جوار میں دفن ہوئے۔ مذہب شیعہ آپ ہی کی نسبت سے جعفریہ کہلاتا ہے۔ (قاموس الاعلام)

جعفرؑ بن محمدؑ ہاشمی مدنی المعروف بہ امام صادقؑ کی امامت متفق علیہ ہے۔ آپ کی والدہ ام فروہ بنت قاسم تھیں۔ (شرح الشفاء ۲ ص۳۵)

ـــــــ ملا علی القاری

جعفر بن محمدؑ کی کنیت ابوعبداللہ آپ کی والدہ ام فروہ ان کی والدہ اسماء تھیں۔ آپ سادات اہلبیتؑ میں سے تھے۔ آپ نے اپنے والد ماجد اور محمد بن منکدر اور عطاء بن ابی رباح سے سنا ہے اور آپ سے عبدالوہاب ثقفی، حاتم بن اسماعیل، وہیب بن خالد، حسن بن عیاش، سلیمان بن بلال، ثوری، داوردی، یحییٰ بن سعید، حفص بن غیاث، مالک بن انس اور ابن جریج نے روایت کی ہے۔ آپ ۸۰ھ میں متولد ہوئے اور ۱۴۸ھ میں ۶۴ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ (الجمع بین رجال الصحیحین ۱ ص۷۰)

ـــــــ محمد بن طاہر بن علی المقدسی

(امام کے غیر معصوم سے روایت کرنے کی ذمہ داری راوی پر ہے۔ جوادی)

جعفر صادقؑ ہاشمی قرشی فرقۂ امامیہ کے چھٹے امام تھے۔ علمی اعتبار سے آپ کی منزل بہت بلند تھی۔ آپ کے شاگرد ابوحنیفہ، مالک، جابر بن حیان وغیرہ جیسے افراد تھے۔ صدق لہجہ کی بنا پر صادق لقب پایا۔ بنی عباس کے ساتھ آپ کا طرز زندگی معروف ہے۔ اظہار حق

Presented by Ziaraat.Com

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

Presented by Ziaraat.Com

سے بڑے بڑے فلاسفہ استفادہ کرنے کے لئے حاضر ہوا کرتے تھے۔ (تاریخ عرب ص۱۷۹)

——— امیر علی ہندی

امام جعفر صادق خاندانِ علوی کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کی کنیت ابوعبداللہ، ابواسمٰعیل القاب صادق، طاہر، فاضل وغیرہ تھے۔ آپ سے اتنے علوم نقل کئے گئے ہیں کہ ان کا چرچا تمام عالم میں ہے۔ بڑے بڑے علماء یحییٰ، مالک، ابوحنیفہ وغیرہ نے آپ سے روایت کی ہے۔ (جواہر الکلام ص۱۳۱)

——— محمد ابن وہیب بغدادی

حضرت امام جعفرؑ بن محمدؑ ہاشمی مدنی اور صادق تھے۔ آپ کی والدہ ام فروہ بنتِ قاسم بن محمد بن ابی بکر تھیں۔ آپ نے اپنے والد، قاسم بن محمد، نافع، عطاء، محمد بن منکدر اور زہری سے روایت کی ہے۔ اور آپ سے محمد بن اسحاق، یحییٰ انصاری، مالک، سفیان، ابن جریج، شعبہ، یحییٰ القطان وغیرہ نے روایت کی ہے۔ آپ کی امامت اور جلالتِ قدر متفق علیہ ہے۔ عمرو بن ابی المقدام کے قول کے مطابق آپ کے چہرے سے اندازہ ہوتا تھا کہ آپ کی شخصیت ساری نبوتوں کا خلاصہ ہے۔ (تہذیب الاسماء ۱ ص۱۵۵)

——— ابوزکریا محی الدین بن شرف

نوٹ: امام کے دوسروں سے روایت کرنے کی ذمہ داری ابوزکریا پر ہے۔ (جوادی)

حضرت جعفر صادق سے مالک، سفیان، ابن جریج، ابن اسحاق وغیرہ نے روایت کی ہے۔ آپ کی امامت، سیادت اور جلالت متفق علیہ ہے۔ آپ کی ولادت ۸۰ھ اور وفات ۱۴۸ھ میں ہے۔ ایک قول کی بنا پر آپ کو زہر دیا گیا۔ شافعی، ابن معین، ابوحاتم، ذہبی وغیرہ نے آپ کی توثیق کی ہے۔ آپ فضلاء و علماء اہلبیتؑ میں شمار ہوتے تھے۔ (شرح الشفاء)

——— احمد شہاب الدین خفاجی

حضرت جعفرؑ بن محمدؑ ایسے مستجاب الدعوات تھے کہ جب بھی اللہ سے کوئی دعا کی تو کلام کے ختم ہونے سے پہلے ہی اس شے کو اپنے سامنے حاضر پایا۔ (نور الابصار)

——— شبلنجی

Presented by Ziaraat.Com

حضرت جعفر بن محمدؑ علوی نسب اور سردار بنی ہاشم تھے۔

ذہبی ــــــ

حضرت جعفر بن محمدؑ فقیہ صادق تھے۔

زرقانی ــــــ

حضرت ابوعبداللہ جعفرؑ بن محمدؑ مذہب اثنا عشریہ کے ایک امام تھے۔ سادات اہلبیتؑ میں شمار ہوتے تھے۔ صدق لہجہ کی بنا پر صادق لقب پایا تھا۔ آپ کے فضائل محتاجِ بیان نہیں ہیں۔ (وفیات الاعیان)

ابن خلکان ــــــ

جانِ نبوت، اصل مروت وفتوت حضرت ابوعبداللہ جعفرؑ بن محمدؑ صادق۔ باپ کے رشتے سے علوی اور ماں کی طرف سے حضرت ابوبکر کی نسل سے تھے۔ ۸۰ھ میں مدینہ میں متولد ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ بقیع میں پدر بزرگوار کے پہلو میں دفن ہوئے جہاں خاندان کے بہت سے بڑے بزرگ مدفون ہیں۔ صدق مقال کی وجہ سے صادق لقب پایا۔ علوم توحید میں بہترین مقالات انشاء فرمائے۔ آپ کے شاگرد جابر بن حیان نے ایک کتاب میں آپ کے ۵۰۰ رسالے جمع کئے ہیں۔ (مرآۃ الجنان ۱ صفحہ ۳۰۴)

یافعی ــــــ

کواکب ج ۱ صفحہ ۹۴ میں علامہ مناوی آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ کے بہت سے کرامات ومکاشفات مشہور ہیں۔ منجملہ، ایک شخص نے منصور کے پاس آکر شکایت کی۔ منصور نے اسے بلاکر قسم لی تو اس نے قسم بھی کھالی لیکن حضرت نے فرمایا کہ جیسے میں تعلیم دوں اس طرح قسم کھائے۔ اس نے طریقہ دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کی طاقت سے بیزاری اور اپنی طاقت پر اعتماد کی قسم کھائے۔ اس نے پہلے تو انکار کیا لیکن تھوڑی دیر بعد تیار ہوگیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قسم کھاتے ہی راہئی ملکِ عدم ہوگیا۔ (زہق الباطل)

کسی شخص نے آپ کے غلام کو قتل کر دیا تو آپ نے رات بھر نمازوں میں اس کے لئے بددعا کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سحر کے وقت دنیا کو خیرباد کہہ گیا۔

Presented by Ziaraat.Com

حکم بن عباس کلبی نے جناب زید کی شان میں کچھ گستاخانہ شعر کہے۔ جب آپ کو خبر ہوئی تو آپ نے بد دعا کی جس کا اثر یہ ہوا کہ اسے شیر نے پھاڑ ڈالا۔

طبری نے ابن وہب کے ذریعہ لیث بن سعد سے نقل کیا ہے کہ میں ۱۱۳ھ میں حج کے موقع پر نمازِ عصر پڑھ کر کوہ ابو قبیس پر گیا تو دیکھا کہ ایک شخص دعا پڑھ رہا ہے۔ عالم یہ ہے کہ ایک سانس تک یا رب کہتا ہے۔ پھر ایک سانس تک یا حیّ۔ اس کے بعد عرض کرتا ہے خدایا، مجھے انگور کی ضرورت ہے۔ مالک میری چادر کہنہ ہوگئی ہے۔ اب جو دعا ختم ہوتے ہی دیکھا گیا تو ایک ٹوکری انگور نازل ہو چکا تھا۔ یہ تھے امام جعفر بن محمدؑ۔

مناوی ــــــ

چھٹے امام جعفر صادقؑ فضائل کثیرہ اور مناقب مشہورہ کے مالک تھے۔ آپ سے مالک بن انس، ابو حنیفہ، یحییٰ بن سعید، ابن جریج، ثوری وغیرہ نے روایت کی ہے۔ آپ ۸۰ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور ۱۴۸ھ میں وفات پائی۔ آپ کے کمالات کے نقوش زمانہ کی پیشانی پر کندہ اور محافلِ عزت و شرافت کی زینت ہیں۔ (اتحاف الاشراف ص۵۴)

عبد اللہ الشبراوی ــــــ

ابو عبد اللہ جعفر بن محمد صادق مدنی، ہاشمی اور سر آمد روزگار تھے۔ آپ نے اپنے آباء و اجداد سے روایت کی ہے اور ان کے علاوہ ابن موسیٰ، شعبہ، ہر دو سفیان وغیرہ بھی شامل ہیں۔ شافعی، ابن معین اور ابو حاتم نے آپ کی توثیق کی ہے۔ ۶۷ سال کے سن میں ۱۴۸ھ میں آپ نے وفات پائی۔ (خلاصہ ص۶۷)

جوزی ــــــ

ابو عبد اللہ جعفر صادقؑ سادات اہلبیتؑ میں سے تھے۔ صدق لہجہ کی وجہ سے صادق لقب پایا۔ ۸۰ھ میں متولد ہوئے۔ مالک بن انس، ابو حنیفہ اور اکثر علماء مدینہ نے آپ سے روایت کی ہے۔ (التشریع الاسلامی ص۲۶۳)

محمد خضری ــــــ

شیعی فقہ کے لئے اپنے دور بلکہ ہر دور کی سب سے بڑی شخصیت امام صادقؑ کی تھی۔ آپ اپنے زمانہ اور اپنے بعد کے ادوار کے لئے سب سے بڑی حیثیت کے مالک تھے۔ منصور کی

Presented by Ziaraat.Com

حکومت کے دسویں سال میں آپ نے انتقال فرمایا۔ ——— ڈاکٹر احمد امین

جعفرؑ بن محمدؑ مسلمانوں کے لئے وہ قابلِ فخر امام تھے جو دنیا سے آج تک نہیں اٹھے بلکہ ہر آنے والے دن میں ان کی ایک نئی آواز گونجتی ہے۔ جس سے اہل "زہد و تقویٰ" پرہیز گاری کا اور "اہلِ علم و فضل" علم و کمال کا درس لیتے ہیں۔ آپ کی آواز پریشان حال کو سکون کی راہ دکھلاتی ہے۔ مجاہد کو جوش دلاتی ہے۔ تاریکیوں میں نورانیت پھیلاتی ہے۔ عدالت کے قصر کی بنیادیں قائم کرتی ہے اور مسلمانوں کو یہ پیغام دیتی ہے کہ اب بھی ایک نقطہ پر جمع ہو جاؤ۔ دیکھو تمہارا خدا بھی ایک ہے اور نبی بھی ایک ہے۔ (جعفر بن محمدؑ ص۶)

——— عبدالعزیز سید الاہل

حضرت جعفرؑ بن محمدؑ کا مکان ایک مدرسہ کی حیثیت رکھتا تھا جہاں حدیث و تفسیر و حکمت و کلام کے بڑے بڑے علماء جمع ہوتے تھے۔ آپ کے درس میں کبھی دو ہزار اور کبھی چار ہزار علماء حاضر ہوتے تھے۔ آپ کے شاگردوں نے آپ کے تعلیمات کو کتابوں کی شکل میں اس طرح مرتب کیا ہے کہ ایک انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت پیدا ہو گئی ہے۔

——— محمد صادق نشأۃ استاد کلیۂ آداب جامعہ قاہرہ

ابو عبداللہ جعفر بن محمدؑ الصادق مذہب امامیہ کے امام اور سادات اہلبیتؑ نبوی کی ایک فرد تھے۔ راست گوئی کی وجہ سے آپ کا لقب ہی صادقؑ ہو گیا۔

——— فرید وجدی

جعفر بن محمدؑ سادات اہلبیتؑ میں سے تھے۔ صدق کلام کی وجہ سے صادق لقب پایا۔ علم کیمیا، زجر، فال وغیرہ میں آپ کے بہت سے مقالات ہیں۔ آپ کے شاگرد جابر بن حیان نے آپ کے ۵۰۰ رسالے جمع کئے ہیں۔ ادیب، متقی، دیانتدار ہونے کے ساتھ اپنی سیرت میں حکیمانہ رفتار رکھتے تھے۔ (دائرۃ المعارف ۶ ص۴۶۵)

——— پطرس بستانی

انسان جس وقت پاک ضمیر، سالم عقل، غیر جانبدار علم کے ساتھ صحیح اصول اور محکم قوانین کی روشنی میں امام جعفرؑ بن محمدؑ کی سیرت کا مطالعہ کرتا ہے تو اسے یہ اعتراف کرنا ہی پڑتا ہے کہ آپ کی زندگی ایک فلسفی مجموعہ ہے جو اپنے اعتماد پر قائم ہے۔ جس میں پھڑکتی ہوئی نبضِ حیات،

Presented by Ziaraat.Com

جگمگاتی ہوئی عقلیت و روحانیت، جدّت طراز افکار اور تازہ بہ تازہ احکام پائے جاتے ہیں۔

——— عارف ثامر، الاب آ، عبدۂ خلیفۂ یسوعی

اس وقت ہم انھیں اقوالِ زریں پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور انشاء اللہ آیندہ کسی موقع پر معاصر علماء مسلین کے اقوال بھی پیش کریں گے لیکن ایک بات کی طرف متوجہ کر دینا ضروری ہے کہ بعض علماء نے اپنے کلام میں علمِ زجر و فال کی نسبت امام صادقؑ کی طرف دی ہے حالانکہ یہ غلط ہے مستقبل کے بارے میں آپ کا علم کبھی تو موجودہ حوادث پر آپ کی مکمل بصیرت کا نتیجہ ہوتا تھا اور کبھی آپ کے باطنی صفائے نفس کی بنا پر ہوتا تھا جیسا کہ آپ نے خبر دی تھی کہ پہلے خلافت سفاح کو ملے گی، اس کے بعد منصور اور پھر اسی کی اولاد میں رہ جائے گی۔ اسی طرح آپ نے منصور کے ہاتھوں محمد اور ابراہیم کے قتل کی خبر دی تھی۔ اسی طرح آپ نے محمد بن عبداللہ کی بیعت سے منع فرمایا تھا جب کہ تمام بنی ہاشم بیعت پر آمادہ تھے۔ اور آپ نے فرمایا تھا کہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے جس پر عبداللہ بن حسن نے کہہ دیا کہ مجھے زیادہ علم ہے اور آپ نے ابو عباس پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا تھا کہ اسے اور اس کی اولاد کو ملے گی تمھیں نہ ملے گی۔ پھر جب تشریف لے چلے تو عبدالصمد اور منصور ساتھ چلے اور انھوں نے دوبارہ سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں بہتر سمجھ کر کہہ رہا ہوں۔

غرض اس قسم کے واقعات بے شمار ہیں اور ان پر تبصرہ کرنا مقصود نہیں ہے۔ رہ گیا زجر و فال کا قصہ، تو وہ اس شبہ سے پیدا ہو گیا ہے کہ اس کے ماہرِ فن کا نام بھی جعفر بن محمد تھا جو بلخ کا رہنے والا اور ابو معشر فلکی کے نام سے مشہور تھا اور اپنے علم میں کامل دستگاہ رکھتا تھا جیسا کہ اس کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔

ابن کثیر نے بھی بدایۃ و نہایۃ ۱۱ ص ۵ پر تحریر کیا ہے کہ زجر و فال کی نسبت آپ کی طرف اشتباہ سے دے دی گئی ہے۔ وہ جعفر بن ابی معشر فلکی کا کام تھا جو کہ صادق نہ تھا۔ یہ تو لوگوں کی کذب بیانی سے ایسا حادثہ ہو گیا ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

امام صادقؑ
بحیثیتِ مُعلّم

۱۔ آپ کا مدرسہ
۲۔ آپ کے شاگرد

Presented by Ziaraat.Com

مرکزِ تعلیم

(۱)

اس بات میں سرِمو مبالغہ نہیں ہے کہ امام صادقؑ کا بیت الشرف ایک ایسا علمی مرکز تھا جس نے علمی ذخیروں کے ساتھ ہزاروں صاحبانِ فکر و نظر اور عالمانِ فقہ و حکمت کی دولت امتِ اسلامیہ کے حوالہ کی ہے۔ آپ کے مدرسۂ فکر کے فارغ التحصیل افراد کی تعداد ۴ ہزار تک بتائی جاتی ہے جیسا کہ حافظ ابوالعباس بن عقدہ نے اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے۔

ارشاد میں شیخ مفیدؒ کا بیان ہے کہ "اصحاب حدیث نے امام صادقؑ سے روایت کرنے والے مختلف المذاہب معتبر راویوں کی تعداد ۴ ہزار بتائی ہے۔"

شیخ محمد بن علی فتال فرماتے ہیں کہ "اصحابِ حدیث نے آپ سے روایت کرنے والے مختلف العقیدہ لوگوں کی تعداد ۴ ہزار تک بیان کی ہے۔"

سید علی بن عبدالحمید زینی صاحبِ کتاب الانوار تحریر فرماتے ہیں کہ "عامہ و خاصہ میں یہ بات مشہور ہے کہ آپ سے روایت کرنے والوں کی تعداد ۴ ہزار تک ہے۔"

شیخ طبرسی اعلام الوریٰ میں رقم طراز ہیں کہ "اتنے علوم کسی دوسرے انسان سے نقل نہیں کئے گئے ہیں جتنے امام صادقؑ سے نقل ہوئے ہیں، اس لئے کہ آپ سے روایت کرنے والوں کی تعداد ۴ ہزار ہے۔"

ابن شہر آشوب مناقب میں لکھتے ہیں کہ "آپ سے ۴ ہزار مختلف العقیدہ معتبر افراد نے

Presented by Ziaraat.Com

مختلف علوم نقل کئے ہیں۔"

محقق نے معتبر میں فرمایا ہے کہ "آپ کے علوم محیرالعقول ہیں اور آپ سے روایت کرنے والوں کی تعداد تقریباً ۴ ہزار ہے۔"

شہید اوّل نے ذکریٰ میں ذکر کیا ہے کہ "امام صادق کے مسائل کے جوابات کو ۴ سو کتابوں میں جمع کیا گیا ہے اور آپ سے روایت کرنے والے عراق، شام اور حجاز کے چار ہزار افراد تھے۔"

علامہ شیخ حسین فرماتے ہیں کہ "عامہ و خاصہ میں آپ کے نمایاں شاگرد ۴ ہزار تھے۔

(۲)

بہرحال آپ کا مدرسہ امتِ اسلامیہ کے لئے علوم کا مصدر و منبع اور فیوض کا وہ سرچشمہ تھا جس نے عالمِ اسلام کی روحانی پیاس بجھائی تھی اور امت کو اس علم نواز دور کے لئے ایک ذخیرہ عطا کر دیا تھا۔

کاش اس مدرسہ کو پوری آزادی دے دی جاتی تو آج مسلمانوں کو علمی بھیک نہ مانگنا پڑتی اور امت کا دامن گوناگوں مشکلات کے حل سے خالی نہ ہوتا، بلکہ اسلام میں برادری کے جذبات، اجتماعی عدالت کے احساسات اور فاسد خیالات کو محو کرنے کے سرمائے ہوتے مگر افسوس کہ حکومتِ وقت نے پوری کوشش سے اس مدرسہ کو توڑنے کی فکر کی کہ اس کی شہرت سے حکام کی نیند اڑگئی تھی۔ انھیں اہلبیتؑ کے سیاسی اقتدار کے خواب نظر آنے لگے تھے۔ ان کا یہ سیاسی فریضہ ہوگیا تھا کہ اس مدرسہ کے دروازے بند کر کے بانیٔ مدرسہ کی زندگی کے خاتمہ کی فکر کریں کہ سارے عالم کی نظریں اسی مدرسہ کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ دنیا کے بڑے بڑے بزرگ افراد اسی مدرسہ سے استفادہ کر رہے تھے۔ اسلام کے ہر ہر مرکز پر اسی کا چرچا ہو رہا تھا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ مدرسہ ایسے منتخب افراد پیدا کر رہا تھا کہ اگر آج بھی اسلامی تمدّن اور عربی افکار کی بنیاد تلاش کی جائے تو اس کے علاوہ کہیں اور نہ ملے گی۔ اس مدرسہ نے امت کو استنباطِ احکام اور تنقید کی صلاحیت عطا کی ہے۔ اسی نے تالیف و تبویب کے طریقے سکھائے ہیں۔ اسی نے علماء و طلاّب کے باہمی ربط کے اصول قائم کئے ہیں۔ یہ اور

Presented by Ziaraat.Com

بات ہے کہ حکومتِ وقت اپنے ارادہ سے باز نہ آئی اور اپنی جد و جہد میں لگی رہی۔

(۳)

اس مدرسہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ اپنے روحانی استقلال کی بنا پر کسی حکومت کے اشاروں پر نہیں چلا۔ اس نے نہ حکام کی دخل اندازی قبول کی اور نہ ان کے مشوروں کی ضرورت محسوس کی۔

یہی وجہ تھی کہ حکومتِ وقت اسے اپنا آلۂ کار نہ بنا سکی اور اس کے ذریعہ اپنے شخصی مصالح کے استعمال سے عاجز رہی۔

اور یہ ہونا بھی چاہئے تھا کہ اس کی بنیاد ظالمین سے مقابلہ پر رکھی گئی تھی۔ اور اس کا مقصد ان سے ہر قسم کے تعلقات کا قطع کرنا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت کی نظریں ادھر متوجہ ہو گئیں اور یہ مدرسہ خطرہ میں پڑ گیا۔

اصولِ مدرسہ اور نظامِ حکومت کی ایک داخلی جنگ شروع ہو گئی اور رفتہ رفتہ یہ نزاع شدت اختیار کر گئی اور مدرسہ کا وجود خطرہ میں پڑ گیا۔ لیکن کیا کہنا بانیٔ مدرسہ کا کہ وہ اپنے صبر و استقلال کی بنا پر ان تمام حملوں کا نہایت ہی پامردی سے مقابلہ کرتا رہا اور کسی آن بھی اپنے نظام کو حکومت کا تابع نہ بننے دیا۔

آخر کار منصور نے عاجز آکر لالچ دلانا شروع کی اور امام کو خوش کرنے کے لئے یہ نئی پالیسی اختیار کی لیکن یہ طریقہ بھی کامیاب نہ ہو سکا کہ حضرت نے حکومت سے مکمل علیحدگی کا اعلان کر کے اپنے اصحاب کو اس بات کی بھی تعلیم دے دی تھی کہ وہ حکومت سے کھلم کھلا بیزاری کا اعلان کرتے رہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

تشنگانِ علوم

(۴)

آپ کے شاگردوں کے متعلق علماء کا یہ اتفاق ہے کہ ان کی تعداد چار ہزار تک پہنچی ہوئی تھی بلکہ بعض حضرات نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ یہ تعداد صرف ان شاگردوں کی تھی جو ایک معتبر حیثیت کے مالک تھے ورنہ عام شاگرد اس سے کہیں زیادہ تھے۔

ظاہر ہے کہ اس وقت ان تمام افراد کا تفصیلی تذکرہ نہیں ہوسکتا ہے اور اسے ہم نے آئندہ کے لئے اٹھا رکھا ہے لیکن بعض ایسے شاگردوں کا اجمالی تذکرہ ضروری ہے جنھوں نے عالمِ علم وحدیث میں شہرت پائی ہے اور اپنے زمانہ میں ایسی حدیث پیدا کرلی تھی کہ انھیں بخاری ومسلم و ترمذی وغیرہ نے بھی صاحبِ حدیث قرار دیا ہے۔

ان میں سے بعض افراد وہ ہیں جنھیں ایک طائفہ کا رئیس اور ایک مذہب کا امام تسلیم کیا گیا ہے جیسے :-

* ابوحنیفہ نعمان بن ثابت م ۱۵۰ھ۔ جن کا قول تھا کہ "میں نے حضرت جعفر بن محمدؑ سے زیادہ صاحبِ علم دیکھا ہی نہیں ہے"۔

"اگر دو سال جعفر بن محمدؑ کی شاگردی نہ کرتا تو ہلاک ہوجاتا"۔

یہ امام کی خدمت میں مدینہ وکوفہ دونوں جگہ حاضر ہوئے ہیں اور مدینہ میں دو سال تک مسلسل آپ سے استفادہ کیا۔

Presented by Ziaraat.Com

★ مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ۔ جن کا کہنا تھا کہ "جعفر بن محمدؑ سے بہتر انسان آنکھوں نے دیکھا ہی نہیں ہے۔" (تحفہ اثنا عشریہ)

★ سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ھ۔ جن کا مذہب چوتھی صدی کے بعد تک رائج رہا اور جنہوں نے امام سے استفادہ کرکے ان مطالب کو بصورت حدیث نقل کیا تھا۔

★ سفیان بن عیینہ متوفی ۱۹۸ھ۔ جو ایک دور کے رئیس مذہب تھے۔ حجون میں ان کی قبر ہے اور اپنے دور کے بڑے علماء میں شمار ہوتے تھے۔

اس کے علاوہ کبار علماء کی ایک فہرست ہے جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:۔

★ شعبہ بن الحجاج بن الورد العتکی متوفی ۱۶۰ھ۔ آپ کے روایات اصحاب صحاح نے نقل کئے ہیں اور شافعی نے یہاں تک لکھا ہے کہ "اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں کوئی حدیث کا پہچاننے والا نہ ہوتا۔" احمد کا خیال تھا کہ شعبہ مستقل ایک امت ہیں۔"

★ فضیل بن عیاض بن سعد بن بشیر تمیمی یربوعی متوفی ۱۸۷ھ۔ آپ کے بارے میں جزری کا کہنا ہے کہ آپ ائمہ ہدیٰ میں سے تھے۔ اور آپ سے اعمش، سلیمان، ابن مبارک، ابن قطان، احمد بن مقدام وغیرہ نے روایت کی ہے۔ نسائی وغیرہ نے آپ کی توثیق کی ہے۔ بخاری، ترمذی و نسائی نے آپ کے روایات نقل کئے ہیں۔ (تہذیب التہذیب)

★ حاتم بن اسمٰعیل متوفی ۱۸۰ھ۔ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ آپ کے احادیث بخاری ومسلم و ترمذی وغیرہ نے نقل کئے ہیں۔ معتبر انسان تھے۔ خود آپ نے امام صادقؑ سے روایات لئے ہیں اور آپ سے بہت سے علماء و محدثین نے۔ (خلاصۃ الکمال ص۵۶)

★ حفص بن غیاث بن طلق بن معاویہ بن مالک کوفی متوفی ۱۹۴ھ۔ آپ نے امام صادقؑ سے روایت کی ہے۔ اور آپ سے احمد، اسحٰق، ابونعیم، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، عفان بن مسلم وغیرہ نے۔ آپ پہلے بغداد کے قاضی تھے پھر معزول ہوکر کوفہ کے قاضی ہوئے۔ کثیر الحدیث اور حافظ تھے۔ ۳-۴ ہزار حدیثیں زبانی یاد تھیں۔ (تاریخ بغداد ج ۸ ص۱۸۸، خلاصہ ص۷۴)

★ ابوالمنذر زہیر بن محمد تمیمی خراسانی م ۱۶۲ھ۔ آپ نے امام صادقؑ سے اور آپ سے

Presented by Ziaraat.Com

ابوداؤد طیالسی، سدح بن عبادہ، ابو عامر عقدی، عبدالرحمٰن بن مہدی، ولید بن مسلم، یحییٰ بن بکیر، ابو عاصم وغیرہ نے روایت کی ہے۔ احمد یحییٰ، عثمان دارمی نے آپ کی توثیق کی ہے۔

★ حافظ یحییٰ بن سعید بن فروخ القطان بصری متوفی ۱۹۸ھ۔ آپ سے ابن مہدی، عفان، سدد، احمد، اسحٰق و ابن معین وغیرہ نے روایت کی ہے اور اصحاب صحاح نے اس کا ذکر کیا ہے۔

★ اسمٰعیل بن جعفر بن ابی کثیر انصاری متوفی ۱۸۰ھ۔ آپ سے محمد بن جہضم، یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری، ابوالربیع الزہرانی، ابو معمر ہذلی وغیرہ نے روایت کی ہے۔

ابن سعید کا قول ہے کہ یہ ایک مرد معتبر مدینہ کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے بغداد میں آکر ساکن ہوئے اور وہیں انتقال کیا۔ ان کے روایات بخاری، مسلم وغیرہ نے ذکر کئے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ۱ صـ۲۸۲)

★ ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ الاسلمی المدنی متوفی ۱۹۱ھ۔ آپ نے امام صادقؑ سے روایت کی ہے اور حلال و حرام میں ایک کتاب ترتیب دی ہے۔ آپ سے ابراہیم بن طہمان، ثوری، ابن جریج، شافعی، سعید بن ابی مریم، ابونعیم وغیرہ نے روایت کی ہے اور آپ کا شمار شافعی کے بزرگوں میں تھا۔ شافعی نے اکثر آپ کا ذکر کیا ہے۔ آپ پر ایک تہمت یہ ہے کہ بزرگوں کی توہین کیا کرتے تھے اور اسی لئے غلط گو تھے۔ لیکن غالباً اس کا سبب یہ تھا کہ آپ احادیث اہلبیتؑ کو زیادہ بیان کرتے تھے۔ (تہذیب التہذیب ۱ صـ۱۶۰)

★ ابو عاصم ضحاک بن مخلد بصری متوفی ۲۱۲ھ۔ آپ نے خود امام صادقؑ سے اور آپ سے بخاری، ابن حنبل، ابن مدینی، اسحٰق، راہویہ وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ابن شبہ نے آپ کو بے مثل انسان قرار دیا ہے۔

★ محمد بن فلیح بن سلیمان المدنی متوفی ۱۷۷ھ۔ آپ کے روایات بخاری، نسائی اور ابن ماجہ نے نقل کئے ہیں۔

★ حبیب عبدالوہاب بن عبدالمجید بن الصلت متوفی ۱۹۴ھ۔ آپ سے شافعی، ابن حنبل، یحییٰ بن معین، ابن مدینی وغیرہ نے روایت کی ہے۔ منصور کے زمانہ میں بغداد تشریف لائے

Presented by Ziaraat.Com

اور وہیں یہ روایتیں بیان کیں۔ ابن معین نے آپ کی توثیق کی ہے۔ آپ کی آمدنی ۲ لاکھ ہزار سالانہ تھی جسے اصحاب حدیث پر صرف کیا کرتے تھے۔ آپ کی روایتیں مسلم و بخاری نے نقل کی ہیں۔

★ ابو معاذ عثمان بن فرقد البصری۔ بخاری اور ترمذی نے آپ کے روایات نقل کئے ہیں۔ ابن مدینی، ابن مثنیٰ اور زید بن حزم آپ کے راوی تھے۔ ابن حبان نے آپ کو صحیح الحدیث قرار دیا ہے۔

★ عبدالعزیز بن عمران بن عبدالعزیز الزہری متوفی ۱۹۷ھ۔ آپ کے روایات ترمذی نے نقل کئے ہیں۔

★ عبداللہ بن رکین کوفی۔ یحییٰ وضاحی اور موسیٰ بن اسمٰعیل نے آپ کی روایتیں بیان کی ہیں اور بخاری نے انھیں نقل کیا ہے۔

★ زین بن عطا بن السائب۔ اسرائیل و جریر بن عبدالحمید نے آپ سے روایت کی ہے۔ ابو حاتم نے آپ کی توثیق کی ہے اور نسائی اور ترمذی نے حدیث نقل کی ہے۔

★ مصعب بن سلام تمیمی کوفی۔ آپ سے احمد اور ابو سعید نے روایت کی ہے۔ ترمذی نے اسے نقل کیا ہے۔ ابن معین اور ابو حاتم نے آپ کی توثیق کی ہے۔

★ بشیر بن میمون خراسانی متوفی ۱۸۲ھ۔ آپ سے احمد بن عاصم خراسانی نے روایت کی ہے۔ آپ بغداد آئے تو امام صادق سے حدیث نقل کی ہے جسے ابن ماجہ نے درج کیا ہے۔

★ ابراہیم بن سعد الزہری متوفی ۱۸۳ھ۔ احمد بن حنبل کے استاد اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہیں۔

★ سعید بن مسلمہ الاموی متوفی ۲۱۰ھ۔ شافعی کے استاد اور صحاح کے رجال میں سے ہیں۔

★ حارث بن عمیر بصری۔ مکہ میں امام صادق سے روایت کی اور آپ سے ابن عیینہ، ابن مہدی اور ابو اسامہ نے روایت نقل کی ہے۔

★ مفضل بن صالح اسدی کوفی۔ ترمذی نے آپ کے روایات نقل کئے ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

★ ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی بصری۔ آپ سے اعمش، قتادہ، ہر دو حماد و سفیان وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ابن سعد و ابن معین نے آپ کی توثیق کی ہے۔ ۶۶ھ سالِ تولد ہے اور ۱۳۱ھ سالِ رحلت ہے۔

★ عبدالملک بن جریح قرشی متوفی ۱۴۹ھ۔ کہا جاتا ہے کہ آپ سب سے پہلے مصنف ہیں۔

★ اس کے علاوہ بکثرت علماء ہیں جنھوں نے امام صادقؑ سے استفادہ کیا ہے اور آپ سے حدیثیں نقل کی ہیں جن کا تذکرہ تہذیب التہذیب، لسان المیزان، تقریب التہذیب، میزان الاعتدال، تذکرۃ الحفاظ، خلاصہ جزری، تاریخ خطیب، الجرح والتعدیل، ابن ابی حاتم وغیرہ میں ملتا ہے۔ بعض علماء اعلام نے اعداد و شمار کے لئے مستقل رسالے بھی تالیف کئے ہیں جن کا تذکرہ آئندہ آئے گا۔

ان حضرات کے علاوہ آپ کے وہ خاص تلامذہ جنھوں کے آپ سے علمی و فقہی استفادہ کرکے اتنی صلاحیت پیدا کر لی کہ اجتماعی و سیاسی امور کی قیادت کر سکیں۔ اہل کفر و الحاد سے مقابلہ اور فاسد العقیدہ افراد سے مناظرہ کرکے دینِ اسلام کی صحیح حمایت کر سکیں۔ ان کی زندگی کا تفصیلی تذکرہ آئندہ ہوگا۔ اس وقت صرف بعض کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔

★ ابان بن تغلب۔ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ امام سجادؑ، امام باقرؑ اور امام صادقؑ کی خدمت میں رہے۔ امام صادقؑ کے زمانۂ حیات میں انتقال فرمایا۔

❖ شیخ طوسی نے فہرست میں تحریر فرمایا ہے کہ آپ "معتبر" جلیل القدر اور اصحاب کے نزدیک عظیم المرتبت تھے۔ امام سجادؑ، امام باقرؑ، امام صادقؑ سے ملاقات کی اور سب سے روایت بھی کی۔ امام باقرؑ نے تو آپ سے فرمایا تھا کہ مسجد مدینہ میں بیٹھ کر فتویٰ دو اس لئے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میرے شیعوں میں تم جیسے صاحبانِ فتویٰ رہیں۔ آپ مختلف علوم میں دستگاہ رکھتے تھے۔ آپ کی کتاب معانی القرآن، القراآت اور اصول روایت کا تذکرہ ابن ندیم نے اپنی فہرست میں کیا ہے۔ (ابن ندیم ص۳۰۸)

❖ ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ ابان نے کوفہ میں منصور کے زمانۂ حکومت

Presented by Ziaraat.Com

اور عیسیٰ بن موسیٰ کے دورِ ولایت میں انتقال کیا ہے۔ آپ ایک ثقہ انسان تھے، جن سے شعبہ نے روایت کی ہے۔

✧ تہذیب میں ہے کہ آپ سے موسیٰ بن عقبہ، شعبہ، حماد بن زید اور ابن عیینہ وغیرہ نے روایت کی ہے اور احمد، یحییٰ، ابو حاتم اور نسائی وغیرہ نے آپ کی توثیق کی ہے۔

✧ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ ابان بن تغلب کوفی خالص شیعہ تھے لیکن صادق القول تھے، لہذا ان کے صدق لہجہ پر عمل کیا جائے اور ان کی بدعت ان کے حوالے کر دی جائے۔ احمد بن حنبل، ابن معین، ابو داؤد وغیرہ نے آپ کی توثیق کی ہے اور مسلم، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہ نے آپ کی روایت نقل کی ہے۔ (ذہبی نے اپنے ذوق کی بنا پر تشیع کو بدعت سے تعبیر کیا ہے ورنہ جناب ابان کسی خاص بدعت کے موجد نہ تھے۔)

✧ جوزجانی کا کہنا ہے کہ ابان گمراہ اور فاسد المذہب تھے۔ ابن حجر نے اس پر یہ تبصرہ کیا ہے کہ جوزجانی کی تنقید کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ ابان شیعہ تھے اور تشیع اس دور کی اصطلاح میں یہ تھا کہ حضرت علیؑ کو ان کی جنگوں میں برحق تسلیم کیا جائے اور ان کے مخالف کو خطا وار قرار دیا جائے اور شیخین کی فضیلت کو اپنے مقام پر محفوظ رکھا جائے۔ بعض لوگ حضرت علیؑ کو رسول اللہؐ کے بعد سب سے بہتر سمجھتے ہیں لیکن ایسا شخص بھی پرہیزگار اور صادق القول ہو تو اس کی روایت کو ترک نہیں کیا جا سکتا ہے۔

★ ابان بن عثمان بن احمر بجلی۔ آپ کبھی بصرہ میں رہتے تھے اور کبھی کوفہ میں لیکن اصلی وطن کوفہ تھا۔ اہل کوفہ نے آپ سے بے شمار روایات نقل کئے ہیں، جنھیں آپ امام صادقؑ امام کاظمؑ وغیرہ سے بیان کیا کرتے تھے۔ آپ کی کتاب کا نام کتاب المبتدی البعث والمغازی والوفاۃ ہے۔ ابن حبان نے آپ کا ذکر ثقہ افراد میں کیا ہے۔ محمد بن ابی عمر کا کہنا ہے کہ ابان سب سے بہتر حافظہ کے مالک تھے۔ آپ کا ذکر جمیل بن دراج، عبداللہ بن مسکان، عبداللہ بن بکیر، حماد بن عیسیٰ، حماد بن عثمان اور ابان بن عثمان جیسے ان چھ اصحاب میں ہوتا ہے جن کی روایت کی صحت پر تمام اصحاب کا اتفاق ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

★ بکیر بن اعین الشیبانی۔ زرارہ کے بھائی تھے۔ امام باقرؑ و صادقؑ سے روایت کرتے تھے۔ امام صادقؑ کے دور میں انتقال کیا۔ جب آپ کو خبر ملی تو آپ نے فرمایا کہ بکیر رسول اللہ اور امیرالمومنینؑ کے جوار میں پہنچ گئے۔ اس کے بعد دعائے رحمت فرمائی۔ ان کا شمار معتبر راویوں میں ہوتا ہے۔

★ جمیل بن دراج بن عبداللہ النخعی۔ امام کاظمؑ و صادقؑ سے روایت کرتے تھے۔ امام رضاؑ کے دور میں انتقال فرمایا۔ ان کا شمار بھی چھ معتبر اور صحیح الروایۃ اصحاب میں ہوتا ہے۔

★ حماد بن عثمان بن زیاد رواسی کوفی۔ امام صادقؑ و کاظمؑ و رضاؑ سے روایت کرتے تھے۔ ان کی روایتیں بہت زیادہ مقبول ہیں۔ حارث ابن مغیرہ نصری، امام باقرؑ، صادقؑ، کاظمؑ سے روایت کرتے تھے۔ آپ کی روایتیں بہت زیادہ مقبول ہیں۔

★ ہشام بن الحکم البغدادی الکندی۔ آپ کی کنیت ابو محمد یا ابوالحکم تھی۔ کوفہ وطن تھا۔ لیکن بغداد منتقل ہو گئے تھے۔ ابن ندیم کا کہنا ہے کہ شیعہ علم کلام کے ماہر تھے۔ امام صادقؑ کے بلند پایہ اصحاب میں شمار ہوتے تھے۔ حاضر جوابی کا یہ عالم تھا کہ جب یہ پوچھا گیا کہ کیا معاویہ بھی جنگِ بدر میں شریک تھا، تو فرمایا کہ "ہاں اُس طرف سے"۔ مامون کے دورِ خلافت میں انتقال کیا۔ آپ کی کتابوں کے نام کتاب الامامت، کتاب الدلالات وغیرہ ہیں جن کی تعداد ۲۰ تک پہنچتی ہے۔ امام صادقؑ نے آپ کے لئے دعا کی کہ جب تک ہماری نصرت کرتے رہو روح القدس تمہاری تائید کرتا رہے۔ ابتداء امر میں جہم بن صفوان کے اصحاب میں تھے۔ اس کے بعد امام صادقؑ کے اصحاب میں داخل ہو گئے۔ آپ نے یہ تصدیق کی کہ "یہ قلب و زبان سے میرا مددگار ہے"۔ ایک دوسرے موقع پر فرمایا "ہشام بن الحکم ہمارے حق کا طلبگار اور ہمارا مددگار ہے۔ ہمارے کلام کا موید اور ہمارے دشمنوں کا باطل شکن ہے"۔ ہشام کا مشہور مقولہ یہ ہے کہ یہ مخالفین بھی عجب مزاج رکھتے ہیں جس کو اللہ نے بلند کیا ہے اس کو گرانے کی فکر میں ہیں اور جس کو اللہ نے معزول کر دیا ہے اسے منصب دار بنانا چاہتے ہیں۔ ہشام کے مناظروں اور مباحثوں کی فہرست بہت طولانی ہے جسے یہاں نقل نہیں کیا جا سکتا ہے۔

جناب کلینی نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص شام سے امام صادقؑ کی

Presented by Ziaraat.Com

خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ میں علم فقہ و کلام کا ماہر ہوں، آپ کے اصحاب سے مناظرہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تیری یہ گفتگو کلام رسول سے ماخوذ ہے یا تو مستقل طور پر کہہ رہا ہے۔ اس نے کہا کچھ آنحضرتؐ سے ماخوذ ہے اور کچھ میرا ذاتی حصّہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تو رسولؐ اللہ کا شریک ہے؟ اس نے عرض کیا "نہیں" آپ نے فرمایا کہ تجھ پر وحی آئی ہے؟ عرض کیا نہیں! فرمایا کیا رسول اللہ کی طرح تیری اطاعت بھی واجب ہے؟ عرض کیا، ہرگز نہیں! آپ نے اصحاب کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ اس نے اپنے دعویٰ کو خود ہی باطل کر دیا۔ یہ کہہ کر آپ نے خیمہ سے باہر سر نکالا تو ایک ناقہ سوار کو آتے ہوئے دیکھا۔ فرمایا کہ ہشام بن الحکم آرہے ہیں۔ تھوڑی دیر میں ہشام حاضر خدمت ہو گئے۔ ان کی کم سنی کا یہ عالم تھا کہ سبزہ آغاز ہو رہا تھا اور اصحاب میں ان سے کم سن کوئی نہ تھا۔ امامؑ نے ہشام کا استقبال کیا اور نصرت کی سند دیتے ہوئے شامی سے خطاب کر کے فرمایا کہ اس بچّے سے گفتگو کر۔

شامی نے ہشام سے کہا کہ مجھ سے ان کی امامت کے بارے میں بحث کرو۔ ہشام نے جیسے ہی یہ فقرہ سنا کانپ گئے۔ فرمایا اے شخص ذرا یہ تو بتا کہ اللہ اپنے بندوں کی مصلحت سے زیادہ واقف ہے یا خود بندے؟ اس نے کہا اللہ۔ فرمایا کہ اس مصلحت بینی سے اس نے کیا کام کیا؟ اس نے جواب دیا کہ تکلیف معین کی، اس کے بیان کے لئے حجت قائم کی! فرمایا کہ وہ حجت کیا ہے؟ اس نے کہا، حضرت رسول اکرمؐ! فرمایا ان کے بعد؟ کہنے لگا کہ کتاب و سنت! فرمایا، کیا کتاب و سنت آج ہمارے اور تیرے اختلافات کو رفع کر سکتے ہیں؟ کہنے لگا ہاں ہاں۔ فرمایا کہ پھر ہشام سے بحث کرنے کے لئے کیوں آیا ہے، یہ اختلاف کیوں نہ ختم ہو گیا؟ تیرا خیال ہے کہ دین رائے سے طے ہو سکتا ہے حالانکہ ہم اب تک اسی ایک رائے پر اتفاق نہیں کر سکے۔ یہ سن کر شامی کچھ سوچنے لگا تو حضرت صادقؑ نے فرمایا کہ اب بات کیوں نہیں کرتا؟ اس نے عرض کی کہ میں کشمکش میں ہوں۔ اگر اختلاف سے انکار کرتا ہوں تو یہ جھوٹ ہے اور اگر کتاب و سنّت کو رافع اختلاف کہتا ہوں تو یہ بھی خلاف مشاہدہ ہے۔ خیر اب میں خود سوالات کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ تو بے شک سوال کر! دیکھ کیسے کیسے جواب پاتا ہے۔ شامی نے ہشام سے وہی سوالات دہرا دیئے۔

Presented by Ziaraat.Com

انسان بہتر مصلحت شناس ہے یا خدا؟ فرمایا خدا۔ اس نے اپنی مصلحت بینی سے کیا کیا؟ اپنی حجت معین کی۔ وہ کون ہے؟ ابتدائے شریعت میں سرکارِ رسالتؐ اور آپ کے بعد کوئی اور وہ کوئی اور کون ہے؟ اس زمانہ میں یہی انسان کامل جو تیرے سامنے تشریف فرما ہے اور جس کی بارگاہ میں دور و دراز علاقوں سے لوگ حاضری دیتے ہیں۔

٭ معلّٰی بن خنیس۔ آپ امام صادقؑ کے خاص اصحاب میں سے تھے۔ داؤد بن علی نے آپ کو محبتِ اہلبیتؑ کے جرم میں قتل کر کے آپ کے اموال پر قبضہ کر لیا کہ وہ والئ مدینہ بننے کے بعد سے اس بات پر تل گیا تھا کہ طالبین کو اذیت پہنچائی جائے۔ ان کے مددگاروں پر مظالم کئے جائیں۔ ظاہر ہے کہ معلّٰی جیسے مخلص انسان ایسے ظالم کے شر سے کہاں محفوظ رہ سکتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا خاتمہ کر دیا گیا۔ امام صادقؑ کو اس حادثہ کی اطلاع ملی تو آپ نے نہایت درجہ غیظ و غضب کا مظاہرہ کیا اور خود داؤد کے دربار تک تشریف لے گئے۔ فرمایا، تو نے میرے چاہنے والے کو قتل کر کے اس کے اموال پر قبضہ کر لیا ہے۔ تجھے یہ معلوم نہیں کہ موت پر صبر کیا جا سکتا ہے لیکن جنگ پر خاموشی نہیں اختیار کی جا سکتی ہے۔ امام کی اس شدت پر امیر داؤد نے چاہا کہ اس جرم کو پولیس والوں کے سر ڈال دے۔ اور اس نے ایک سپاہی کے قتل کا بھی حکم سنا دیا۔ لیکن اس نے راز کو فاش کر دیا اور اپنے قتل سے پہلے یہ اعلان کر دیا کہ لوگ دوسروں کے قتل کا حکم دیتے ہیں اور جب ان کے حکم پر عمل کیا جاتا ہے تو اطاعت گذار کے قتل کا بھی حکم سنا دیتے ہیں۔

اس حادثہ کو بعض مورخین نے سفاح کے دور میں لکھا ہے اور بعض نے منصور کے دور میں۔

اگرچہ ہم اس وقت اسی فہرست پر اکتفا کئے لیتے ہیں لیکن آئندہ کسی جلد میں عبدالملک بن اعین، زرارہ، علی بن یقطین، عمار، عمرو بن حنظلہ، فضیل بن یسار، ابوبصیر، مومن الطاق، محمد بن مسلم، معاویہ بن عمار، مفضل بن عمرو، ہشام بن سالم وغیرہ کا ذکر بھی تفصیل کے ساتھ درج کریں گے۔

Presented by Ziaraat.Com

صحیح بخاری کا تنقیدی جائزہ

صحیح بخاری نے مسلمانوں کے درمیان ایسی غیر معمولی شہرت اور مقبولیت حاصل کر لی ہے کہ اب حدیث کی کوئی کتاب بھی اس کے ہم پلہ نظر نہیں آتی ہے۔ اس کی ہیبت و عظمت اس منزل پر پہنچ گئی ہے کہ اس کی حدیثوں پر تبصرہ کرنا بھی بدعت و بے دینی کے مرادف بن گیا ہے۔ (قواعد الحدیث ص۲۴۱)

اکثر حافظوں نے اس کی روایتوں پر تنقید کرنے سے گریز کر کے اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ہے۔

ذہبی نے بعض احادیث کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ عبارت تحریر کی ہے کہ "اگر صحیح بخاری کی عظمت مانع نہ ہوتی تو میں اس روایت کو جعلی کہہ دیتا۔

ابن حزم نے اس کی بعض حدیثوں کی تکذیب کا ارادہ کیا تھا، لیکن اس بات پر ان سے بڑی شدت کے ساتھ مواخذہ کیا گیا، صرف اس لئے کہ صحیح بخاری پر تنقید کرنا عمل مسلین کے خلاف ہے۔ (تہذیب التہذیب ۸ ص۱۴۶)

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اکثر حفاظ نے اس کتاب کو بلا تبصرہ نہیں چھوڑا ہے۔ بلکہ اس پر بھی چند وجوہ سے تنقید کی ہے۔ جن کے اہم پہلو یہ ہیں:-

۱۔ کتاب کی ترتیب۔

۲۔ احادیث کا تجزیہ اور مختلف مقامات پر انھیں مختلف شکلوں میں نقل کرنا۔ ایک ہی

Presented by Ziaraat.Com

ہی حدیث کو کہیں متصل السند ذکر کرنا اور کہیں منقطع السند۔

اس سلسلے میں بعض علماء نے ایسے ایسے اعتراضات کئے ہیں کہ بخاری کے ہمنواؤں سے ان کا جواب نہیں بن پڑا ہے۔ (ضحی الاسلام ۲ صـ۱۱۶)

۳۔ بخاری کی ۱۱۰ حدیثیں قابلِ تنقید ہیں جن میں سے ۳۲ حدیثیں اس کے اور مسلم کے درمیان مشترک ہیں اور ۷۸ حدیثیں تنہا بخاری نے ذکر کی ہیں۔ (مفتاح السنۃ)

۴۔ بخاری کے بعض راوی غیر معتبر ہیں جن کی تعداد تقریباً ۸۰ ہے۔

ان اعتراضات کے ہوتے ہوئے علماء کو صحیح بخاری سے ایک خاص عقیدت ہے اور وہ اس کی عظیم منزلت کے قائل ہیں۔ حد یہ ہے کہ بعض علماء نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ "بخاری قرآن کی ہمسر ہے۔ اگر زمانۂ طاعون میں اس کی تلاوت کی جائے تو وبا کا اثر نہ ہو سکے گا۔ اور اگر کسی خاص غرض سے پڑھی جائے تو مدعا حاصل ہو جائے گا۔ مصیبت میں پڑھی جائے تو نجات حاصل ہوگی اور کشتی میں پڑھی جائے تو خوفِ ہلاکت سے اطمینان و سکون نصیب ہوگا۔ (قواعد التحدیث للقاسمی صـ۲۵۰)

علماء اسلام نے اسی نظریہ پر عمل بھی کیا ہے۔ ان پر جب کوئی بلا نازل ہوتی تھی تو بخاری کے اوراق پھاڑ کر طلباء پر تقسیم کر دیا کرتے تھے تاکہ سب مل کر اس کی تلاوت کریں اور بلا دفع ہو جائے۔

یہ کتاب جنگ میں ہتھیار کا کام دیتی تھی اور آگ لگنے پر فائر بریگیڈ کا۔ ہیضہ میں انجکشن کا فائدہ دیتی تھی اور گھر میں چوکیدار کا۔ غرض ہر بلا کا دفع کرنا اور ہر رحمت کا نزول اسی بخاری پر موقوف تھا۔ (قواعد التحدیث صـ۲۵۱)

اس کی تقدیس و تعظیم نے اسے قرآنِ کریم کا ہمسر اور تمام کتابوں سے صحیح تر بنا دیا تھا۔ اس پر تبصرہ ناقابلِ برداشت تھا اور تبصرہ کرنے والا قابلِ ملامت تھا۔

اس سلسلہ میں ایک لطیفہ یہ بھی ہوا کہ عراق میں ترکوں کے زمانہ میں وزارتِ دفاع نے ایک عظیم رقم اس بات کے لئے مقرر کر دی کہ اس سے بخاری شریف کی تلاوت کا انتظام کیا جائے گا تو زہاوی جو اس جماعت کا ایک ممبر تھا اس نے کہا کہ یہ رقم اوقاف کی طرف سے

Presented by Ziaraat.Com

نامناسب معلوم ہوتی ہے۔ وزارتِ دفاع میں یہ بات انتہائی لغو ہے۔ جنگ کو بخار کی ضرورت ہے بخاری کی نہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ممبران نے اس غریب پر حملہ کر دیا اور اس کی بات صدا بصحرا ہو گئی۔ (اخبار الرسالہ ش۵ ص۴۰۳)

ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ ہم حدیث پیغمبرؐ کی عظمت یا اس کی برکت سے انکار کر دیں۔ ہم تو صرف یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ ساری اہمیت صرف بخاری کے حصہ میں کیوں کر آگئی؟ دیگر کتب احادیث کو یہ شرف کیوں نہ مل سکا؟ شفائے مریض اور دفع بلا کے لئے تلاوتِ قرآن پاک کو کیوں نہ اختیار کیا گیا؟ فقط صحیح بخاری ہی کو قرآن کی ہمسری کیوں نصیب ہوئی؟

مصر میں ۹۸ھ کے قحط میں ہر گھر اور ہر مسجد میں اسی کی تلاوت کیوں کی گئی؟ قرآن کریم کی ضرورت کیوں نہ محسوس ہو سکی؟

اگر بخاری کا امتیاز یہ تھا کہ اس کی حدیثیں صحیح ہیں تو یہ درجہ موطاء مالک کو بھی ملنا چاہئے تھا جسے قرآن کریم کے بعد اصح الکتب سے تعبیر کیا گیا ہے۔

یہ شرف صحیح مسلم کو بھی حاصل ہونا چاہئے تھا جسے آسمان کے نیچے سب سے زیادہ معتبر کتاب کہا گیا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ۲ ص۱۰۱) یا بقول ابن حجر بعض لوگوں نے اسے صحیح بخاری پر بھی ترجیح دی ہے کہ اس کا طرزِ بیان حسین اور بیانِ روایت معتبر ہے۔ اس میں نہ سلسلہ سند کو توڑا گیا ہے اور نہ حدیث کا ترجمہ بیان ہوا ہے۔

حاکم کا بیان ہے کہ میں نے ابوالولید کو یہ کہتے سنا ہے کہ میرے والد نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ تم اپنی تالیف کس کتاب کی بنیاد پر جمع کر رہے ہو تو میں نے عرض کی کہ بخاری کو مدرک بنایا ہے تو انھوں نے فرمایا کہ مسلم کو مدرک بناؤ۔ اس میں زیادہ برکت ہے۔

اسی طرح یہ منزل صحیح ترمذی کو بھی ملنی چاہئے تھی کہ اس کی ترتیب مناسب اور اس میں صحیح وضعیف کا امتیاز زیادہ ہے۔ اسے بخاری سے زیادہ نورانی کہا گیا ہے۔

اور اگر یہ عظمت بخاری کے مضامین کی بنا پر ہے تو قرآن اس سے زیادہ احترام کا حقدار ہے۔

اگر امام بخاری کی وجہ سے ہے تو موطاء کو زیادہ اہم ہونا چاہئے تھا کہ امام مالک علم وعمل،

Presented by Ziaraat.Com

شرافت، حسب ونسب کے اعتبار سے ان سے زیادہ بلند پایہ تھے۔

ہم جمال الدین حنفی کے اس فقرہ کو نہیں دہرانا چاہتے کہ "جو بخاری میں نظر کرے گا وہ کافر ہو جائے گا" (شذرات الذہب، ص۴۰) لیکن یہ بھی تسلیم نہیں کر سکتے کہ اس کی ہر حدیث پر ایمان لانا ضروری اور اس کی مخالفت کرنا تکذیب رسول اور کفر باللہ ہے یا بدعت فی الدین کے مرادف ہے۔ اس لئے کہ اس میں بہت سی حدیثیں ایسی بھی ہیں جن میں جعلی ہونے کے آثار نمایاں ہیں۔ جیسے یہ حدیث کہ رسول اکرم پر سحر کا اثر ہو گیا تھا۔ وغیرہ۔ خود علماء اعلام نے بھی اس کی روایتوں کی مخالفت کسی دلیل وبرہان کی بنیاد ہی پر کی ہے لہذا کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس تنقید کو کفر وبدعت سے تعبیر کر کے نقادی کو رسول اکرمؐ کی تکذیب کرنے والا ٹھہرا دیا جائے۔

بخاری کی سو حدیثوں سے زیادہ روایتوں پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ ان کے رجال پر اعتراض کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایسے راوی تلاش کئے گئے ہیں جن کی روایت کو کسی قیمت پر صحیح نہیں کہا جا سکتا ہے۔

امام بخاری کا ایک ظلم یہ بھی ہے کہ انھوں نے بہت سے علماء اعلام سے روایت نہیں لی ہے حالانکہ ان کا مرتبہ ان تمام راویوں سے بلند تر تھا جن کی روایتوں کو جگہ دی گئی ہے۔ انھیں مظلوموں کی فہرست میں سر فہرست امام صادق کا نام آتا ہے جن کی کوئی روایت بخاری میں درج نہیں کی گئی ہے جب کہ ایسے افراد کی روایتیں موجود ہیں جن کا دین وایمان یا ان کی عدالت ووثاقت قابل شبہ وتشکیک ہے۔ بعض اپنے جھوٹ میں مشہور ہیں اور بعض وضع حدیث میں۔

مثلاً اسماعیل بن عبد اللہ بن ادیس بن مالک المتوفی ۲۲۶ھ۔ جن کے بارے میں یحییٰ بن معین نے تصریح کر دی ہے کہ یہ جھوٹا تھا اور اہل مدینہ کے لئے روایتیں وضع کیا کرتا تھا۔

★ زیاد بن عبد اللہ العامری المتوفی ۲۸۲ھ۔ جس کے بارے میں ترمذی نے وکیع سے نقل کیا ہے کہ یہ شخص جھوٹا تھا۔

★ حسن بن مدرک سدوسی۔ جسے ابو داؤد وغیرہ نے جھوٹا قرار دیا ہے۔

اس کے علاوہ ضعیف لوگوں کی فہرست میں ۸۰ کے قریب نام آتے ہیں جن میں حسن

Presented by Ziaraat.Com

بن ذکوان بصری تھا جو جعل سازی، غلط کاری اور ضعف حدیث میں۔ احمد ابن معین، نسائی، ترمذی، ابن مدینی وغیرہ کے نزدیک مشہور تھا۔

احمد بن ابی الطیب البغدادی، سلمہ بن رجاء التیمی، بسر بن آدم الضریر وغیرہ تھے۔ جن کا ضعف شہرۂ آفاق تھا۔ فاسد المذہب افراد قدری عقیدہ کے تھے اور ان کی روایتیں زینت بخاری بنی ہوئی ہیں۔

عبداللہ بن ابی لبید المدنی، عبداللہ بن ابی نجیح مکی کہمس بن منہال سدوسی، ہارون بن موسیٰ ازدی، سفیان بن سلیمان، عبدالوارث بن سعید وغیرہ۔

مختصر یہ ہے کہ امام بخاری کا کسی شخص کی حدیث کو اپنی کتاب میں جگہ دے دینا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ وہ نہایت درجہ موثق و معتبر تھا اور اس کے بارے میں کسی تنقید کی طرف اعتنا، نہ کی جائے گی۔ امام بخاری صرف ایک شاہد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جرح و تعدیل اور تنقید کا دروازہ بند کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ ان پر تو یہ اعتراض بھی ہے کہ وہ راویوں کو صحیح طریقہ سے پہچانتے بھی نہ تھے۔ کبھی ایک ہی راوی کو دو تین بنا دیتے تھے اور کبھی دو تین راویوں کو ایک۔ چنانچہ ولید بن ابی الولید غلام عبداللہ بن عمر، ہارون بن سعد غلام قریش، کثیر بن خنیس وغیرہ میں ہر شخص کو دو قرار دیا ہے۔ محمد بن ایوب یمامی کو تین بتایا ہے حالانکہ وہ ایک ہی ہے۔ عبدالملک بن اخی القعقاع کی روایت قعقاع کی طرف منسوب کر دی ہے۔ باب النون میں ناصح حضرمی کا ذکر کیا ہے حالانکہ وہ عبداللہ بن ناصح ہیں جن سے شرجیل بن شفعہ روایت کرتے تھے وغیرہ وغیرہ۔

سب سے اہم مواخذہ یہ ہے کہ بخاری نے ان افراد کی روایات کو بھی زینت کتاب بنایا ہے جن کی آلِ محمدؐ سے عداوت معروف و مشہور تھی اور جن کا خارجی یا ناصبی ہونا مسلم تھا جیسے۔

★ عمران بن حطان سدوسی المتوفی ۸۴ھ جو کھلم کھلا دشمن علیؑ تھا اور جس نے ابن ملجم کی مدح میں یہ اشعار کہے تھے ؎

یا ضربۃ من تقی ما اراد بھا　　الا لیبلغ من ذی العرش رضوانا

(کیا کہنا اس متقی کی ضربت کا جس کا مقصد صرف رضائے پروردگار تھا۔) استغفر اللہ

Presented by Ziaraat.Com

جو بدبخت بنصِ رسول کریمؐ اشقی الاولین والآخرین ابن ملجم کو متقی قرار دیتا تھا۔ (ابن حنبل، ذخائرالعقبیٰ، ابو حاتم وغیرہ۔)

علماء کرام نے اس خبیث کے اشعار کا جواب نثر و نظم دونوں میں دیا ہے لیکن ہم خوفِ طوالت کی بنا پر اس کا تذکرہ نہیں کر سکتے ہیں۔

★ ابوالاحمر السائب بن فروخ المتوفیٰ ۱۳۶ھ۔ یہ شخص ہجو نگار شاعر اور دشمنِ اہلبیتؑ میں مشہور تھا۔ چنانچہ امیرالمومنینؑ کے ایک مجاہد مخلص صحابی کی شان میں یہ اشعار نظم کئے تھے۔

لعمرك انني وابا طفيل لمختلفان والله الشهيد

لقد ضلوا بحب ابي تراب، كما ضلت عن الحق اليهود

(خدا شاہد ہے کہ ہم اور ابوطفیل ابو عامر بن واثلہ بالکل مختلف العقیدہ لوگ ہیں۔ یہ لوگ ابوتراب کی محبت میں اسی طرح گمراہ ہو گئے ہیں جس طرح یہودی گمراہ ہو گئے تھے۔) معاذاللہ۔

اس بدبخت نے بھی رسول اکرمؐ کی مشہور و معروف حدیث "علی مع الحق"... الخ "علی مع القرآن" وغیرہ کی توہین، کی ہے۔ اور حضرت علیؑ کا اتباع کرنے والے کو یہودی سے تشبیہ دے کر گمراہ بنا دیا ہے لیکن بخاری کی نظر میں معتبر بنا رہا ہے۔

★ حریز بن عثمان الحمصی المتوفیٰ ۱۶۳ھ۔ یہ شخص دشمنیٔ علیؑ میں مشہور تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ "جس علیؑ نے میرے آباء و اجداد کو قتل کیا ہے میں اسے کیوں کر دوست رکھ سکتا ہوں"۔۔۔ "تمھیں تمھارا امام علیؑ مبارک، اور مجھے معاویہ"۔

اس کے علاوہ بخاری کے رجال میں اسحاق بن سوید التیمی المتوفیٰ ۱۳۱ھ۔ عبداللہ بن سالم الاشعری المتوفیٰ ۱۷۹ھ، ابو مالک زیاد بن علاقہ الکوفی المتوفیٰ ۱۲۹ھ جیسے دشمنانِ اہلبیتؑ کا ایک سلسلہ ہے جن کی روایت کو صحیح تسلیم کرنے کا تقاضا کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ دشمنیٔ اہلبیتؑ بنصِ رسولؐ نفاق ہے اور منافقین بحکمِ قرآن جھوٹے ہیں۔

ان حالات میں تو ہمارا اعلیٰ فرض یہ ہے کہ ہم بخاری پر تنقید کر کے اس کے ان روایات کی کھلم کھلا مخالفت کریں جن کے راوی ایسے دشمنانِ اہلبیتؑ ہوں۔ میں نہیں سمجھ سکتا ہوں کہ

Presented by Ziaraat.Com

دشمنی اہلبیتؑ کو نفاق قرار دینے والی روایتیں بخاری کی نظر سے کیوں کر مخفی ہوگئی تھیں جب کہ اس دور میں منافقین کی شناخت ہی یہ تھی کہ وہ اہلبیتِ رسولؐ سے عداوت رکھتے تھے۔

بخاری کو وہ روایتیں کیوں کر نہ مل سکیں جن میں علیؑ کی صلح و جنگ کو نبیؐ کی صلح و جنگ قرار دیا گیا تھا، اور انھیں حضرت ہارون کا مرتبہ دیا گیا تھا۔ جب کہ خود انھوں نے روایت کو ص۱۹۹ پر نقل کیا ہے۔

اس کے علاوہ فضائل اہلبیتؑ کی ہزار محدثین علماء کرام اور حفاظِ احادیث نے نقل کی ہیں لیکن بخاری نے ان میں سے صرف ۳۔۴ کا انتخاب کیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان ۳۔۴ کے علاوہ باقی سب روایتیں غلط ہیں۔ یا بخاری کے انتخاب کی پشت پر کوئی اور جذبہ کام کر رہا ہے جیسا کہ بعض اہلِ قلم نے فرمایا ہے کہ بخاری کی کتاب میں مسند احمد جیسی جرأت وشجاعت نہیں ہے۔ مسند میں عباسیوں کے خوف کے باوجود فضائلِ علیؑ کی روایتیں ہیں لیکن بخاری میں یہ ہمت مفقود ہے۔

اس دعویٰ کی وضاحت کے لئے چند ایسی حدیثوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جنھیں تمام اہلِ حدیث نے نقل کیا ہے لیکن بخاری نے اپنی نفسیاتی کمزوری کی بنا پر اپنی کتاب میں جگہ نہیں دی ہے۔

آیۂ تطہیر

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا ○

(اے اہلبیتؑ اللہ کا ارادہ تم سے رجس کے دور رکھنے اور تمھاری کامل تطہیر سے متعلق ہو چکا ہے۔)

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ حضور اکرمؐ بیت الشرف سے سیاہ بالوں کی چادر اوڑھ کر برآمد ہوئے۔ اتنے میں حسنؑ آگئے آپ نے انھیں داخل ردا کر لیا۔ حسینؑ آگئے انھیں بھی ساتھ لے لیا۔ فاطمہؑ آگئیں انھیں بھی شامل کر لیا اور علیؑ آئے تو انھیں بھی ہمراہ لے

Presented by Ziaraat.Com

لیا اور فرمایا انما یرید الله... الخ (صحیح مسلم ۲ ص۱۲۷)

صحیح ترمذی میں عمرو بن ابی سلمہ (پروردۂ رسولؐ) سے روایت ہے کہ یہ آیت ام سلمہ کے گھر میں نازل ہوئی ہے۔ جب آپ نے فاطمہؑ، حسنینؑ اور علیؑ کو طلب کر کے داخلِ کسا کر کے یہ دعا کی تھی کہ خداوندا یہ میرے اہلبیتؑ ہیں ان سے ہر رجس الگ رہے اور یہ کما حقہٗ پاک و پاکیزہ رہیں۔ جس پر ام سلمہ نے بھی داخلہ کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم اپنی جگہ پر رہو تم خیر پر ہو۔ (ترمذی ا ص۲۰۲)

احمد بن شعیب نسائی المتوفی ۳۰۳ھ نے خصائص کے ص۴ پر سعد بن ابی وقاص سے روایت کی ہے کہ آیتِ تطہیر کے نزول کے وقت آنحضرتؐ نے علیؑ و فاطمہؑ، حسنؑ و حسینؑ کو جمع کر کے یہ دعا کی تھی "اللھم ھؤلآء اھل بیتی" "خداوندا یہ سب میرے اہلبیتؑ ہیں"۔

خطیب نے ابوسعید کے طریق سے ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ اس آیت کے نزول کے وقت گھر میں صرف علیؑ و فاطمہؑ و حسنینؑ تھے۔ میں دروازہ پر تھی۔ میں نے بڑھ کر سوال کیا۔ یا رسولؐ اللہ میری منزل کہاں ہے؟ تو آپ نے فرمایا تمہارا انجام بخیر ہے۔ (الخطیب ج ۹ ص۱۲۷)

دوسری روایت میں اس انداز سے نقل ہوا ہے کہ وقتِ نزول آیت آنحضرتؐ نے سب کو جمع کر کے یہ دعا کی کہ خداوندا یہ سب میرے اہلبیتؑ ہیں۔

ابن عبدالبر نے استیعاب ۲ ص۲۷ (حاشیہ اصابہ) میں نقل کیا ہے کہ وقتِ نزولِ آیت حضرت ام سلمہ کے گھر میں علیؑ و فاطمہؑ و حسنینؑ کو جمع کر کے یہ دعا کی "خداوندا یہ میرے اہلبیتؑ ہیں انہیں پاک و پاکیزہ رکھنا"۔ اسی روایت کو ابن اثیر نے اسد الغابہ ۵ ص۵۲۱ پر نقل کیا ہے۔

تفسیر طبری میں ابوسعید خدری سے نقل ہوا ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا "یہ آیت میرے، علیؑ و فاطمہؑ اور حسنینؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے"۔

دوسری روایت ام سلمہ سے نقل ہوئی ہے کہ یہ آیت انہیں کے گھر میں نازل ہوئی ہے جب کہ گھر میں خمسہ نجباءؑ تھے اور بس۔

ابوسعید خدری نے ام سلمہ کے ذریعہ نقل کیا ہے کہ حضرت نے دعا فرمائی۔ خداوندا یہ

Presented by Ziaraat.Com

میرے اہلبیتؑ ہیں ان سے ہر رجس کو دور رکھنا اور انھیں پاک و پاکیزہ رکھنا۔ (تفسیر طبری ۲۲ صفحہ)

جناب ام سلمہ ہی سے ابوہریرہ اور شہر بن حوشب کے طریق سے بھی یہ روایت نقل کی گئی ہے۔ (تفسیر طبری)

واثلہ بن اسقف کے ذریعہ حضرت علیؑ سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ آیت حضرت رسولؐ، فاطمہؑ، حسنینؑ اور میرے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

انس بن مالک اور ابوالحمراء سے نقل ہوا ہے کہ رسول اکرم نزول آیت کے بعد چھ مہینہ تک درِ فاطمہؑ پر آکر آواز دیتے تھے الصّلوٰۃ اہل البیت انما یرید اللہ ... الخ (تفسیر طبری)

سیوطی نے درمنثورہ صفحہ ۱۹۸ پر نقل کیا ہے کہ ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے ام سلمہ سے یہ روایت کی ہے کہ آنحضرت ان کے گھر میں خیبری چادر اوڑھے ہوئے آرام فرما رہے تھے کہ اتنے میں فاطمہؑ آگئیں۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ علیؑ و حسنینؑ کو بلاؤ۔ انھوں نے سب کو بلایا۔ ابھی تمام حضرات مشغولِ طعام تھے کہ آیت نازل ہوئی انما یرید اللہ ... الخ حضرت نے اپنی چادر تمام افراد پر اوڑھا دی۔ اور چادر سے ہاتھ نکال کر یہ دعا کی۔ خداوندا! یہ میرے اہلبیتؑ اور مخصوص افراد ہیں۔

محمد بن احمد مالکی نے فصول المہمہ کے صفحہ ۶ پر نقل کیا ہے کہ واحدی نے اپنی کتاب "اسباب النزول" میں ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ان کے گھر میں تھے۔ اتنے میں فاطمہؑ آگئیں۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے شوہر اور حسنؑ و حسینؑ کو طلب کرو۔ انھوں نے سب کو بلایا اور سب کھانے میں مشغول ہو گئے۔ میں قریب کے حجرہ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے دیکھا کہ آپ نے ایک چادر سب پر ڈال دی اور یہ دعا کی۔ خداوندا! یہ سب میرے اہلبیتؑ ہیں، ان سے رجس کو دور رکھنا اور انھیں کما حقہ پاک رکھنا۔ میں نے بھی سر ڈال کر عرض کی۔ یا رسول اللہ میں بھی ان میں شامل ہو جاؤں۔

فرمایا تم خیر پر ہو۔ اتنے میں آیت نازل ہو گئی۔ انما یرید اللہ ... الخ

Presented by Ziaraat.Com

محب الدین طبری نے ذخائر العقبیٰ صہ۲۱ پر اس قصہ کو نقل کیا ہے جس کی روایت ام سلمہ، عمرو بن ابی سلمہ، زینب بنت ابی سلمہ اور واثلہ بن اسقع وغیرہ نے کی ہے۔ (ذخائر العقبیٰ صہ۲۴)

احمد نے مناقب میں اور طبرانی نے ابوسعید خدری سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت رسول اکرمؐ حضرت علیؑ، فاطمہؑ اور حسنینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

خطیب بغدادی نے ۹ صہ۲۹ پر سعد بن ابی عوف اور ابوسعید کے واسطہ سے ام سلمہ سے اور ۱۰ صہ۲۷۸ پر ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ یہ آیت خمسہ نجبا کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ یہی روایت بغوی نے عائشہ سے نقل کی ہے۔ (معالم التنزیل)

حاکم نے مستدرک میں عطار بن یسار کے واسطے سے ام سلمہ سے یہی روایت بیان کی ہے۔ (مستدرک ۲ صہ۴۱۶)

عبدالملک ثعلبی النیشاپوری نے نقل کیا ہے کہ حضرت نے علیؑ و فاطمہؑ و حسنینؑ کو جمع کر کے آیتِ تطہیر سنائی تو جبریل نے بھی تقرب کی غرض سے اس چادر میں داخل ہونے کی کوشش کی۔ (ثمار القلوب صہ۴۸۴)

اسی کتاب کے صہ۴۸۳ پر ہے کہ اہلبیتؑ کا لقب آلِ کسا بھی ہے۔ جیسا کہ شاعر کہتا ہے ؎

والخمسة الغر اصحاب الكساء معًا

خير البرية من عجم ومن عرب

(یہ اصحابِ کسا خمسہ نجبا تمام عرب و عجم سے افضل و برتر ہیں۔)

ابن تیمیہ سے پوچھا گیا کہ کیا حضرت علیؑ بھی اصحاب کسا میں داخل ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ اس مسئلہ میں نہ کوئی اختلاف ہے اور نہ کسی دلیل کی ضرورت ہے۔ آپ اہلبیت میں سب سے افضل و برتر ہیں۔ آنحضرتؐ نے علیؑ و فاطمہؑ و حسنینؑ کو جمع کر کے یہ دعا کی تھی کہ خداوندا! یہ میرے اہلبیتؑ ہیں۔ ان سے رجس کو دور رکھنا اور انھیں کما حقہ، پاک و پاکیزہ رکھنا۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ا صہ۲۳۰)

ابن حجر مکی نے بوصیری کے قصیدہ ہمزیہ کی شرح کے صہ۳۱۹ پر اس شعر کی تفسیر کرتے ہوئے (وبام السبطین زوج علی۔ وبنیها ومن حوته العباء) (زوجۂ علیؑ مادر سبطینؑ کا واسطہ اور ان کی اولاد

Presented by Ziaraat.Com

اور ان سب کا واسطہ جو زیر عبا تھے) لکھا ہے کہ ان حضرات سے مراد پیغمبر اکرمؐ، حضرت علیؑ، جناب فاطمہؑ اور حسنینؑ تھے۔ اس لئے کہ روایتِ صحیحہ کی بنا پر رسول اکرمؐ نے علیؑ و فاطمہؑ و حسنینؑ کو چادر میں لے کر دعا کی تھی کہ خداوندا یہ میرے مخصوص اہلبیتؑ ہیں۔ انھیں پاک و پاکیزہ رکھنا۔

ام سلمہ نے بھی عرض کی کہ یا رسولؐ اللہ میں بھی انھیں میں سے ہوں؟ تو آپ نے فرمایا کہ تم خیر پر ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ ان سب پر چادر ڈال کر دعا کی کہ خداوندا یہ آلِ محمدؐ ہیں ان پر اپنی برکت و رحمت نازل کر نا کہ تو بڑا حمید و مجید ہے۔

شیخ عبد القادر رافعی نے نیل المراد ص ۶۵ میں نقل کیا ہے کہ بوصیری کے اس شعر سے مراد خمسہ نجباء ہیں۔

ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے خمسۂ نجباء کے بارے میں نزول کا تذکرہ پندرہ مقامات پر کیا ہے جن کا خاکہ یہ ہے۔

۱۔ ابو الحمراء کی روایت ہے کہ آنحضرت روزانہ صبح کے وقت علیؑ و فاطمہؑ کے دروازہ پر آکر فرماتے تھے الصلوٰۃ یا اھل البیت انما یرید اللہ ... الخ

۲۔ شداد بن عمار کہتے ہیں کہ میں واثلہ بن اسقع کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں علیؑ کا ذکر آگیا اور لوگوں نے سب و شتم شروع کر دیا۔ مجلس برخاست ہوئی تو واثلہ نے کہا کہ آؤ میں تمھیں اس شخص کے بارے میں بتاؤں جس کی مذمت ہو رہی تھی۔ میں حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ نے علیؑ و فاطمہؑ و حسنینؑ کو زیر کساء لے کر یہ دعا کی "خداوندا یہ میرے اہلبیتؑ ہیں۔ ان سے ہر رجس کو دور کر دے اور انھیں کما حقہٗ پاک و پاکیزہ رکھ"

۳۔ ابی رباح کی حدیث ام سلمہ سے ہے جس میں آپ نے خمسۂ نجباء کی شان میں نازل ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔

۴۔ ابوہریرہ کی حدیث ام سلمہ سے۔

۵۔ حکم بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے ام سلمہ کے سامنے علیؑ کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ آیتِ تطہیر میرے گھر میں نازل ہوئی ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

۶۔ عطیہ کی روایت اپنے باپ کے واسطہ سے ام سلمہ سے۔
۷۔ شہر بن حوشب کے واسطہ سے ام سلمہ سے روایت۔
۸۔ عمرو بن ابی سلمہ کے واسطہ سے ام سلمہ سے۔
۹۔ ابوسعید کے واسطہ سے ام سلمہ سے۔
۱۰۔ صفیہ بنت شیبہ کے واسطہ سے ام المومنین عائشہ سے نقل ہوا ہے کہ آنحضرتؐ سیاہ چادر اوڑھ کر باہر نکلے۔ اتنے میں بالترتیب حسنؑ وحسینؑ وفاطمہؑ وعلیؑ آگئے۔ آپ نے سب کو زیر کساء لے کر آیۂ تطہیر کی تلاوت کی۔
۱۱۔ عوام بن حوشب نے اپنے ابن عم سے نقل کیا ہے کہ میں اپنے والد کے ساتھ حضرت عائشہ کے پاس حاضر ہوا اور ان سے علیؑ کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا کہ مجھ سے زوج بتول اور احب الناس الی الرسول کے بارے میں سوال کرتے ہو؟ میں نے وہ موقع بھی دیکھا ہے جب آنحضرتؐ نے علیؑ وفاطمہؑ وحسنینؑ کو زیر کساء لے کر یہ دعا کی تھی اللّٰهم هٰؤلاء اهل بيتي ... الخ اور جب میں نے داخلہ کی کوشش کی تو حضرت نے فرمایا تھا کہ تم دور رہو، تم خیر پر ہو۔ (یہ روایت معالم التنزیل ص۲۱۳ پر نقل ہوئی ہے جس میں آخر میں انت من ازواج النبی کا فقرہ بڑھایا گیا ہے اور اس مقام پر انك على خير کا اضافہ ہوا ہے لیکن مجھے اس سے کوئی بحث نہیں ہے۔ اس کا ذکر عام طور پر ام سلمہ کے حالات میں ملتا ہے۔)
۱۲۔ ابوسعید خدری نے رسول اکرمؐ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت میرے اور علیؑ وفاطمہؑ وحسنینؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔
۱۳۔ عامر بن سعد نے سعد سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے سب کو زیر کساء لے کر دعا کی تھی کہ خدایا یہ میرے اہلبیتؑ ہیں۔
۱۴۔ ابی جمیلہ کے واسطے سے امام حسنؑ بن علیؑ سے روایت ہوئی ہے۔
۱۵۔ سدی اور ابی دیلم کے واسطے سے امام علیؑ بن الحسینؑ سے روایت ہوئی ہے۔

ابن کثیر کے یہ بیانات ایک انصاف پسند ذہن کے لئے بہت کافی ہیں۔ ان کی روشنی

Presented by Ziaraat.Com

میں آیۂ تطہیر کا خمسۂ نجباء سے مخصوص ہونا اظہر من الشمس ہے۔

حضور اکرمؐ کا ایک دستور یہ بھی تھا کہ اکثر اوقات جناب فاطمہ کے دروازے سے گذرتے ہوئے اس آیت کی تلاوت کر دیا کرتے تھے تاکہ اصحاب کی نظر میں اہلبیتؑ کرام کی یہ منزل روشن رہے اور آیندہ کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو سکے۔ چنانچہ :-

★ صحیح ترمذی میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ آنحضرت چھ ماہ تک ہر نماز صبح کے وقت باب فاطمہؑ سے گذرتے تھے اور الصّلوٰۃ اھل البیت کہہ کر آیتِ تطہیر کی تلاوت فرماتے تھے۔ (شرح ترمذی ۱۲ ص۸۵ ، استیعاب (حاشیہ اصابہ) ۴ ص۴۶)

★ ابو الحمراء کی روایت میں "السّلام علیکم اھل البیت" وارد ہوا ہے۔

★ سیوطی نے درمنثور ۵ ص۱۹۹ پر تحریر کیا ہے کہ یہ واقعہ آٹھ مہینہ تک پیش آتا رہا اور آنحضرتؐ ہر نماز صبح کے وقت السّلام علیکم اھل البیت کہہ کر آیت کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

★ اسد الغابہ میں یہ روایت ابو الحمراء کے حالات کے ذیل میں ج ۵ ص۱۷۴ پر نقل ہوئی ہے۔

★ ابن عباس کا کہنا ہے کہ آنحضرت نو مہینہ تک حضرت علیؑ کے دروازے پر ہر نماز کے وقت السّلام علیکم اھل البیت انما یرید اللہ ... الخ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

ظاہر ہے کہ اس طرزِ عمل سے آنحضرتؐ کا یہ مقصود ہرگز نہ تھا کہ صبح کے وقت اہلبیتؑ کو نماز کے لئے بیدار کریں۔ اس لئے کہ ان حضرات کی تمام رات یوں ہی عبادت الٰہی میں بسر ہوتی تھی۔ ان کا کوئی لمحہ ذکر خدا سے خالی نہیں رہتا تھا۔ آپ کا مقصد صرف یہ تھا کہ امت کو ان حضرات کی منزل سے آگاہ کر دیں اور یہ سمجھا دیں کہ آیۂ تطہیر کے صحیح مصداق یہی لوگ ہیں اور بس!

علامہ شیخ عبد المجید شرنوبی ازہری فرماتے ہیں کہ لفظ آل کے معنی موارد کے اعتبار سے بدلتے رہتے ہیں۔ حکم زکوٰۃ میں آل سے وہ تمام حضرات مراد ہیں جن پر صدقہ حرام ہے یعنی بنی ہاشم، لیکن مدح و ثنا کی منزل میں صرف وہی حضرات مراد ہوں گے جن کی محبت اور زیارت سے

Presented by Ziaraat.Com

مقاصد بر آتے ہیں جن کی محبت پر مرنے والا مرحوم ہوتا ہے اور جن کے بارے میں شاعر نے خوب کہا ہے ؎

اری حب آل البیت عندی فریضہ
علی رغم اهل البعد یورثنی القربیٰ

(میری نظر میں محبت اہلبیتؑ ایک فریضہ ہے جو دشمنوں کے علی الرغم تقرب پیدا کراتی ہے۔)

فما اختار خیر الخلق منا جزائه
علیٰ هدیه الا المودة فی القربیٰ

(اس لئے کہ سرکارِ دو عالمؐ نے اپنی ہدایت کی کوئی جزا سوائے محبت اہلبیتؑ کے نہیں پسند کی ہے۔)

یہی وہ اہلِ عبا ہیں جنھیں آنحضرت نے زیر کساء جمع کر کے دعا کی تھی۔ خدایا یہ میرے اہلبیتؑ ہیں۔ ان سے رجس کو دور کر کے انھیں کما حقہٗ پاک و پاکیزہ رکھنا۔ جس کے بعد آیتِ تطہیر نازل ہوئی تھی۔ یہ علیؑ و فاطمہؑ و حسنینؑ ہیں جیسا کہ شاعر نے کہا ہے ؎

ان النبی محمداً و وصیه — وابنیه وابنته البتول الطاهرة
اهل العباء واننی بولائهم — ارجو السلامة والنجا فی الاٰخرة

(محمدؐ و علیؑ و بتولؑ و حسنینؑ یہی وہ اہلِ عبا ہیں جن کی محبت سے آخرت میں سلامتی اور نجات کی امید وابستہ ہے۔)

★ شیخ عبداللہ شبراوی نے الاتحاف السنیہ صہ میں۔ ابن عساکر نے اپنی تاریخ کے ۴ صہ ۲۰۴ پر، محمد بن یوسف شافعی نے کفایۃ الطالب ۲ صہ ۱۳ میں اور شیخ ابوبکر بن ملا حنفی نے قرۃ العیون ۱ صہ ۱۸۹ پر یہی روایت نقل کی ہے۔

★ ابن عبد ربہ نے اسے عقد فرید ۱ صہ ۳۷ پر نقل کیا ہے۔

★ شیخ نعمان آلوسی نے غالیۃ المواعظ ۲ صہ ۸۶ پر ابوسعید خدری کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت علیؑ و فاطمہؑ و حسنینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ بیہقی، ترمذی، ابن المنذر

Presented by Ziaraat.Com

وغیرہ نے ام سلمہ سے روایت کی ہے۔

★ واحدی نے اسباب النزول ص۲۶۷ پر ابوسعید کے واسطہ سے ام سلمہ سے روایت کی ہے۔

ظاہر ہے کہ اس مختصر فہرست سے ہمارا مدعا روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے جس کے بعد مزید کسی تفصیل کی ضرورت نہیں رہ جاتی ہے۔ ورنہ اگر ہم تمام حوالے درج کر کے ان پر تبصرہ کرنا شروع کر دیں تو ایک کتاب چند جلدوں کی شکل میں تبدیل ہو جائے گی۔

۲۔ حدیثِ غدیر

یہ وہ حدیث ہے جسے سو سے زیادہ اصحاب کرام نے روایت کیا ہے جن میں یہ جلیل القدر اور عظیم المرتبت صحابہ بھی شامل ہیں۔

★ ابوذر غفاری المتوفی ۳۱ھ۔ جن کے بارے میں رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ بالائے زمین اور زیر آسمان ابوذر سے زیادہ صادق القول کوئی نہیں ہے۔ (جیسا کہ اکثر محدثین نے بیان کیا ہے۔)

★ حذیفہ الیمانی المتوفی ۲۹ھ

★ البراء بن عازب

★ جابر بن عبداللہ انصاری

★ ابو ایوب خالد بن زید انصاری المتوفی ۵۰ھ

★ سعد بن ابی وقاص

★ سلمان فارسی المتوفی ۳۶ھ

★ طلحہ بن عبید التیمی

★ حضرت عائشہ (آپ کی روایت کو ابن عقدہ نے اپنی کتاب حدیث الولایہ میں درج کیا ہے اور ابن عقدہ وہ بزرگ ہیں جن کے حافظہ پر تمام مورخین کا اجماع ہے۔ اکثر لوگوں نے تو ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں ایک لاکھ حدیثیں مع سند کے حفظ کئے ہوئے

Presented by Ziaraat.Com

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

- ★ [illegible]
- ★ [illegible]
- ★ [illegible]
- ★ [illegible]
- ★ [illegible]

[illegible]

Presented by Ziaraat.Com

میں زید بن ارقم سے نقل کیا ہے کہ جب آنحضرت حجۃ الوداع سے واپسی کے مواقع پر دوپہر کے وقت مقام غدیر خم میں اترے تو آپ نے اسی شدید دھوپ میں ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔

"اللہ نے مجھ پر بلّغ ما انزل الیك کی آیت نازل کی ہے اور جبریل نے یہ کہا ہے کہ اسی مقام پر ٹھہر کر ہر سفید و سیاہ کو یہ بتا دوں کہ علیؑ بن ابی طالب میرے بھائی، وصی، خلیفہ اور میرے بعد امام ہیں۔ میں نے جبریل سے یہ بھی کہا تھا کہ ابھی حالات سازگار نہیں ہیں۔ چاہنے والوں کی تعداد کم اور اذیت رساں عناصر زیادہ ہیں۔ لوگ مجھے محبتِ علیؑ میں بدنام کرکے اذن سے تعبیر کر رہے ہیں۔ میں ان کے نام بھی بتا سکتا ہوں لیکن عیب پوشی کو علامت بزرگی سمجھتا ہوں۔ لیکن بہرحال تم لوگوں کو یہ اطلاع دیئے دیتا ہوں کہ اللہ نے علیؑ کو تمھارے لئے ولی و امام مقرر کر دیا ہے۔ اب ہر شخص پر ان کی اطاعت فرض ہے۔ ان کا حکم نافذ اور ان کا قول حتمی ہے۔ ان کا مخالف ملعون اور ان کا ہمنوا قابلِ رحمت ہے۔ تم سب علیؑ کی اطاعت کرو اس لئے کہ اللہ تمھارا حاکم ہے اور وہ تمھارے امام ہیں۔ ان کے بعد امامت کا سلسلہ انھیں کی نسل میں رہے گا۔

کتابِ خدا کو سمجھو۔ متشابہات کے چکر میں نہ پڑو۔ اس کا علم اسی کے ذریعہ تم تک پہنچے گا۔ جس کے بازو میرے ہاتھوں میں ہیں اور جسے میں بلند کر رہا ہوں۔ یاد رکھو جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ بھی مولا ہے۔ یہ آیت اللہ کی طرف سے نازل کی گئی ہے جسے میں نے یہ حکم پہنچا کر تم کو سنا دیا ہے۔ میرا بیان بالکل واضح ہے۔"

یہی وہ باعظمت حدیث ہے جسے امام بخاری نے ترک کرکے دیگر روایات فضائل آل محمدؐ کی طرح اس کے نقل سے گریز کیا ہے حالانکہ غدیر کا واقعہ اسلامی تاریخ کے تمام واقعات سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے اور اس کا انکار ایک معمولی تاریخ دان کے لئے بھی ممکن نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بعض مسلمانوں نے واقعہ کے تمام اہم پہلوؤں سے قطع نظر کرکے اصل واقعہ ہی کو جھٹلانا چاہا ہے اور ان کی نظر میں ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر جیسا اجتماع، کڑی

Presented by Ziaraat.Com

دھوپ، تپتا صحرا، مدنی، مصری، عراقی، مسلمانوں کا ایک لاکھ کا مجمع نہ سما سکا۔ رسول اکرمؐ کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ میری امت اس پیغام کو قبول نہ کر سکے گی۔ اس لئے کہ ہر شخص کا درجۂ ایمان و یقین برابر نہیں ہوتا ہے۔ ہر شخص نبیؐ کو خواہشاتِ دنیا اور مادّی اغراض سے بری نہیں جانتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود پروردگار نے انھیں اس حکم سے معاف نہیں رکھا بلکہ تند لہجہ کے ساتھ حکم دیا کہ میرے اس پیغام کو پہنچایا جائے۔ آنحضرتؐ نے حکم کی تبلیغ کی اور مسلمانوں سے اپنے اولیٰ بالتصرف ہونے کا اقرار لیا اور جب سب نے اعتراف کر لیا تو یہ اعلان کیا کہ "جس کا میں مولیٰ ہوں اس کا علیؑ بھی مولا ہے۔" اس کے بعد وقتاً فوقتاً اشارۃً یا صراحتاً اس مطلب کی تاکید کرتے رہے تاکہ حجت تمام ہو جائے اور عذر کا موقع نہ رہے۔

اب اسے کیا کیا جائے کہ علمار اسلام نے ان تمام خصوصیات کے باوجود حدیث کی تاویل شروع کر دی اور روزانہ ایک نیا مفہوم ایجاد کرنے لگے۔ سچ کہا گیا ہے ؏

بات میں بات نکل آتی ہے

عیدِ غدیر: اسلام کی ایک ایسی اہم تقریب ہے جسے محبانِ اہلبیتؑ نے ہر دور میں مختلف طریقوں سے منایا ہے۔

آلِ بویہ کے دور میں بغداد میں یہ عید علی الاعلان منائی جاتی تھی لیکن یہ طرزِ مسرت دشمنوں کی نظر میں کھٹک رہا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں نے اس کی مخالفت شروع کر دی اور طرفین سے عظیم اختلافات رونما ہوئے لیکن چاہنے والوں نے اس سلسلہ کو ختم نہ ہونے دیا اور مختلف شکلوں میں اپنے دلی جذبات کا اظہار کرتے رہے۔

دشمنانِ تشیع نے یہ طے کر لیا کہ اس قسم کی مخالفتیں شیعوں کو ان کے مذہبی شعار سے نہیں روک سکتیں۔ لہذا مخالفت کا ایک اور طریقہ ایجاد کیا اور عیدِ غدیر کے مقابلہ میں عیدِ غار کی بنیاد ڈال دی جس میں ۲۶ ذی الحجہ کو ایک قبہ بنایا جاتا تھا تاکہ یہ ظاہر کیا جائے کہ رسول کریمؐ ابو بکر کے ساتھ غار میں مخفی ہو گئے ہیں۔

ان مساکین نے اس بات پر بھی توجہ نہ دی کہ غار کا واقعہ آخرِ صفر یا ابتدائے ربیع الاوّل کا ہے۔ ۲۶ ذی الحجہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ (شذرات الذہب ابن عماد ۳ ص۱۳۰)

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

اور اسلام کے واحد سپاہی نہ تھے۔ معاذ اللہ (شذرات الذہب ۳ ص۱۳۰)

اس سلسلے میں بغداد کے وہ خونیں حادثات آج بھی تاریخ میں ثبت ہیں جن کے ظہور کی تمام تر ذمہ داریاں تعصب و جہالت کے سر ہیں جن سے کرخ کا سانحۂ عظمیٰ ظہور پذیر ہوا۔ وہ عظیم حادثہ جس میں شیعوں کے گھروں میں آگ لگائی گئی۔ ان کے مَردوں کو قتل کیا گیا۔ ان کے بچوں کو بے دردی کے ساتھ تہِ تیغ کیا گیا اور آخر کار ظالمین بھی اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گئے۔

ہم ان قدیم حادثات کو صرف اس لئے نہیں دہرانا چاہتے ہیں کہ اتحاد بین المسلمین کی قربانگاہ پر ہماری یہ قربانیاں بھی پیش پیش رہیں اور مسلمان یہ احساس کریں کہ باہمی برادری اور اخوت کے لئے ہم نے کس کس صبر و ضبط کا مظاہرہ نہیں کیا ہے۔ کیسے کیسے تلخ گھونٹ نہیں پیئے۔ ہم اب بھی تاریخ اسلام سے تقاضا کر رہے ہیں کہ وہ اپنے مظالم سے قطع نظر کر کے ہماری طرف محبت اور برادری کا ہاتھ بڑھائے جس طرح ان مصائب کو برداشت کرنے کے بعد بھی ہم بڑھا رہے ہیں۔ ہماری نظر میں اسلامی اخوت کی قدر و قیمت ہے۔ ہم عالم اسلام کو صرف ایک نقطہ پر دیکھنا چاہتے ہیں۔

۳۔ حدیث ثقلین

صحیح مسلم ج ۲، ص۱۲۲ پر زید بن ارقم کے واسطہ سے سرکار رسالتؐ کا وہ تاریخی خطبۂ غدیر نقل ہوا ہے جس میں آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا تھا "انا تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ فیہ الھدیٰ والنور فخذوا بکتاب اللہ واستمسکوا بہ" "واھل بیتی اذکرکم اللہ فی اھل بیتی"۔

ترمذی نے جلد ۲ ص۳۰۸ پر زید بن ارقم ہی کے واسطہ سے یہ ارشاد نقل کیا ہے "انا تارک فیکم الثقلین ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی احدھما اعظم من الآخر کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الی الارض وعترتی اھل بیتی ولن یفترقا حتیٰ یردا علیَّ الحوض فانظروا کیف تخلفونی فیھما" میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، ایک کتابِ خدا جس کا سلسلہ زمین سے آسمان تک ہے اور ایک میری عترت

Presented by Ziaraat.Com

اہلبیتؑ یہ دونوں حوضِ کوثر تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ ان دونوں سے تمسک نجات کا ضامن ہے۔ ان میں ایک دوسرے سے عظیم تر ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ تم میرے بعد ان سے کیا سلوک کرتے ہو؟)

* احمد بن حنبل نے اپنی مسند ۳ صفحہ ۱۷ میں ابی سعید خدری سے نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "انی تارك فیكم الثقلین كتاب الله وعترتی اهل بیتی وانهما لن یفترقا حتیٰ یردا علی الحوض۔

* ص ۲۶ پر انھیں ابوسعید سے دوسری روایت نقل ہوئی ہے" انی اوشك ان ادعیٰ فاجیب وانی تارك فیكم الثقلین كتاب الله وعترتی اهل بیتی كتاب الله حبل ممدود من السمآء الی الارض وعترتی اهل بیتی وان اللطیف الخبیر اخبرنی انهما لن یفترقا حتیٰ یردا علی الحوض فانظروا كیف تخلفونی فیهما" (میں عنقریب دنیا سے رخصت ہونے والا ہوں۔ میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک کتابِ خدا اور ایک میری عترت اہلبیتؑ۔ کتابِ خدا زمین سے آسمان تک کھینچی ہوئی ریسمانِ ہدایت ہے اور عترت میرے اہلبیتؑ ہیں۔ خدائے خبیر نے مجھے اطلاع دی ہے کہ یہ دونوں حوضِ کوثر تک جدا نہ ہوں گے۔ دیکھنا یہ ہے کہ تم ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو؟)

یہی روایت ص ۵۹ پر بھی درج ہوئی ہے۔

* بغوی نے مصابیح السنۃ کے ۲ ص ۲۰۵ پر اور قاضی عیاض نے اپنی کتاب شفاء میں یہی روایت نقل کی ہے۔

* خطیب بغدادی نے ۸ ص ۴۴۲ پر حذیفہ بن اسید سے رسول اکرمؐ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے" یا ایها الناس انی فرط لكم وانتم واردون علی الحوض وانی سائلكم حین تردون علی الحوض عن الثقلین فانظروا كیف تخلفونی فیهما الثقل الاكبر كتاب الله سبب طرفه بید الله وطرفه بایدیكم فاستمسكوا به"

(ایها الناس! میں دنیا سے جا رہا ہوں اور تمھیں میرے پاس کوثر پر آنا ہے۔ میں تم سے اس

Presented by Ziaraat.Com

وقت ثقلین کے بارے میں مواخذہ کروں گا لیکن میرے بعد ان سے ہشیار رہنا۔ ان میں ثقل اکبر کتاب خدا ہے جو ایک ریسمانِ ہدایت ہے جس کا ایک سرا پروردگار سے ملا ہوا ہے اور ایک تمھارے ہاتھ میں ہے۔

* حاکم نے مستدرک ج ۳ ص ۱۰۹ پر زید بن ارقم سے اور سیوطی نے زید بن ارقم، زید بن ثابت، ابن سعید خدری تین اصحاب سے یہی روایت نقل کی ہے۔
* فقیہ الحرمین محمد بن یوسف شافعی نے کفایۃ الطالب میں اور طبری نے ذخائر العقبیٰ میں اس روایت کو زید بن ارقم سے نقل کیا ہے۔
* ابن حجر نے صواعق محرقہ ص ۱۳۶ پر روایت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کے بیس سے زیادہ اسناد ہیں۔
* عبداللہ بن محمد الشبراوی نے کتاب الاتحاف اور سیوطی نے کتاب احیاء المیت[۱] میں اس کا ذکر کیا ہے، جو اتحاف کے حاشیہ پر طبع ہوئی ہے۔

شیخ عدوی نے مشارق الانوار کے ص ۱۴۶ پر اور علامہ ابوالبرکات نعمان آفندی آلوسی نے غالیۃ المواعظ کے ۲ ص ۸۰ پر اسے ذکر کیا ہے۔

* ابن حجر نے قصیدۂ ہمزیہ کی شرح کرتے ہوئے اہلبیتؑ کے فضائل یوں بیان کئے ہیں: "حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ مجھ پر ایمان اسی وقت تمام ہوگا جب میری محبت ہو اور میری محبت اسی وقت ہوگی جب میرے اقرباء سے الفت ہو۔ میں ان کے دوست کا دوست اور ان کے دشمن یا ان سے جنگ کرنے والے کا دشمن ہوں۔ جس نے انھیں اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے خدا کو اذیت پہنچائی ــــــ اس کے بعد حدیث ثقلین کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس سے مراد آل محمدؐ ہیں۔

ابن کثیر نے اپنی تفسیر کے ۳ ص ۴۸۶ پر زید بن ارقم سے نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے غدیر خم میں خطبہ دیتے ہوئے حمد و ثنائے الٰہی کے بعد فرمایا: "ایہا الناس! میں بھی ایک انسان ہوں

---

[۱] شائع کردہ مکتبہ تعمیر ادب، پیسہ اخبار، لاہور، قیمت: ۱/۲۵

Presented by Ziaraat.Com

اور عنقریب دنیا سے اٹھ جاؤں گا۔ میں تمھارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، ایک کتابِ خدا ہے جس میں نور و ہدایت ہے اس پر عمل کرو اور اس سے تمسک کرو ـــــ اور ایک میرے اہلبیتؑ ہیں جن کے بارے میں میں تمھیں خدا کو یاد دلاتا ہوں، خدا کو یاد دلاتا ہوں، خدا کو یاد دلاتا ہوں ـــــ اسی طرح تین مرتبہ تکرار فرمائی۔

★ شیخ عبد الرحمن نقشبندی نے عقد الفرید کے ص۳۲ پر اہلبیتؑ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے۔ یہ حضرات دین کے ستارے، دریائے شریعت کے کنارے اور اصحاب میں منتخب ہیں۔ انھیں سے دین اسلام پھیلا اور انھیں سے استحکام حاصل ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ سرکار دو عالمؐ نے فرمایا تھا۔ انی تارك فیکم الثقلین ـــــ اور اسی بنا پر حضرتؐ کا ارشاد تھا کہ جسے صلوات کامل بھیجنا ہو وہ یوں کہے اللّٰھم صل علیٰ محمد و آلہ اور اسی بنیاد پر شافعی نے تشہد میں بھی آل محمدؐ پر صلوات بھیجنے کو واجب قرار دے کر اعلان کیا تھا ؎

یا آل بیت رسول اللہ حبکم ۔۔۔ فرض من اللہ فی القرآن انزلہ

کفاکم من عظیم القدر انکم ۔۔۔ من لم یصل علیکم لا صلوٰۃ لہ

اے اہلبیتؑ رسولؐ اللہ نے قرآن میں تمھاری محبت واجب کی ہے۔ تمھارے لئے یہی کافی ہے کہ اگر تم پر صلوات نہ بھیجی جائے تو نماز ہی بیکار ہو جائے۔

★ مصر کے رسالہ المسلم کے ماہ شعبان ۱۳۷۱ھ کے شمارے میں یہ عبارت درج کی گئی ہے کہ "اہلبیتؑ دین کے محافظ ہیں اور بزرگی کے واقعی وارث ہیں۔ انھیں طرح طرح کی ایذائیں پہنچائی گئیں اور تاریخ کے ہر دور میں تباہ و برباد کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ ان کے دشمنوں نے ان کی مخالفت اور ان سے جنگ و جدال کو ایک دینی شعار بنا لیا۔ مختلف ادوار میں انھیں ان کے مال و ملک و وقف سے بے دخل کیا گیا۔ ان پر اتنی مصیبتیں ڈالی گئیں جن کا اندازہ صرف پروردگارِ عالم ہی کر سکتا ہے۔ ان کے خلاف احیاء السنۃ اور اجتہاد الرسولؐ کے نام سے کتابیں تک تالیف کی گئیں۔ والعیاذ باللہ"

★ قاموس میں مادۂ ثقل میں لکھا ہے کہ ثقل وزن کے معنی میں ہے اور ثَقَل مسافر کی پونجی کو کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر عمدہ اور قابلِ تحفظ شے کا نام ثَقَل ہے اور اسی لئے آنحضرتؐ نے

Presented by Ziaraat.Com

فرمایا تھا "انی تارك فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی"

* ثعلب الدین نے تاج العروس میں اسی مقام پر تحریر کیا ہے کہ قرآن و اہلبیتؑ کو ثقلین سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ ان کی شان بلند اور ان کی منزل اعلیٰ ہے۔ ثعلب کے خیال میں ان کے ثقلین ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان سے تمسک کرنا اور ان کے ارشادات پر عمل کرنا بڑا سنگین کام ہے۔
* ابن ابی المنظور نے لسان العرب میں تحریر کیا ہے کہ آنحضرت نے آخر عمر میں فرمایا تھا "انی تارك فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی" اور ثقل ہر عمدہ قابلِ تحفظ شے کو کہتے ہیں۔ حضورؐ نے بھی ان کو ثقل کہا ہے۔ اس لئے کہ ان کی شان اجل وارفع اور ان کی منزل بلند و بالا ہے۔ اس کے علاوہ بڑے سردار کو بھی ثقل کہتے ہیں۔
* ابن اثیر نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ثقلین کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان سے تمسک بڑا دشوار اور نہایت مشکل کام ہے۔
* مصباح میں نقل کیا گیا ہے کہ عترت انسان کی نسل کو کہتے ہیں اور ثعلب کی ابن اعرابی سے روایت کی بنا پر عترت اولاد و ذریت اور صلبی اخلاف کو کہتے ہیں۔
* محمد صدیق حسن بخاری نے اپنی کتاب الدین الخالص ۳ ص۱۱۵ میں زید بن ارقم کے طریق سے روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ اس حدیث میں اہلبیتؑ کی فضیلت اور اسلام میں ان کی عظمت کا تذکرہ ہے۔ یہ حضرات تعظیم و تکریم میں قرآن کے ہمسر ہیں اور ظاہر ہے کہ رسولِ اعظمؐ کے بیان سے بہتر کس کا بیان ہو سکتا ہے۔
* اس کے بعد ص۱۱۴ پر رقم طراز ہیں کہ میرے نزدیک عترت سے مراد واقعی طور پر وہ حضرات ہیں جو زمانۂ رسول اکرمؐ میں موجود تھے لیکن اس کے باوجود ان میں بزرگانِ دین، قائدینِ ملت یعنی ائمہ اثناعشر بھی داخل سمجھے جائیں گے ——— اہلبیتؑ سے مراد فقط ذریتِ طاہرہ اور عترتِ طیبہ ہے۔ اس میں ازواج کا کوئی دخل نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر ہم اس سلسلہ کو جاری رکھیں تو بات زیادہ طولانی ہو جائے گی۔ ہمارے لئے اتنے معتبر حوالے ہی کافی ہیں۔ جب کہ علامہ محمد بن طاہر بن علی قیصرانی نے ایک کتاب بھی تالیف

Presented by Ziaraat.Com

کردی ہے جس میں حدیث کو ۲۷ اصحاب سے نقل کیا ہے۔

اس مقام پر قابل توجہ امر یہ ہے کہ تحریف پرست افراد نے جہاں اسلام کو تباہ کرنے کے لئے اور وسائل اختیار کئے ہیں وہاں اس حدیث کو بھی اپنی دست برد سے محفوظ نہیں رکھا اور اس طرح ہدایت و نجات کی اس محکم دستاویز کو بھی بدل دینے کی پوری پوری کوشش کی کہ سرکار دوعالم نے امت کو کتاب و عترت کے حوالے کیا تھا اور ان لوگوں نے عترت کے لفظ کو سنت سے بدل دیا تاکہ عترت کا واجب الاحترام ہونا ان کے تمسک کا باعث نجات ہونا، ان کے حق کا قابل لحاظ ہونا اور ان کا صبح قیامت تک باقی رہنا ثابت نہ ہوسکے۔

باوجودیکہ علامہ شریف سمہودی تحریر فرماتے ہیں کہ "اس روایت سے صاف صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قابل تمسک عترت کے افراد کو تا قیامت باقی رہنا چاہئے تاکہ ان سے اسی طرح استفادہ کیا جاسکے جس طرح کتاب صبح قیامت تک باقی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عترت کو امان اہل ارض قرار دیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اگر یہ نہ رہیں گے تو اہل زمین تباہ ہوجائیں گے۔ (شرح مواہب لدنیہ ۸ ص)

شیخ زرقانی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ "کتاب سے تمسک اس لئے واجب ہے کہ وہ معدن علوم و اسرار و حکم اور خزانہ حقائق و معارف ہے اور عترت سے تمسک اس لئے ضروری ہے کہ اگر عنصر طیب ہوجائے گا تو دین کے سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ طیب عنصر سے حسن اخلاق پیدا ہوتا ہے اور حسن اخلاق سے صفائے قلب۔ اسی لئے آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ دیکھیں تم ان سے کیا سلوک کرتے ہو۔ میرا اتباع کرکے مجھے خوش کرتے ہو یا میری بات ٹال کر مجھے رنجیدہ کرتے ہو۔ (شرح المواہب)

ظاہر ہے کہ سرکار دوعالمؐ امت کی مصلحتوں سے بخوبی واقف تھے۔ انھیں یہ معلوم تھا کہ امت کی فلاح و نجات اور اس کی سعادت و نیک بختی عترت و اہلبیتؑ سے تمسک کرنے میں ہے کہ یہ حضرات اس کے حالات سے بہتر واقف ہیں اور اس کی اصلاح کی بہتر تدبیر کرسکتے ہیں۔ اسی لئے آپ نے انھیں سفینۂ نوح سے تشبیہ دی تھی اور حضرت ابوذر غفاریؓ نے زنجیر کعبہ پکڑ کر اس حدیث سفینہ کی تلاوت کی تھی۔ (مسند امام احمد بن حنبل، مستدرک حاکم وغیرہ۔)

Presented by Ziaraat.Com

طبرانی نے ابوسعید خدری سے یہ حدیث بھی روایت کی ہے کہ "اہلبیتؑ کی مثال باب حطہ کی ہے کہ جو اس دروازے سے داخل ہوگیا اس کے گناہ بخش دیئے گئے"۔ اس کے علاوہ بیشمار حدیثیں ایسی ہیں جنھیں اس دور کے علماء نے نقل کیا ہے اور ہر زمانہ کے افراد نے دیکھا اور سنا ہے۔ جن میں اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اہلبیتؑ سے تمسک ضروری ہے۔ یہ حضرات حق کے داعی اور خلقت کے ہادی ہیں۔ ان کی حیثیت ہدایت کے پرچم اور امت کے قائد کی سی ہے۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ اگر آج بھی امتِ اسلامیہ پوری آزادی کے ساتھ بغیر کسی ذاتی مفاد و مصلحت کے کسی ایسے شخص کا انتخاب کرنا چاہے جو خلافتِ رسولؐ اور قیادتِ امت کا واقعی اہل ہو، جس کے ارشادات پر عمل ضامنِ نجات اور جس کے احکام کی تعمیل باعثِ سعادت ہو تو اہلِ بیتؑ کے علاوہ کسی اور کا نام نہ لے سکے گی۔ انھیں حضرات میں خلافتِ الٰہیہ کی ساری صلاحیتیں موجود تھیں اور یہی وہ مقدس افراد تھے جن کے دامنِ عصمت کو کسی صورت سے داغدار نہیں بنایا جاسکا۔ افسوس! کہ خلافتِ الٰہیہ قیدِ صلاحیت سے نکل کر میراث کی شکل اختیار کر گئی اور اس کے حقداروں میں صاحبِ سیف و سلطنت یزید جیسے لوگوں کا نام بھی آنے لگا۔

ان تمام واضح و روشن بیانات کے بعد یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ امام بخاری کا حضرت صادقؑ کی روایتوں کو اپنی کتاب میں جگہ نہ دینا خود ان کے حق میں مضر تھا۔ اس سے امامؑ کی شخصیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔

آپ کے صدق لہجہ کا کلمہ پوری ملتِ اسلامیہ نے پڑھا ہے اور لطف یہ ہے کہ بخاری نے آپ کے شاگردوں کی روایتیں درج کی ہیں اور ان میں بھی صرف ان روایتوں کو ترک کر دیا ہے جو آپ کے ذریعہ بیان ہوئی تھیں لیکن یہ بھی کوئی زیادہ تعجب خیز بات نہیں ہے۔ اس لئے کہ انسان حفظِ جان یا ذاتی اغراض کی بنا پر ایسے بہت سے کام کیا کرتا ہے۔ جیسا کہ اسماعیلی نے امام بخاری کی زبانی نقل کیا ہے کہ میری کتاب کی تمام روایتیں صحیح ہیں لیکن جتنی صحیح روایتیں اس میں نہیں آسکیں ان کی تعداد موجودہ روایتوں سے کہیں زیادہ ہے۔ (ہدایۃ الباری ص۱)

امام بخاری کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ ان کو ایک لاکھ صحیح حدیثیں یاد تھیں۔

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

"ظاہر ہے کہ اس نسبت سے اس کتاب میں کچھ نہیں ہے۔ اس کی کل روایتیں ۷ ہزار سے زائد نہیں ہیں اور یہ بھی ذمہ داری نہیں لی جا سکتی ہے کہ جو کچھ کتاب میں ہے سب صحیح ہے یا ان تمام باقی ماندہ روایتوں سے زیادہ صحت رکھتی ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن ہمام نے شرح ہدایہ میں تحریر فرمایا ہے کہ "یہ کہنا کہ تمام کتابوں سے زیادہ صحیح، بخاری و مسلم ہے اور ان میں بھی پہلے بخاری پھر مسلم۔ پھر وہ روایت جو ان کے معیار پر صحیح اترے۔ پھر وہ روایت جو کسی ایک کے معیار پر صحیح ہو ایک دعویٰ بے دلیل اور اندھی تقلید ہے۔ روایت کا صحیح ہونا صحت کے معیار پر ٹھیک اترنے کا نام ہے۔ بخاری و مسلم کے درج کرنے یا نہ کرنے کا نہیں ہے۔

حالات کے پیش نظر ہم اتنا ضرور فرض کر سکتے ہیں کہ امام بخاری نے فضائل اہلبیتؑ کے روایات کو اس لئے نہیں ترک کیا ہے کہ وہ ان کی نظر میں ضعیف اور ناقابل وثوق تھیں بلکہ اس کا سبب کتاب کا اختصار یا زمانہ کے حالات بھی ہو سکتے ہیں جیسے کہ امام صادقؑ کے روایات کا ترک کر دینا آنحضرتؑ کی شخصیت پر کسی اعتراض کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق بھی بخاری کے ذاتی مسائل سے ہے۔ امامؑ کی ذات اقدس پر تمام مسلمانوں نے اعتماد کیا ہے۔ آپ کے اقوال مقبول ہیں۔ آپ کا لقب صادق ہے اور آپ تمام اسلامی مشکلات کے مشکل کشا تھے۔ آپ کے دور میں کوفہ میں ایک ہزار رواۃ یہ کہتے ہوئے نظر آرہے تھے کہ "حدثنی جعفر بن محمد" "ہم سے جعفرؑ بن محمدؑ نے بیان کیا ہے"۔

امام صادقؑ

۱. آپ کے دور کے رؤساء و امراء

۲. آپ کے شہر کے حکّام

Presented by Ziaraat.Com

تمہید

بنی امیہ نے اپنی پوری حکومت میں آزادیٔ رائے اور حریت ضمیر کے بارے اسلامی تنظیم کی پوری پوری مخالفت کی ہے اور ہمیشہ اس بات کے کوشاں رہے ہیں کہ بانیٔ اسلام کی جانفشانیوں سے پیدا شدہ اتحاد و اتفاق کو افتراق و اختلاف کی شکل میں بدل دیا جائے۔

چنانچہ اسلام نے اتحاد کی تعلیم دی تو انھوں نے افتراق پھیلایا۔ اسلام نے خونریزی سے منع کیا تو انھوں نے اسے کارِ خیر تصور کیا۔ اسلام نے عدل و احسان کا حکم دیا تو انھوں نے ظلم و جور کے پہاڑ توڑنا شروع کر دیئے اور اس مخالفت میں اس وحشت و بربریت کا مظاہرہ کیا جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ اسلام قاصر ہے۔ جاہلیت زدہ اذہان نے حدود اسلام سے باہر نکلنے کو ایک ایسا شیریں خواب تصور کر لیا تھا کہ اسلام ایک قیدخانہ سے زیادہ کچھ نہ معلوم ہوتا تھا۔ وہ ترکِ نماز، شرب خمر، قتلِ نفس، حرام خوری کی سزا معین کر چکا تھا۔ وہ امت اسلامیہ کو ایک پلیٹ فارم پر دیکھنا چاہتا تھا۔ بنی امیہ بنیادی طور پر ان قوانین کے مخالف تھے۔ وہ مصلحت عامہ کے قائل نہ تھے۔ ان کے ذہن انسانیت کی خوش بختی و بدبختی کے مفاہیم سے ناآشنا تھے۔ اسلام کو اس اہم کام کے لئے ایک ایسے نمائندہ کی ضرورت تھی جو بہمہ وجوہ کامل اور کسی وقت بھی اجتماعی مفاد کے سامنے ذاتی غرض پر نظر نہ رکھتا ہو۔ اس کا مقصد صرف یہ ہو کہ امت کو اپنے خون سے سیراب کرے تاکہ اس کے جاندے روشن ہوں اور اس سے زندگی کی راہیں اجاگر ہو سکیں۔

اسلام ان مکمل قوانین اور محکم ضابطۂ حیات کا نام ہے جسے بشریت کی رہنمائی کے لئے آسمان

Presented by Ziaraat.Com

سے نازل کیا گیا ہے جس کی نمائندگی حضرت محمد مصطفےٰؐ جیسے انسانِ کامل کے سپرد کی گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسے محکم قوانین کی نمائندگی بعدِ پیغمبرؐ بھی آسمان ہی سے ہونی چاہیئے تھی تاکہ اغراض و خواہشات سے پاک و پاکیزہ افراد اس کے احکام کو نافذ کر کے انسان کو اس کی منزلِ کمال تک پہنچا سکیں۔

(ربك يخلق مايشاء ويختار ما كان لهم الخيرة)

علّامہ کاشف الغطاء ارشاد فرماتے ہیں "امامت، نبوت کی طرح ایک خدائی منصب ہے۔ جس طرح رسالت و نبوت کے لئے نمائندہ کا انتخاب پروردگار کی طرف سے ہوتا ہے اسی طرح امام کا انتخاب بھی قدرت کے اشارے پر ہونا چاہیئے اور نبی کو اس بات کا مامور ہونا چاہیئے کہ وہ امّت میں اپنے نائب کی تعیین کر کے یہ اعلان کر دے کہ میرے بعد ان احکام کا ذمہ دار کون ہو گا؟

امامت درحقیقت نبوت ہی کا دوسرا رنگ ہے۔ فرق یہ ہے کہ امام پر وحی نازل نہیں ہوتی ہے اور نبی منزلِ وحی ہوتا ہے۔

نبی کا پیغام آسمان سے آتا ہے اور امام کا پیغام نبوت سے شروع ہوتا ہے۔

امام بھی نبی کی طرح خطا و عصیان سے معصوم، تزکیۂ نفس اور تکمیلِ بشریت کے لئے مامور ہوتا ہے۔ ظاہر ہے جس کا نفس پاک و پاکیزہ نہ ہوگا اس کی تعظیم بھی باعثِ تکمیل نہیں ہو سکتی ہے۔

لاينال عهدي الظالمين۔

امامت کا وہ مقدس سلسلہ جو بارہویں امام پر ختم ہوتا ہے نبوّت کی کامل نمائندگی کرتا ہے اور اس میں ہر فرد درجۂ عصمت پر فائز ہے۔"

امام جعفر صادقؑ انھیں اثنا عشر میں سے چھٹے امام اور وہ انسانِ کامل ہیں جنھیں خالقِ کائنات نے نظامِ اسلام کی تطبیق کے لئے منتخب کر کے ان کے حوالے اُمت کی ہدایت کا کام کیا ہے۔ آپ کی عظمت و عصمت کی واضح دلیل یہ ہے کہ دشمن باوجود کثرتِ جستجو کے آج تک آپ کی زندگی میں کوئی عیب نہیں نکال سکے ہیں اور نہ کسی علمی کمزوری کی نشاندہی کر سکے ہیں۔

آپ اہلبیتِ رسالتؐ کے ایک نمایاں فرد تھے۔ ریاست و سیاست کی پوری ذمہ داری آپ کے حوالے تھی اور یہی وجہ ہے کہ انقلاب پسند افراد نے بارہا اس امر کی کوشش کی کہ حکومت آپ کے حوالے کر دیں لیکن آپ نے اپنی دوراندیشی اور مصلحت شناسی کی بنا پر ان کے مطالبہ کو

Presented by Ziaraat.Com

ٹھکرا دیا۔

ہمارا مقصد امامت و ریاست کے طویل مباحث میں پڑنا نہیں ہے بلکہ ہم ان افراد کے کردار کی نشاندہی کرنا چاہتے ہیں جنھوں نے اپنے دور میں ریاست و امامت کی ذمہ داریاں سنبھالیں لیکن اپنے کردار کا تحفظ نہ کر سکے۔

امام صادقؑ نے ان تمام بداعمالیوں اور بدکرداریوں کا مشاہدہ کیا۔ آپ نے دیکھا کہ خود ساختہ حکام اپنے نفس کی پیاس بجھانے کے لئے انسانیت پر ظلم ڈھا رہے ہیں۔ خلقِ خدا پر عرصۂ حیات تنگ ہو رہا ہے۔ کتاب و سنّت کی مخالفت عام ہے۔ امت کی فلاح و بہبود کے نظام کو پس پشت ڈالنے کی پوری پوری کوشش ہو رہی ہے۔ تنہا آپ نے مظالم برداشت کئے اور صبر و ضبط کا مظاہرہ کیا اور یہ سمجھا دیا کہ مفادِ امت پر اپنے مفاد کو قربان کر دینے والے افراد کیسے ہوتے ہیں اور امت کی صحیح قیادت کن افراد کے حوالے ہونی چاہئے۔

امامؑ کا موقف ایک ایسے انسان کا تھا جو اپنے حساس دل کی بنا پر حالات کا صحیح جائزہ لے کر ان سے متاثر ہو لیکن انصار و مددگار کے نہ ہونے کی بنا پر خاموش زندگی بسر کرے۔ مسلمانوں کے دکھ درد میں شریک ہو لیکن ان کے مشکلات کا مکمل علاج نہ کر سکے۔ اس کے باوجود آپ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے اہم فرائض سے انکار نہیں کیا بلکہ ان نازک اور شدید ترین حالات میں بھی اپنے فریضہ پر عمل کرتے رہے۔ امت کو اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ ظالم و جابر حکام کے ساتھ ان کی بداعمالیوں میں شرکت کسی طرح روا نہیں ہے۔

"آپس کے مقدمات ظالم حکام کے پاس نہ لے جاؤ۔" "جو مومن اپنے مقدمات ظالم حاکم یا قاضی کے پاس لے جائے گا اور اس سے خلافِ قانونِ شریعت فیصلہ کرائے گا وہ اس ظالم کے گناہ میں شریک سمجھا جائے گا۔"

جب دو مومنوں میں کسی حق کے بارے میں اختلاف ہو تو انھیں چاہئے کہ اہلِ ایمان ہی سے فیصلہ کرائیں۔ اگر ایسا نہ کریں گے اور ظالموں کے پاس چلے گئے تو وہ اس آیت کا مصداق ہو جائیں گے جن میں ایسے افراد کو غیر مومن کہا گیا ہے۔"

"اہلِ ایمان! فیصلوں میں احتیاط کرو۔ اس لئے کہ یہ کام اس امام کا ہے جو قضاوت کے

Presented by Ziaraat.Com

اصول سے واقف اور مسلمانوں میں انصاف کر سکتا ہو، جیسے نبی یا وصیٔ نبی۔"

ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ قاضی کے لئے بادشاہ سے قضاوت کی اجرت لینا جائز ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ حرام ہے۔ اس لئے کہ خود ظالم اور اس کے مددگار اور اس کے ظلم سے راضی ہونے والے سب شریک ظلم تصور کئے جائیں گے۔

اس کے علاوہ اکثر ان لوگوں سے قطع تعلق کی دعوت دے کر امت کو ظالمین کے خلاف ایک نقطہ پر جمع ہونے کی تلقین فرمائی اس لئے کہ کتاب کریم نے ظالمین کی طرف میلان کو باعث جہنم قرار دیا ہے۔

آپ کا قاعدہ یہ تھا کہ امتِ اسلامیہ کو نصیحت فرما کر اپنی عام امت کے فرائض ادا کرتے تھے اور برابر اس بات کے کوشاں رہتے تھے کہ معاشرہ کو اس ظالم نظام سے نکال کر ایک صالح نظام کی شکل میں تبدیل کر دیں۔

اس سلسلے میں ایک مدت تک جہاد کرتے رہے اور مختلف بادشاہوں کے دورِ حکومت کا مقابلہ کرتے رہے۔ ہر ایک سے الگ رہے اور جب منصور نے ملانے کی کوشش کی تو صاف جواب دے دیا کہ ہمیں فریب دینے کی کوشش نہ کرو۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس تعلق کے پردے میں اپنی بداعمالیوں کو مخفی کرنا چاہتے ہو۔

منصور کا خیال تھا کہ امامؑ کا جواب اثبات میں ہوگا کہ اس کی سلطنت مستقر اور اس کی ہیبت ہمہ گیر ہو چکی تھی۔ لیکن آپ نے اس کی تمناؤں کو خاک میں ملا دیا اور فرمایا کہ "نہ ہمارے پاس دنیا ہے کہ اس کے لئے تجھ سے ڈریں اور نہ تیرے پاس آخرت ہے کہ تجھ سے اس کی امید کریں۔ نہ تو مطمئن ہے کہ ہم اس کی تہنیت پیش کریں اور نہ سلطنت تیرے لئے دنیوی مصیبت ہے کہ اس کی تعزیت پیش کریں! اب ہمارے ساتھ رہنے کا مطلب ہی کیا ہے۔

منصور پر یہ جواب نہایت ہی گراں گذرا لیکن اس کے باوجود وہ امامؑ کی منزل سے متاثر ہو کر کچھ نہ کر سکا اور اس فکر میں لگ گیا کہ ان کو حکومت سے وابستہ ہی کر لیا جائے۔ ان کی علیحدگی بہرحال نقصان دہ ہے۔ چنانچہ اس نے یہ پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے ساتھ رہا کریں اور ہمیں نصیحت کیا کریں۔ آپ نے جواب دیا کہ جو طالبِ دنیا ہے وہ تجھے نصیحت نہ کرے گا اور جو طالبِ آخرت ہے وہ تیرے ساتھ نہ رہے گا۔

Presented by Ziaraat.Com

عشرۂ ظالمہ

امام صادق کے زمانۂ حیات میں بنی امیہ کے دس بادشاہ گذرے ہیں۔ عبدالملک بن مروان، ولید بن عبدالملک، سلیمان بن عبدالملک، عمر بن عبدالعزیز، یزید بن عبدالملک، ہشام بن عبدالملک، ولید بن یزید بن عبدالملک، ابراہیم بن ولید بن عبدالملک، مروان الحمار۔

بنی عباس کے دو حکام تھے سفاح و منصور۔

ان سلاطین کی زندگی اور ان کے طرز عمل کا مختصر خاکہ یہ ہے۔

عبدالملک

عبدالملک کا باپ مروان بن الحکم بن ابی العاص بن امیہ، اس کی ماں عائشہ بنت معاویہ بن مغیرہ بن ابی العاص تھی یعنی یہ شخص خالص اموی نژاد تھا۔

مروان کا نانا مغیرہ۔ یہ وہی شخص ہے جو حضور اکرمؐ کی مخالفت میں شہرۂ آفاق تھا جس کے بارے میں غزوۂ حمراء الاسد کے موقع پر حضورؐ نے گردن زدنی کا حکم دے دیا تھا۔ (سیرت ابن حزم ص۱۷۵) ابن کثیر کا خیال ہے کہ حضرت حمزہ کی لاش کے مثلہ کرنے میں اس شخص کی بھی شرکت تھی۔ (تاریخ ابن کثیر ۹ ص۶۳)

عبدالملک ۶۵ھ میں اپنے باپ مروان کی جگہ تخت نشین ہوا اور ۸۶ھ میں مع تخت خلافت دنیا سے چل بسا۔ یہ شخص حکومت سے پہلے قاری قرآن، حافظ احادیث اور عابد و زاہد تھا۔

Presented by Ziaraat.Com

صوفی منش قسم کی زندگی بسر کرتا تھا۔ اس نے یزید کے ابن زبیر پر حملہ کی مخالفت بھی کی تھی اور اس کے فوجیوں سے کہا تھا کہ تم اسلام کے پہلے مولود اور رسول اللہ کے حواری زبیر کے لال پر حملہ آور ہو رہے ہو۔ ابن زبیر دن میں صائم اور رات میں قائم رہتے ہیں۔ ان کا قتل ایک دنیا کو مستحق جہنم بنا سکتا ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود جب خلافت ہاتھ میں آگئی تو اسی فوج کو حجاج کے ساتھ ابن زبیر کے قتل کے لئے روانہ کر دیا۔ (تاریخ المدینۃ الشریفہ للسخاوی ج ۲ ص ۳۱۷) جس کا قصہ یہ تھا کہ تخت حکومت پر بیٹھنے کے بعد عبدالملک نے حجاج کی سرکردگی میں شامیوں کی فوج ابن زبیر سے جنگ کے لئے روانہ کی۔ اس لشکر نے ۶ مہینہ ۱۷ دن تک مکہ کا محاصرہ رکھا اور حجاج منجنیق سے خانۂ خدا کو سنگسار کرتا رہا۔ (شفاء العزام للقاضی تقی الدین المکی ج ۱ ص ۱۶۹)

ابن عساکر ۴ ص کا کہنا ہے کہ حجاج کے ابتدا کرتے ہی پوری قوم نے کعبہ کو نشانہ بنا لیا اور مشق سنگ کے ساتھ مشق شعر و سخن بھی ہونے لگی۔ ان اشعار کا شروع ہونا تھا کہ ایک بجلی گری اور سب خاکستر ہو گئے۔ جس کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو جاتا لیکن حجاج نے یہ فریب دیا کہ بنی اسرائیل میں آگ کا نازل ہونا قربانی کی قبولیت کی علامت تھا۔ لہذا تمھیں خوفزدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فوج دوبارہ سنگ باری پر آمادہ ہو گئی اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک ۷۳ھ میں ابن زبیر کا قتل نہ ہو گیا۔ حجاج نے قتل کرنے کے بعد لاش کو الٹا کر کے سولی پر لٹکا دیا اور سر عبدالملک کے پاس بھیج دیا۔ اس نے بھی تمام شہروں میں اس کی تشہیر کی۔ (شفاء الغرام ۱ ص ۱۷۱)

عبدالملک نے جس وقت خلافت کی منزل میں قدم رکھا اس وقت قرآن ہاتھ میں لئے بیٹھا تھا۔ جیسے ہی اپنے خلیفہ ہونے کی بشارت سنی قرآن سے خطاب کیا۔ "آج میرے اور تیرے درمیان جدائی کا دن ہے۔" (تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۲۱۶ تاریخ ابن کثیر ۹ ص ۶۲)

ابن کثیر کا بیان ہے کہ عبدالملک نے ۷۵ھ میں حج کے موقع پر لوگوں کو جمع کر کے یہ خطبہ دیا۔ "میرے پہلے کے خلفاء تو کھایا اڑایا کرتے تھے لیکن میرے پاس اس امت کا علاج صرف تلوار ہے۔ میں عثمان کی طرح ضعیف و ناتواں، معاویہ کی طرح صلح پسند اور یزید جیسا انسان نہیں ہوں۔ میں اسی وقت تک برداشت کر سکتا ہوں جب تک میرا لشکر تیار نہ ہو۔ اس کے بعد پھر کوئی بچاؤ کا امکان نہیں ہے۔ دیکھو یہ عمرو بن سعید میرا قرابتدار ہے لیکن جب اس نے بیعت سے نفی میں سر ہلایا

Presented by Ziaraat.Com

تو میں نے اس کا جواب تلوار سے دیا۔ میں نے اللہ سے یہ عہد کر لیا ہے کہ جس کی گردن میں طوقِ بیعت ڈالوں گا۔ زندگی بھر نکلنے نہ دوں گا۔ پھر حاضرین سے کہا کہ غیر موجود لوگوں تک اطلاع پہنچا دیں۔
(تاریخ ابن کثیر ۹ صہ ۶۴)

عمرو بن سعید الشرق یہی وہ شخص ہے جسے پناہ دے کر اور ولی عہد بنا کر دھوکے سے عبد الملک نے اپنے ہاتھوں سے ۶۹ھ میں تہ تیغ کر دیا اور قتل کے بعد یہ اعلان کیا کہ وہ مجھے بہت عزیز تھا لیکن ایک مادہ پر دو نر نہیں جمع ہو سکتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ، صہ ۳۷)

عبد الملک خونریزی اور سفاکی میں اس قدر ماہر تھا کہ جب امام الدردا نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ میں نے سنا ہے کہ تو نے عبادت و زہد کے بجائے شراب پینا شروع کر دی ہے تو اس نے جواب دیا "فقط یہی نہیں، خون پینا بھی شروع کر دیا ہے۔"

عبد الملک کا پہلا قدم یہ تھا کہ اس نے ایک عام اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص مجھے تقویٰ الٰہی کی ہدایت کرے گا میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔"

یہی وہ شخص تھا جس نے حجاج کو حجاز و عراق کا والی بنا کر مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط کر دیا تھا۔ وہ حجاج جس کی تلوار ہمیشہ نیک سیرت لوگوں کے سروں پر علم رہتی تھی۔ جس کے زندان میں ایک لاکھ مرد و عورت یوں اسیر رہتے تھے کہ ان کے سر پر دن کی دھوپ اور رات کی اوس رہتی تھی۔ گرسنگی کی مصیبت کا سامنا کرتے تھے۔ سر پر گرم راکھ ڈالی جاتی تھی۔ ایک طرف آفتاب کی حرارت ، دوسری طرف راکھ کی گرمی۔ ایک طرف تازیانہ کی شدت اور دوسری طرف نیزہ کی تکلیف۔

ان تمام باتوں کے علاوہ جو چیز اسے سب سے زیادہ مرغوب تھی وہ تھی قیدیوں کی آہ و فریاد اور جس چیز سے اس کا دل زیادہ بہلتا تھا، وہ تھا ان کا نالہ و شیون۔

اس کی تلوار آزاد اور اس کے مظالم نت نئے۔ کسی کے جسم کو زخمی کر کے اس پر سرکہ چھڑک دیا، کسی کے پیروں میں تیر نصب کر دیا تاکہ ان کی صدائے نالہ و شیون سے نغمہ و طرب کا فائدہ اٹھائے۔
(کامل ابن اثیر ۴ صہ ۲۳۶)

عمر بن عبد العزیز کا مقولہ تھا کہ " اگر ہر امت اپنے خبیث ترین شخص کو لے کر آئے اور ہم تنہا حجاج کو مقابلہ میں پیش کر دیں تو سب پر غالب آ جائیں گے۔" (تاریخ کامل ۴ صہ ۲۷۱)

Presented by Ziaraat.Com

عاصم کا بیان ہے کہ "حجاج نے ہر ممکن طریقہ سے خدائی احکام کی ہتک حرمت کی ہے۔" (تاریخ ابن کثیر ۹ ص۱۳۲)

حسن بصری سے عبدالملک کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ اس شخص کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے جس کے گناہوں میں سے حجاج بن یوسف ایک گناہ ہو۔" (ابوالفداء ۱ ص۲۰۹)

عبدالملک کا دستور تھا کہ حجاج کو اس کے تمام مظالم پر تحسین و آفرین کہے۔ اس کی کمک و امداد کرے اور اس کے خلاف حرفِ شکایت نہ سن سکے۔

اس نے مرتے وقت بھی اپنے ولی عہد ولید سے یہ وصیت کر دی تھی کہ اس کی تعظیم و تکریم کرے۔ (سیوطی ص۸۵)

ظاہر ہے کہ یہ وصیت بھی حق بجانب تھی۔ اس لئے کہ حجاج عبدالملک کو رسول اللہ سے بہتر سمجھتا تھا اور اس کے لئے یہ بات کوئی عجیب نہ تھی۔ تعجب ان مسلمانوں سے ہے جو ایسے حجاج کی سیاہ کاریوں کو دین کا رنگ دینا چاہتے ہیں اور اسے داخل بہشت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

عبدالملک کی بدطینتی کا یہ عالم تھا کہ جب حجاج کے خلاف کوئی شکایت آتی تو اسے پس پشت ڈال کر اس کی مزید حمایت کرتا۔ خونریزی میں اس کا ہاتھ بٹاتا۔

اس نے ولید کو ان الفاظ میں وصیت کی "ولید اب میری رحلت کا وقت آگیا ہے۔ میں دنیا سے جا رہا ہوں۔"

ولید یہ سن کر رونے لگا تو اس نے ڈانٹ کر کہا، یہ کیا عورتوں کی طرح سے رو رہا ہے؟ دیکھ! جب میں مر جاؤں تو غسل و کفن دے کر نماز پڑھنا اور مجھے عمر بن عبدالعزیز کے حوالے کر دینا۔ وہ قبر میں اتارے گا۔ تم منبر پر بیٹھ کر بیعت کا اعلان کر دینا۔ اگر کوئی ذرا بھی انکار کرے تو تلوار سے اس کی گردن اڑا دینا۔ تمھاری نظر میں قرابت داری یا دوستی کسی بات کا خیال نہ ہونا چاہیئے۔ اور دیکھو! حجاج کا خاص خیال رکھنا۔" (الامامۃ والسیاسۃ ۲ ص۱۵۷)

آپ سوچیں کہ اس طریقۂ انتخاب میں امت کو کوئی حق ہے یا سب بیعت پر مضطر و مجبور ہیں؟ کیا اس خونریز خلافت کے وارث کو امیرالمومنین کہا جا سکتا ہے؟ کیا اسلام نے یہی نظام رائج کیا تھا؟

Presented by Ziaraat.Com

عبدالملک میں اتنی سی بات ضرور تھی کہ وہ بنی ہاشم کا خون بہانے سے گریز کرتا تھا جس کا سبب اس کی دیانتداری یا احتیاط پسندی نہ تھی بلکہ وہ آلِ ابی سفیان کے انجام سے سبق لے رہا تھا اس نے حجاج کو خط لکھا تو اس میں بھی اس نکتہ کی طرف اشارہ کر دیا لیکن اس کے باوجود اس خبیث نے امام زین العابدینؑ کو مقید کرا کے مدینہ سے شام بلا لیا۔ (حلیۃ الاولیاء ۳ ص ۱۳۵)

ولید بن عبدالملک

اپنے باپ کا ولی عہد رہنے کے بعد اس کے مرتے ہی ۱۵ ر شوال ۸۶ھ یوم پنجشنبہ کو تخت حکومت پر بیٹھا اور ۱۵ ر جمادی الاولیٰ ۹۵ھ کو ۴۶ سال کی عمر میں ۹ سال، ۸ مہینے حکومت کر کے دنیا سے چل بسا۔

اس کی ماں کا نام ولادہ بنت عباس بن جزء بن زہیر بن جذیمہ عبسی تھا۔

غیظ و غضب میں اپنی مثال آپ تھا۔ نکاح و طلاق کا یہ عالم تھا کہ کنیزوں کے علاوہ ۶۳ عورتوں سے عقد کیا۔ کھانے پینے میں کافی مہارت رکھتا تھا۔ گفتگو میں غلطیوں کا بھی وہی انداز تھا۔ (مآثر الانافہ ا ص ۱۳۳)

اسی ولید نے دمشق کی جامع اموی کی تعمیر کرائی تھی جس پر ۴۰۰ صندوق سونا صرف ہوا تھا۔ جب کہ ہر صندوق میں ۱۴ ہزار یا ۲۸ ہزار دینار تھے۔ لوگوں نے بیت المال سے اس زرِ کثیر کے خرچ کرنے پر ملامت کی تو اس نے جواب دیا کہ یہ سب میرا ذاتی مال ہے۔

ولید ہی نے مسجد نبوی کی توسیع کرا کے ازواج کے حجرے داخلِ مسجد کر دیئے تھے اور اس پر نقش و نگار اور طلا کاری کرائی تھی جس پر خبیب بن عبداللہ نے اعتراض بھی کیا کہ ان حجروں کے خاتمہ سے قرآن کریم کی آیت حجرات ختم ہو رہی ہے۔ ولید نے اس بات پر ان کی مرمت کا حکم دے دیا اور وہ جاں بحق تسلیم ہو گئے۔

ولید ہی کے دور حکومت میں ۲۵ ر محرم ۹۵ھ کو امام زین العابدینؑ نے دنیا سے رحلت فرمائی۔ بعض کا خیال ہے کہ آپ کو ولید ہی نے زہر دیا تھا اور بعض کا کہنا ہے کہ ہشام بن عبدالملک نے ولید کے ایماء پر ایسا کیا تھا۔ (تاریخ قرمانی، صواعق، فصول مہمہ، دلائل الامامۃ، روضۃ الواعظین وغیرہ۔)

Presented by Ziaraat.Com

اس کے زمانہ میں حجاج نے شعبان ۹۵ھ میں سعید بن جبیر کو قتل کرایا جس کا واقعہ یہ تھا کہ سعید حجاج کے مظالم سے ڈر کر مکّہ کی طرف کوچ کر گئے تھے۔ حجاج نے ولید کو اس کی اطلاع دی۔ اس نے مکّہ کے عامل خالد قسری کو لکھا۔ خالد نے سب کو گرفتار کرا کے حجاج کے پاس بھیج دیا۔ اس جماعت میں سعید کے علاوہ عطاء، مجاہد، طلق بن حبیب اور عمرو بن دینار بھی تھے۔ سعید نے حجاج سے باقاعدہ گفتگو کی۔ اس نے بدکلامی سے کام لیتے ہوئے سعید سے عبدالملک کے بارے میں سوال کیا۔ انھوں نے کہا کہ "میں اس کے بارے میں کیا کہوں جس کی برائیوں میں سے تو ایک ہے"۔

حجاج کو اس بات پر غصہ آگیا اور اس نے قتل کا حکم دے دیا۔ سعید نے کلمۂ شہادت زبان پر جاری کر کے حجاج کو اس کا گواہ بنایا۔ اس نے ایک نہ سنی اور قتل کرا دیا لیکن بعد میں بدحواس ہو کر چیخنے لگا۔ ہماری بیڑیاں، ہماری بیڑیاں! لوگوں نے خیال کیا کہ حجاج بیڑیاں اتروانا چاہتا ہے چنانچہ سعید کے پیر کاٹ کر بیڑیاں اتار دی گئیں۔ حجاج کا عالم یہ تھا کہ سوتے سوتے چونک پڑتا تھا اور کہتا تھا۔ ہائے! سعید نے میرا کیا بگاڑا تھا۔ سعید نے میرا کیا بگاڑا تھا۔ (ابن خلدون ۳ ص۶۵، طبری ۸ ص۹۵) مگر اس کے بعد حجاج چند ہی دن زندہ رہ سکا اور ماہِ رمضان میں واصلِ جہنم ہو گیا۔ اسی کے دوسرے سال جمادی الاوّل یا جمادی الآخر میں ولید بھی اس سے جا ملا۔

حجاج کی ہیبت کا یہ عالم تھا کہ ایک شخص اس کے خوف سے بھاگ کر ایک دیہات میں پہنچا۔ دیکھا کہ ایک کتا سایہ دار جگہ پر سو رہا ہے۔ اس نے کہا، اے کاش میں کتا ہی ہوتا کہ حجاج کے ظلم سے آرام تو پا سکتا۔ تھوڑی دیر کے بعد پلٹ کر آیا تو دیکھا کہ کتا مرا ہوا پڑا ہے۔ اس نے سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حجاج نے تمام کتوں کے قتل کا حکم جاری کر دیا ہے۔ (شرح العیون ابن نباتہ ص۹۶)

حجاج کا دعویٰ تھا کہ اس پر وحی نازل ہوتی ہے۔ اور وہ کوئی کام بغیر وحیٔ الٰہی کے نہیں کرتا ہے۔ (ابن عساکر ۴ ص۸۰) جس سے اس حدیث شریف کی تصدیق ہوتی تھی: "بنی ثقیف میں خونریز اور جھوٹے افراد پیدا ہوں گے"۔

سلیمان بن عبدالملک

باپ کی وصیّت کی بنا پر اپنے بھائی ولید کے بعد ۱۵ جمادی الاخریٰ ۹۶ھ کو تختِ حکومت

Presented by Ziaraat.Com

پر متمکن ہوا اور ۱۰ ارصفر ۹۹ھ کو دو سال ۹ مہینہ کچھ دن حکومت کرکے دنیا سے رخصت ہوگیا۔ ولید کا ارادہ تھا کہ سلیمان کو معزول کرکے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو ولی عہد بنائے لیکن سلیمان نے اس کی مخالفت کی۔ اس نے اپنے عمال سے مشورہ کیا تو حجاج اور قتیبہ بن مسلم کے علاوہ کسی نے بھی اس کی حمایت نہ کی۔ (سمط النجوم العوالی عبدالملک العصامی ۳ ص۱۸۷)

نتیجہ یہ ہوا کہ سلیمان نے آل حجاج پر شدت شروع کر دی اور قتیبہ کو ۹۹ھ میں قتل کرا دیا۔ حجاج کے عاملوں کو معزول کرکے اس کے ۸۱ ہزار قیدیوں کو ایک دن میں رہا کر دیا۔ اس وقت حجاج کے قید خانہ میں ۳۰ ہزار عورتیں اور ۳۰ ہزار بے گناہ مرد تھے۔ (ابن عساکر ۴ ص۸)

سلیمان نے حجاج کے کاتب یزید بن مسلم کو گرفتار کرا کے بلایا اور جب وہ پیش ہوا تو سلیمان نے کہا کہ خدا اس پر لعنت کرے جس نے تجھے صاحب اختیار بنایا ہے۔

یزید نے کہا اے امیر المومنین! تو نے مجھے آج دیکھا ہے جب اختیار میرے ہاتھ سے جا رہا ہے اور تیرے ہاتھ میں آرہا ہے۔ کاش .... سلیمان نے کہا کہ بتاؤ کہ حجاج جہنم میں کسی جگہ ٹھہر گیا ہے یا ابھی دھنستا چلا جا رہا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ حجاج کے بارے میں ایسی گفتگو نہ کر۔ اس نے تجھے نصیحت کی ہے۔ تیری حفاظت کی ہے۔ تیرے دوستوں سے دوستی اور دشمنوں سے مخالفت کی ہے۔ قیامت کے دن اس کے داہنے جانب عبدالملک ہوگا اور بائیں جانب ولید۔ اب اس کی جو جگہ چاہے طے کر لے۔ سلیمان کو یہ سن کر غصہ آگیا۔ اس نے کہا باہر نکل جا تجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔ (مروج الذہب ۳ ص۱۸۱)

سلیمان اکثر اوقات عمر بن عبدالعزیز سے مشورہ کرتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ حکومت کی تدبیروں سے ناواقف ہوں۔ جو بات تمہاری نظر میں مناسب ہو اسے جاری کر دو۔ چنانچہ اس نے نماز کو آخر وقت سے ہٹا کر مثل سابق پھر اول وقت میں کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ ۹ ص۱۷۸)

سلیمان نے ایک رات میں اپنے لشکر سے گانے کی آواز سنی اور یہ سن کر اس کی تلاش میں نکل پڑا۔ جب اس منزل تک پہنچا تو کہنے لگا کہ ہر جانور اپنی مادہ کو رام کرنے کے لئے ایک خاص نغمہ رکھتا ہے۔ تم بھی اس گانے سے عورتوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہو۔ یہ کہہ کر حکم دے دیا کہ سب کو خصی کرا دیا جائے۔ عمر بن عبدالعزیز نے کہا کہ اے امیر! یہ تو مثلہ کرنا ہے جو کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ لہذا انھیں نکال باہر کیجئے۔ چنانچہ بعد میں ایسا ہی ہوا۔ (ابن کثیر ۹ ص۱۸۰)

Presented by Ziaraat.Com

مورخین کا کہنا ہے کہ سلیمان زیادہ کھانے میں ایک خاص مہارت رکھتا تھا۔ بعض حضرات نے اس کی خوراک ۱۰۰ رطل تک لکھی ہے۔ باریک اور رنگین کپڑے پہننے کا شائق تھا۔ تمام لوگوں کو رنگین نقش و نگار کی ردا، جبہ، پیجامہ، عمامہ، ٹوپی پہناتا تھا۔ اس کا یہ حکم تھا کہ کفن بھی ایسے ہی کپڑے میں دیا جائے۔ (مروج الذہب ۳ ص۱۸۵)

مال جمع کرنے کا بھی ایک خاص ظالمانہ انداز تھا۔ ایک مصر کے عامل اسامہ بن زید تنوخی کو لکھا کہ مصر سے خراج وصول کرو۔ پہلے دودھ اور جب وہ ختم ہو جائے تو خون۔

مورخ کندی کہتا ہے کہ اہلِ مصر پر یہ پہلا ظلم تھا۔ سلیمان کو اسامہ کا طرزِ عمل بہت پسند آیا اور اس نے اعلان کر دیا کہ اسامہ رشوت نہیں لیتا ہے۔

عمر بن عبدالعزیز کو یہ سن کر غصہ آگیا۔ اس نے کہا کہ ایک شخص اسامہ سے بھی بدتر ہے اور وہ بھی رشوت نہیں لیتا ہے۔ سلیمان نے پوچھا وہ کون ہے؟ اس نے کہا، دشمنِ خدا ابلیس! سلیمان یہ سن کر غصہ میں اٹھ کر چلا گیا۔ (النجوم الزاہرہ ۱ ص۲۳۲)

اسامہ مالِ خراج لے کر سلیمان کے پاس آیا اور عرض کیا۔ اے امیر! میں نے رعیت کو بے جان کر دیا ہے لہذا اگر ممکن ہو تو اب کچھ رحم کر کے خراج میں تخفیف کر دیجئے تاکہ یہ شہر کو آباد رکھ سکیں۔ باقی آئندہ سال دیکھا جائے گا۔ اس نے بگڑ کر کہا۔ تیری ماں تجھے روئے۔ میں نے کہہ دیا کہ دودھ ہے تو دودھ ورنہ خون۔ (جہشیاری ص۳۲)

سلیمان نے اپنے غیظ و غضب کا مظاہرہ اس اسلامی فاتح موسیٰ بن نصیر پر بھی کیا جس نے مغرب کو فتح کر کے اسلام کے حدود میں اضافہ کیا تھا اور محبتِ اہلبیتؑ میں ڈوب کر استقلال و استقامت کا کامل نمونہ پیش کیا تھا۔

مورخین کی یہ بھی ایک ناانصافی تھی کہ انھوں نے اس مجاہد کے کارنامے کو نظر انداز کر کے تمام فضائل کو ان کے غلام طارق بن زیاد کی طرف منسوب کر دیا جس کا سارا کام موسیٰ ہی کے اشاروں پر چل رہا تھا۔

موسیٰ بن نصیر نے فتح مغرب میں وہ کارنمایاں انجام دیا ہے جس کی نظیر مشکل ہے۔ ان کا طریقہ یہ تھا کہ ہر شہر کی طرف اپنے بیٹے عبدالعزیز اور اپنے غلام طارق کو بھیجتے تھے اور وہ اسے فتح

Presented by Ziaraat.Com

کر کے مالِ کثیر اپنے ہمراہ لے کر واپس آتے تھے۔

سلیمان سے اس عظیم مجاہد کا وجود بھی برداشت نہ ہو سکا۔ اور اسے اذیت پہنچانے کے لئے اس کے بیٹے عبدالعزیز جیسے عابد و زاہد انسان کو تہ تیغ کرا دیا۔

مورخین نے بھی حکومت کی خوشامد میں اس کے خلاف تہمتیں وضع کر دیں اور یہ سانحہ ۹۸ھ میں وقوع پذیر ہو گیا۔

ابن اثیر کا کہنا ہے کہ سلیمان نے یہ بہت بڑی غلطی کی۔ بیٹے کا کام تمام کرنے کے بعد سلیمان نے باپ کی طرف توجہ کی اور موسیٰ کو براہِ راست اذیتیں پہنچانا شروع کیں۔ ۴۰ لاکھ دینار اور ۳۰ ہزار درہم ان کے ذمے ڈال دیئے۔ عبدالعزیز کا سر کاٹ کر ان کے سامنے پیش کر دیا۔ موسیٰ نے یہ دیکھ کر صبر کیا اور کہا ایسے صائم النہار، قائم اللیل انسان کے لئے شہادت مبارک ہے۔ موسیٰ محبت اہلبیتؑ میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ سب سے پہلے ان پر معاویہ نے سختی کی کہ جنگ صفین میں انھوں نے اس کا ساتھ نہیں دیا تھا۔

عمر بن عبدالعزیز

ابو حفص عمر، باپ کا نام عبدالعزیز بن مروان بن الحکم اور ماں کا نام ام عاصم لیلیٰ بنت عاصم بن عمر بن الخطاب۔ سلیمان کے بعد ۱۰ ار صفر ۹۹ھ بروز جمعہ تخت حکومت پر متمکن ہوا اور ۲۵ ر رجب ۱۰۱ھ دو سال پانچ مہینے پانچ دن حکومت کر کے دنیا سے چل بسا۔

اس کا باپ عبدالعزیز عبدالملک کے بعد مروان کا ولی عہد تھا لیکن اس کی زندگی ہی میں ۸۶ھ میں انتقال کر گیا تھا۔

عمر بن عبدالعزیز کے دورِ حکومت میں لوگوں کو اطمینان کا سانس لینا نصیب ہوا اور چند دنوں کے لئے ظلم و تشدد سے نجات مل گئی۔ نفس پرست حکام اور لاقانونیت شعار اقتدار کے ٹھیکیدار بے بس ہو گئے اور رعایا چین کی زندگی گذارنے لگی۔ عمر کی نظر میں سب سے اہم مسئلہ خراج کا تھا اس لئے کہ اس میں بے حد مظالم ہو چکے تھے۔ اور امت اموی خود غرض حکام کے ہاتھوں پامال ہو چکی تھی چنانچہ اس نے نہایت ہی ذہانت و ذکاوت سے اس مسئلہ کو حل کیا اور اپنے عاملِ عراق کو واضح لفظوں میں

Presented by Ziaraat.Com

لکھ دیا "یاد رکھو، اہلِ کوفہ بہت زیادہ مصائب جھیل چکے ہیں، حکامِ جور نے انھیں بہت زیادہ پریشان کیا ہے حالانکہ دین کا قیام عدل و احسان سے تھا۔ لہذا اب تمھارا فرض ہے کہ اپنے نفس کو عزیز سمجھتے ہوئے اسے خدائی مسئولیت سے بچاؤ۔ بقدرِ امکان خراج لو اور باقی سے زمین کی آبادی کا انتظام کرو۔ خراج کی وصولی اور تحصیل میں سہولت سے کام لو۔ عیدوں اور تقریبوں کا نذرانہ مت وصول کرو۔ قرآن کی قیمت، مکان کا کرایہ، نکاح کا پیسہ وغیرہ مت لیا کرو۔ اگر صاحبِ خراج مسلمان ہو جائے تو اس کے ٹیکس کو معاف کر دو اور ان تمام مسائل میں میرے احکام کی پابندی کرو۔ بغیر میرے کسی کام پر اقدام نہ کرو۔ اگر کوئی شخص حج کرنا چاہے تو اسے حج کرنے کے لئے سو دینار دے دو۔ والسلام"

(کامل ابن اثیر ۵ ۱۹، طبری ۸ ۱۳۹)

عمر نے علویین کے ساتھ بھی اچھا سلوک کیا۔ ان پر اموال تقسیم کئے اور عاملِ مدینہ کو حکم دیا کہ ان پر دس ہزار دینار تقسیم کر دو۔

اس نے دریافت کیا کہ علیؑ کی اولاد تو مختلف قبیلوں میں ہے، کس کس پر تقسیم کیا جائے؟

عمر نے جواب دیا کہ میرا خط پاتے ہی ساری رقم اولادِ فاطمہؑ پر تقسیم کر دو۔ اس لئے کہ ان کے حقوق بہت زیادہ پامال ہوئے ہیں۔ والسلام۔ (مروج الذہب ۳ ۱۹۴)

ایک مرتبہ فاطمہ بنت علیؑ، عمر کے پاس آئیں تو اس نے کہا کہ خدا کی قسم روئے زمین پر تم سے زیادہ محبوب گھرانے والے نہیں ہیں۔ تم لوگ میری نظر میں میرے اہلبیت سے زیادہ عزیز ہو۔

طبقات ابن سعد ۵ ۲۲۳)

ابن اثیر کا بیان ہے کہ عمر، حضرت امیر سے اس قدر محبت صرف اس لئے کرتا تھا کہ یہ مدینہ میں عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود کا شاگرد تھا۔ ایک مرتبہ استاد کو اس کے بارے میں یہ خبر دی گئی کہ یہ حضرت علیؑ کے بارے میں کچھ کہتا ہے۔ یہ حاضر ہوا تو استاد نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز ختم کر کے انھوں نے سوال کیا کہ تم سے یہ کس نے بتایا ہے کہ اللہ نے اہلِ بدر، اہلِ بیعتِ رضوان پر غضب نازل کیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ مجھے اس کی کوئی خبر نہیں ہے۔

استاد نے کہا، پھر یہ تم نے علیؑ کے بارے میں کیا کہا ہے؟ اس نے عرض کیا مجھے معاف کر دیجئے۔ اب آئندہ ایسا نہ کروں گا۔

Presented by Ziaraat.Com

عمر کا اپنا بیان ہے کہ میرا باپ اثنائے خطبہ میں حضرت علیؑ کی برائی کرتا تھا تو اس کی زبان لڑکھڑانے لگتی تھی۔ میں نے اس کا سبب دریافت کیا تو اس نے کہا، کیا تم اس لکنت کو محسوس کرتے ہو۔

میں نے عرض کیا جی ہاں۔

کہنے لگا کہ اگر میرے چاہنے والے علیؑ کے فضائل سے آشنا ہو جائیں گے تو مجھے چھوڑ کر ان کی اولاد کی طرف رجوع کر لیں گے۔ اس واقعہ کا یہ اثر ہوا کہ عمر نے حکومت پاتے ہی اس سنتِ خبیثہ کو ترک کر کے خطبہ میں اِنَّ اللهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ کی آیت کو شامل کر دیا جس کے باعث تمام مسلمانوں کے دلوں میں بادشاہ کی عظمت جاگزیں ہو گئی اور جا بجا اس کا ذکر خیر ہونے لگا۔ (ابن اثیر ۵ ۲۰) اگرچہ امویین کو یہ بات ناگوار تھی اور عمر کے بعد انھوں نے پھر اس بدعت کا ارادہ کیا لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔

سنہ ۱۰۶ھ میں ہشام بن عبدالملک سے حج کے موقع پر سعید بن الولید بن عثمان نے کہا، یاامیرالمومنین! اللہ ہمیشہ آپ کے گھر والوں پر نعمتیں نازل کرتا رہے اور خلیفہ مظلوم عثمان کے جانشینوں کی نصرت کرتا رہے! لوگ ان بابرکت مقامات پر برابر ابوتراب پر لعنت کرتے ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ آپ بھی اس سیرت پر عمل فرمائیں۔ ہشام کو یہ مطالبہ بہت شاق گذرا اور اس نے بات کاٹتے ہوئے کہا کہ میں کسی کو سب وشتم نہیں کرتا۔ (طبری ۸ ۸۶)

عمر بن عبدالعزیز کے دفترِ اعمال میں ایسے کارہائے خیر بھی ہیں جن کی نظیر بنی امیہ کی تاریخ میں نہیں مل سکتی ہے۔ بنی امیہ کی نظروں میں اس کے یہ اعمال کھٹک رہے تھے۔ اور اسی لئے بعض مورخین کے قول کی بنا پر انھیں لوگوں نے اسے زہر دیدیا۔ خیال یہ تھا کہ اگر اس کی حکومت باقی رہ گئی تو رفتہ رفتہ سلطنت کا رشتہ بنی امیہ سے ٹوٹ جائے گا اور اس کی باگ ڈور باصلاحیت افراد کے ہاتھ میں چلی جائے گی۔ (مآثر الانافہ فی معالم الخلافہ ۱ ۱۴۴)

تنبیہ

بعض مورخین نے یہ واقعہ بھی بیان کیا ہے کہ ایک روز عمر بن عبدالعزیز نے مکہ میں خطبہ دیتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ جو شخص میرے ذمہ کوئی حق رکھتا ہو وہ اس کا تقاضا کرے تو امام زین العابدینؑ اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ نے اپنے حق کا مطالبہ کیا۔

Presented by Ziaraat.Com

اس نے پوچھا کہ آپ کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہی مقام جس پر تو قابض ہے۔ اس نے عرض کیا کہ مجھے اس کا علم نہیں تھا لیکن اگر آج بھی امت آپ کی حکومت سے راضی ہے تو میں حاضر ہوں۔ (سمط النجوم العوالی ۳ ص ۲۰۴)

ہمیں یہ واقعہ تسلیم ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کو اہلبیتِ رسالت کی عظمت اور ان کے استحقاق کا اعتراف تھا اور ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ اہلبیتؑ نے وقت و موقع کی مناسبت سے اپنے حق کا مطالبہ بھی کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس واقعہ کی تائید نہیں کی جا سکتی ہے۔ اس لئے کہ امام امت کے حالات سے باخبر اور اس کے رجحانات سے واقف تھے۔ آپ نامناسب ماحول میں ایسا تقاضا بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ کہ امام سجادؑ کا انتقال ۹۵ھ میں ہوا ہے اور عمر بن عبدالعزیز کو حکومت ۹۹ھ میں ملی ہے۔ لہٰذا یہ کیوں کر ممکن ہے کہ امام اس کے دورِ حکومت میں کوئی احتجاج کریں۔

اس قسم کا ایک فرضی واقعہ یہ بھی ہے کہ امام زین العابدینؑ نے مروان بن الحکم سے چار ہزار دینار قرض لئے اور بنی مروان میں سے کسی نے اس کا تقاضا نہیں کیا اور جب حکومت ہشام کے ہاتھ میں آئی تو اس نے آپ سے کہا کہ ہمارے جد نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ آپ نے فرمایا کہ بہت اچھا اور قابلِ شکریہ۔ اس نے کہا اچھا اب کوئی ضرورت نہیں ہے آپ اسے اپنے پاس ہی رکھئے۔

اس واقعہ کے فرضی ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ ہشام کو حکومت ۱۰۵ھ میں ملی ہے اور امامؑ کا انتقال ۹۵ھ میں اس کی حکومت کے دس سال پہلے ہی ہو چکا تھا۔

یزید بن عبدالملک

عاتکہ بنت یزید بن معاویہ کا فرزند یزید بن عبدالملک بن مروان، عمر بن عبدالعزیز کے بعد ۱۰۱ھ میں تختِ حکومت پر متمکن ہوا۔ اور چار سال ایک مہینہ دو دن حکومت کر کے ۲۶ شعبان ۱۰۵ھ بوقت شبِ جمعہ اس دارِ فانی سے چل بسا۔

ابتدائے حکومت میں اس کا ارادہ تھا کہ عمر بن عبدالعزیز کی سیرت اختیار کرے لیکن ظاہر ہے کہ یہ بات اہلِ باطل، بدسرشت، خبیث النفس اشخاص کے لئے ناقابلِ برداشت تھی لہٰذا چالیس بزرگ افراد نے آکر اس بات کی شہادت دی کہ خلفاء کرام حساب و کتاب اور عذاب و عتاب سے مستثنیٰ ہوتے

Presented by Ziaraat.Com

ہیں۔ (ابن کثیر ۹ ۱۳۲)

اور یہ سنتا تھا کہ وہ پھڑک اٹھا۔ خواہشاتِ نفس کے اشاروں پر ناچنے لگا۔ لہو و لعب، لذت و طرب اس کا خاص مشغلہ بن گیا اور خوفِ خدا کا کوئی محل و مقام نہ رہ گیا۔ (سمط النجوم العوالی ۳ ۲۰۹)

ان حالات کا رونما ہونا تھا کہ ملک، عمر بن عبدالعزیز کے پہلے والی کیفیت کی طرف پلٹ گیا، خراج کی دشواریاں بروئے کار آگئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے اپنے عمال کی طرف فرمان بھیجا۔ "عمر بن عبدالعزیز ایک فریب خوردہ انسان تھا۔ اس کے اقدامات کو منسوخ کر کے قدیم روش اختیار کی جائے۔ خراج بہر حال وصول کیا جائے۔ چاہے خوشحالی ہو یا خشک سالی۔ عوام خوش رہیں یا ناخوش، زندہ رہیں یا مر جائیں۔ (العقد الفرید ۳ ۱۸۰)

ابن اثیر کے بیان کے مطابق یزید نے عمر بن عبدالعزیز کے وہ تمام طریقے اپنی خواہش کی مخالفت کی بنا پر بدل ڈالے اور اس سلسلے میں نہ دنیا کی ملامت کا خیال کیا اور نہ آخرت کے عذاب کا۔ انتہا یہ کہ یمن میں حجاج کے بھائی محمد بن یوسف کی خراج کی سختی میں عمر بن عبدالعزیز نے اپنے دورِ حکومت میں کمی کر دی تھی اور یہ کہہ دیا تھا کہ میری آمدنی کم ہو جائے یہ اچھا ہے لیکن رعیت کی بدحالی اچھی نہیں ہے۔ لیکن یزید نے حکومت سنبھالتے ہی پھر پرانا طریقہ رائج کر دیا اور اپنے عامل کو سختی سے خراج وصول کرنے کا حکم بھیج دیا۔ (کامل ۵ ۳۲)

یزید کو لہو و لعب سے بہت زیادہ دلچسپی تھی۔ اس کے پاس حبابہ اور سلامہ دو کنیزیں تھیں جن سے اکثر لطف اندوز ہوتا تھا۔ حبابہ کے انتقال سے یزید کو اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ خود بھی چند دنوں کے اندر راہیٔ ملکِ عدم ہو گیا۔ یزید نے حبابہ کی محبت کا اظہار اس انداز سے کیا تھا کہ چند دنوں تک اس کی لاش دفن نہ ہونے دی بلکہ بعض مورخین کے بیان کے مطابق چند دنوں کے بعد لوگوں کے زور دینے سے لاش کو دفن کرا دیا لیکن ایک دن قبر کھود کر پھر لاش نکلوائی اور اس کے دیدار سے اپنے نفس کو تسکین پہنچائی۔ (الاغانہ ۱۳۶۱، البدء والتاریخ ۲ ۴۸)

Presented by Ziaraat.Com

ہشام بن عبدالملک

یزید کے بعد اس کا بھائی ہشام بن عبدالملک ۲۵ رشعبان ۱۰۵ھ کو تختِ حکومت پر بیٹھا در آخر عمر یعنی ۱۲۵ھ تک حکومت کرتا رہا۔ زمانۂ حکومت تقریباً ۱۹ سال سات مہینہ تھا۔ ہشام کی ماں شام بن اسماعیل مخزومی کی بیٹی تھی۔

ہشام بنی امیہ کے تیز و تند اور چالاک بادشاہوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کا مقابلہ معاویہ، عبدالملک جیسے چالاکوں سے کیا جاتا ہے۔ وہ اپنے بخل، بدسرشتی اور تند خوئی کے اعتبار سے شہرۂ آفاق تھا۔ عبدالملک کی اولاد میں چوتھا حاکم اور اتفاق سے احول یعنی بھینگا تھا۔ علویین سے اس کی عداوت کا یہ عالم تھا کہ ہر آن ان کی ایذا رسانی اور ان سے انتقام لینے کی فکر میں غرق رہتا تھا۔

ہشام ایک مرتبہ اپنی حکومت سے پہلے حج کے لئے آیا۔ طوافِ کعبہ کے بعد اس نے ہزار کوشش کی کہ حجرِ اسود کو بوسہ دے لیکن شدتِ ازدحام کے باعث رسائی نہ ہو سکی تو ایک منبر رکھوا کر اس پر بیٹھ گیا۔ منبر کے ارد گرد اہلِ شام کا ایک اجتماع تھا۔ اتنے میں دیکھا کہ امام زین العابدینؑ تشریف لے آئے اور مجمع دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور آپ نہایت ہی سکون و وقار کے ساتھ حجرِ اسود تک پہنچ گئے۔

ہشام یہ منظر دیکھ کر جل گیا اور حقارت آمیز لہجہ میں کہنے لگا کہ آخر یہ کون ہے؟

فرزدق شاعر اس بزم میں موجود تھے، انھوں نے برجستہ کہا کہ انھیں میں پہچانتا ہوں۔

ہشام نے پوچھا یہ کون ہے؟

فرزدق نے قصیدہ شروع کر دیا۔ "یہ وہ ہے جس سے ارضِ بطحا، زمینِ حل و حرم سب واقف ہیں۔ یہ کائنات میں سب سے بہتر اور صاحبِ علم و تقویٰ انسان ہے۔"

ہشام نے یہ سن کر فرطِ غضب سے فرزدق کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔

اس کے بعد ایک مرتبہ ہشام نے اپنے زمانۂ حکومت میں ۱۰۶ھ میں حج کیا۔ اس وقت امام محمد باقرؑ مسجد میں موجود تھے۔ آپ کے گرد طلابِ علوم کا ایک مجمع تھا۔ اور آپ اسلامی حقائق

Presented by Ziaraat.Com

ومعارف کے دریا بہار ہے تھے۔ ہشام اس منظر کو برداشت نہ کرسکا اور اپنے ملازم کے ذریعہ امامؑ سے یہ سوال کرایا کہ لوگ روزِ محشر حساب ختم ہونے تک کیا کھائیں پئیں گے؟

آپ نے فرمایا کہ محشر میں لوگ ایک ایسی زمین پر محشور ہوں گے جہاں درخت ہوں گے، نہریں ہوں گی اور اہلِ محشر ان سے اس وقت تک استفادہ کرتے رہیں گے جب تک حساب ختم نہ ہو جائے گا۔

ہشام کا مقصد اس سوال سے صرف یہ تھا کہ بھرے مجمع میں امام کی توہین کرے۔ اس لئے وہ اس جواب سے بیحد خوش ہوا۔ اس نے سوچا کہ اب ایک موقع ہاتھ آگیا ہے۔ چنانچہ ملازم سے کہلا بھیجا کہ جناب یہ کھانے پینے کی فرصت کیسے ہوگی؟ حساب وکتاب کے موقع پر کس کے ہوش بجا رہیں گے؟ آپ نے فرمایا وہی لوگ جو قرآن کی تصریح کے مطابق جہنم میں پہنچ کر اہلِ جنت سے دانے پانی کا تقاضا کریں گے۔۔۔۔۔ ہشام یہ سن کر خاموش ہوگیا اور دل ہی دل میں آلِ محمدؐ کے کمالات کا معترف ہوگیا۔

ایک مرتبہ ہشام حج کے لئے آیا تو امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ دونوں حضرات موجود تھے۔ امام صادقؑ نے خطبہ پڑھا: "خدا کا شکر کہ اس نے محمدؐ کو نبی برحق بنایا اور ہم کو اپنا برگزیدہ بندہ! ہم اللہ کے نمائندے اور ساری کائنات میں بندگی کے اعتبار سے سب سے بہتر ہیں۔ جو ہمارا دوست ہے وہ نیک بخت ہے اور جو ہمارا دشمن ہے وہ بدنصیب ہے۔" ہشام یہ سن کر اس وقت تو چپ ہوگیا لیکن شام پہنچتے ہی دونوں حضرات کو مدینہ سے بغرض اہانت طلب کر لیا۔

ایک مرتبہ حضرت زید ہشام کے پاس آئے۔ اس نے جوابِ سلام نہ دیا اور نہ گفتگو کی بلکہ سخت سست کہنا شروع کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اے بھینگے تجھ پر میرا سلام۔ تو لفظ امیر پر جواب نہیں دیتا تو یہی لفظ سہی۔

ہشام کو غصہ آگیا اور اس نے بحث شروع کر دی۔ حضرت زید نے بھی غصہ میں تلوار اٹھالی فرمایا کہ "ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات۔" آخر ہشام نے انھیں واپس کر دیا اور ان کا مطلب دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم جیسے مسلمانوں کے حکام سے کیا کہا جائے۔ اور یہ کہہ کر باہر نکل گئے کہ "جو زندگی کا خواہاں ہوگا وہ ذلیل ہوگا۔ (طبری ج ۸، حوادث ۱۲۱ھ، ابن عساکر ۴، ۲۳-۲۲)

Presented by Ziaraat.Com

اس کے بعد حضرت زید کوفہ چلے گئے اور وہاں ایک جہادِ مسلسل کے بعد صفر ۱۲۱ھ میں شہید ہو گئے۔ شہادت کے بعد آپ کے جسم مبارک کو برہنہ کرکے درخت پر الٹا لٹکا دیا گیا۔ ۴ سال تک یوں ہی لٹکا رہا یہاں تک کہ جسم پر مکڑی نے جالا تک بنا لیا۔ (تاریخ خمیس ۲ ۳۲۰) ادھر یوسف بن عمر حاکم کوفہ نے آپ کا سر ہشام کے پاس بھیجا۔ اس نے دمشق کے دروازے پر لٹکا دیا۔ اس کے بعد مدینے بھیجا گیا اور ایک دن رات تک قبر رسولؐ کے پاس نصب رہا۔ ایک دن کے بعد مسجد میں نیزہ پر نصب کیا گیا۔ لوگ جوق در جوق تماشا دیکھنے آتے تھے اور خطیب افراد آل محمدؐ پر سب وشتم کرتے تھے۔ سات دن تک یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ (زید شہید مقرم ۱۶۲-۱۶۳) اس کے بعد ہشام نے یہ سر حنظلہ بن صفوان عامل مصر کے پاس بھجوا دیا۔ اس نے بھی کچھ دنوں معلق رکھا اور سارے شہر میں گردش کرایا۔ (النجوم الزاہرہ ۱۸۱)

حضرت زید کا جسم ولید بن یزید کے دور تک سولی پر لٹکا رہا۔ یوسف بن عمر اس کی نگرانی کا انتظام کرتا تھا، کہیں ایسا نہ ہو کہ اسے اتار کر دفن کر دیا جائے۔

یہ یاد رہے کہ جسم کی نگرانی کرنے والا زہیر بن معاویہ صحاح ستہ کا ایک عظیم راوی اور سوادِ اعظم کے مذہب کا ایک ذمہ دار شخص ہے۔ وہ لوگوں سے بیان کرتا تھا کہ میں نے رسولِ اکرمؐ کو خواب میں دیکھا ہے کہ سولی کے پاس کھڑے ہوئے فرما رہے ہیں "ارے کیا میری اولاد کے ساتھ یہی سلوک ہوگا؟ اس کے بعد زید شہید سے خطاب کرکے فرمایا۔ میرے لال ان لوگوں نے تجھے قتل کیا ہے خدا انھیں قتل کرے۔ انھوں نے تجھے سولی دی ہے خدا ان سے انتقام لے۔ (تہذیب تاریخ ابن عساکر ۶ ۳۲۳)

انکشافِ حقیقت

تاریخ نے ایک افسانہ یہ بھی تیار کیا ہے کہ شیعوں کی ایک جماعت حضرت زید کے پاس آئی اور ان سے شیخین کے بارے میں سوال کیا۔ انھوں نے ان کی توقع کے خلاف جواب دیا یعنی شیخین کی مدح کر دی تو سب انھیں چھوڑ کر چلے گئے اور اسی بنا پر ان لوگوں کا لقب رافضی ہو گیا یا اس لئے کہ ان لوگوں نے شیخین کو چھوڑ دیا ہے یا اس لئے کہ زید کو چھوڑ کر چلے گئے۔

Presented by Ziaraat.Com

لیکن جب اس واقعہ کی تحقیق کی جاتی ہے تو اس کی کوئی بنیاد نظر نہیں آتی ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ منافقوں کی ایک جماعت نے زید کے لشکر میں پھوٹ ڈالنے کے لئے حاکم وقت یوسف بن عمر کے ایماء سے یہ سوال کیا تھا تاکہ ان کے جواب کی آڑ لے کر ان کے لشکر کو منتشر کر دیں۔ جیساکہ ابن عساکر نے بیان کیا ہے کہ ہشام کے چاہنے والوں نے زید سے ابوبکر و عمر کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا کہ اللہ دونوں صحابیوں پر رحم کرے ـــــ تم لوگ آج سے پہلے کہاں تھے؛ (تہذیب تاریخ ابن عساکر ۶ ۲۳)

سائل کا مقصد زید کے لشکر میں انتشار کے سوا کچھ نہ تھا اس لئے کہ ان کا لشکر مختلف عقائد کے لوگوں سے مل کر تیار ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے موقع پر اگر وہ شیخین کی تعریف کریں گے تو ایک جماعت اکھڑ جائے گی اور اگر مذمت کریں گے تو دوسری جماعت برہم ہو جائے گی اور دونوں طرح سے اپنا مدعیٰ حاصل ہو جائے گا۔

استاذ خربوطلی کا بیان ہے کہ یہ یوسف بن عمر کی ایک سازش تھی جس سے اس نے اپنا مقصد حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ (الدولۃ العربیۃ الاسلامیہ)

طبری (۸ ۲۷۲) نے نقل کیا ہے کہ یوسف نے زید کے لشکر میں کچھ جاسوس چھوڑ رکھے تھے۔ ان کے علاوہ حضرت زید کا یہ کہنا کہ تم آج سے پہلے کہاں تھے؛ صاف طور پر بتا رہا ہے کہ وہ خود بھی اس سازش کی طرف متوجہ تھے اور اسی لئے مقتضائے حال کے مطابق ایک جواب دے دیا ورنہ شیعوں کو اس قسم کے سوالات اٹھانے کی ضرورت ہی کیا تھی؛ وہ شروع سے زید کے ہم خیال تھے اور ان دونوں کے بارے میں آل محمدؐ کے خیالات سے واقف تھے انھیں نہ معلومات حاصل کرنے کی ضرورت تھی اور نہ فتنہ پردازی کی۔

آخر کار نتیجہ وہی ہوا جو یوسف نے چاہا تھا کہ لشکر میں انتشار پیدا ہو گیا۔ بدعقیدہ لوگ الگ ہو گئے اور صرف چند خالص شیعہ افراد ہی باقی رہ گئے جو آخر دم تک حضرت زید کے ساتھ رہے۔ شیعوں کو رافضی اس لئے نہیں کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے زید کو چھوڑ دیا ہے بلکہ اس لئے کہا جائے گا کہ ان لوگوں نے زید کے خلاف سازش کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

Presented by Ziaraat.Com

ولید بن عبد الملک

یزید بن عبد الملک کا لختِ جگر اور ام الحجاج بنت محمد بن یوسف (برادر حجاج) کا نورِ نظر۔ ہشام کے بعد ۶ ربیع الاوّل ۱۲۵ھ کو تختِ حکومت پر بیٹھا اور ایک سال دو مہینہ حکومت کے بعد ۲۸ جمادی الآخر ۱۲۶ھ کو قتل کر دیا گیا۔ ولید کے بارے میں مورخین کے خیالات یہ ہیں:۔

* ابن حزم ــــ ولید فاسق، بے آبرو اور لغو آدمی تھا۔ (سیرت ابن حزم)
* ابن فضل اللہ صاحبِ سالک ــــ ولید اپنے وقت کا فرعون، قوم کا تباہ کرنے والا اور قرآن کریم کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے والا تھا۔
* قلقشندی ــــ ولید کا کام لہو و لعب، کھانا، اڑانا اور گانا سننا تھا۔ (الانافہ ۱ ۱۵۶)
* ابن کثیر ــــ ولید کھلم کھلا فواحش کا مرتکب ہوتا تھا۔ احکامِ الٰہیہ کی ہتک حرمت کرنے والا اور زندیق تھا۔ ہشام نے ابتدا میں ولید کا احترام کیا لیکن جب اس کی شراب خوری اور لہو و لعب کا علم ہو گیا تو کہنے لگا تو دینِ اسلام پر ہے یا کسی دوسرے دین پر؟ تو نے ہر حرام کو حلال بنا دیا ہے ــــ؟ اس نے جواب دیا کہ میرا تیرا دین ایک ہے۔

ولید کی بدکرداری عیاں راچہ بیان ہے۔ وہ قرآنِ کریم کو تیر باراں کر کے کہتا تھا کہ روزِ قیامت اپنے خدا سے کہہ دینا کہ مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔ تیری آیتیں میرے منشا کے خلاف کیوں نکل آتی ہیں۔ (تاریخ الخمیس ۲ ۳۲۰، ابن اثیر ۵ ۱۴۷، الحور العین صفحہ ۱۹۰)

ولید ہی نے حاکمِ کوفہ یوسف بن عمر کو لکھا تھا کہ زید کا جسم سولی سے اتار کر اسے جلا دے اور خاک کو دریا کے حوالے کر دے۔ جس کے بعد یوسف نے جسم کو نذرِ آتش کر کے خاک کو فرات کے حوالے کر دیا تھا۔ (طبری ۸ ۱۲۲، کامل ۵ ۱۲۷)

ولید کے بارے میں بہت سی روایتیں اس مضمون کی وارد ہوئی ہیں کہ وہ امت کا فرعون ہے۔

امام احمد نے حضرت عمر سے روایت کی ہے کہ ام سلمہ کے بھائی کے یہاں بچہ پیدا ہوا۔ لوگوں نے اس کا نام ولید رکھا۔ رسول اکرمؐ کو اس کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا کہ یہ فرعونوں کا سا نام

Presented by Ziaraat.Com

ہے۔ میری امت میں ایک ولید پیدا ہوگا جو فرعون سے زیادہ مفسد اور مضرت رساں ہوگا۔

بیہقی نے زینب کے ذریعہ ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ میرے پاس اس وقت تشریف لائے جب میری گود میں آل مغیرہ کا ولید نامی ایک بچہ تھا۔ آپ نے اس کا نام پوچھا۔ میں نے نام بتایا تو فرمانے لگے کہ تم نے یہ نام محبت سے رکھا ہوگا۔ اسے فوراً تبدیل کردو۔ اس لئے کہ اس امت میں اس نام کا ایک فرعون پیدا ہونے والا ہے۔ (ابن کثیر ۱۰/۶ تاریخ ذہبی ۵/۱۲۳)

ولید نے حاکم ہوتے ہی لوگوں کے نفع کا اعلان کرا دیا لیکن جب اس کے مظالم زیادہ ہوگئے تو لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ کاش ہمارے سر ہشام ہی کی حکومت ہوتی اور ہم اس نفع سے محروم ہی رہتے۔

ایک مرتبہ خراسان کے عامل نے ولید کو یہ اطلاع دی کہ حالات ناساز گار ہیں اور انقلاب کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں۔ اس نے جواب میں لکھا کہ مجھے عریض معبد اور ابن ابی عائشہ کے گانوں سے فرصت نہیں ہے اور تمھیں انقلاب کی پڑی ہوئی ہے۔ (البدء والتاریخ ۶/۵۳)

نوبت یہاں تک پہنچی کہ ولید کے چچازاد بھائی یزید کی قیادت میں ایک جماعت انقلاب کرنے پر آمادہ ہوگئی۔ اور یزید بن عنبہ نے ولید سے صاف صاف کہہ دیا کہ ہمیں اپنے نقصان کی شکایت نہیں ہے بلکہ شکایت یہ ہے کہ تو نے احکام خدا کی توہین کی ہے۔ شراب نوشی کی ہے۔ سوتیلی ماں سے زنا کیا ہے اور اس طرح دین الٰہی کا استخفاف کیا ہے۔ (تاریخ الاسلام ذہبی ۵/۱۷۸)

۲۸ جمادی الآخر ۱۲۶ھ کو ولید قتل کیا گیا تو اس کا سر یزید کے سامنے پیش ہوا۔ اس نے حکم دے دیا کہ اسے شہر شہر پھرایا جائے۔

ولید ہی کے دورِ حکومت میں حضرت یحییٰ بن زید کا قتل ہوا۔ آپ نے زید شہید کے بعد قیام کرکے خراسان کا رخ کیا۔ ری سرخس ہوتے ہوئے بلخ پہنچے اور وہاں حریش بن عبدالرحمٰن شیبانی کے پاس مقیم رہے یہاں تک کہ ہشام کا انتقال ہوگیا اور ولید تختِ حکومت پر قابض ہوگیا۔ (زید شہید مقرم ۱۷۶) یوسف بن عمر نے نصر بن سیار کو لکھا کہ یحییٰ بلخ میں حریش کے گھر مہمان ہیں۔ اس نے حریش کو بلاکر یحییٰ کا مطالبہ کیا۔ حریش نے انکار کر دیا۔ نصر نے انھیں ۶ سو کوڑے لگائے۔ اس پر بھی حریش نے کہا کہ اگر وہ میرے زیر قدم ہوتے تو میں قدم تک نہ اٹھاتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یحییٰ اور

Presented by Ziaraat.Com

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

Presented by Ziaraat.Com

ابراہیم بن الولید

اپنے بھائی کے بعد ذی الحجہ ۱۲۶ھ میں جعلسازی کر کے تخت نشین ہوا لیکن انقلابات نے
اسے چین نہ لینے دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۲ ماہ کے اندر مروان کو حکومت دے کر الگ ہوگیا بلکہ بعض لوگوں کے
خیال کے مطابق مروان ہی نے اسے قتل کرادیا۔ (مروج الذہب ۳ ۲۳۹، اتانہ ۱ ۱۶۱)

مروان بن محمد

مروان بن الحکم کا پوتا، کردی عورت لبابہ کا بیٹا مروان بن محمد صفر ۱۲۷ھ میں تخت نشین ہوا
اور ۱۳ ربیع الآخر ۱۳۲ھ کو بوصیر مصر میں قتل ہوگیا۔ جس کے بعد حکومت بنی امیہ سے بنی عباس
کی طرف منتقل ہوگئی۔ اولاد امیہ تلواروں کا نشانہ بنی اور ۹۱ سال ۹ مہینے کی محنت بے سود ثابت
ہوئی۔ بنی عباس نے اہلبیت کے حق کا سہارا لے کر مختلف لڑائیاں لڑیں اور آخر کار تختِ سلطنت
پر قبضہ کر ہی لیا۔ ان کا پہلا حاکم ابو العباس سفاح تھا جس کی بیعت ربیع الآخر ۱۳۲ھ میں ہوئی اور
وہ ذی الحجہ ۱۳۶ھ میں راہی ملکِ عدم ہوگیا۔

اس کے بعد ابو جعفر منصور حاکم ہوا اور ذی الحجہ ۱۵۸ھ تک تخت نشین رہا۔ اسی دوران میں
۲۵ شوال ۱۴۸ھ کو امام جعفر صادق کو زہر سے شہید کرادیا۔ اور آپ کو اس کے مسلسل مظالم سے
نجات مل گئی۔

Presented by Ziaraat.Com

حکامِ مدینہ

آئیے چند لمحوں کے لئے ان اموی و عباسی حکام کا بھی جائزہ لے لیں جن کی حکومت مدینہ منورہ میں تھی۔ اور جن سے امامؑ کا مسلسل سابقہ تھا۔ یوں تو مدینہ بہت سے ظالم و جابر حکام کے زیرِ نگیں رہا لیکن ان میں سرِ فہرست حجاج بن یوسف کا نام آتا ہے۔ جس نے ۷۴ھ میں ابن زبیر کے قتل کے بعد وہاں قیام کیا اور لوگ اس کے خوف سے شہر چھوڑ کر چلے گئے۔

حجاج، صحابہ کرام کی کھلم کھلا توہین کرتا تھا۔ ان کے ہاتھ اور ان کی گردنوں کو سیسے سے داغ دیتا تھا۔

۷۵ھ میں عبدالملک نے اسے مدینہ سے معزول کر کے عراق کا حاکم بنا دیا اور اس کی جگہ ابان بن عثمان عامل ہو گیا۔ ۸۲ھ میں وہ بھی معزول ہوا اور ہشام بن اسماعیل کو حکومت مل گئی۔

ہشام بن اسمٰعیل ابن ولید مخزومی

۸۲ھ میں عبدالملک ابن مروان کی طرف سے مدینہ کا حاکم ہوا اور ۸۸ھ میں دنیا سے چل بسا۔ آلِ محمدؐ کی دشمنی، امام زین العابدینؑ کو اذیت پہنچانا، منبروں پر امیرالمومنینؑ کو بُرا بھلا کہنا اس کا خاص شعار تھا۔ عبدالملک نے جب اپنے بیٹے ولید اور سلیمان کے لئے بیعت لینا چاہی تو سعید ابن مسیب نے انکار کر دیا۔ اس نے ہشام کو حکم دیا اور ہشام نے سعید کو ۶۰ کوڑے لگوائے۔ اس کے بعد اونٹ پر بٹھا کر پورے مدینہ میں گردش کرائی۔ یہ واقعہ ۸۵ھ کا ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

جب عبدالملک کو ہشام کے اس سلوک کی اطلاع ملی تو اس نے لکھا کہ میں جانتا ہوں کہ سعید کو کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن ان کے لئے بیعت کرنا ضروری ہے۔ اگر بیعت نہ کریں تو میں ان کا سر کاٹ لوں گا یا پھر چھوڑ دوں گا۔ (تاریخ اسلام ذہبی ۳ ص ۲۱۰، تاریخ ابن کثیر ۹ ص ۶۰)

ہشام کی حکومت اگرچہ کل چار سال رہی لیکن اتنے ہی عرصہ میں اہل مدینہ اس کے ظلم و جور سے عاجز آ گئے۔ ۸۷ھ میں ولید ابن عبدالملک نے اسے معزول کر کے عمر ابن عبدالعزیز کو حاکم بنا دیا اور یہ حکم دیا کہ ہشام بن اسمٰعیل کو مروان کے گھر کے پاس لوگوں کے سامنے گرفتار کر کے کھڑا کریں۔ جب ایسا کیا گیا تو اس نے کہا کہ میں سوائے علیؑ بن الحسینؑ کسی سے نہیں ڈرتا۔ لیکن حضرت نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ اس پر کسی قسم کا طعن و طنز نہ کریں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہشام نے آپ کو دیکھتے ہی باآواز بلند یہ اعلان کیا "خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں رکھتا ہے"۔ (تاریخ ابن کثیر ۹ ص ۱۷۱، طبری ۸ ص ۶۱، تاریخ الاسلام ۳ ص ۲۱۰)

عمر ابن عبدالعزیز

ان کا مفصل تذکرہ سابق میں گذر چکا ہے جہاں یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ اہلبیتؑ رسالت سے دوستی کے دعویدار تھے جس کے نتیجہ میں فدک کی واپسی اور سب و شتم امیرالمومنینؑ وغیرہ کی بندش سامنے آئی۔

امام باقر علیہ السلام ان کو عدل و انصاف کی نصیحت اس انداز سے فرمایا کرتے تھے "تمھیں چاہئے کہ کم سن مسلمانوں کو اپنا فرزند، جوانوں کو اپنا بھائی اور بزرگوں کو اپنا باپ سمجھو۔ بچوں پر رحم کرو، بھائیوں سے تعلقات رکھو اور بزرگوں کے سامنے نیکی کرو اور ہر نیکی کو مکمل کرنے کی کوشش کرو"۔ (عین الادب والسیاسہ۔ خفاجی)

۸۷ھ سے ۹۳ھ تک مدینہ کے حاکم رہے۔ اس کے بعد ولید نے اس جرم میں معزول کر دیا کہ انھوں نے اس کے پاس حجاج کے ظلم و جور کی داستان لکھ کر بھیج دی۔ حجاج نے یہ خبر پا کر ولید کو لکھا کہ عراق کے کچھ سرکش مکہ و مدینہ میں جا کر بس گئے ہیں اور یہ حکومت کے لئے نقصان دہ ہیں۔ ولید نے حجاج سے مشورہ کیا۔ اس نے عثمان ابن حیان اور خالد ابن عبداللہ قسری کا نام

لیا۔ چنانچہ خالد کو مکہ اور عثمان کو مدینہ کا حاکم بنا دیا گیا۔

عمر بن عبدالعزیز ہی نے ۸۸ھ میں مسجد پیغمبر کی توسیع کا کام شروع کیا تھا۔ جس کا تاریخی پس منظر یہ تھا کہ ولید نے حج کے موقع پر مسجد پیغمبر سے متصل ایک مکان کی طرف لوگوں کی توجہ دیکھ کر پوچھا کہ یہ کس کا مکان ہے؟

لوگوں نے کہا، یہ علیؑ ابن ابی طالبؑ کا وہ مکان ہے جس کا دروازہ تمام دروازوں کے بند ہونے کے بعد بھی کھلا رہا۔

ولید کو یہ سن کر غصہ آگیا اور اس نے کہا کہ عجیب! جس شخص پر ہم ہر جمعہ کو لعنت کرتے ہیں اس کا دروازہ مسجد پیغمبر میں رہے گا؟

یہ کہہ کر غلام کو حکم دیا کہ مکان منہدم کر دیا جائے۔ لوگوں نے مشورہ دیا کہ ایسا نہ کیجئے بلکہ شام پہنچ کر تمام شہر مکہ، مدینہ، بیت المقدس وغیرہ کی مسجدوں کی توسیع کا حکم دے دیجئے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ علیؑ کا گھر مسجد پیغمبرؐ میں آجائے گا۔ چنانچہ اس نے اس مشورہ کو قبول کر لیا۔ (مختصر تاریخ البلدان ابوبکر بن قیتبہ ص۱۰۷)

ولید نے اس توسیع کے موقع پر عثمان کا گھر نہیں گرایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی عباس کے دورِ حکومت میں حسن ابن زید نے دوبارہ توسیع کرا کے عثمان کا گھر بھی گرانے کا ارادہ کر لیا اور منصور کو لکھا کہ اگر مشرقی جانب سے اضافہ کر دیا جائے تو قبر پیغمبرؐ وسط میں ہو جائے گی۔ منصور نے جواب دیا کہ میں تمہارا ارادہ سمجھ گیا۔ دیکھو اب حضرت عثمان کے گھر کا ذکر کبھی نہ کرنا۔ ولید نے مسجد کی توسیع کو اتنی اہمیت دی کہ عمر بن عبدالعزیز کو یہ پیغام بھیجا کہ چاروں طرف کے مکان خرید لئے جائیں اور جو نہ بیچے اس کا گھر گرا دیا جائے۔ (الدرۃ الثمینہ ابن النجار ص۱۸۰) اہلِ مدینہ کو یہ بات ناگوار گذری اور انھوں نے چاہا کہ ازواجِ پیغمبرؐ کے حجرے محفوظ رہیں تاکہ حجاج و زوّار ان کی زیارت کر سکیں اور اس سے زہد و تقویٰ کے اثرات پیدا ہوں۔ لوگ یہ سمجھیں کہ مکان بقدر ضرورت ہونا چاہیئے۔ بڑے بڑے مکان فرعونیت اور قیصریت کی علامت ہیں۔ (تاریخ ابن کثیر ۹؍۷۴) چنانچہ عمر ابن عبدالعزیز نے اس واقعہ کی اطلاع ولید کو دی۔ ولید نے یہ پیغام بھیجا کہ ان باتوں کی پروا نہ کی جائے اور سب گھر گرا دیئے جائیں۔ مزدوروں نے اپنا کام شروع کر دیا تو تمام اشراف مدینہ

Presented by Ziaraat.Com

نے نالہ و شیون کی آوازیں بلند کر دیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آج ہی پیغمبرؐ کا انتقال ہوا ہے۔ (تاریخ ابن کثیر ۹ ۷۵)

تاریخ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مدینہ کے مزدور اس جسارت پر تیار نہیں تھے اور یہی وجہ ہے کہ ولید نے چالیس مزدور روم سے اور چالیس قبط سے بلائے تھے۔ (طبری ۸ ۶۵، الدرۃ الثمینہ ۲۱)

عثمان ابن حیان

ام دردہ کا غلام، جفا جو ظلم شعار اور وہ بادشاہ جس کے دورِ حکومت کا پہلا شاہکار یہ تھا کہ اس نے مدینہ کے بڑے بڑے علماء، امام باقرؑ کے شاگرد اور محمد ابن منکدر جیسے افراد کو صرف اس جرم میں اذیتیں پہنچائیں کہ ان کا شعار امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تھا۔ (تحفہ سخاوی ۲ ۲۸۱)

عراقیوں کو مدینہ سے صرف اس لئے نکال دیا کہ یہ لوگ حجاج کے خوف سے حرم نبوی میں پناہ لے لیا کرتے تھے۔ عثمان کا کام یہ تھا کہ لوگوں کو گرفتار کرا کے حجاج کے پاس بھیج دے۔ اس نے منبر سے یہ اعلان کر دیا تھا کہ تم لوگ امیر المومنین کے دور میں خائن رہے ہو۔ عراق والے ہمیشہ کے غدار ہیں۔ میں نے عراقیوں کو ہمیشہ منافق پایا ہے لہذا اگر کسی نے ان کو اپنے گھر میں پناہ دی یا اپنا مکان انھیں کرایہ پر دیا تو اس کا گھر گرا دیا جائے گا اور اسے سخت سزا دی جائے گی۔ (طبری ۸ ۹۲)

ابوبکر بن محمد

ان کا شمار کتاب صحاح کے راویوں میں ہوتا ہے۔ پہلے مدینہ کے قاضی تھے۔ اس کے بعد عثمان کی جگہ پر حاکم ہو گئے۔ عثمان نے یہ طے کر لیا تھا کہ ابوبکر پر سختی کرے اور ان کا سر اور داڑھی مونڈ دے لیکن سلیمان کا فوری حکم پہنچا کہ حکومت ابوبکر کو ملے اور عثمان کو گرفتار کر لیا جائے۔ ابوبکر ۹۶ھ سے ۱۰۱ھ تک مدینہ کے حاکم رہے۔ اس کے بعد یزید نے ان کو معزول کر کے عبد الرحمٰن ابن ضحاک کو ان کی جگہ حاکم بنا دیا۔ اس نے بھی ابوبکر پر خوب خوب مظالم ڈھائے۔

Presented by Ziaraat.Com

عبدالرحمٰن ابن ضحاک

یزید ابن عبدالملک کی طرف سے ابوبکر کے بعد ۱۰۱ھ میں مدینہ کا حاکم ہوا اور ۱۰۴ھ میں معزول ہوگیا۔ اس کی جگہ عبدالواحد نضری کو اس شرط سے ملی کہ عبدالرحمٰن پر ایک ہزار دینار جرمانہ لگائے اور اس کو کوڑوں سے پٹوائے۔ عبدالواحد نے نہایت سعادت مندی سے تمام احکام پر عمل کیا اور اس کے اموال کو اس طریقہ سے لوٹا کہ وہ گلیوں میں بھیک مانگنے لگا۔ عبدالرحمٰن بدسرشت، ظالم اور جفا شعار حاکم تھا۔ اس نے ابوبکر کو بلا وجہ اذیت پہنچائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کی بدزبانی کا ہدف اور شعراء کی ہجو کا موضوع بن گیا۔

عبدالواحد نضری

نضر ابن معاویہ کا پوتا تھا۔ ۱۰۴ھ میں یزید ابن عبدالملک کی طرف سے مدینہ، مکّہ اور طائف کا حاکم بنا۔ اور ۱۰۶ھ میں ہشام نے اس کو معزول کر کے اس کی جگہ ابراہیم مخزومی کو دے دی۔ یہ کسی حد تک اہلِ مدینہ کی نظر میں معقول آدمی تھا۔ اپنے ہر کام میں قاسم ابن محمد ابن ابی بکر سے مشورہ کیا کرتا تھا۔

ابراہیم ابن ہشام

ہشام ابن عبدالملک کا ماموں تھا۔ ۱۰۶ھ سے ۱۱۴ھ تک مکہ، مدینہ اور طائف کا حاکم رہا۔ ۱۱۰ھ میں حج کے موقع پر منیٰ میں ظہر کے بعد سلونی کے دعویٰ کے ساتھ اپنی علمیت کا اعلان کیا تو ایک عراقی نے پوچھ لیا کہ قربانی واجب ہے یا نہیں؟ وہ یہ سن کر چپ ہوگیا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔

خالد ابن عبدالملک

۱۱۴ھ میں ابراہیم ابن ہشام کے بعد مدینہ کا حاکم ہوا اور ۱۱۸ھ میں معزول کر دیا گیا۔

Presented by Ziaraat.Com

اس کی جگہ محمد ابن ہشام کو مل گئی۔ خالد دشمنِ آلِ رسولؐ تھا۔ منبر پر امیرالمومنینؑ کے خلاف سخت و سست کہا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ داؤد ابن قیس نے سرِ منبر اس کے جھوٹ کا اعلان کیا۔ (ابن عساکر ۵ ۸۲)

محمد ابن ہشام

ہشام ابن حکم کا ماموں ۱۱۸ھ میں حاکم ہوا اور ۱۲۵ھ میں ولید فاسق نے اسے معزول کر کے اپنے ماموں یوسف ثقفی کو مدینہ کے ساتھ مکہ اور طائف کا بھی حاکم بنا دیا۔ ولید نے ابراہیم و محمد فرزندانِ اسمٰعیل جو سابق میں مدینہ کے حاکم رہ چکے تھے ان کو گرفتار کرا کے یوسف ابن محمد کے پاس بھیج دیا۔ اس نے لوگوں کے سامنے مدینہ میں ان کی تشہیر کی اور اس کے بعد عراق کے عامل یوسف ابن عمر کے پاس بھجوا دیا۔ اس نے اس قدر سختی کی کہ دونوں جاں بحق تسلیم ہو گئے۔

یوسف ثقفی

یوسف ابن محمد حجاج کا بھتیجا اور ولید کا ماموں۔ ۱۲۵ھ میں ولید کی طرف سے پورے حجاز کا حاکم بنا دیا گیا۔ ولید کے بعد اس کے بیٹے یزید نے بھی ۱۲۶ھ تک اسے حکومت پر باقی رکھا۔ اس کے بعد اسے معزول کر کے اس کی جگہ عبدالعزیز ابن عمر ابن عبدالعزیز کو دے دی۔ وہ ۱۲۹ھ تک حاکم رہا۔ اس کے بعد مروان الحمار نے اسے معزول کر کے عبدالواحد ابن سلیمان کو حاکم بنا دیا جو مدینہ اور حجاز پر بنی امیہ کا آخری حکمران تھا۔ اسی کے زمانہ میں صفر ۱۳۰ھ میں ابوحمزہ خارجی مدینہ میں داخل ہوا جس کے نتیجہ میں بہت سے افراد قتل کئے گئے اور مدینہ کے ہر گھر سے نالہ و شیون کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ ابوحمزہ تین مہینے تک مدینہ میں قیام پذیر رہا۔ اس کے بعد مروان الحمار سے جنگ کرنے کے لئے نکلا۔ عبدالملک سعدی کے لشکر نے مزاحمت کی۔ ابوحمزہ کا لشکر ہزیمت خوردہ ہو کر پھر مدینے پلٹ آیا۔ ادھر اہلِ مدینہ نے اس سے مقابلہ کیا اور اس کے

Presented by Ziaraat.Com

لشکر کو تباہ و برباد کر دیا۔ مدینہ میں عبدالملک ابن محمد ابن عطیہ چند مہینوں تک فاتحانہ انداز سے قیام پذیر رہا۔ اس کے بعد اپنے بھتیجے ولید بن عروہ کو حاکم بنا کر مکہ کی طرف سفر کر گیا۔

Presented by Ziaraat.Com

تجدیدِ مظالم
عہدِ بنی عبّاس

ابوالعباس سفاح نے حکومت پانے کے بعد یوسف ابن محمد ثقفی کو معزول کر کے ۱۳۲ھ میں اپنے چچا داؤد ابن علی کو مکہ مدینہ یمن و یمامہ کا حاکم بنا دیا۔

داؤد نے مدینہ میں داخل ہوتے ہی یہ اعلان کر دیا "ایہاالناس! تم کو مہلتوں نے دھوکے میں رکھا ہے۔ تم یہ نہ سمجھنا کہ حکومت کسی سستی سے کام لے گی۔ اب میرے ہاتھ میں تازیانہ ہے۔ میری تلوار نیام سے باہر ہے۔ اب قبیلوں کی تباہی، عورتوں کی بے عزتی اور بچوں کی یتیمی کا وقت آگیا ہے۔

لیکن اسے کیا کیا جائے کہ قضا نے اس کو مہلت نہ دی اور تین مہینہ سے بھی کم حکومت کر کے ربیع الاوّل ۱۳۳ھ میں دنیا سے چل بسا۔ مرنے سے پہلے اپنے بیٹے موسیٰ کو جانشین بنایا لیکن سفاح نے اسے ہٹا کر اپنے ماموں زیاد بن عبیداللہ حارثی کو حکومت دے دی جو منصور کے دور تک حکمراں رہا۔

۱۴۱ھ میں منصور نے اسے معزول کر کے زنجیروں میں جکڑ کر کوفہ روانہ کر دیا اور اس کی جگہ محمد ابن خالد قسری کو دے دی۔

۱۴۴ھ میں اسے بھی ہٹا کر ریاح ابن عثمان کو حاکم بنایا۔ یہ ۱۴۵ھ تک رہا۔ اسی کے دور میں محمد ابن عبداللہ بن حسن نے مدینہ میں انقلاب کیا اور ریاح و ابراہیم کو نذر قید خانہ کر دیا۔ ادھر مصعب ابن زبیر کی اولاد میں ایک شخص قید خانہ میں آیا اور اس نے دونوں کو ذبح کر دیا اور

Presented by Ziaraat.Com

خود محمد کے ساتھ مشغولِ جہاد ہوگیا اور بالآخر قتل ہوگیا۔ اسی سال محمد کے قتل کے بعد عبداللہ ابن ربیع حارثی مدینہ کا حاکم ہوا جو ۱۴۷ھ تک حکمرانی کرکے منصور کی طرف سے معزول ہوا اور اس کی جگہ جعفر ابن سلیمان کو ملی جو ۱۴۹ھ تک حاکم رہا۔ اسی کا دورِ حکومت تھا جس میں امام جعفر صادقؑ کو ۱۴۸ھ میں زہر دغا سے شہید کیا گیا۔

یہ ہیں عہدِ عباسی کے مدینہ کے وہ حکام جن کے ریاح ابن عثمان نے اہلِ مدینہ پر وہ ظلم و ستم کیا کہ آلِ رسولؐ کے مکانات اجڑ گئے اور انھوں نے بجائے مکان کے قید خانہ آباد کردیا۔ یہاں اذیت رسانی کے ساتھ نہ کسی رحم و کرم کا تصور تھا نہ خوفِ آخرت کا۔ ان تمام مظالم میں سب سے زیادہ الم انگیز اور دردناک وہ منظر تھا جب اولادِ پیغمبرؐ کے بیرو جوان مدینہ کی گلیوں میں زنجیروں میں جکڑے ہوئے منصور کے جفا شعار لشکر کے گھیرے میں کوفہ لے جائے جارہے تھے جہاں انھیں جھلسے ہوئے چہروں کے ساتھ قید خانہ کی تاریکی کا مقابلہ کرنا تھا اور آخرکار مصائب کی شدت سے جان بحق تسلیم ہونا تھا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

امام جعفر صادقؑ کا موقف

مذکورہ بالا حادثات کو دیکھنے کے بعد یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے مختلف ادوارِ حکومت میں کن کن مصائب کا سامنا کیا اور کس انداز سے اپنی زندگی گذاری جس طرح یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ امام کے پیشِ نظر سیاسی و مذہبی اعتبار سے کتنی دشواریاں تھیں۔ زندگی اس عالم میں بسر ہو رہی تھی کہ حوادث کی بہتات اور مظالم کی بھرمار تھی۔ عالمِ اسلام ان مرحلوں سے گذر رہا تھا کہ جہاں نہ کوئی حق پر عمل کرنے والا تھا اور نہ باطل سے روکنے والا۔ خواہشات کے ہاتھ میں حکومت تھی اور بغض و حسد کے قبضہ میں زمامِ اقتدار۔ مسلمان ان حکام کی سلطنت سے پیسے جارہے تھے جن کو قرآن وسنت سے دور کا بھی لگاؤ نہ تھا۔ امت کے کاندھوں پر حکام کے حرص و ہوس کا بوجھ تھا اور اس کی گردن میں ظلم و جور کے پھندے۔ یہی وہ دور تھا جب سرخ انقلابات اور پامال کن جنگیں وجود میں آرہی تھیں۔ حکومت کے دعویدار وہ افراد تھے جو اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے ہر خون بہا دینے کو جائز سمجھتے تھے۔

Presented by Ziaraat.Com

۱۔ امام جعفر صادقؑ کے لئے یہ دور اس لئے بھی انتہائی دشوار تھا کہ آپ کی نشو و نما نبوت کے گھر میں اور آپ کی پرورش وحیٔ الٰہی کی منزل میں ہوئی تھی۔

۲۔ امام صادقؑ نے امامت کا بار اور اسلامی پیغام کی ذمہ داری کو اس انداز سے ادا کیا کہ آپ کی صلاحیتیں اجاگر ہو کر رہیں اور آپ کی شخصیت بہت جلد نمایاں ہوگئی۔ آپ کو ہر انقلاب قیادت کی دعوت دے رہا تھا اور ہر احتجاج اہلبیتؑ کے حق کو اپنا شعار بنائے ہوئے تھا کہ سب یہ سمجھ رہے تھے کہ امامت کے واقعی ذمہ دار اور اس کی صحیح منزلِ مقصود یہی افراد ہیں۔

امام صادقؑ نے ان تمام انقلابی اقدامات اور خونریز لڑائیوں کا منظر دیکھ کر اپنے مخصوص حکم و بصیرت سے یہ طے کر دیا کہ اس وقت خاموش دعوت اور اصلاحی اقدام ہی انتہائی مناسب ہے۔ اس لئے کہ انقلابات کا موجودہ رنگ خونریزی کے اضافہ کے علاوہ اور کسی مقصد تک نہیں پہنچا سکتا ہے۔ اب مقابلہ میں انسان نہیں ہیں بلکہ بنی امیہ ہیں۔ امامؑ یہ بھی جانتے تھے کہ ان اختلافات کے نتیجے میں فوجی طاقتوں کے شل ہو جانے کے بعد وہ وقت بھی جائے گا جب اسلامی معاشرہ چیخ اٹھے گا اور اسلامی قوانین، اس کے اجتماعی نظام اور اس کے باہمی تعاون کے اصولوں کی ضرورت محسوس کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔ اس لئے آپ نے شروع ہی سے اصلاحی قدم اٹھایا تاکہ عوام میں فکر و نظر کی صلاحیت پیدا ہو، باہمی تعاون ایجاد ہو اور جاہلیت کے وہ تمام جذبات فنا ہو جائیں جن کو حکومتیں زندہ رکھے ہوئے تھیں۔

یہی وہ ذریعہ ہوگا جس سے ظلم و جور کی بنیادیں متزلزل ہوں گی اور طغیان و سرکشی کے قصر گرتے ہوئے نظر آئیں گے۔

۳۔ امام صادقؑ کے اس اقدام کا مقصد صرف یہ تھا کہ امت فکر و نظر کی صلاحیتیں پیدا کرکے اس وقت کے لئے تیار ہو جائے جب خونی انقلاب بھی منزلِ مقصود تک پہنچنے میں مددگار ثابت ہو سکے اور اسلامی نظام الٰہی خلافت کے سایہ میں پروان چڑھ سکے۔ امام کی شخصیت میں وہ تمام صلاحیتیں موجود تھیں جو ایسے زبردست معرکہ کے لئے ایک قائد میں ہونی چاہئیں۔ چنانچہ آپ نے نہایت ہی ثبات و احتیاط کے ساتھ ایک طرف ہر انقلاب اور ہر جنگ و جدل

Presented by Ziaraat.Com

کی قیادت سے انکار کیا اور دوسری طرف ہر واقع ہونے والی خونریزی کے انجام اور اس انجام سے پیدا ہونے والی ضرورتوں کا حل پیدا کرتے رہے۔

دشواری یہ تھی کہ نہ بنی امیہ کو تختِ حکومت پر دیکھا جا سکتا تھا اور نہ مخالفین ہی کی تائید کی جا سکتی تھی اس لئے کہ مخالفین کا نقصان بھی اسلام کے حق میں بنی امیہ سے کچھ کم نہ تھا اور درحقیقت یہی وہ صورتِ حال تھی کہ جس سے سلامتی کے ساتھ گذر جانے والے انسان کی تاریخ کو قدر کرنی چاہیئے اور اس کی اصابتِ رائے اور جودتِ فکر پر ایمان لانا چاہیئے۔

۴۔ امام صادقؑ کی حیثیت اس مصلح کی تھی جو امت کو اپنے کھوئے ہوئے وقار سے آشنا بنانا چاہتا ہو اور جس کا مقصد یہ ہو کہ عوام اسلامی قوانین کو سمجھیں اور ان کو یہ اندازہ ہو کہ ایسے مفسد و فاسد معاشرہ میں اصلاح کے لئے کن عوامل کی ضرورت ہے۔

ظاہر ہے کہ امام کی تکلیفیں بھی امت کے عام افراد سے زیادہ ہوں گی اس لئے کہ ایسا مصلح اس ظالم حکومت کی نظروں میں ضرور چڑھ جاتا ہے جس کے نزدیک نہ حقوق کا احترام ہو نہ نظم وضبط کا پاس و لحاظ۔ جس کا کاروبار امت پر ظلم، مالِ غنیمت کی جمع آوری، کتاب و سنّت کی مخالفت، معاشرہ میں اختلاف، اجتماع میں تفریق اور افکار کو ایسی طرف موڑ دینا ہو جو اسلام کے حق میں انتہائی مضر اور مصلح کے واسطے انتہائی دشوار گذار ہو۔

وہ مصلح جس کی دعوت کا خلاصہ ایک طرف کلمۂ توحید ہو تو دوسری طرف توحید کلمہ۔

امامؑ نے یہ طے کر لیا کہ شرعی فریضہ کی رو سے مجھے اصلاحی پیغام کو بھی نشر کرنا ہے اور حاکمِ وقت کے نظام کے خلاف مخالفت کا اعلان بھی کرنا ہے۔

ظاہر ہے کہ وہ شخص کیا کرتا جس کا حق چھن چکا ہو اور جس کا اقتدار مظلومیت سے بدل چکا ہو۔ لیکن کیا کہنا اس قائد کا کہ اس نے کٹے ہوئے ہاتھوں سے بھی مقابلہ کیا اور لوگوں کو حکومتِ وقت کا ساتھ دینے سے روکا۔ ان کی ملازمت کو ناجائز قرار دیا۔ ان کی اعانت کو گناہِ کبیرہ بتا کر اللہ کا خوف دلایا اور عوام کو یہ سمجھایا کہ انصار و مددگار کے بڑھ جانے سے حکومت میں استحکام اور اس کے ارادوں میں پختگی پیدا ہو جاتی ہے۔

۵۔ امامؑ یہ بھی جانتے تھے کہ امت کی حکّام سے علیحدگی اور اس کا عدم اعتماد ان کے استقلال

Presented by Ziaraat.Com

کو کم کرے گا۔ انھیں عدل و انصاف پر مجبور کرے گا اور اس طرح امت اپنے کھوئے ہوئے سکون کو حاصل کر سکے گی۔

ادھر مروانی حکومت کے حکام دنیا میں منہمک، خونریزی میں مشغول، آلِ محمدؐ کی عداوت میں سرگرم اور ان کے دوستوں اور چاہنے والوں کی ایذا رسانی میں لگے ہوئے تھے مقصد یہ تھا کہ عوام کی نظر کو اہلبیتؑ سے موڑ دیں۔

وہ یہ جانتے تھے کہ دنیا کی محبت اور مال کی خواہش لوگوں کے دلوں میں ہے۔ لیکن یہ سمجھتے تھے کہ عقیدہ ان تمام چیزوں سے بڑی طاقت کا نام ہے۔ آلِ محمدؐ سے محبت دینی بنیادوں پر ہے جو دنیا کے ہر جاہ و حشم پر غالب آجائے گی۔ اسی لئے وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ کسی بزم میں ان کا ذکرِ خیر ہو بلکہ ہمیشہ یہی کوشش کرتے تھے کہ کسی کو کافر اور کسی کو باغی کہہ کر موت کے گھاٹ اتار دیا جائے جیسا کہ عبداللہ بن عامر عبلی کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے۔ جو اموی ہونے کے باوجود صرف اس جرم میں شہر بدر کر دیا گیا کہ اس نے حضرت علیؑ پر سب و شتم کی مذمت کر دی تھی۔

بنی امیہ کے بعد ان کی جگہ بنی عباس نے سنبھالی اور اس طرح بانسری میں ایک اور راگ کا اضافہ ہو گیا اور شاعر کو یہ کہنا پڑا کہ "کاش ہم بنی مروان کے زیرِ سایہ زندگی بسر کرتے اور بنی عباس کا عدل و انصاف جہنم میں رہتا" عباسیوں نے اولادِ علیؑ کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قتل کرایا۔ ان کے گھر گرائے، ان کے آثار مٹائے۔ یہاں تک کہ دورِ متوکل کے شعراء کو کہنا پڑا "خدا کی قسم اگر بنی امیہ نے اپنے نبی کے فرزند مظلوم کو قتل کیا تو ان کے خاندان والوں نے اس سے کم ظلم نہیں کیا۔ انھیں اس بات پر افسوس ہے کہ ہم قتل میں کیوں شریک نہ ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب قبروں کی بے حرمتی ہو رہی ہے۔

یہ وہ دور تھا جس میں اہلبیتؑ کے سامنے پیش آنے والے مصائب کا شمار نہیں ہو سکتا ہے۔ قیدخانے ان سے بھرے ہوئے تھے۔ تختۂ داران کے جسموں پر فخر کر رہا تھا۔ زمین ان کے خونِ ناحق سے رنگین تھی۔ حکومتِ وقت ان کے مخالفین کا ساتھ دے رہی تھی۔ بغداد سے مصر تک یہ قانون نافذ تھا کہ اولادِ علیؑ زمینیں نہ اٹھائیں، گھوڑے پر سوار نہ ہوں، ان کے سفر پر پابندی ہو۔ انھیں صرف ایک غلام رکھنے کی اجازت ہو۔ ان سے اگر کسی سے نزاع ہو تو مخالف

Presented by Ziaraat.Com

کا قول بلا ثبوت و شہادت کے مان لیا جائے۔ (الولاۃ القضاۃ کندی ص۱۹۸)

ہر آن یہ حکم آتا تھا کہ انھیں چاروں طرف سے اکٹھا کر کے دار الخلافہ تک پہنچا دیا جائے۔ تاکہ ان کی صحیح نگرانی کی جا سکے اور انھیں باقاعدہ سزا دی جا سکے۔

رشید نے اپنے مدینہ کے حاکم کو یہ آرڈر دیا تھا کہ اولادِ علیؑ کو ایک دوسرے کا ضامن بنایا جائے اور سب روزانہ حاضری دیں اور اگر نہ آئیں تو انھیں سزا دی جائے۔

لیکن کیا کہنا اولادِ علیؑ کا کہ مشکلیں برداشت کیں مگر ذلت برداشت نہ کی تکلیفیں اٹھائیں لیکن ظالم نظام کے سامنے سر نہ جھکایا بلکہ عدل و انصاف کا پرچم لے کر ظلم کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے۔ انقلابات ہوئے۔ کامیابی حاصل ہوئی۔ حکومتیں قائم کیں اور بنی عباس کے دلوں کو لرزا دیا چنانچہ وہ ان کے چاہنے والوں کی بھی تباہی و بربادی پر اتر آئے۔ الزامات تراشے گئے۔ عیب نکالے گئے تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ لیکن چاہنے والوں نے مظالم کا مقابلہ ایمان و عقیدہ کے اسلحہ سے کیا اور اس بات پر کمر بستہ ہو گئے کہ آلِ محمدؐ کے حقوق سے دفاع کرتے رہیں گے۔ یہ اور بات ہے کہ اکثریت کو خوف و طمع نے حکومت کی طرف کھینچ لیا اور اس کا کام صرف یہ رہ گیا کہ شیعوں کے خلاف پروپیگنڈہ کرے اس لئے کہ وہ یہ دیکھ رہی تھی کہ نجات صرف اسی کے لئے ہے جو ان کی مذمت میں کتاب لکھے یا ان کے خلاف رائے دے یا ان کے عقیدہ پر طنز کرے یا ان کی ہجو میں شعر کہے یا ان کا دشمن مشہور ہو جائے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اہلِ قلم، علماء، شعراء سب آلِ محمدؐ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ بشار ابن برد نے خلیفہ عباسی کے سامنے یہ شعر پڑھ دیا "یہ ناممکن ہے کہ چچا کے بجائے لڑکی کی اولاد میں وراثت چلی جائے" اور اس پر ستر ہزار درہم انعام بھی لے لیا۔

ظاہر ہے کہ جب انعامات کی یہ ارزانی ہو تو صاحبانِ ضرورت اور بخیلی طبیعت کے عوام کس کس انداز سے ضمیر کی تجارت نہ کریں گے چنانچہ مروان ابن حفص نے مہدی کے سامنے یہ قصیدہ پڑھا۔ "کیوں تم لوگ آسمان کے چاند تاروں کی ہوس رکھتے ہو، کیوں اللہ کے قول اور جبرئیل کے پیغام کا انکار کرتے ہو۔ سورۂ انفال کی آخری آیت گواہ ہے کہ وراثت بنی عباس کا حق ہے۔ اب کیوں حق کو باطل کرنا چاہتے ہو۔" تو وہ مصلیٰ سے کود کر زمین پر آ گیا اور فرطِ مسرت سے یہ سوال کیا کہ اس

Presented by Ziaraat.Com

قصیدہ میں کتنے شعر ہیں؟ شاعر نے کہا سو۔ مہدی نے حکم دیا کہ اسے سو ہزار درہم دے دیئے جائیں۔ (تاریخ خطیب ۱۳ ۱۴۴)

ایک اور شخص رشید کی بزم میں آیا اور اس نے کہا کہ میں نے رافضیوں کی مذمت کی ہے۔ رشید نے شعر سننے کی خواہش کی۔ اس نے ایک شعر پڑھا۔ رشید نے اس کا مطلب پوچھا۔ اس نے مطلب بتانے سے انکار کیا لیکن بہرحال انعام پاگیا۔

مروان ابن ابی الجنوب متوکل کے دربار میں اولاد علیؑ کی مذمت میں شعر پڑھتا ہے تو اس کے سر پر سے تین ہزار دینار نچھاور کر دیئے جاتے ہیں۔ چار خلعت عطا ہوتے ہیں اور بحرین و یمامہ کی حکومت دے دی جاتی ہے۔

یہ وہ مناظر تھے جن سے حکومتِ وقت آلِ محمدؐ کا مقابلہ کر رہی تھی۔ اسے کیا خبر تھی کہ ان کا ذکر چھپ نہیں سکتا ہے۔ ان کے آثار مٹ نہیں سکتے ہیں۔ وہ ہدایت کے پرچم اور اصلاح کے داعی ہیں۔ ہر آزاد فکر اور باشعور دور میں ان کی یاد تازہ رہے گی۔

اہلِ انصاف سوچیں کہ ان حالات میں مذہبِ اہلبیتؑ کا عراق، حجاز، مصر، شام، اندلس، ہندوستان، ایران، بحرین، قطیف، پاکستان وغیرہ میں منتشر ہو جانا اس کی ذاتی صلاحیت اور داخلی قوت کے علاوہ کس بنیاد پر ہو سکتا ہے۔ جب کہ حکومتیں مقابلہ پر کمربستہ اور اس کے مٹا دینے پر آمادہ ہوں۔ ؎

وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

Presented by Ziaraat.Com

مذاہبِ اربعہ

نشر و ارتقاء کے عوامل و محرکات

Presented by Ziaraat.Com

تمہید

ا۔ مذاہب اربعہ کے ائمہ کی زندگی سے بحث کرنے سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ ان کی نشو ونما کے اسباب کیا تھے اور معاشرہ میں صرف انھیں کا مذہب کیوں رائج ہوگیا؟ ان کے علاوہ دوسرے صاحبانِ فکر و نظر کو استنباط کا کیوں حق نہ دیا گیا؟ فقہ و تشریع کا قافلہ انھیں کی چوکھٹ پر کیوں ٹھہر گیا؟ اجتہاد انھیں کے آستانہ کا دربان کیوں بن گیا؟ امت کی زندگی اور اس کی فکری حیات نے دم کیوں توڑ دیا؟

یہ تمام باتیں اسی وقت معلوم ہوسکتی ہیں جب اس ماحول کا جائزہ لے لیا جائے جس میں مذاہب کی تشکیل ہو رہی تھی اور نئے نئے احکام ڈھالے جا رہے تھے۔

اس کا سبب روحانی طاقت تھی یا سلطنت کا دباؤ؟ یہ مذاہب حکومتوں کی رسائی سے دور تھے یا معرضِ خطر میں؟ ان بزرگانِ دین نے اقتدار کا سر جھکا دیا تھا یا خود سپر انداختہ ہوگئے تھے؟ اموی نظام کے خلاف خفیہ ریشہ دوانیوں کی کامیابی کا اثر یہ ہوا کہ بنی عبّاس کا ستارہ چمک اٹھا۔ سیاست میں ان کا ایک مقام ہوگیا اور ہر انقلاب میں ان کو قیادت کا درجہ دے دیا گیا۔ بنی امیہ سے انتقام لینے اور اولادِ علیؑ سے محبّت کی آگ بھڑکانے میں فضا انھیں کے نعروں سے گونجی۔ انقلابات برپا ہوئے اور فاتح قوم میں اتحاد کی لہر دوڑ گئی۔ بنی امیہ صفحۂ وجود سے محو ہو گئے اور عباسیوں کو ان کی محنت کا پھل مل گیا۔

Presented by Ziaraat.Com

اب دل اس بات پر عمل اسٹے کہ آلِ محمدؐ کا عنوان اپنے اوپر منطبق کر لیا جائے تاکہ وراثت کی حکومت اور امت کا اعتماد حاصل کرنے میں سہولت ہو۔

ظاہر ہے کہ یہ فکر عرب اور وہ بھی مکہ مدینہ کے افراد کے لئے کسی طرح قابلِ قبول نہ تھی۔ وہ آلِ محمدؐ کی صحیح معرفت رکھتے تھے۔ قرآن کی آیتیں اور نبوت کا طرزِ عمل دیکھ چکے تھے۔ انھیں یہ معلوم تھا کہ بنی امیہ کے مظالم برداشت کرنے والے آلِ محمدؐ کون سے افراد تھے۔

یہی وجہ تھی کہ عباسیوں نے اپنی سیاست کا رُخ موالی اور عجم کی طرف موڑ دیا۔ صرف اس امید پر کہ آج حکومت کے استحکام کا ذریعہ صرف انھیں کو بنایا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد عرب کیا کریں گے۔ "عاقبت کی خبر خدا جانے"۔

۲۔ وہ دور جب مدینہ علم کا مرکز اور فتویٰ کا مصدر بنا ہوا تھا۔ اصحابِ رسولؐ، اہلبیتؑ اور تابعین کی ایک بڑی جماعت تھی جس کی طرف پوری امت اپنے مسائل میں رجوع کر رہی تھی اور جس کا ہر قول ایک لائحہ عمل کی تشکیل کر رہا تھا۔ بنی امیہ نے پہلے ہی تاڑ لیا کہ آج ساری امت مدینہ کو مرکزِ توجہ بنائے ہوئے ہے اور اسی کو اپنے مشکلات میں مشکل کشا تسلیم کر رہی ہے اس لئے حکومت کو بھی اگر کوئی خطرہ ہے تو اسی مدینہ سے ہے۔ چنانچہ انھوں نے فقہاء کی طرف رجوع کرنا شروع کر دیا اور ان کو بھی دولت کے زور پر کھینچنے لگے۔

عباسی دور میں علمی تحریک تیز تر ہو گئی اور یہ ہونا بھی چاہئے تھا کہ وہ امامت کو نبوت کا نچوڑ سمجھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ کافر حکومت کے خرابہ پر احکامِ دین اور سنتِ پیغمبرؐ کی عمارت کھڑی کریں گے۔

ادھر مسلمانوں نے حریت و آزادی کا احساس کرتے ہی اہلبیتؑ کے گرد اجتماع کر لیا تاکہ سرچشمۂ ہدایت سے استفادہ کر سکیں۔ اہلبیتؑ میں اس وقت سب سے زیادہ نمایاں شخصیت امام صادقؑ کی تھی اس لئے چاروں طرف سے طلابِ علم آپ کے پاس آنے لگے۔ آپ کے علوم اطرافِ عالم میں پہنچنا شروع ہو گئے اور اس طرح وہ تاریخی مدرسہ قائم ہو گیا جس میں چار ہزار افراد تعلیم پا رہے تھے۔

ظاہر ہے کہ یہ علمی فروغ اموی حکومت کے کھنڈر پر بلا کسی شرعی جواز کے قائم ہونے والی حکومت کو راس نہ آسکتا تھا کہ اس کی ریاست اولادِ علیؑ کے ہاتھ میں تھی اور بنی عباس نے ان کو

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

نہ چل سکی۔ اختلافات بڑھتے گئے۔ نزاع تیز تر ہوتی گئی اور علماء میں دو پارٹیاں بن گئیں۔ آپ خود غور کریں کہ نزاع کا ابتدائی انداز کیا تھا اور آخری انجام کیا ہوا۔ بات چلی تھی علم سے اور پہنچی سیاست تک۔

اب حکومت بھی کارآمد پارٹی کی تلاش میں لگ گئی اور اختلاف یہاں تک پہنچا کہ امام مالک ابن انس نے عراقیوں کے خلاف یہ اعلان کر دیا کہ ان کا حکم اہلِ کتاب کا سا ہے۔ (جامع بیان العلم ۲ ۱۵۷) اور جب محمد بن حسن شیبانی یہ سن کر ان کے پاس آئے تو انھوں نے ایک مرتبہ سر اٹھایا اور فرمایا کہ ہمارے اصحاب کا یہی قول ہے۔

عالم یہ تھا کہ آپ عراقیوں کو دیکھ کر یہ آیت پڑھا کرتے تھے: "کفار کی برائی ان کے چہرہ سے ظاہر ہے۔" (ضحی الاسلام ۲ ۱۵۲) اس دور میں کوفہ کا نام ٹکسال گھر پڑ گیا تھا۔ اس لئے کہ یہاں روایت ڈھالنے کا کاروبار تیزی سے چل رہا تھا۔ چنانچہ عطار نے ابوحنیفہ سے یہ کہا کہ تم اس قریہ کے رہنے والے ہو جہاں کے لوگوں نے دینی تفریق پیدا کی ہے۔ (تاریخ بغداد ۱۳ ۴۲۰) تعصب اس حد تک بڑھ گیا کہ اہل مدینہ پر گانے، اہل مکہ پر متعہ کرنے اور اہلِ کوفہ پر نبیذ نوشی کے طعن وطنز چلنے لگے۔ ہر جماعت نے اپنی قوم اور اپنے شہر کے لئے روایتیں گڑھنا شروع کر دیں۔ ظاہر ہے کہ اس نزاع میں کوفہ حجاز کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا لیکن سیاستِ وقت کی مصلحت یہی تھی کہ وہ اہلِ رائے کو اہمیت دے۔ ان کی محبت میں نہیں بلکہ اہلِ مدینہ کی عداوت میں۔

اب ہر پارٹی کے اصحاب وانصار پیدا ہو گئے۔ اہلِ حدیث کے سربراہ مالک بن انس اور ان کے انصار میں سفیان ثوری وغیرہ تھے۔ اور اہلِ رائے کے لیڈر ابوحنیفہ اور ان کے ساتھی عراقی فقہاء۔ شافعی نے مالک سے استفادہ کیا اور احمد نے شافعی سے۔ شافعی تو یہاں تک کہتے تھے کہ اگر میری رائے کے خلاف کوئی روایت مل جائے تو یہ سمجھو کہ وہ روایت ہی میرا مذہب ہے۔ ان کے اصحاب اسمٰعیل بن یحییٰ، ربیع بن سلیمان، حرملہ بن یحییٰ، ابویعقوب بویطی، ابن صباح، ابن عبدالحکم مصری اور ابوثور وغیرہ تھے۔

اصحابِ رائے میں ابوحنیفہ نعمان بن ثابت اور ان کے اصحاب محمد بن حسن شیبانی، قاضی ابو یوسف، زفر بن ہذیل، حسن بن زیاد، ابومطیع بلخی، بشر مریسی وغیرہ تھے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ شریعت

Presented by Ziaraat.Com

ایک عقلی چیز ہے۔ اس کے کچھ اصول ہیں جن کی بنیاد پر کتاب وسنت کا اعتبار بھی قائم ہے۔ لہٰذا اپنی رائے سے ہر وقت فتویٰ دیا جا سکتا ہے۔ یہ لوگ احکام کے بجائے اس کے علل و اسباب تلاش کرتے تھے۔ اور اگر کوئی روایت ان کے فرض کئے ہوئے اصول کے خلاف ہو گئی تو اسے رد کر دیتے تھے۔ غرض اس طرح اہلِ حدیث و اہلِ رائے یا اہلِ مدینہ و کوفہ کے عنوان سے۔ امت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ حالانکہ اہلِ عراق حدیث میں مدینہ والوں سے کسی طرح بھی مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ ان کا سارا کاروبار رائے و قیاس پر چل رہا تھا۔ اور یہی ان کی علمی تحریک کا فروغ و نشاط تھا۔

علمی تحریکات کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اور ہر شہر میں ایک بانیٔ مذہب امام پیدا ہو گیا۔ یہ اور بات ہے کہ مقدر نے بقاء و دوام ہر ایک کی قسمت میں نہیں لکھا تھا اس لئے اکثریت فنا کے گھاٹ اتر گئی اور باقی ماندہ تاریخ کا شاہکار بن گئے۔ انھیں اپنے معاصرین پر فوقیت ملنے لگی اور وہ ریاست نصیب ہو گئی کہ فقہ کے قافلہ نے ان کے زیر سایہ پناہ لی۔ استنباط ان کی چوکھٹ پر آکر ٹھہر گیا اور اب مالکی، حنفی، شافعی، حنبلی، صرف چار ہی مذہب رہ گئے۔

صفحۂ وجود سے مٹ جانے والے مذاہب کی تفصیل یہ ہے :۔

مذہب سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ھ۔

مذہب سفیان بن عیینہ متوفی ۱۹۸ھ۔

مذہب حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ۔

مذہب اوزاعی متوفی ۱۵۷ھ۔

مذہب محمد بن جریر متوفی ۳۱۰ھ۔

مذہب عمر بن عبد العزیز متوفی ۱۰۱ھ۔

مذہب اعمش متوفی ۱۴۸ھ۔

مذہب شعبی متوفی ۱۰۵ھ۔

مذہب اسحٰق متوفی ۲۳۸ھ۔

مذہب لیث متوفی ۱۷۵ھ۔

مذہب ابی ثور متوفی ۲۴۰ھ۔

Presented by Ziaraat.Com

[illegible]

Presented by Ziaraat.Com

نہ ہوتی تو مروانی حکومت زندہ درگور ہو جاتی اور اسے اس کے آشیانہ میں کبھی پناہ نہ ملتی" حدیثوں میں میل آپ کا خاص شغلہ تھا۔ بنی امیہ کی سیاست سے ہم آہنگی کا نتیجہ یہ تھا کہ حضرت علیؑ کا نام نہ لیتے تھے اور ان کی روایتیں ابوزینب کے نام سے نقل کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت علیؑ کے بارے میں گستاخی کی تو ابان بن عیاش نے ٹوک دیا۔ کہنے لگا کہ میں حکومت سے اپنی جان بچانے کے لئے یہ باتیں کرتا ہوں۔

سوچنے کی بات ہے کہ ایک امام مذہب کبھی تقیہ کو اس انداز سے استعمال کرتا ہے معتزلی مذہب کی بنیادیں آپ ہی کی مجلس سے شروع ہوئی تھیں۔

اوزاعی ـــــ شامیوں کے امام عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی۔ شام میں ان کا مذہب اتنا ہی عام تھا جتنا حجاز میں مالک اور عراق میں ابوحنیفہ کا مذہب تھا۔ شام کے بعد اندلس میں شہرت ہوئی لیکن محمد ابن عثمان شافعی کے قاضیٔ دمشق ہونے کے بعد ہی مذہب شافعی نے اس کی جگہ لے لی۔ اوزاعی کا مذہب ۳۰۲ھ تک باقی رہا۔ بنی امیہ کی نظر میں اس کا اچھا خاصا وقار تھا۔ اس لئے کہ حکومت ایسے ہی اشخاص کی تلاش میں رہتی تھی جو سیاست کو مذہب کا رنگ دے سکیں۔ عباسی دور میں بھی ان کی اہمیت باقی رہی اس لئے کہ حکومت کو اہلِ شام کی مخالفت سے خطرہ تھا منصور بھی آلِ محمدؐ سے انحراف کی بنیاد پر ان کی کافی قدر کرتا تھا۔ ان کی علمی صلاحیت کا سکہ جما ہوا تھا کہ امام مالک آپ کو ابوحنیفہ اور سفیان ثوری پر ترجیح دیتے تھے۔ ان کا انتقال بھی حمام میں پیش آیا اور وہ بھی زوجہ محترمہ کی آتش فشانی سے۔

ابن جریر طبری ـــــ ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید بن خالد بن غالب طبری ۲۲۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۶ شوال ۳۱۰ھ کو بغداد میں رحلت فرمائی۔ بڑے زبردست مجتہد تھے۔ ابن طراز کے خاص مریدوں میں تھے۔ محمد بن اسحٰق بن خزیمہ کو روئے زمین کا سب سے بڑا عالم سمجھتے تھے۔ خطیب بغدادی کی نظر میں یہ کتابِ خدا کے حافظ، قرآن کے معنی و مطالب کے عارف، احکام خدا کے فقیہ، سنّتِ پیغمبرؐ کے عالم صحیح و ضعیف، ناسخ و منسوخ سے واقف، صحابہ و تابعین کے ارشاد سے باقاعدہ باخبر تھے۔

ظاہری ـــــ ابوسلیمان داؤد بن علی بن خلف ظاہری۔ ۲۰۲ھ میں کوفہ میں پیدا

Presented by Ziaraat.Com

ہوئے۔ بغداد میں نشو ونما ہوئی۔ اور وہیں ۲۷۰ھ میں رحلت فرمائی۔ ظواہر پر عمل کرنے کا خاص شوق تھا۔ ساتویں صدی تک یہ مذہب چلتا رہا جس کے بزرگوں میں عبدالحق اشبعلی متوفی ۵۸۱ھ۔ محمد بن حسین میورقی۔ مجدالدین عمرو بن حسن محدث متوفی ۶۳۳ھ۔ محمد بن حزم صاحب کتاب الفصل و کتاب المحلی تھے۔ ابن حزم زبردست حافظہ کا مالک اور متعدد کتابوں کا مصنف تھا۔ علماء پر طعن و طنز اور بدزبانی میں کامل مہارت رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ مشہور ہو گیا تھا کہ ابن حزم کی زبان اور حجاج کی تلوار دو بہنیں ہیں۔

ابن عربی کا کہنا ہے کہ یہ شروع میں شافعی تھا۔ پھر ظاہری کے مذہب میں آیا اور آخر میں مستقل امام بن بیٹھا۔ (تذکرۃ الحفاظ ۳ ۳۲۳) ظاہری مذہب نے بہت زیادہ شہرت پیدا کی۔ اور یعقوب بن یوسف کے والئ مغرب ہونے کے بعد اس کا دائرہ وسیع تر ہو گیا۔ یعقوب شروع میں مالکی تھا لیکن بعد میں ظاہری ہو گیا اور ہر شخص کا فریضہ ہو گیا کہ ظاہری مذہب اختیار کرے۔ فقہاء کی زبانیں بند ہو گئیں۔ سطوت سلطانی نے کام و دہن میں قفل ڈال دیئے۔ مذہب مالکی کی ساری کتابیں مثل مدونہ سحنون، کتاب ابن یونس، نوادر ابن ابی زید، تہذیب بردعی سب جلا دی گئیں۔ مقدسی نے اپنی کتاب احسن التقاسیم میں ظاہری مذہب کو پانچواں مذہب شمار کیا ہے۔

لیث بن سعد ـــ ۹۴ھ میں متولد ہوئے اور ۱۵ شعبان ۱۷۵ھ میں انتقال کر کے قرافہ میں دفن ہوئے۔ شافعی ان کو مالک سے زیادہ فقیہ سمجھتے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ آپ کا مذہب نہ چل سکا۔ ابن وہب شافعی سے لیث کے مسائل پڑھتے تھے۔ ایک مسئلہ میں ایک شخص نے مالک اور لیث کا موازنہ کیا تو ابن وہب نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے لیث سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا ہے۔ اہل مصر حضرت عثمان کی مذمت کرتے تھے۔ لیث نے ان کے درمیان حضرت عثمان کے فضائل نشر کئے لیکن مقدر میں بقا نہ تھی اس لئے مذہب نہ چل سکا۔

استاد احمد امین کا کہنا ہے کہ کاش اہل مصر اپنے علماء اور مفکرین کی قدر کرتے لیکن افسوس کہ گھر کی مرغی دال برابر! درحقیقت لیث کے مذہب کی ناکامیابی کا راز یہ تھا کہ انھوں نے حکومت وقت سے ساز باز نہیں کی منصور نے قضاوت کے لئے بلایا تو نہ خود گئے نہ اپنے کسی شاگرد کو بھیجا۔ حالانکہ درحقیقت یہی عہدہ مذہب کی بقاء کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ ان کی رشید سے

Presented by Ziaraat.Com

ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا کہ تمھارے شہروں میں مصلحت کس بات میں ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ نیل کے بہاؤ اور امیر کی شرافت میں۔ اس لئے کہ کدورت چشمہ ہی سے آتی ہے۔ اگر سرچشمہ صاف ہوگا تو پانی بھی صاف ہی ملے گا۔

نجوم زاہرہ میں لیث کو مصر والوں کا رئیس و امیر اور تمام حکام کا حاکم تصور کیا گیا ہے۔ امام شافعی کو آپ کی ملاقات نہ ہونے کا بے حد افسوس تھا۔

عمر بن عبد العزیز ـــــ جلیل القدر تابعی تھے۔ انس بن مالک وغیرہ سے روایت کرتے تھے اور بنی امیہ میں سب سے زیادہ معقول آدمی تھے۔ آپ کی زندگی کا مفصل تذکرہ سابق میں ہو چکا ہے لیکن آپ کے مذہب کی تفصیلات تاریخ کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔

اعمش ـــــ سلیمان بن مہران اعمش کوفی متوفی ۱۴۸ھ۔ ان کا مقابلہ زہری جیسے بزرگوں سے ہوتا تھا۔ انھوں نے انس بن مالک کو دیکھا ضرور ہے لیکن ان سے حدیث نہیں سنی ہے بلکہ ان کے اصحاب کے ذریعے ان سے روایت کی ہے۔ انتہائی پر لطف اور مزاح پسند تھے۔ سفیان و شعبہ وغیرہ ان سے حدیثیں نقل کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ابو حنیفہ آپ کی عیادت کو گئے۔ کافی دیر تک بیٹھے رہے۔ اٹھتے وقت معذرت کی کہ میں آپ کے لئے کافی گراں بار ثابت ہوا۔ تو اعمش نے جواب دیا کہ آپ میری نظر میں اپنے گھر میں رہ کر بھی گراں بار ہی رہتے ہیں۔

ایک دوسری جماعت عیادت کے لئے آگئی، وہ بھی کافی دیر بیٹھ گئے۔ آپ کو غصہ آگیا اپنا تکیہ سنبھالا اور یہ کہتے ہوئے چل دیئے کہ خدا آپ لوگوں کے مریض کو عافیت کے ذریعہ شفا دے۔

عاشور محرم کے دن پیدا ہوئے اور ۱۴۸ھ میں جس سال امام جعفر صادقؑ کا انتقال ہوا اسی سال رحلت کی۔ معارف ابن قتیبہ میں ہے کہ صرف سات مہینے شکم مادر میں رہے۔

شعبی ـــــ ابو عمر۔ عامر بن شرجیل متوفی ۱۰۵ھ۔ اپنے ہی قول کے مطابق پانچ سو صحابہ کرام کے ساتھ رہے۔ کوفہ کے محدث اور عمر بن عبد العزیز کے قاضی تھے۔ رائے اور قیاس سے کنارہ کشی کرکے روایتوں کی بنیاد پر فتویٰ دیتے تھے اور اسی فتوی کے طفیل بانی مذہب قرار پاگئے تھے۔

یہ بعض افراد تھے جن کے مذہب کو اہمیت دی گئی ہے ورنہ ایسے مذہب تو پچاس سے

Presented by Ziaraat.Com

بھی کہیں زیادہ ہیں۔ ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ ہم ان مذاہب کی تحقیق کریں یا ان کی تاریخ لکھیں۔ ہمیں تو صرف ان اسباب کی تلاش کرنا ہے جن کی بنا پر یہ مذاہب صفحۂ ہستی سے مٹ گئے اور سارا دین چار ہی مذہبوں میں منحصر ہو گیا۔ جب کہ دیگر مذاہب کے علماء بھی خاصی اہمیت کے مالک تھے۔ بلکہ بعض تو چاروں سے بڑے عالم تھے جیسے سفیان ثوری کہ جو شعبہ اور ابو عاصم کی نظر میں سید الحفاظ اور حدیث کے امیر المومنین تھے۔ ابن مبارک کے نزدیک ہزار شیوخ احادیث سے بہتر تھے۔ قطان کی نظر میں مالک سے بلند درجہ کے مالک تھے لیکن اس کے باوجود مذاہب چار ہی رہ گئے اور ان سب کا نام و نشان تک مٹ گیا۔

کیا کہنا اہلبیتؑ کے چاہنے والوں کا کہ ان کے اصول و فروع، ان کے عقائد و مسلمات نہ سیاست سے مرعوب ہو سکے اور نہ حکام کی دخل اندازی کو قبول کر سکے۔ مذہب میں تقیہ ضرور کیا حکومت وقت کی بعض اوقات کھلی ہوئی مخالفت نہیں کی لیکن یہ سب بھی ایک خاص مصلحت کے تحت تھا۔ وہ یہ جانتے تھے کہ مذہب کو خون بہانے سے زیادہ خون بچانے کی ضرورت ہے۔ یہ وقت اس کے ضعیف و ناتواں جسم میں خون پہنچانے کا ہے خون نکالنے کا نہیں ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

مذاہب کی شہرت کے اسباب

Presented by Ziaraat.Com

مذہبِ حنفی

چونکہ بنی عباس کی حکومت کی بنیاد پیغمبرؐ اسلام سے رشتہ داری پر قائم تھی۔ اور ان کا خیال یہ تھا کہ خاندانی قرابت کی بنا پر ہم بنی امیہ جیسے دشمنانِ اسلام اور اعدائے رسالت سے زیادہ حکومت کے مستحق ہیں اس لئے فطری طور پر ان کی یہ خواہش تھی کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جس میں دین و دولت، مذہب و حکومت کا چولی دامن کا ساتھ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ ان لوگوں نے علماء سے تعلقات پیدا کئے۔ اربابِ دیانت کو مقربِ بارگاہ بنایا۔ عراق کے اہلِ رائے منصب قضاۃ پر فائز کئے گئے۔ ابویوسف کو قاضی القضاۃ بنایا گیا اور یہی وہ بات تھی جس سے حنفی مذہب نے بے انتہا شہرت حاصل کرلی۔ ابویوسف، ابوحنیفہ کے شاگرد اور ان کے تربیت یافتہ تھے۔ رشید کے زمانہ میں ۱۷۰ھ میں قضاوت عام کے منصب پر فائز ہوئے اور پھر سارا عراق، خراسان، شام اور مصر انھیں کے اشاروں پر رقص کرنے لگا۔ (خطط مقریزی ج ۲ ص ۱۴۴)

رشید کا یہ عالم تھا کہ وہ ابویوسف سے کہا کرتا تھا کہ اگر میرے امکان میں ہوتا تو تمھیں اپنے نسب اور اپنی خلافت دونوں میں شریک کرلیتا اس لئے کہ تم اس کے اہل ہو۔ (مکافات ابن دایہ ص ۱۳) اس محبت کا سبب یہ تھا کہ ہادی نے ایک مرتبہ رشید کو معزول کرنے کا ارادہ کیا اور اس سلسلہ میں ابویوسف سے مشورہ کیا تو ابویوسف نے اس رائے کی مخالفت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض مورخین کی رائے کے مطابق کوئی عالم کسی بادشاہ پر اس انداز سے مسلط نہیں ہوا جس طرح کہ ابویوسف کو رشید پر تسلط حاصل ہوا۔

Presented by Ziaraat.Com

بشر مریسی کا کہنا ہے کہ میں نے سلطنت کے کسی مرتبہ کی کوئی خواہش نہیں کی سوائے اس ایک مرتبہ کی جس پر ایک رات میں ابو یوسف کو فائز دیکھا تھا۔ (مکافات ص ۶۲-۶۳) احمد بن یوسف کاتب کا خیال ہے کہ ابو یوسف رشید کے ساتھ اس منزل پر تھے جس پر نہ کوئی عالم پہنچا ہے نہ معشوق۔ (مکافات ص ۱۱۶ و ص ۱۷۳)

ابن عبد البر نے انتقار کے ص ۶ پر یہ لکھا ہے کہ ابو یوسف، مہدی، ہادی اور رشید تینوں کے دور میں قاضی القضاۃ رہے۔ رشید ان کا بے حد احترام کرتا تھا اور اسی احترام و اقتدار کا اثر تھا کہ انھوں نے مذہب حنفی کو شہرۂ آفاق بنا دیا۔

جب ہم اس مذہب کی بنیادی طاقتوں کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ترقی ان چار آدمیوں کی ممنونِ احسان ہے جنھوں نے ان کے مسائل کو مرتب کیا تھا۔ ابو حنیفہ تو صرف کبھی کبھی ان لوگوں کے شریک ہو جایا کرتے تھے۔

ان میں پہلے ابو یوسف ہیں جنھوں نے ترویج مذہب کے لئے کتابیں لکھیں، مسائل مرتب کئے، فقہ حنفی میں حدیثوں کو داخل کیا اور ہارون رشید کے لئے مالکی مذہب کے مطابق کتاب الخراج تالیف کی۔

دوسرے محمد بن حسن شیبانی متولد ۱۳۲ھ متوفی ۱۸۹ھ۔ کوفہ میں پیدا ہوئے۔ عباسی حکومت کے زیر سایہ پروان چڑھے اور ابو حنیفہ کو دیکھا مگر کم سنی کی وجہ سے ان سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ ابو یوسف سے مسائل سیکھے اور اپنی ذہانت و ذکاوت کی وجہ سے اہلِ رائے کے مرجع بن گئے۔ مذہب میں کچھ کتابیں تالیف کیں جو آج تک احناف کا قدیم سرمایہ ہے۔ مدینہ میں مالک سے موطا پڑھی اور گھر آکر اپنے مذہب کو موطا پر منطبق کیا۔ خود ابو حنیفہ سے بھی اکثر مسائل میں اختلاف کیا ہے۔

تیسرے زفر بن ہذیل متولد ۱۱۰ھ تھے جن کا شمار اہلِ حدیث میں بھی تھا، اور اصحاب ابو حنیفہ میں سب سے زیادہ قیاس بھی کرتے تھے۔

چوتھے حسن بن زیاد لولوئی تھے جنھوں نے ابو حنیفہ، ابو یوسف اور محمد تینوں کی شاگردی کی مذہبی کتابیں بھی لکھیں لیکن احناف کے نزدیک شیبانی جیسا اعتبار نہ پیدا کر سکے۔

یہی چار افراد ہیں جو حنفی مذہب کے عناصر اربعہ کہے جا سکتے ہیں کہ تاریخ نے فقہ و مسائل کے

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

سلسلہ میں خود ابو حنیفہ کی کسی کتاب کا پتہ نہیں دیا ہے۔ صرف عقائد میں ایک کتاب فقہ اکبر تھی جس میں صرف چند ورق تھے اور بعد میں کافی اضافات کئے گئے۔ جب کہ اکثریت کا خیال یہ ہے کہ یہ بھی ابو حنیفہ بخاری کی کتاب ہے نہ کہ امام ابو حنیفہ کی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ خود ابو حنیفہ کا اپنے مذہب کی نشر و اشاعت میں کوئی ہاتھ نہیں تھا بلکہ ان کے فتوی کبھی ابراہیم اور عبدالرزاق سے عام طور پر ہم آہنگ ہوا کرتے تھے۔ (ان چاروں حضرات کی امتیازی صفت یہ ہے کہ ابو یوسف کو ابن مبارک نے مہمل، یزید بن ہارون نے ناقابلِ برداشت اور غاصب قرار دیا ہے۔

شیبانی کو یحییٰ بن معین نے جھوٹا، مرہ نے کذاب اور منصور ابن خالد نے بے اعتبار قرار دیا ہے۔ (لسان المیزان ۵ ۱۲۱، وفیات الاعیان)

حسن بن زیاد کو یحییٰ بن معین اور ابو داؤد نے جھوٹا، ابن مدینی نے بے اعتبار، ابو حاتم نے غیر موثق، دارقطنی نے ضعیف و متروک، محمد بن حمید رازی نے بدنما، خطیب نے نافہم، وکیع نے بے برکت اور منحوس قرار دیا ہے۔ ع مذہب معلوم و اہلِ مذہب معلوم)

مذہبِ مالکی

اہلِ عراق و اہلِ مدینہ یعنی اہلِ حدیث و اہلِ رائے کے باہمی اختلاف کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابوحنیفہ کا نام عراق میں چمک گیا اور مالک کا نام حجاز میں۔

حکومت سراسر ابوحنیفہ کی حامی تھی اور عجم کو عرب سے آگے بڑھا رہی تھی۔ اسی لئے مالکی حضرات کو ہر آن حکومت سے خطرہ لگا رہتا۔ امام مالک امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد ہونے کے علاوہ اولادِ علیؑ کی طرف میلان بھی رکھتے تھے۔ جناب محمد کے ساتھ انقلاب کو واجب قرار دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی توہین بھی کی گئی اور ان کو تکلیفیں بھی پہنچائی گئیں اور اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک جماعت ان کی ہمدرد بن گئی اور اس طرح معاشرہ میں انھیں بہت بڑا درجہ مل گیا۔ حکومت کو ضرورت محسوس ہوئی کہ ان پر بھی نظرِ عنایت کرے تاکہ ان کے ذریعہ سے بھی عوام پر اقتدار مستحکم ہو سکے۔ چنانچہ امام شافعی کا بیان ہے کہ جب وہ مدینہ پہنچے اور والیٔ مکہ کا خط والیٔ مدینہ کا نام جس میں شافعی کی سفارش اور ان کے مالک تک پہنچا دینے کا ذکر تھا، والیٔ مدینہ کو دیا تو اس نے پڑھ کر کہا کہ مدینہ سے مکہ تک پیدل چلا جانا میرے لئے آسان ہے لیکن مالک بن انس کے دروازہ پر جانا مشکل ہے۔ میں اسے اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ شافعی نے کہا کہ اگر مناسب سمجھیں تو انھیں کو بلا لیجئے۔ والیٔ مدینہ نے کہا یہ نہیں ہو سکتا ہے۔ میں مع اپنے اصحاب کے خود جاؤں تو شاید کام ہو جائے۔ غرض شام کے وقت سب گئے۔ وہاں پہنچ کر ایک شخص نے زنجیر کھٹکھٹائی تو ایک سیاہ فام کنیز نکلی۔ امیر نے اس سے کہا اپنے مولا کو میرے آنے کی خبر کر دو۔ وہ اندر گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد آئی اور کہنے لگی کہ آقا نے بعد سلام

Presented by Ziaraat.Com

یہ کہا ہے کہ اگر کوئی مسئلہ ہے تو پرچے پر لکھ کر بھیج دو اور اگر کوئی حدیث ہے تو نشست کے وقت آنا۔ امیر نے کہا کہ میرے پاس والی کا بہت ضروری خط ہے۔ کنیز اندر گئی اور ایک کرسی لے آئی۔ اب امام مالک گھر سے برآمد ہوئے تو ان کے چہرہ سے جلالت کے آثار نمایاں تھے۔ (معجم الادبار ۱۷، ۲۷۵)

مالک کے حالات دونوں دور میں مختلف نظر آتے ہیں۔

ایک دور وہ تھا جب ان پر حکومت کا عتاب تھا۔ انھیں کپڑے اتروا کر ۷۰ کوڑے لگوائے جاتے تھے اور ایک دور یہ ہے کہ حاکم میں بات کرنے کی جرأت نہیں ہے۔ اسی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیاست کی روش مذہب کے ساتھ ایک نہیں رہتی ہے بلکہ ہر شخص ارباب مذہب پر قابو پانے کے لئے نیا طریقہ اختیار کرتا ہے۔

مالک کا ستارہ عباسی افق پر چمک گیا اور اب ان کی شخصیت ربیعہ جیسے استادوں سے بھی آگے بڑھ گئی۔ عباسیوں نے انھیں مرجع خلائق بنا دیا، لیکن حکومت کی یہ مہم بھی اس وقت ناکام ہوگئی جب منصور نے ان سے ایک ایسی کتاب لکھنے کا تقاضا کیا جس پر لوگوں کو زبردستی عمل کرایا جائے۔ اور انھوں نے انکار کر دیا۔ منصور نے یہ کہا کہ یہ کتاب تمھیں لکھنا پڑے گی۔ اس لئے کہ تم سے زیادہ اعلم کوئی نہیں ہے۔ جس پر انھوں نے موطا لکھ دی۔ (شرح موطا زرقانی ۱ ص) ظاہر ہے کہ اس اعلمیت کا کیا اثر ہونا چاہئے اور امت اس سے کیوں کر منحرف ہو سکتی تھی۔ ادھر عامل مدینہ کو رشید کا یہ حکم تھا کہ بغیر مالک کے کوئی کام نہ کریں اور خود بھی مالک کے سامنے زمین پر بیٹھ کر حدیث سنا کرتا تھا۔ (مناقب مالک) ظاہر ہے کہ مالک کی شہرت کی کیا انتہا ہو سکتی ہے۔ جب حج کے زمانہ میں بادشاہ کا منادی یہ ندا دے رہا ہو کہ فتویٰ دینے کا حق صرف مالک کو ہے۔ اب انھیں کی شخصیت ہے، انھیں کی ہیبت ہے، انھیں کے گرد اجتماع ہے اور انھیں کی طرف تقرب کی خواہش تمام ہو رہی ہے۔ حدیث کے لئے وقت اور دن مقرر ہو گیا ہے۔ کاتب مسائل سنا رہا ہے۔ نہ کسی میں قریب آنے کی جرأت ہے نہ کتاب دیکھنے کی ہمت ہے اور نہ بات کرنے کی طاقت ہے۔ اعتراض تو بہت بڑی بات ہے۔

اسمٰعیل فزاری کا بیان ہے کہ میں نے مالک سے احادیث کا مطالبہ کیا تو انھوں نے بارہ حدیثیں بیان کیں۔ میں نے مزید خواہش کی تو اپنے سرہانے کھڑے ہوئے حبشیوں کو اشارہ کیا۔ انھوں نے مجھے گھر سے نکال دیا۔ (انتقاء ۲، ۴۲)

Presented by Ziaraat.Com

اس مقام پر مالک کے بارے میں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ انھوں نے احادیث پیغمبر اور ارشادات شریعت کے بیان کرنے میں بخل سے کام کیوں لیا۔ ان جیسے حضرات کے لئے یہ بات انتہائی عجیب ہے۔

ابوبکر بن عبداللہ صنعانی کا بیان ہے کہ میں امام مالک کے پاس آیا۔ انھوں نے ربیعہ کی روائتیں بیان کیں۔ میں برابر زیادتی کا مطالبہ کرتا رہا۔ ایک دن کہنے لگے کہ تمھیں ربیعہ سے کیا کام ہے۔ وہ دیکھو اس کمرے میں سو رہا ہے۔ میں ربیعہ کے پاس آیا اور میں نے کہا کہ امام مالک تو تمھارے ذریعہ سے مزے اڑا رہے ہیں۔ اور تمھاری یہ حالت ہے۔ ربیعہ نے جواب دیا کہ دولت کا ایک ذرہ علم کے ایک بوجھ سے بہتر ہوتا ہے۔ (طبقات الفقہا، ابن اسحٰق ص۱۲۳) بہرحال مقدر نے امام مالک کا ساتھ دیا۔ ان کو عظمت حاصل ہوئی، ان کا مذہب مقبول ہوا اور ان کی کتاب کو ایک درجہ مل گیا۔ یہاں تک کہ یہ بھی مشہور ہو گیا کہ زمین پر کتاب خدا کے بعد مالک کی کتاب سے بہتر یا قرآن سے قریب تر کوئی اور کتاب نہیں ہے۔

مذہب مالکی کی شہرت بھی قاضیوں اور بادشاہوں کے طفیل میں ہوئی۔ اندلس میں بادشاہ نے صرف اس بنیاد پر اسے قانونی مذہب بنا دیا کہ امام مالک بادشاہ کی مدح کیا کرتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ جب حکومت کسی بات کے منوانے پر اتر آئے تو اس کی شہرت اور ہمہ گیری میں کیا شک ہو سکتا ہے۔

قاضی سحنون نے اس مذہب کو افریقہ میں پھیلایا۔ چنانچہ مقریزی کا بیان ہے کہ المعز بادیس کے حاکم ہوتے ہی تمام اہل افریقہ مذہب مالکی کے قبول کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس لئے کہ ہر ایک کا فائدہ بادشاہ کی خوشی سے وابستہ تھا اور حکام سب کے سب اسی مذہب کے پابند تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ مذہب اپنی ذاتی صلاحیت کی بنا پر مشہور نہیں ہو سکا بلکہ اس کی شہرت کا اہم سبب اندلس کے حکام کا جبر و تشدد اور افریقہ کی رعایا کی حرص و طمع تھی، جہاں روحانیت کا کوئی تصور نہ تھا۔

بنی تاشفین پانچویں صدی میں اندلس کے حاکم ہوئے۔ اور ان کا دوسرا بادشاہ علی بن یوسف بن تاشفین تخت پر بیٹھا تو اس نے فقہا کی بڑی عزت کی لیکن انھیں کو مقرب بنایا جو مذہب مالکی سے واقف تھے۔ اب اس مذہب کی کتابیں اس قدر مشہور اور اہم ہو گئیں کہ کتاب و سنت کو بھی نظر انداز کر دیا گیا۔

Presented by Ziaraat.Com

سیاست کی ایک چال یہ بھی تھی کہ اس نے ایسی باتوں میں دخل اندازی کی جس سے اس کو الگ رہنا چاہئے تھا اس لئے کہ شاہی احکام کے بعد امت اپنے مصالح و مفاسد کو سوچنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حنفی مذہب کی طرح مالکی مذہب بھی کافی مشہور ہو گیا۔ اور اگر کہیں پر ٹھپ ہوتا ہوا نظر آیا تو قضا دتوں نے فوراً بر وقت کمک پہنچائی۔ ایک زمانہ میں مدینہ میں یہ مذہب بجھنے لگا تو ابن فرحون کی قضادت نے فوراً روشن کر دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مذاہب کے اشتہار میں اعتقاد وحقیقت کو کم دخل تھا اور زمانہ کو زیادہ۔ امت کے ضعیف، صاحبانِ قوت کی تقلید کرتے تھے اور ذاتی معرفت اور شخصی اہلیت سے بے بہرہ تھے۔ سلطنت بھی اپنے کو دینی رنگ دینا چاہتی تھی۔ حکام بھی دنیا سے مغلوب ہو چکے تھے اس لئے اب جو نہ ہو جاتا کم تھا۔

ابن حزم کا بیان ہے کہ دو مذہب ابتدا میں صرف ریاست وحکومت سے پھیلے۔ مذہب حنفی ابو یوسف کی قضاوت سے اور مذہب مالک اندلس میں یحییٰ بن یحییٰ کے تقرب سے، جب کہ قاضیوں کا انتخاب بھی انھیں ارباب مذہب کے مشورہ سے ہوتا تھا۔ اور لوگ بھی دنیاداری کی خاطر اپنے کو وہی رنگ دے لیا کرتے تھے۔ (ابن خلکان ۲ ۱۱۶)

محدث دہلوی کا کہنا ہے کہ جس مذہب کے اصحاب مشہور صاحب قضا و فتویٰ، مصنف و مدرس ہوتے تھے وہ مشہور ہو جاتا تھا اور جس مذہب کے اصحاب گمنام، گوشہ نشین، عزلت گزین ہوتے تھے وہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد فنا ہو جاتا تھا۔ یہی تمام علماء و مورخین کا اتفاقی فیصلہ ہے اور اسی لئے مشہور ہے کہ لوگ بادشاہ کے دین پر ہوتے ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

مذہبِ شافعی

ابتدا میں اس کا سلسلہ مصر سے شروع ہوا، اس کے بعد بغداد و خراسان تک پہنچ گیا۔ ۳۰۰ھ کے بعد افریقہ و اندلس تک رسائی ہوگئی۔ ایوبی دورِ حکومت میں شہرت ہمہ گیر ہوگئی اس لئے کہ اس کی حکومت نے شافعی ہونے کے رشتہ سے فقہاء کے لئے مدرسے بنوائے اور منصبِ قضاوت انھیں کو سونپ دیا۔

فاطمیین کے دور میں مصر پر شیعیت غالب تھی۔ اس کی تعلیم جامعہ ازہر وغیرہ میں ہوتی تھی۔ صلاح الدین نے اپنے دور میں اس تعلیم کو بند کرا کے شافعی، ابو حنیفہ اور مالک کے مذہب کو زندہ کیا۔ ان کے لئے مدرسے بنوائے اور اوقاف کے ذریعہ لوگوں کو مدرسوں کی طرف کھینچ لیا۔

صلاح الدین کے بعد یہ مذہب روز بروز بڑھتا گیا۔ ابتدا میں جب یہ مصر آیا تو مذہب مالکی سے ٹکراؤ ہوا۔ مالکیوں نے کافی زور لگایا لیکن بنی [illegible] سے یہ مذہب کامیاب ہو گیا۔ عبداللہ بن حکم مالکی مذہب کے بہت بڑے عالم و رئیس تھے لیکن جب شافعی وہاں پہنچے تو ان کا کافی احترام کیا۔ یہاں تک کہ ان کا انتقال بھی انھیں کے گھر میں ہوا اور اس کے اثر سے عبداللہ نے انھیں کا مذہب قبول کرلیا اور امام شافعی رشید کا سفارشی خط بھی والیٔ مصر کے نام لائے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ شافعی ۱۹۸ھ میں عبداللہ بن عباس عباسی امیرِ مصر کے ساتھ آئے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصر کے اعیان و زعماء سب آپ کے ہم خیال ہوگئے اور آپ کے مذہب کو کافی مدد مل گئی۔

Presented by Ziaraat.Com

مذہبِ حنبلی

یہ مذہب بغداد میں ظاہر ہوا اور باہر بہت کم نکل سکا۔ ساتویں صدی میں مصر میں چند افراد سے شروع ہوا لیکن عبداللہ بن محمد حجازی کے قاضی ہو جانے سے ۷۳۸ھ میں وہاں کافی شہرت پیدا کرلی۔ ابن خلدون کا بیان ہے کہ احمد بن حنبل کے مقلدین کی کمی کا سبب یہ ہے کہ وہ اجتہاد بہت کم کرتے تھے۔ صرف روایتوں میں جوڑ توڑ کیا کرتے تھے۔ ان کے اکثر مقلدین شام اور عراق میں پائے جاتے ہیں جو روایتِ حدیث اور حفظِ سنت میں سب سے آگے ہیں۔ قدیم علماء احمد کو فقہا کے بجائے اہلِ حدیث میں شمار کرتے تھے۔ اس لئے اختلافات میں ان کا ذکر نہ آتا تھا۔

ابن جریر کا قول تھا کہ وہ مردِ حدیث ہیں، مردِ فقہ نہیں ہیں۔ مقدسی کا بھی یہی خیال تھا۔ ابن قتیبہ نے معارف میں انھیں فقہاء سے نکال دیا ہے اور یہی کام ابن عبدالبر نے اپنی کتاب انتقاء میں کیا ہے۔

مختصر یہ کہ مذہب حنبلی کے مقلد بہت کم ہیں اور یہ اپنی اسی اقلیت پر خوش ہیں۔ اس مذہب کی کچھ عظمت بغداد میں ظاہر ہوئی جب کہ باہمی اتحاد کی بنا پر ان میں اتنی طاقت پیدا ہو گئی کہ ایک حکومت کا دل لرزا دیں۔ اب ان لوگوں نے دیگر مذاہب کی مخالفت شروع کر دی اور امر بالمعروف کا سہارا لے کر ہر ایک کی مذمت کا بیڑا اٹھا لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت نے ان کی شہرت کو روک دیا۔

مذہب حنبلی کو زیادہ مددگار نجد میں ملے جہاں محمد بن عبدالوہاب نے اسے اپنا کر اس کے سلسلۂ بقاء کو آگے بڑھا دیا۔ یہ اور بات ہے کہ وہابیت کے سامنے اس کا نام بھی نہ آسکا۔ اس مذہب

Presented by Ziaraat.Com

پر ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن قیم کے احسانات نہیں بھلائے جا سکتے ہیں جن کے افکار کی منظم صورت وہابیت ہے۔ یہی وہ اسباب وعوامل تھے جن سے ان مذاہب کو عوامی شہرت ملی اور ہر جماعت نے آنکھ بند کر کے اس کی تائید شروع کر دی حقیقت روپوش اور جہالت بے نقاب ہو گئی۔

بہتر تو یہی ہوتا کہ حکومت عوام کے دین و شریعت میں دخل انداز نہ ہوتی لیکن سیاست نے امت کو ایسے تعصب کا شکار بنا دیا جس کے فسادات میں بے شمار مسلمانوں کی جانیں ضائع ہوئیں اختلافات بڑھے، امت میں کدورت پیدا ہوئی۔ الفت افتراق سے بدلی اور اخوت عداوت میں مبدل ہو گئی اور چار مذاہب کی پابندی کا نقصان بھی ظاہر ہو گیا۔ یہ اور بات ہے کہ اکثریت نے آنکھ بند کر کے اس پابندی کو قبول کر لیا اور یہ نہ سوچا کہ شریعت کو چار آدمیوں کے اقوال میں منحصر کر دینا فکر کو معطل اور دماغ کو مفلوج بنا دینے کے برابر ہے۔ یہ تو حکومتِ وقت کی ایک چال تھی کہ اپنے اعمال کو دین کا رنگ دینے کے لئے کسی ایک شخص کو آگے کھڑا کر دے۔

لطف تو یہ ہے کہ خود یہ چاروں حضرات بھی اس پابندی کے مخالف تھے۔ چنانچہ مالک کا قول تھا کہ میں خطاکار انسان ہوں، میرے اقوال کو کتاب وسنت پر پرکھو۔

ابو حنیفہ کہتے تھے کہ اس مسئلہ میں میری ذاتی رائے یہ ہے۔ اگر کوئی اس سے بہتر رائے قائم کر لے تو میں خود بھی قبول کرنے کو تیار ہوں۔

شافعی کا اعلان تھا کہ اگر کوئی صحیح حدیث میرے قول کے خلاف مل جائے تو میرے قول کو دیوار پر مار دو۔

احمد ارشاد فرماتے تھے کہ دین میں لوگوں کی پابندی انسان کے علم کی تنگی کا نتیجہ ہے۔ دین میں لوگوں پر اعتماد نہ کرو وہ بھی تو خطا کار ہوتے ہیں۔

بہرحال ان تمام اختلافات اور جھگڑوں کے باوجود خلفاء اور حکام کی نظرِ عنایت سے ہر مذہب نے ایک اہمیت پیدا کی اور حکومت نے اپنی سیاست کو شرعی بنا لیا اور جیسے جیسے یہ منطق آگے بڑھتی گئی مذہب کے جسم میں جان پڑتی گئی۔ اس کے بعد ۶۴۵ھ میں ایک اور تازہ مصیبت پیش آئی اور وہ یہ کہ مدارس مستنصریہ کے مدرسین کو وزیر کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے یہ مطالبہ کیا کہ اب کتابوں کی باتیں نہ کی جائیں۔ صرف بزرگوں کا ذکر رہے۔ یہی ادب ہے اور اسی میں برکت ہے تو جمال الدین،

Presented by Ziaraat.Com

عبدالرحمٰن بن جوزی حنبلی اور سراج الدین مالکی دونوں نے اس کی تائید کر دی۔ شہاب الدین شافعی اور عبدالرحمٰن حنفی نے کھل کر کہہ دیا کہ بزرگ بھی آدمی تھے۔ اور ہم بھی آدمی ہیں۔ ہم تقلید نہ کریں گے۔ وزیر نے یہ خبر مستعصم تک پہنچائی اس نے پھر سب کو طلب کیا اور اب سب نے تائید کر دی۔

مقریزی کا بیان ہے کہ ظاہر بیبرس کے دورِ حکومت میں ۶۶۵ھ میں چاروں قاضی تھے۔ جس کی وجہ سے چار ہی مذہب رہ گئے۔ اس کے علاوہ کسی مذہب والے کو نہ قاضی بنایا گیا، نہ اس کی گواہی تسلیم کی گئی اور نہ اس کو خطابت وامامت وتدریس کے عہدے دیئے گئے۔ فقہاء نے بھی یہ اعلان کر دیا کہ ان چار کے علاوہ کوئی مذہب اختیار کرنا حرام ہے۔

استاد عبدالمتعال صعیدی عالم ازہر اپنی کتاب "میدانِ اجتہاد" میں لکھتے ہیں کہ جب بنی عباس نے دیکھا کہ وسائل قہر وغلبہ بیکار ہو رہے ہیں تو تعلیم کے راستہ سے داخل ہونا شروع کیا اور اس کی ذمہ داری سنبھالی تاکہ علماء کو اپنا پابند بنائیں اور شروع ہی سے انھیں خرید لیں۔ امت چونکہ تعلیم کو آج کے طریقہ سے کل بھی حکومت سے الگ سمجھتی تھی اس لئے مسجدوں میں درس ہوتے تھے اور اسی چار دیواری میں حکومتی دباؤ سے آزاد ذہن کے علماء پیدا ہوتے تھے جنھیں نہ حاکم کی خواہش کا خیال تھا نہ سرکش کے ظلم کا۔

بنی عباس نے چاہا کہ اس سیرت کو بدلیں چنانچہ تعلیم کو اپنے ہاتھ میں لے کر مسجدوں کے بجائے مدرسے بنوائے۔ علماء کے لئے اوقاف مقرر کئے اور تعلیم کو حکومت کا تابع بنا دیا۔ علماء حکومت کے ہاتھ بکنے لگے۔ دل سے مخالفت کی جرأت نکل گئی اور صحیح تبلیغ کا جذبہ مفقود ہو گیا۔ سب سے پہلے بیہقی متوفی ۴۵۰ھ کے نام پر مدرسہ بنا۔ اس کے بعد نصر بن سبکتگین نے نیشاپور میں سعیدیہ مدرسہ بنوایا۔ اس کے بعد ۴۵۹ھ بغداد میں نظام الملک نے نظامیہ مدرسہ قائم کیا جس کے افتتاح کا زبردست جشن منایا گیا۔ پھر جب صلاح الدین ایوبی مصر آیا تو اس نے مذہب شافعی کی تعلیم کے لئے ۵۶۶ھ میں مدرسہ ناصریہ قائم کیا۔ اس کے بعد ۵۷۲ھ میں مدرسہ صلاحیہ تعمیر کرایا۔ جن کے نگراں کے لئے ۴۰ ہزار دینار ماہانہ اور روز کے لئے ۶۰ رطل روٹی اور پانی کا انتظام کرایا۔ پھر دوسرے مدارس بھی قائم ہوئے۔ عباس عبیدی کے گھر حنفیوں کا مدرسہ بنا۔

صلاح الدین کا مقصد صرف یہ تھا کہ ان مذاہب کو رائج کر کے مذہب شیعہ اور اس کے تعلیمات

Presented by Ziaraat.Com

[illegible]

[illegible]

[illegible]

Presented by Ziaraat.Com

(تمدن اسلامی ۱۰۹)

مقصد یہ ہے کہ مذہب سیاست کے ساتھ چلتا رہا اور بادشاہ کے نظریات کے ساتھ لوگ مذہب تبدیل کرتے رہے۔ امیر بلبغار بن عبداللہ کے سبب سے بہت سے شافعی حنفی بن گئے۔ اس لئے کہ وہ تبدیلِ مذہب پر انعام بانٹا کرتا تھا۔ (شذرات الذہب ۳۶ ۲۱)

ابوالبرکات حنفی نے حنبلی مذہب اختیار کر لیا تو حنفیوں نے اذیت دی اور وہ شافعی ہو گئے۔ مؤید تکریتی نے ان کی ہجو میں اشعار کہے جن کا مفہوم یہ تھا کہ "تم دنیا کے چکر میں شافعی بنے ہو اب تمھارے مالکی ہونے کا انتظار ہے۔ اسی طریقے سے سبط بن جوزی حنبلی تھے۔ بادشاہ نے انھیں حنفی بنا لیا۔ (شذرات الذہب ۵ ۲۶۷)

انھیں وسائل کی بنا پر لوگ چاروں مذاہب کی طرف کھنچ گئے اور دوسرے علماء اجتہاد کی صلاحیتوں کو پامال کر کے بزرگوں کی تقلید پر مجبور ہو گئے۔ شیخ ابوزرعہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد بلقینی سے پوچھا کہ شیخ تقی الدین بن سبکی میں اجتہاد کی کیا کمی ہے اور وہ تقلید کیوں کرتے تھے؟ تو انھوں نے سکوت اختیار کیا۔ میں نے کہا کہ میری نظر میں اس کا سبب صرف یہ ہے کہ اب مدعی اجتہاد کو نہ وظیفہ ملتا ہے نہ ولایت بلکہ وہ بدعتی کہا جاتا ہے تو وہ یہ سن ہنسنے لگے اور میری تائید کی۔

یہی ذہنیت تھی جس کی بنا پر مذہب اہلبیتؑ کو مختلف حملوں اور یورشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ شیعوں نے اپنے کو خطرات میں ڈالا، تہمتیں برداشت کیں، حکومت کی نظر میں کافر بنے لیکن تعلیمات پیغمبرؐ اور احکامِ اسلام کو اہلبیتؑ رسالت سے اخذ کرنے پر جمے رہے۔ انھیں کو قرآن کا ہمسر، نجات کا ضامن، نوح کا سفینہ اور بنی اسرائیل کا بابِ حطہ سمجھتے رہے۔ اس سلسلہ میں تمام تہمتیں برداشت کر کے یہ نتیجہ پیش کیا کہ آج بھی اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور ان کا مدرسہ حکومت سے الگ ایک انداز رکھتا ہے۔

مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر اجتہاد و تقلید کا بھی ایک تذکرہ کر دیا جائے لیکن اس کے پہلے ابوزرعہ کی تائید بھی ضروری ہے کہ اگر دنیا کا خطرہ نہ ہوتا تو کیا سبب تھا کہ سلسلہ اجتہاد کو روک دیا جائے جب کہ اس کا باقی رہنا امت کے لئے زیادہ مفید تھا۔ ہم پہلے علماء کے ان اقوال کو پیش کریں گے جن میں اس تقلید کی مخالفت کی گئی ہے اور اس کے بعد اس تقلید کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے حقیقتِ حال کو واضح کریں گے۔

Presented by Ziaraat.Com

اجتہاد و تقلید کا سنگم

Presented by Ziaraat.Com

اجتہاد و تقلید کا سنگم

۱۔ میں ایک انسان ہوں جس سے خطا و صواب دونوں ممکن ہیں۔ میرے اقوال کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر پرکھا کرو۔ (امام مالک)

۲۔ اگر میرے قول کے خلاف کوئی حدیث مل جائے تو میرے قول کو دیوار پر مار دو۔ (شافعی)

۳۔ یہ میری بہترین فکر ہے۔ اگر کوئی اس کے خلاف رائے قائم کرے گا تو میں قبول کر لوں گا میری دلیل کو سمجھے بغیر میرے کلام سے فتویٰ دینا حرام ہے۔ (ابو حنیفہ)

۴۔ انسان کے علم کی کوتاہی یہ ہے کہ آدمیوں کی تقلید کرے۔ دین میں آدمیوں کی تقلید نہ کرو۔ اس لئے کہ وہ غیر معصوم ہیں۔ میں کلامِ خدا اور رسولؐ کے ساتھ اپنے کلام کو نہیں ملا سکتا اس لئے فقہ میں کوئی کتاب تالیف نہ کروں گا۔ (احمد بن حنبل)

۵۔ کسی صحابی یا امامِ مذہب کے قول کی بنا پر آیت یا حدایت کو نہیں چھوڑا جا سکتا ہے اور جو ایسا کرے گا وہ گمراہ اور بے دین ہوگا۔ (محی الدین ابن عربی)

۶۔ ہمیں نہیں معلوم کہ بزرگوں میں سے کسی نے ایک مذہب کی پابندی لازمی قرار دی ہو۔ اور اگر ایسا کیا بھی ہے تو غلط کیا ہے۔ اس لئے کہ اس سے ان تمام حدیثوں کے معطل ہو جانے کا اندیشہ ہے جن پر اس مجتہد نے عمل نہیں کیا ہے۔ درحقیقت شریعت تمام مجتہدین کے ذخیروں کے مجموعہ کا نام ہے۔ کسی ایک مجتہد کی رائے کا نہیں اور کسی ایک کی تقلید ہو بھی کیسے ہو سکتی ہے جب کہ خود ائمہ مذاہب نے اس سے برائت کی ہے اور حدیث کے مقابلے میں اپنے کلام

Presented by Ziaraat.Com

کو دیوار پر مار دینے کا حکم دیا ہے۔ (شعرانی)

۷۔ ابن تیمیہ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص اجتہاد کرنے کے بعد ایسی صحیح روایتیں تلاش کرلے جو اس کے مذہب کے خلاف لیکن قانون کے موافق ہوں تو اسے کیا کرنا چاہئے۔ مذہب کی پیروی یا حدیث کا اتباع ؛ تو انھوں نے فرمایا" خدا کا شکر ہے کہ کتاب وسنت واجماع کی رو سے صرف اللہ ورسولؐ کی اطاعت واجب ہے۔ اس کے علاوہ کسی کی اطاعت فرض نہیں ہے۔ خود حضرت ابوبکر نے فرمایا ہے کہ جب تک میں اللہ کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو اور اگر میں مخالفت کروں تو تم آزاد ہو۔

اس کے علاوہ ساری امت کا اتفاق ہے کہ سوائے پیغمبرؐ[لہ] کے کوئی دوسرا معصوم نہیں ہے۔ اسی لئے اکثر ائمہ نے یہ فرمایا ہے کہ ہر شخص کے کلام میں اچھا برا سب کچھ ہوتا ہے سوائے کلام پیغمبرؐ کے۔

خود ائمہ اربعہ نے ہر بات میں اپنی تقلید سے روکا ہے اور یہ ضروری بھی تھا جیسا کہ امام ابوحنیفہ نے کہا ہے۔ ابو یوسف امام مالک کے پاس پہنچے اور ان سے صاع اور سبزیوں کا صدقہ اور جنس کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے حدیث کا مفہوم بیان کیا۔ ابو یوسف نے بے ساختہ کہا کہ میں نے بھی اپنی رائے بدل دی ہے بلکہ اگر استاد اس روایت کو دیکھتے تو وہ بھی اپنی رائے بدل دیتے۔ امام مالک اپنے کو ایک خطا کار بشر سمجھتے تھے۔ شافعی حدیث کے مقابلہ میں اپنے قول کو ٹھکرا دینے کے قابل تصور کرتے تھے۔

(جلاء العینین آلوسی ص۱۰۷)

۸۔ جو شخص اللہ کے فضل وکرم کو بعض لوگوں سے مخصوص اور شریعت فہمی کو چند افراد میں منحصر کردے۔ وہ اللہ کی بارگاہ میں بے ادب اور شریعت کی نظر میں گستاخ ہے اس لئے کہ شریعت صرف چند آدمیوں کے گھر نہیں اتری ہے بلکہ وہ ہر دور کے لئے ہے۔ اگر ہمارا کام صرف تقلید ہوتا اور ہم کتاب و سنت کے سمجھنے سے قاصر ہوتے تو اس کے معنی یہ تھے کہ شریعت ہمارے لئے منسوخ ہوجائے۔

لہ یہ ابن تیمیہ کی ذاتی رائے ہے۔ ورنہ مذہب شیعہ کی نظر میں پیغمبرؐ کی طرح ائمہ کرام بھی معصوم ہوتے ہیں جیسا کہ آیت تطہیر، حدیث ثقلین، آیت مودت، آیت اطاعت وغیرہ سے ثابت ہوتا ہے۔ (مترجم)

Presented by Ziaraat.Com

خدایا یہ کتنا بڑا بہتان ہے۔ (حسن خاں)

۹۔ کسی انسان کے لئے ایک مذہب کی پابندی ضروری نہیں ہے اور نہ اسے یہی اختیار ہے کہ ایک مذہب میں رہ کے دوسرے امام کے فتوے پر عمل کرے۔ اس لئے کہ اس طرح پہلے امام کا فتویٰ باطل ہو جاتا ہے درآنحالیکہ قاضی کا حکم ٹوٹتا نہیں ہے۔ (جلاء العینین)

۱۰۔ یاد رکھو کہ مقلد کو اپنے عمل پر اطمینان نہیں ہو سکتا ہے۔ تقلید عقل کو معطل کر دیتی ہے عقل فکر و نظر کے لئے پیدا ہوئی ہے۔ کتنی بری بات ہے کہ آدمی اپنی شمع کو گل کر دے اور دوسرے کے اندھیرے میں راستہ طے کرے۔ یاد رکھو کہ عام طور سے مذہب والے شخصیت پرست ہوتے ہیں۔ بات کو سوچنے کے قائل نہیں ہوتے ہیں اور یہی واقعی گمراہی ہے۔ انسان کی نظر قول پر ہونی چاہئے نہ کہ قائل پر۔ (کتاب تلبیس ابلیس، ابن جوزی ص۸۱)

۱۱۔ یاد رکھو خدا نے کسی بندے کو نہ حنفی بننے کا حکم دیا ہے نہ مالکی بننے کا۔ شافعی ہونے کو واجب کیا ہے نہ حنبلی ہونے کو، اس نے تو رسول اکرمؐ کی شریعت پر عمل واجب کیا ہے۔

(القول السدید ص۳۰ عبد العظیم مکی)

۱۲۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ مقلد قسم کے فقہاء، اپنے امام کے قول کی کمزوری کو دیکھ کر بھی اسی کی تقلید کرتے ہیں اور کتاب و سنت و عقل کو ترک کر دیتے ہیں بلکہ بعض اوقات تقلید کی خاطر ان سب میں عجیب و غریب قسم کی تاویل کر لیتے ہیں۔ سابق زمانہ میں لوگ ہر عالم سے مسئلہ پوچھ لیا کرتے تھے۔ اب ہر شخص ایک امام کا مرید بنا ہوا ہے اور اسی کو نبی مرسل سمجھتا ہے۔ یہی وہ ناانصافی اور بے تکا پن ہے جسے کوئی عاقل قبول نہیں کر سکتا ہے۔

(عز الدین عبد السلام، رسالہ انصاف)

۱۳۔ فقہ حاصل کرنے والے کو چاہئے کہ کسی امام کا پابند نہ بنے بلکہ ہر مسئلہ میں کتاب و سنت پر نظر ڈالے، تعصب و اختلاف سے کنارہ کش رہے۔ ان باتوں سے وقت برباد ہوتا ہے۔ خود امام شافعی نے بھی اپنی تقلید سے روک کر دوسرے کی تقلید کا حکم دیا تھا۔ شیخ ابو شامہ

(دائرۃ المعارف وجدی ج۳ ص۲۴۳)

۱۴۔ باب اجتہاد کا مقفل کر دینا فکر کی آزادی پر ضرب کاری بلکہ اصل اسلام پر زبردست حملہ ہے۔ وہ

Presented by Ziaraat.Com

مختلف ادوار اور مختلف قبائل کے لئے آیا تھا لیکن مسلمانوں نے اسے جامد فرض کر لیا ہے۔

(رسالۃ المسلم محمد علی مؤلف کتاب الدین الاسلامی)

۱۵۔ اب میں یہ فیصلہ کر سکتا ہوں کہ اجتہاد کا بند کرنا قہر و غلبہ اور طمع و حرص کے ذریعہ انجام پایا۔ اگر یہی وسائل کسی دوسرے مذہب کو میسر ہو جاتے تو وہ بھی باقی رہ جاتا۔ اور یہی مسلمان اس کے بھی ماننے والے ہو جاتے۔ لہذا ہمیں چاہئے کہ سیاسی چالوں سے عائد کئے ہوئے مذاہب کی پابندی کو ترک کر دیں اور اپنے دین میں خود اجتہاد کریں۔ اسلام مسلمانوں کے درمیان باہمی تعاون اور مشورہ چاہتا ہے۔ وہ قہر و غلبہ کا قائل نہیں ہے۔ (میدان اجتہاد ص۱۲ عبد المتعال صعیدی)

۱۶۔ بعض مقلدین یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا امام ہی پوری شریعت ہے۔ اسی لئے ساری فضیلتوں کو اس میں سمیٹ دینا چاہتے ہیں اور اگر کسی نے دعویٰ اجتہاد کیا تو اس پر طعن و طنز، نقد و تبصرہ شروع کر دیتے ہیں اور اسے جماعت سے خارج اور راستے سے منحرف سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ یہ صرف عوامی خیال ہے۔ اس پر کوئی دلیل نہیں قائم ہو سکتی ہے۔ بقیع بن مخلد جس وقت اندلس آئے تو انھوں نے اس کا مکمل تجربہ کیا۔ امام مالک کے مقلدین نے انھیں ٹاٹ باہر کر دیا اور انھیں یہ کہنا پڑا کہ محبت کا غلو اور انسان کی انسان پر حکومت کا مکمل نقشہ ہے۔ (الاعتصام ۲ ص۲۵۹ شاطبی)

۱۷۔ کس روایت نے باب اجتہاد کو بند کیا تھا؟ کس مجتہد نے اپنے بعد اجتہاد کو حرام کیا تھا؟ کس نے قرآن و حدیث سمجھنے کی ممانعت کی تھی؟ کون تھا جس نے ترقی یافتہ علوم کے سہارے قرآن و سنت سے زمانہ کے ضروریات سے استفادہ کرنے کو روکا تھا؟ اللہ نے تو پیغمبر کو عربی میں قرآن اسی لئے دیا تھا کہ سب اسے سمجھیں اور سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اگر آج ابو حنیفہ، مالک، شافعی اور احمد زندہ ہوتے تو ہر حکم کو قرآن و حدیث ہی سے نکالتے اور ہر غوطہ زنی میں نئی فکر پیدا کرتے۔ یقیناً ان بزرگوں نے بڑی زحمتیں کی ہیں۔ خدا انھیں جزائے خیر دے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ قرآن کے سارے اسرار سمجھ کے اپنی کتاب میں لکھ گئے ہیں۔ (خاطرات جمال الدین افغانی ص۱۷۱)

۱۸۔ اجتہاد کا روک دینا ہی وہ سبب تھا جس نے مسلمانوں کو پیچھے ڈال دیا۔ اب گزشتہ لوگوں کے اقوال ہی سند بنے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اس کام میں صرف سیاست کا ہاتھ تھا۔ سلاطین نے اجتہاد کو روکا

Presented by Ziaraat.Com

تھا تاکہ اپنے ملک کو بچائیں۔ اپنے معارض و مقابل کو دبائیں اور جب کوئی مصلح یا ذمہ دار پیدا ہو تو اس کی بات نہ سنی جا سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ فقہ جس سے جماعت کی روح اور امت کی زندگی وابستہ تھی منجمد ہو کر رہ گئی۔ بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ دورِ حضرت عثمان میں فتوحات کا رک جانا، خانہ جنگی کا شروع ہو جانا، فتنوں کا ترقی کر جانا، ان سب کا راز صرف یہ تھا کہ انھوں نے اپنے اجتہاد کو چھوڑ کر شیخین کی تقلید کی پابندی قبول کر لی تھی۔ حضرت علیؑ نے اسی لئے اس کی موافقت نہیں کی کہ اب زمانہ بدل چکا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس بات نے عثمان کو تخت پر بٹھایا تھا اسی نے اتار بھی لیا۔ (الفلسفۃ السیاسیہ للاسلام ص۱۰۲ ڈاکٹر عبد الدائم نقری انصاری)

۱۹۔ تاریخ کے دفتر میں کتنے ہی سیاسی حزب ایسے ہیں جو دینی مذہب بن گئے۔ کتنے غافل ایسے ہیں جو فروعی اختلاف کی بنا پر ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے۔ یہ کسی نے نہ سوچا کہ ہم دونوں ہی مسلمان ہیں اور عداوت نہایت ہی خطرناک چیز ہے۔ اجتہاد سہولت کا ایک ذریعہ تھا اور سہولت اسلام کا اہم مقصد تھا۔ اجتہاد سے امواجِ فکر میں تلاطم پیدا ہوتا ہے اور تلاطم سے جوہرِ حقیقت ساحل تک آ جاتا ہے۔ حوادث لا متناہی ہیں لہذا ان کا حل بھی غیر محدود ہونا چاہئے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ باب اجتہاد کا بند کر دینا یہ خود بھی ایک اجتہاد ہے۔ اب ان لوگوں سے کون پوچھے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟ (النواۃ فی حقل الحیاۃ ص۱۳۶، علامہ عبیدی)

یہ بعض شواہد ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ باب اجتہاد کا بند کر دینا کوئی شرعی کام نہ تھا بلکہ اس کے اغراض تمام تر سیاسی تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ شیعوں نے اس ناروا سیاست سے کنارہ کشی کر کے اہلبیتؑ کے طریقہ کو اختیار کیا۔ اس سلسلہ میں بہت سے رسالے بھی تالیف کئے گئے ہیں۔ ان میں اجتہاد کی بندش پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ طے کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ حکام وقت کی اس مصلحت پرستی کا کیا حل نکالا جائے۔ غزالی اور العزبن عبد السلام وغیرہ نے نہایت بیباکی کے ساتھ یہ اعلان کر دیا کہ اس بندش کا سبب صرف شہرت، حکومت پرستی اور منصب قضاوۃ و تولیت وغیرہ تھا۔ انسان کی تربیت ہی اس انداز سے کی گئی تھی کہ وہ ذہنی طور پر کسی ایک مذہب کا پابند ہو جائے اور اس کے علاوہ کچھ نہ سوچ سکے۔ علاوہ ان بلند نفس افراد کے جو حق و حقانیت کی جستجو میں سرگرداں رہا کرتے تھے اور عادت و عقیدت کے پابند نہیں تھے۔ (الوحدۃ الاسلامیہ محمد رشید رضا ص۱۱۲) تقلید کی پابندی کرنے والے

Presented by Ziaraat.Com

افراد زیادہ تر وہ تھے جو مرتبۂ اجتہاد تک پہنچ ہی نہیں سکتے تھے یا حکومت کی نظرِ عنایت کے طفیل میں ایک محدود درجہ میں سمٹ کر رہ گئے تھے اس لئے وہ کسی کو اس مرتبہ پر دیکھ ہی نہیں سکتے تھے۔ ان کی نظر میں ہر مدعیٔ اجتہاد دیوانہ، گمراہ اور بدعتی ہوتا تھا۔ جیسا کہ شیخ داؤد نقشبندی نے اپنی کتاب "اشد الجہاد" میں فتویٰ دیا تھا یا شیخ احمد بن عبدالرحیم نے مجتہدین کی تقسیم کرتے ہوئے تیسرے طبقہ کے مجتہدین میں ان مسلمانوں کو شمار کیا تھا، جو چوتھی صدی سے پیدا ہوئے ہیں۔

اس دور کے افراد کا فرض یہ ہے کہ کسی پابند مذاہب مجتہد کی تقلید کریں۔ اب مستقل مجتہد کا وجود محال ہے۔ اس لئے کہ امت کا یہ اجماع ہے کہ شریعت کو سمجھنے میں بزرگوں پر اعتماد کرنا چاہئے۔ اور ان پر اعتماد کے معنی یہ ہیں کہ ان کی روایتیں اور ان کی کتابیں دیکھی جائیں۔ ان کے عام، خاص، مطلق، مقید، راجح، مرجوح کو ملاحظہ کیا جائے جو بات صرف چاروں مذاہب میں پیدا ہو سکتی ہے۔ ان کے علاوہ امامیہ اور زیدیہ میں بھی یہ تمام باتیں پائی جاتی ہیں لیکن یہ اہلِ بدعت ہیں۔ ان کا اتباع نہیں ہو سکتا ہے۔ ہمارے پاس صرف چار ہی مذہب رہ گئے ہیں۔ (رسالہ انصاف دہلوی)

بعض لوگوں نے زورِ استدلال میں چاروں ائمۂ مذاہب کو معصوم تک بنا دیا ہے۔ صرف اس بنیاد پر کہ یہ نبی معصوم کے وارث ہیں لہٰذا خود بھی معصوم ہوں گے اور جب معصوم ہوں گے تو انھیں کا اتباع واجب ہوگا۔

ہمیں ان افراد سے کوئی بحث نہیں ہے جو چاروں اماموں کے بعد سب کو نالائق سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے تمام دلائل کی بنیاد ہی پوری امت کے نااہل، مدعی اجتہاد کے گمراہ اور فسادی ہونے پر ہے۔ وہ ایسے آدمی پر حد بھی جاری کر دیتے ہیں، جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطی کا حشر ہوا کہ انھیں صرف دعوئ اجتہاد پر کافی سخت وسست سننا پڑا۔

حقیقت یہ ہے کہ آخری صدیوں میں ایسے افراد یقیناً پیدا ہوئے ہیں جو اجتہاد کے اہل تھے اور جنھوں نے اپنی تالیفات سے یہ ثابت کر دیا کہ چاروں امام مل کر بھی ان کے برابر نہیں ہو سکتے۔ مثلاً احمد بن محمد اسفرائنی جنھیں شافعی سے بہتر کہا گیا ہے۔

یا شیخ عبدالعزیز بن سلام متوفی ۵۶۰ھ، شیخ عبدالکریم قزوینی متوفی ۶۲۳ھ، اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن صابونی متوفی ۴۴۹ھ، محمد بن اسحٰق قونی متوفی ۶۷۳ھ، ابراہیم بن محمد اسفرائنی متوفی ۴۱۸ھ وغیرہ

Presented by Ziaraat.Com

جن کے اجتہاد میں شک نہیں ہوسکتا ہے۔ زیادہ دور کیوں جائیے یہی قفال، جوینی، صیدلانی، بنجی، سرخسی، جصاص وغیرہ کو لے لیجیے کہ جن میں اجتہاد کی صلاحیتیں تھیں لیکن عوام کی طرف سے زبان بندی دیکھ کر دعوی نہ کرسکے۔ انھیں ایک خطرہ یہ بھی تھا کہ کہیں دعوی اجتہاد پر شیعیت کا الزام نہ لگ جائے۔

(اشد الجہاد ص ۲۵)

ابوالحسن دارکی جو اپنے وقت کے عظیم مجتہد تھے۔ جب ان سے کوئی بات پوچھی جاتی تھی تو بہت سوچ کر جواب دیتے تھے اور اگر ان کا فتوی شافعی یا ابوحنیفہ کے خلاف ہوگیا تو لوگ سخت مخالفت کرتے تھے اور وہ اس پر جل کر یہ جواب دیتے تھے کہ میں رسولؐ کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تم شافعی کا مذہب۔ یہی حشر بقی بن مخلد، ابن تیمیہ اور ابن قیم وغیرہ کا ہوا۔

میں نہیں سمجھ سکتا کہ چار اماموں کے بعد باقی آدمیوں کے مقدر میں قصور، نقص اور تقلید کیوں لکھ دی گئی، سارا کمال ان چار ہی میں کیوں منحصر ہوگیا۔

Presented by Ziaraat.Com

اجتہاد

لغوی اعتبار سے کسی دشوار کام میں کوشش کرنے کا نام ہے۔

ابن ابی زرعہ نے ماوردی سے نقل کیا ہے کہ اجتہاد جہادِ نفس سے نکلا ہے۔

اصطلاحی اعتبار سے اجتہاد کسی فقیہ کی اس انتہائی کوشش کا نام ہے جس سے حکمِ شرعی کا ظن حاصل کیا جائے اور فقیہ سے مراد وہ بالغ و عاقل ہے جو استنباط کا ملکہ رکھتا ہو۔ (جمع الجوامع)

ابو اسحق کا کہنا ہے کہ بیوقوف آدمی کو مجتہد نہیں کہہ سکتے ہیں۔ منکر قیاس کے اجتہاد کے بارے میں اختلاف ہے۔ البتہ مجتہد کو قانون برأت، علم لغت، نحو و صرف، اصول فقہ منطق، بلاغت، کتاب و سنت وغیرہ سے واقف ہونا چاہئے تاکہ صحیح استنباط کر سکے۔ یہ اور بات ہے کہ ان تمام باتوں کا زبانی یاد ہونا ضروری نہیں ہے۔

علامہ سبکی کی نظر میں مجتہد اس شخص کو کہتے ہیں جو اکثر قواعد شرع کی مزاولت کر کے فکر و فہم کا مادہ پیدا کر لے، اسے اجتماعی مسائل، ناسخ و منسوخ، اسباب نزول، متواتر و آحاد، صحیح و ضعیف، سیرت صحابہ وغیرہ سے واقف ہونا چاہئے۔ علمِ کلام، فقہی تفصیلات کا علم، ذکوریت، حریت اور عدالت شرطِ اجتہاد نہیں ہیں۔

ان شرائط کو دیکھنے کے بعد کیا کوئی شخص یہ سوچ سکتا ہے کہ ان صفات کا جامع انسان چار اماموں کے بعد نہیں پیدا ہوا ہے جب کہ ہمارے پیشِ نظر ان تمام علوم کے بڑے بڑے اساتذہ کبھی ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

تقلید

کسی شخص کے قول کو بغیر دلیل کے مان لینا۔

ابن ابی زرعہ شرح جوامع میں لکھتے ہیں کہ فاضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی تقلید میں علمار کے چند قول ہیں مشہور یہ ہے کہ یہ بات جائز ہے جیسا کہ صحابہ کے دور میں یہ رواج تھا کہ ہر ایک سے مسئلہ پوچھا جاتا تھا۔ امام احمد اور ابن سریج اور قاضی حسین وغیرہ نے اسے ممنوع قرار دیا ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر کسی کو فاضل یا مساوی سمجھتا ہے تو اس سے استفتار کر سکتا ہے ورنہ حرام ہے۔

اسی انداز سے تقلید میت کے بارے میں اختلاف ہے۔ جمہور کی نظر میں یہ جائز ہے جیسا کہ شافعی نے کہا تھا کہ صاحب مذہب کے مرنے سے مذہب نہیں مرتا ہے۔

امام غزالی اور امام رازی اسے مطلقاً حرام سمجھتے تھے۔ بعض لوگ زندہ مجتہد کی موجودگی میں حرام سمجھتے تھے ورنہ جائز تھا۔

شیخ محی الدین فتوحات مکیہ باب ۳۰۸ میں لکھتے ہیں کہ دین خدا میں زندہ مردہ کسی کی تقلید جائز نہیں ہے۔

ابن عابدین شامی کی نظر میں افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی تقلید جائز ہے حنفی، مالکی، شافعی اور اکثر حنبلیوں کا بھی یہی قول ہے۔

امام احمد وغیرہ نے اسے ناجائز قرار دیا ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

معاصرانہ چشمک

شروع شروع میں مسلمانوں کے باہمی اختلاف کا رنگ صرف مذہبی تھا کہ ہر ایک دوسرے کے قول پر اعتراض اور دوسرے کی رائے پر اشکال کیا کرتا تھا لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد ان اختلافات نے سیاسی طاقت پاکر اپنے دائرہ کو بہت زیادہ وسیع بنالیا اور امت ایک عظیم افتراق کا شکار ہوگئی۔ حکامِ وقت نے ان اختلافات کو باقاعدہ ہوا دی اس لئے کہ سیاست کا مقصد علمار کے اتحاد سے حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔ (فلسفۃ السیاسیہ للاسلام)

ائمۂ مذاہب کے بعد ان کے چاہنے والوں کا دور آیا۔ انھوں نے اپنے مذہب سے عقیدت وارادت کی بنیاد پر ان اختلافات کو اور بھی بڑھادیا۔ جماعتیں قائم ہوئیں۔ ہر امام کا مذہب مقرر ہوا۔ اور مسلمان کسی نہ کسی مذہب کے اپنانے پر مجبور ہوگئے۔ ان حضرات نے یہ نہ سوچا کہ اس قسم کی سیاسی پارٹی بندی سے علم کا جوہر ضائع ہو رہا ہے اور حقیقت پامال سمِ اسپانِ سیاست ہوئی جارہی ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی رسالہ انصاف ص۶ پر تحریر فرماتے ہیں کہ پہلی اور دوسری صدی میں مسلمان کسی ایک مذہب کی پابندی پر مجبور نہ تھے بلکہ غیر اجماعی مسائل میں اپنے ائمۂ مذاہب یا اپنے شہر کے علمار کی طرف رجوع کیا کرتے تھے اور انھیں کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نماز، روزہ، وضو، غسل جیسے تمام اعمال انجام دیتے تھے۔ ان کے ذہن میں کسی ایک عالم کی پابندی کا تصور کبھی نہ تھا۔

علمار کے دو درجے تھے:۔

بعض وہ تھے جن میں خود روایات وسیرت صحابہ کو دیکھنے کی وجہ سے اتنی صلاحیت پیدا

Presented by Ziaraat.Com

ہوگئی تھی کہ وہ لوگوں میں فتویٰ دے سکیں اور اکثر مسائل میں انھیں خاموشی کا راستہ نہ اختیار کرنا پڑے اور بعض مثل دیگر حضرات کے تھے۔ لیکن یہ دو صدیاں کیا گذریں کہ امت داہنے بائیں منحرف ہونے لگی۔ اختلافات ونزاعات کے سیلاب نے ہر ایک کے دماغ کی رو بدل دی جیسا کہ امام غزالی نے بیان کیا ہے۔

عہدِ خلفاء راشدین کے بعد خلافت ایسے نا اہلوں کے ہاتھ لگ گئی جو نہ حکومت کی صلاحیت رکھتے تھے اور نہ ان میں فتویٰ دینے کی قابلیت تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت نے علماء سے مدد لینا شروع کی اور ہر وقت ان کو ساتھ رکھنے کی کوشاں رہی۔

درجۂ اوّل کے علماء نے اس بات کو اپنے لئے باعثِ ننگ وعار سمجھا اس لئے حکومتوں سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور دوسرے درجہ کے ملاؤں کو موقع مل گیا۔ انھوں نے حکومت کی توجہ سے فائدہ اٹھانے کے لئے تحصیلِ علم کا کام شروع کردیا۔ اب تک حکومت انھیں ڈھونڈتی تھی اور اب یہ حکومت کے پیچھے دوڑنے لگے۔ اب تک عزت واقبال ان کی چوکھٹ کو بوسہ دیتے تھے۔ اب یہ سلاطین کے عتبہ بوس ہوگئے۔ صرف چند افراد رہ گئے جن کو اپنے علم میں اخلاص تھا ورنہ اکثریت تو علمِ کلام میں تصنیف وتالیف کے بجائے حکومتوں کی خواہش کے مطابق آپس کے حنفی اور شافعی اختلافات پر قلم دوڑانے لگی۔ مالک، سفیان اور ابن حنبل وغیرہ نظر انداز کر دیئے گئے۔ ان ملاؤں کا خیال یہ تھا کہ یہ کوئی مخلصانہ کام انجام دے رہے ہیں اور شریعت کے حقائق وجواہر کو آشکار کرنا چاہتے ہیں اور اسی بنیاد پر یہ سلسلہ جاری رہ گیا۔

علامہ احمد بن محمد بن الخطاب الخطابی نے تیسری صدی کے بعد پیدا ہونے والے اختلاف کا نقشہ اس انداز سے کھینچا ہے۔ "آج کل علماء کی دو پارٹیاں ہوگئی ہیں، اہل حدیث اور اہلِ اجتہاد"

اہلِ حدیث چھوٹی بچی شاذ ونادر روایتوں کے تلاش کرنے ہی کو بہت بڑا کام سمجھتے ہیں۔ انھیں روایت فہمی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ اہلِ نظر کو حدیث وروایت کا مخالف قرار دے کر انھیں مطعون بھی کرتے ہیں۔

اہلِ فکر واجتہاد حدیثوں پر بہت کم توجہ دیتے ہیں۔ انھیں صحیح وضعیف سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ ان کے یہاں حدیث اپنی رائے کے مطابق ہے تو ضعیف بھی صحیح ہے ورنہ صحیح بھی ضعیف ہے۔ آپس میں یہ حال ہے کہ امام مالک کی روایت اگر ابن القاسم یا اشہب بیان کرے تو ٹھیک ہے ورنہ بیکار۔

Presented by Ziaraat.Com

امام ابوحنیفہ کا قول ابویوسف اور محمد بن حسن شیبانی نقل کریں تو معتبر ہے ورنہ غیر معتبر۔
شافعی کے اصحاب تک مزنی اور ربیع بن سلیمان سے حدیث پہنچے تو مناسب ہے ورنہ نامناسب۔
تعجب ہے کہ اپنے فروعی مسائل میں تو اس قدر احتیاط و تفتیش ہے کہ ایک سے نقل ہونے والا قول معتبر ہو اور دوسرے کے ذریعہ پہنچنے والا قول بیکار ہو جائے اور سرکارِ دو عالمؐ کے ارشادات کے بارے میں اس قدر تساہلی کہ العیاذ باللہ۔ حالاں کہ یہاں تحقیق و تفتیش کا کام کہیں زیادہ اہم تھا۔ افسوس کہ ان لوگوں نے حق کے راستے کو دشوار سمجھا۔ تحقیق کے بارے میں سستی سے کام لیا۔ علم کے جادے کو انتہائی مختصر بنا دیا۔ اصول فقہ کے چند کلمات سیکھ کر علل و اسباب کے نام پر اپنا پرچار کرنے لگے۔ اعتراض کرنے والے مناظرہ و مکالمہ کا شکار ہو گئے۔ ظاہری علمی داؤں پیچ سے کامیاب ہو جانے والے صاحب فکر و نظر اور اہلِ علم و فقہ کے مقدس القاب سے یاد کئے جانے لگے۔ رسالۂ انصاف ص۷۱

ان علماء اعلام کے ارشادات اس بات کو واضح کر رہے ہیں کہ باہمی اختلافات نے بڑی مکروہ صورت اختیار کر لی تھی اور آپس کی نوک جھونک بڑے خطرناک موڑ تک پہنچ گئی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف خونی انقلابات اٹھے اور انھوں نے ہزاروں جانوں کا نقصان کیا اور دوسری طرف علمی طوفان بڑھے اور انھوں نے دامنِ ایمان کی دھجیاں اڑا دیں۔

قاضی دمشق محمد بن موسیٰ الحنفی المتوفی ۵۰۶ھ نے شافعیوں کو جزیہ لینے کے قابل ٹھہرایا اور ابوحامد طوسی المتوفی ۵۶۷ھ نے حنبلیوں کو کافر کتابی قرار دیدیا۔

ان سارے اختلافات کا منشاء صرف یہ تھا کہ ان علماء نے حکومت کے بل بوتے پر ترقی شروع کی تھی اور حکومت نے ان کے سروں پر دستِ شفقت رکھ دیا تھا۔ علم و دولت کی آمیزش سے شریعت سیاست کا منھ دیکھنے لگی تھی۔

حالانکہ کھلی ہوئی بات ہے کہ اگر علم سیاست سے الگ رہتا تو سیاست اس کی ڈیوڑھی پر جبہ سائی کرتی اور امت خیر و برکت کی راہوں پر گامزن رہتی۔ اہلِ علم کی حکام پرستی کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام اسلام کو بے دست و پا سمجھنے لگے۔ اس کی ساری آبرو حکومت کی مٹھی میں آگئی۔ ورنہ کہاں اللہ کا دین اور کہاں یہ خواہشات و اختلافات؟ کہاں مذہبِ اتحاد و اتفاق اور کہاں یہ مشکلات و نزاعات؟ یہی وہ دشواری تھی جو اس وقت تک حل نہیں ہو سکتی تھی جب تک زمامِ حکومت کو سلطنتی علماء سے چھین نہ لیا جائے اور عوام کو ان کی جکڑبند

Presented by Ziaraat.Com

سے آزاد نہ کرا دیا جائے۔

جب ہم مذاہب اربعہ کے پرستاروں کے درمیان ان اختلافات کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں ایک طرف مسلمانوں کی زوال پذیر حالت نظر آتی ہے اور دوسری طرف صاحب "تبصیر" جیسے علماء کا قول کھل جاتا ہے جو ان مقلدوں کے درمیان اتحاد و اتفاق کا اشتہار کر کے ان کی حقانیت کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔لے

کاش کوئی ان علماء کو انگلی رکھ کر وہ اختلافات دکھاتا جہاں حنفی علماء منبروں سے حنبلیوں اور شافعیوں پر لعنت کر رہے تھے اور شافعی مرو میں ان کی مسجدیں ڈھا رہے تھے۔ نیشاپور میں مذہبی اختلاف جنگ و جدل کا نقشہ پیش کر رہا تھا اور شافعیوں کے خون سے زمین رنگین ہو رہی تھی اور جذبۂ انتقام میں اسراف و تعدی سے کام لیا جا رہا تھا۔ (ملاحظہ ہو حوادث ۵۵۴ھ)

یا وہ وقت جب ۷۱۶ھ میں شافعیوں اور حنبلیوں کے جھگڑے کو چکانے کے لئے حکومت دخل اندازی کر رہی تھی (البدایۃ والنہایۃ ۱۴ ۷۶) جانیں تلف ہو رہی تھیں۔ اصفہان کے مکانات اور بازار نذر آتش ہو رہے تھے اور تعصب اپنا آخری مظاہرہ کر رہا تھا۔ (مراۃ الجنان ۳ ۳۴۳)

یا جب بغداد کے مذہبی فتنوں سے عاجز آ کر حکومت مذہبی اختلافات پر قدغن لگا رہی تھی۔ (المنتظم ۱۰ ۱۱۱)

حنبلیوں کے قائد اکبر شیخ بربہاری ۳۲۳ھ میں شافعیوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر مسجدوں میں پٹوا رہے تھے۔ (ابن اثیر ۸ ۲۲۹)

واعظ قشیری کو مدرسہ نظامیہ کی تولیت پر بدنام کیا جا رہا تھا اور اس کے نتیجہ میں زمین خون سے لال ہو رہی تھی۔ (مراۃ الجنان ۳ ۹۷)

محب الدین الحنفی الہندی المتوفی ۷۸۹ھ اپنے تعصب کو تدین قرار دے کر شافعیوں کو اذیت دے رہے تھے۔ (شذرات الذہب ۶ ۳۰۴)

تمام مذاہب ابن تیمیہ کے حرکات کو دیکھ کر مذہب حنبلی سے برائت کر رہے تھے۔ اور یہ اعلان عام ہو رہا تھا کہ جو ابن تیمیہ کے دین پر ہو اس کا جان و مال سب حلال ہے۔

شیخ ابو حامد حنبلی ارشاد فرما رہے تھے کہ غیر حنبلی کافر ہوتا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ۳ ۲۷۵)

شیخ ابو بکر المقری الواعظ بغداد کی مسجدوں میں جملہ حنبلیوں کے کفر کا فتویٰ دے رہے تھے۔

Presented by Ziaraat.Com

(شذرات الذہب ۳ ۲۵۳)

شیخ عبدالغنی المقدسی المتوفی ۶۰۰ھ دمشق میں فتویٰ کفر کا شکار بن رہے تھے وغیرہ وغیرہ۔

کفر سازی کی مشین اس دور میں اس قدر سستی بک رہی تھی کہ ہر غریب سے غریب عالم کے گھر بھی اس کا ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ ایک طرف ابوسہیل بن زیاد قطان معتزلیوں کو باقاعدہ قرآن سے کافر ثابت کر رہے تھے اور دوسری طرف شیخ ابو اسحٰق فیروز آبادی المتوفی ۴۷۹ھ کو حنبلیوں کی مخالفت کے باعث کافی قتل و غارت کے بعد گرفتار کیا جا رہا تھا۔ (طبقات الشافعیہ ۳ ۱۰۹)

ابومنصور متوفی ۵۶۷ھ کو حنبلی حضرات زہر دے رہے تھے اور بقول ابن جوزی ایک عورت کے حلوہ کو کھانے کے باعث خود مع اہلیہ و اولاد موت سے ہمکنار ہو رہے تھے۔ (طبقات الشافعیہ ۴ ۱۸۴)

ابوالحسن بن فورک کو بھی زہر دیا گیا۔

مستنصر کے خادم ابوعلی کو شافعیوں کا جاسوس قرار دے کر سات سال کے لئے قید کیا گیا۔

محمد بن عبداللہ انصاری حنبلی کو جانماز کے نیچے بت رکھ کر بادشاہ کے پاس یہ شکایت کی گئی کہ یہ بت کو اللہ کا مجسمہ سمجھ کر بت پرستی کرتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں ان کو سزا ملی۔ (تذکرۃ الحفاظ ۳ ۳۵۸)

شیخ آمدی کو حنبلی مذہب کو چھوڑ کر شافعی ہو جانے پر اتنا بدنام کیا گیا کہ فاسد العقیدہ ہونے کی بنا پر بہت سے علماء نے ان کے قتل کے محضر پر دستخط کر دیئے۔ (وفیات الاعیان ۱ ۳۰۱)

حارث بن مسکین مالکی نے مصر میں حنفیوں اور شافعیوں کو مسجد سے دھکا دے کر نکال دینے کا فتویٰ دے دیا۔

۵۳۸ھ میں حسن بن ابی بکر نیشاپوری بغداد آئے اور انھوں نے اشعریوں پر ایسے حملے کئے کہ آخرکار ابواسحٰق اسفرائنی کو شہر سے نکال دیا گیا۔ (المنتظم ۱۰ ۱۰۶-۱۰۸)

تعصب کی سب سے بدتر شکل یہ تھی کہ سلطان محمود بن ناصر نے حنفی مذہب چھوڑ کر شافعی مذہب اختیار کیا اور فریقین کے علماء کے سامنے قفال مروزی سے دونوں مذہبوں کی نماز ادا کرنے کا حکم دیا تو انھوں نے شافعی مذہب کی نماز باقاعدہ ادا کی اور حنفی مذہب کی وہ نماز پڑھی جس کے ذکر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ (وفیات الاعیان ۲ ۸۶، طبقات شافعیہ ۴ ۱۴)

شیخ علی بن الحسن سیف الدین متوفی ۶۳۱ھ حنبلی سے شافعی ہو گئے تو تمام علماء نے

Presented by Ziaraat.Com

ان کے کفر کا فتویٰ دے دیا۔ (مرآۃ الجنان ۴ ۲۲)

غرض ایسے افراد کی تعداد بہت زیادہ ہے جو تعصب کی تلوار سے مارے گئے اور جنھیں مذہبی اختلاف کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ حد یہ ہے کہ بعض علماء سے شافعیوں کے خلاف جھوٹی گواہی کے بارے میں فتویٰ پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ جب وہ کافر ہیں تو گواہی دے کر ان کا فاسق وجود ختم کر دیا جائے۔

علماء سوء کی یہی وہ حرکتیں تھیں جن سے اسلامی اتحاد پارہ پارہ ہو گیا۔ مذہب جاہ وحشم کا تابع بن گیا۔ دیانت کو حکومت کی قربان گاہ پر چڑھا دیا گیا اور دردمند مسلمان اور مخلص مومنوں کے دل مجروح ہو گئے۔

استاد محمد رشید رضا "صاحب المنار" لکھتے ہیں کہ "عجیب وغریب بات یہ ہے کہ شافعیوں کے باہمی اختلافات ہی نے تاتاریوں کو حملہ کرنے کا موقع دیا جس کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں کی طاقت ایسی کمزور پڑ گئی کہ آج تک اس کی تلافی نہیں ہو سکی ہے۔ آج بھی مسلمانوں کے ممالک کا جائزہ لیجئے تو بظاہر سب ایک دکھائی دیں گے لیکن واقعی طور پر ایک دوسرے کے دلی دشمن ہیں جیسا کہ قرآنِ کریم نے بے ایمانوں کی تعریف میں کہا تھا۔ (الوحدۃ الاسلامیہ ص۲)

تفرقہ واختلاف کے یہ اسباب روز بروز ترقی کرتے گئے۔ امت کا ہر فرد تعصب کا شکار ہونے لگا۔ جسے جس سے ہمدردی ہو گئی اس نے اس کے لئے فضائل ومحامد کے پُل باندھ دیئے اور جسے کسی سے ذرہ برابر اختلاف ہو گیا اس نے اس کی مٹی پلید کر دی۔ ایک ادنیٰ سے کرشمہ سے عادل حضرات فاسق ہو گئے اور ایک معمولی نظرِ عنایت سے فساق کو مسندِ عدالت مل گئی۔ مورخ تو حالات کا منتظر رہتا ہی ہے۔ اس نے بھی تعصب، جہالت یا دوسروں کے بیان کا سہارا لے کر وہی تعمیر بلند کرنا شروع کر دی اور اس طرح اقدار ومراتب کے معیار بدل ڈالے۔

علامہ سبکی کا بیان ہے کہ "مورخین کے یہاں اربابِ رجال سے بھی زیادہ تعصب وجہل ہوتا ہے۔ آپ کو کوئی تاریخ ایسی نہ ملے گی جو اِن فاسد عناصر سے محفوظ رہ سکی ہو۔ بالخصوص ذہبی کی تاریخ جو اپنی جامعیت اور شہرت کے باوجود ائمہ شافعیہ وحنفیہ کی شان میں ایسے ناروا حملوں سے پُر ہے جن کا ان بزرگانِ خلق کے بارے میں تصور بھی نہ ہو سکتا تھا۔"

Presented by Ziaraat.Com

حافظ صلاح الدین فرماتے ہیں کہ "شمس الدین ذہبی پر مذہبی تعصب اس قدر غالب آگیا تھا کہ اس نے ان کی فکر و نظر کے راستے ہی بدل ڈالے تھے۔" (طبقات الشافعیہ ۱/۱۹۰)

مختصر یہ کہ جذبات و خواہشات نے ذہن و دماغ کے دھارے کو ایک خاص رخ کی طرف موڑ دیا۔ حقیقت قلبی تمناؤں کی راہ پر چلنے لگی۔ مذہبی تعصب اور ائمہ مذاہب کی شان میں غلو و مبالغہ نے بیان کو میزان سے جدا کر دیا۔ ہر شخص اپنے امام کی مدح میں روایات کا سلسلہ قائم کرنے لگا اور جب اپنے بیانات ناکافی دکھائی دیئے تو نبی کریمؐ کی زبان سے روایتیں وضع ہونے لگیں۔

ایک نے رسولؐ کی زبان سے یہ کہلوایا کہ "آدم نے اپنی اولاد میں مجھ پر فخر کیا تھا اور میں اپنی اولاد میں ابو حنیفہ پر فخر کرتا ہوں۔"

یا دوسرے لفظوں میں انبیاء کرام مجھ پر نازاں ہیں اور میں ابو حنیفہ پر، جو ان کا دوست ہے وہ میرا دوست ہے اور جو ان کا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے۔" (الدر المختار فی شرح تنویر الابصار ۱/۵۲-۵۴)

"حضرت عیسیٰ ابو حنیفہ کی شریعت پر عمل کریں گے۔ ان کے مذہب پر عمل کرنے والا نجات یافتہ ہے۔ وہ قرآن کے بعد رسول اکرمؐ کا ایک معجزہ ہیں۔" (الدر المختار ۱/۵۲-۵۴)

ابو حنیفہ کی کرامت یہ ہے کہ حضرت خضرؑ ان کے پاس پانچ سال تک تحصیل علم کرتے رہے۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو خضرؑ نے بارگاہِ احدیت میں دعا کی کہ خدایا اگر تیری نظر میں میری کوئی حیثیت ہے تو ابو حنیفہ کو اجازت دے دے کہ مجھے قبر سے اپنے علوم کی تعلیم دیں۔ قدرت نے یہ دعا قبول کر لی اور وہ پچیس سال تک ان کی قبر سے علوم حاصل کرتے رہے۔ (الیاقوت لابی الفرج علی بن الجوزی ص۱۴)

میرا خیال ہے کہ اگر خود ابو حنیفہ بھی اس روایت کو سنتے تو راوی پر توہینِ انبیاء کی حد جاری کر دیتے اور بارگاہِ الٰہی میں توبہ کرتے کہ وہ اپنی حالت سے بہتر واقف تھے۔

دوسری طرف شافعی شاعر نے اعلان کیا کہ شافعی کی مثال علماء میں وہی ہے جو ستاروں میں چاند کی مثال ہے۔ ابو حنیفہ ان کے سامنے اسی طرح ہیں جیسے روشنی کے سامنے تاریکی۔

مالکیوں نے اعلان کیا کہ امام مالک کی ران پر قلمِ قدرت نے یہ نوشتہ لکھ دیا تھا "مالك حجة الله فی ارضه" (شرح تائیہ ابن فارض الشرنوبی) وہ ہر مالکی کی قبر میں آ کر اسے منکر و نکیر

Presented by Ziaraat.Com

کے سوال سے بچاتے ہیں۔ (مشارق الانوار عدوی ص۲۸۵) انھوں نے اپنی کتاب موطاء کو پانی میں ڈال دیا لیکن تر نہ ہو سکی۔ شاعر کہتا ہے کہ مالک سے انحراف کرنے والا ہالک ہے۔

حنبلیوں کا بیان ہے کہ مذہب حنبلی سے انحراف کرنے والا بدعتی ہے ____ جیسا کہ امام شافعی کے نام سے نقل کیا کہ احمد بن حنبل کا دشمن کافر ہے اس لئے کہ ان کا دشمن سنّت کا دشمن ہے اور سنّت کا مخالف صحابۂ کرام کی توہین کرنے والا ہے اور صحابہ کی توہین کرنے والا رسول اکرمؐ کا دشمن ہے اور رسولؐ کا دشمن اللہ کا منکر ہے۔ (طبقاتِ حنابلہ ۱۳۱)

ظاہر ہے کہ ہم امام شافعی کے اس قول کی تائید نہیں کر سکتے ہیں اور نہ ان کی طرف نسبت ہی کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ حضرت علیؑ کے دشمن کو بھی کافر نہیں کہتے ہیں بلکہ یہ لوگ تو متوکل کو ناصر السنۃ کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ اس کے لئے روایتوں کا انبار لگاتے ہیں۔ جب کہ اس کا عالم یہ تھا کہ حضرت علیؑ کا کھلم کھلا دشمن تھا۔ عمر بن فرخ، ابو السمط، عبداللہ بن محمد بن داؤد، علی بن الجہم وغیرہ کی تعظیم کرتا تھا۔ اور اس کی تمام تر دلچسپی یہ تھی کہ حضرت علیؑ کی توہین کی جائے۔ وہ تو دوستانِ علیؑ کے قتل و غارت کو بھی باعثِ مسرت سمجھتا تھا۔

لیکن اس کی بدکرداری کے باوجود اسے اولیاء خدا، ناصرانِ سنّت، اہلِ جنّت اور ابو بکر و عمر بن عبدالعزیز جیسے لوگوں کی صف میں بٹھایا گیا ہے۔

ابن الجوزی نے بھی احمد بن حنبل کی محبّت میں علی بن الجہم کو اہلِ سنّت میں شمار کیا ہے کہ وہ ابن حنبل کا دوست تھا۔ رہ گئی حضرت علیؑ کی دشمنی تو وہ اہلِ سنّت ہونے پر اثر انداز نہیں ہو سکتی ہے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کے بعد احمد بن حنبل ابو بکر سے بھی بہتر تھے جس کا ثبوت یہ ہے کہ پروردگارِ عالم ان کی قبر کی زیارت کیا کرتا ہے۔ (مناقب احمد بن الجوزی)

شیخ عبداللہ محمد بن ہروی کا بیان ہے کہ میں ابو حاتم بن جاموس کی ملاقات کی غرض سے رَے کی طرف چلا کہ سلطان محمود کا یہ حکم عام تھا کہ سب لوگ ابو حاتم کے سامنے اپنے عقائد پیش کریں۔ اتفاق سے اثناءِ راہ ایک شخص سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے مجھ سے سوال کیا کہ تمھارا مذہب کیا ہے؟ میں نے کہا کہ حنبلی ہوں۔ وہ یہ سن کر حیرت زدہ ہو گیا اور کہنے

Presented by Ziaraat.Com

لگا کہ اس مذہب کا تو نام بھی نہیں سنا ہے۔ اس کے بعد میرا دامن پکڑ کر کھینچتا ہوا ابو حاتم کے پاس لے گیا اور وہاں میرے مذہب کا ذکر کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو، اس لئے کہ جو حنبلی نہیں ہے وہ مسلمان ہی نہیں ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ۲ ص۲۷۵)

گویا آپ کی نظر میں تمام اہلِ مذاہب کفار کا مرتبہ رکھتے ہیں۔

کیا اس سے زیادہ غیر محتاط فتویٰ بھی ہو سکتا ہے؟ کیا اس کے بعد بھی انسان عالم کہا جا سکتا ہے؟ سچ ہے تعصب کے احکام دنیا سے جداگانہ ہوتے ہیں۔

اس دور میں قضاوت کا عہدہ حکومت کی طرف سے صرف حنفیوں کو تفویض ہوتا تھا۔ قادر باللہ نے یہ ارادہ کیا کہ یہ عہدہ شافعیوں کے حوالے کر دے اور یہ سوچ کر اکفانی کے بجائے ابو العباس احمد بن محمد بارزی شافعی کو قاضیٔ بغداد بنا دیا۔ ابو حامد نے اس کی اطلاع سلطان محمود کو کر دی اور چار طرف یہ خبر مشہور ہو گئی جس کی بنا پر مختلف فتنے رونما ہوئے اور آخر کار بادشاہ نے تمام اشراف کو جمع کر کے یہ بیان دیا کہ ابو حامد اسفرائنی نے مجھے نہایت ہی خلوص کے ساتھ یہ مشورہ دیا تھا کہ قضاوت کو اکفانی سے منتقل کر کے بارزی کے حوالے کر دیا جائے لیکن اب یہ واضح ہو چکا ہے کہ اس کی نیت خبیث تھی۔ وہ مجھے آباء و اجداد کی سیرت سے ہٹانا چاہتا تھا۔ لہٰذا اب کوئی شخص اس کے پاس نہ جائے، اس کے سلام کا جواب نہ دے اور ہر شخص اکفانی کو دوبارہ قاضی تصور کرے۔ (نظرۃ تاریخیہ احمد تیمور پاشا)

اس واقعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ علماء حنفیہ منصب قضاوت کے کس قدر دلدادہ تھے اور اس کو حاصل کرنے کے لئے کیسی کیسی تدبیریں کیا کرتے تھے۔

اس اختلاف و نزاع کا کھلا ہوا سبب یہ تھا کہ اس دور میں کسی مذہب کو کامیاب بنانے کا بہترین وسیلہ یہی منصب قضاوت تھا کہ جسے یہ منصب مل گیا گویا اس کے مذہب کو معراج مل گئی اور یہی وجہ تھی کہ قاضی بھی اکثر اوقات مذہبی جھگڑے اٹھایا کرتے تھے اور اپنے مذہب کو آگے بڑھانے کے وسائل پیدا کیا کرتے تھے۔

شیخ الاسلام احمد بن ساعد حنفی نے قاضی نیشاپور ہونے کے بعد ایک ایسا ماحول پیدا کر دیا کہ خطیبوں نے برسرِ منبر دوسرے مذاہب پر لعنت کرنا شروع کر دی۔ (شذرات الذہب ۳ ص۲۱۱)

Presented by Ziaraat.Com

قاضی بکار نے یہ چاہا کہ جامع بنی امیہ میں کوئی حنفی امام مقرر کر دیں۔ وہاں کے محراب و منبر پر ہمیشہ شافعیوں کا قبضہ رہتا تھا۔ چنانچہ یہ دیکھتے ہی شافعیوں نے ایک انقلاب برپا کر دیا۔ قاضی کو معزول کیا گیا اور مسجد کا دروازہ بند ہو گیا۔ (طبقات الشافعیہ ۱ ۱۷۴)

غالباً اس سلسلہ کا سب سے بڑا ہنگامہ ابن قشیری کا ہے کہ انھوں نے ۴۶۹ھ میں بغداد آکر مدرسہ نظامیہ میں حنبلیوں کی مذمت شروع کی۔ ان کو اہل تجسیم میں شمار کیا اور وزیر کے پاس ان کی شکایت لکھ بھیجی۔ ادھر قشیری کے اصحاب نے حنبلیوں کے سردار عبدالخالق ابن عیسیٰ پر حملہ بھی کر دیا اور طرفین میں باقاعدہ جنگ ہو گئی اور ابن قشیری کے شافعی اصحاب نے مدرسہ کے دروازہ بند کر دیئے۔ ابو اسحٰق شیرازی اور نظام الملک کو یہ حادثہ انتہائی ناگوار گزرا اور خلیفہ نے بھی چاہا کہ طرفین میں صلح ہو جائے۔ چنانچہ شافعیوں کی طرف سے قشیری اور حنبلیوں کی طرف سے ابو جعفر شریف وزیر کے سامنے حاضر کئے گئے۔ قشیری نے وزیر سے صاف صاف کہہ دیا کہ ہمارے درمیان صلح کا کوئی مقصد ہی نہیں ہے۔ صلح کسی حکومت، ملکیت یا قرضہ وغیرہ پر ہوتی ہے۔ اور یہاں یہ حال ہے کہ یہ ہمیں کافر سمجھتے ہیں اور ہم انھیں۔ اب صلح کس بات پر ہو گی۔ (ذیل طبقات الحنابلہ ابن رجب ۱ ۲۲)

مذہبی کشمکش اس حد کو پہنچ چکی تھی کہ علماء مذہب تبدیل کرنے میں سخت مصائب کا شکار ہو جاتے تھے۔ کوئی حنفی بننے پر سزا پاتا تھا اور کسی کی شافعی بننے پر مرمت کی جاتی تھی۔ (الدین الخالص ۲ ۳۵۵)

ابو سعید متوفی ۵۶۲ھ حنفی سے شافعی بنے تو انھیں بھی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔

سمعانی نے شافعی مذہب اختیار کیا تو فریقین میں جنگ چھڑ گئی اور فتنے کا سلسلہ عراق سے خراسان تک پہنچ گیا اور بالآخر بات بادشاہِ وقت تک پہنچائی گئی۔ (طبقات الشافعیہ ۳ ۲۲)

شیخ عبدالعزیز خزاعی نے مالکیت کو چھوڑ کر امام شافعی کا اتباع کر لیا۔

شیخ محمد بن عبداللہ متوفی ۲۶۸ھ نے بھی مالک سے شافعی کی طرف رجوع کر لیا۔

ابو جعفر بن نصر ترمذی متوفی ۲۹۵ھ نے حنفیت سے شافعیت کی طرف رجوع کیا۔

ابو جعفر طحاوی نے شافعیت سے حنفیت کی طرف۔

Presented by Ziaraat.Com

خطیب بغدادی متوفی ۴۹۳ھ حنبلی سے شافعی ہوئے۔

ابن فارس صاحب کتاب مجمل شافعی سے مالکی بنے۔

سیف آمدی متوفی ۶۳۱ھ حنبلی سے شافعی ہوئے۔

شیخ محمد بن دہان نحوی حنبلی سے شافعی ہوئے اور شافعی سے حنفی اور حنفی سے پھر شافعی۔

شیخ تقی الدین بن دقیق پہلے مالکی تھے بعد میں شافعی ہوگئے اور ہر ایک نے اپنے سابق مذہب والوں کی طرف سے کافی مصیبتوں کا سامنا کیا۔

باہمی تعصب اس منزل کو پہنچ گیا کہ مذہب کا چھپانا ایک ضروری کام ہوگیا۔ چنانچہ ابوبکر محمد بن الباقی حنبلی متوفی ۵۳۵ھ نے اپنے اشعار میں تین چیزوں کے اظہار کی ممانعت کی ہے۔ سن، مال اور مذہب۔ اس لئے کہ سن جھٹلایا جاتا ہے۔ مال سے حسد ہوتا ہے اور مذہب میں لوگ کافر بنائے جاتے ہیں۔

علامہ زمخشری کشاف ۲۰۸ھ میں اس اختلاف کی بے نظیر تصویر کشی فرماتے ہیں۔ ان کے اشعار کا خلاصہ یہ ہے کہ میں اپنے مذہب کو ظاہر نہیں کرسکتا اور یہی مناسب بھی ہے اس لئے کہ اگر اپنے کو حنفی کہتا ہوں تو لوگ کہتے ہیں کہ شراب کو جائز جانتا ہے۔

شافعی کہتا ہوں تو کہا جاتا ہے کہ اپنی بیٹی سے نکاح کو مباح سمجھتا ہے۔

مالکی کہتا ہوں تو یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کتے کے گوشت کو جائز جانتا ہے۔

اور اہل حدیث بتاتا ہوں تو بیوقوفی کا الزام آتا ہے۔

یہ مختصر خاکہ اس مذہبی تعصب کا ہے جسے حکومتوں نے اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے بڑھاوا دیا اور اس کی آڑ میں شکار کھیلتے رہے۔ ہمارا مقصد ان اختلافات کا نقل کرنا نہیں تھا لیکن اسفرائنی جیسے غیر ذمہ دار افراد کی تردید کے لئے موضوع کو اس قدر طول دینا پڑا۔ موصوف کا خیال یہ ہے کہ چوں کہ شیعوں میں ہمیشہ باہمی اختلاف رہا ہے اور اہلِ سنت کے جملہ مذاہب ایک نقطہ پر متفق رہے ہیں۔ اس لئے مذہبِ شیعہ کو باطل اور مذہبِ اہلِ سنت کو حق سمجھنا چاہئے۔ ان کی اصل عبارت یہ ہے :-

"فصل دوئم طریق تحقیق نجات برائے اہل سنت والجماعت" (اہل سنت

Presented by Ziaraat.Com

ایک نقطہ پر متفق ہیں۔ ان میں آپس میں کوئی ایسا اختلاف نہیں ہے جو موجب کفر یا باعثِ برائت و بیزاری ہو، وہ اہلِ جماعت ہیں اور حق پر قائم ہیں۔ اللہ بھی حق والوں کا تحفظ کرتا ہے اور ان میں اختلافات نہیں پیدا ہونے دیتا ہے۔

ان کے علاوہ جتنے بھی مخالف فرقے ہیں ان میں سوائے باہمی بیزاری اور تکفیر کے کچھ نہیں ہے۔ جیسا کہ خوارج، رافضی اور قدریہ کے بارے میں نقل کیا گیا ہے۔ حد ہوگئی کہ ایک مجلس میں سات قسم کے افراد جمع ہوئے اور سب ایک دوسرے کو کافر سمجھتے تھے۔ ان کی مثال یہود و نصاریٰ کی سی ہے کہ وہ لوگ بھی آپس میں ایک دوسرے کو لغو و مہمل سمجھتے ہیں۔

افسوس کہ اسفرائنی نے ان تمام حادثات کو نظر انداز کر دیا جن کی ہم نے ابھی ابھی نشاندہی کی ہے۔ انھیں یہ بھی یاد نہیں رہا کہ احمد بن حنبل نے قرآن کو مخلوق سمجھنے والے پر کفر کا حکم لگایا تھا۔

محمد بن یحییٰ ذہلی متوفی ۲۵۵ھ نے فتویٰ دیا تھا کہ قرآن کو مخلوق کہنے والا کافر ہے۔ اس کی زوجہ اس سے جدا ہو جائے گی اور وہ اگر توبہ کرے گا تو خیر ورنہ اس کی گردن اڑا دی جائے گی اور اسے مسلمانوں کے مقبرہ میں جگہ نہیں دی جائے گی بلکہ جو اس مسئلہ میں غیر جانبدار ہوگا وہ بھی قریب قریب کافر ہوگا بلکہ جس کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن کے الفاظ آج مخلوق ہیں وہ بھی بدعتی ہے اور اسے بھی مسلمانوں کے مقبرہ میں دفن نہیں کیا جا سکتا ہے۔

احمد بن حنبل کی نظر میں ایسے لوگوں کی توبہ بھی قبول نہیں ہوگی اور اسی لئے وہ نہ ان لوگوں کی نماز جنازہ پڑھتے تھے اور نہ ان کے جنازہ کی مشایعت کرتے تھے۔

کافر سازی کا یہ سلسلہ اتنا عام ہوا کہ عورتوں تک بھی پہنچ گیا۔ چنانچہ خطیب نے تاریخ بغداد ۱۰/ ۷۲ میں نقل کیا ہے کہ ایک عورت قاضی عبداللہ بن محمد حنفی کے پاس یہ مقدمہ لے کر آئی کہ میرا شوہر قرآن کے بارے میں امیرالمومنین بادشاہِ وقت کے نظریہ سے متفق نہیں ہے لہذا مجھے اس سے الگ کر دیجئے۔

ان اختلافات نے نتیجۂ کار میں باہمی تکفیر کا ایک نیا باب کھول دیا۔

Presented by Ziaraat.Com

ایک جماعت کا خیال تھا کہ جو قرآن کو غیر مخلوق کہے وہ کافر ہے جس کے سربراہ ابن ابی داؤد وغیرہ تھے۔ واثق نے روم سے چار ہزار قیدی گرفتار کئے اور ان کی رہائی میں یہ شرط کر دی کہ جو قرآن کو مخلوق مانے گا اس کو آزاد کر دیا جائے گا اور جو اس سے انکار کرے گا وہ قید میں رہے گا۔ یعنی اس پر کفر کے احکام باقی رہیں گے۔ (طبقات الشافعیہ ۳ ص ۲۲) (تاریخ یعقوبی ۳ ص ۱۹۴)

احمد بن نصر، واثق کے پاس آئے تو اس نے پوچھا کہ قرآن کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ احمد چونکہ غیر مخلوق سمجھتے تھے اس لئے انھوں نے کہا وہ کلام اللہ ہے اور اسی پر اڑ گئے تو بعض حاضرین نے کہا کہ ان کا خون حلال ہے۔ ابن ابی داؤد نے کہا کہ ان کے دماغ میں خلل ہے۔ اس لئے انھیں توبہ کی مہلت دی جائے۔ واثق نے یہ رائے ظاہر کی کہ یہ کافر ہے۔ اور اس کے بعد یہ کہہ کر اٹھا کہ میرے ساتھ کوئی نہ آئے۔ میں اس کافر کو قربۃً الی اللہ قتل کروں گا۔ یہ ایسے خدا کی پرستش کرتا ہے جسے ہم نہیں پہچانتے ہیں۔ یہ کہہ کر احمد کو گرفتار کرا کے بٹھایا اور حکم دیا کہ ان کی گردن ایک رسّی میں باندھ کر کھینچی جائے۔ جب لوگوں نے اس حکم پر عمل کیا تو اس نے ان کی گردن اڑا دی اور سر بغداد بھیج دیا۔ (شذرات الذہب ۲ ص ۱۶۷)

مسلمانوں کے یہی وہ اختلافات تھے جنھوں نے ایک طرف امت کے اتحاد کو پاش پاش اور اس کے شیرازہ کو منتشر کر دیا اور دوسری طرف دشمنوں کو یہ موقع دیدیا کہ وہ مسلمانوں کی صفوں میں داخل ہو کر ان کے اختلافات سے ناجائز فائدہ اٹھائیں۔

ہمارا مقصد ان بیانات سے صرف ان اسباب کی نشاندہی کرنا ہے جن کی بنا پر آج اسلامی معاشرہ اس انحطاط اور پستی کا شکار ہو گیا ہے اور ظاہر ہے کہ جب عام مسلمانوں کے باہمی اختلافات کا یہ حال ہو گا تو پھر شیعہ سنی جھگڑے کی داستان تو اور بھی ہولناک، قیامت خیز اور الم انگیز ہو گی۔ اس میں فتنوں کی بھڑکتی ہوئی آگ، مسلمانوں کے بہتے ہوئے خون اور جلتے ہوئے مکان سب ہی ہوں گے۔ ہمارا مقصد ان اختلافی مسائل کا ذکر کرنا نہیں ہے اس لئے کہ ان سب کی بنیاد مسئلہ امامت جیسے چند بنیادی مسائل پر ہے۔ جن کی وجہ سے شیعوں کے خلاف ایک پورا محاذ تیار ہو گیا۔ تہمتیں رکھی گئیں، الزام تراشے گئے اور علم و دیانت کے حقوق کو پامال کیا گیا۔ یہ داستان آیندہ وضاحت کے ساتھ بیان کی جائے گی۔ اس وقت صرف ان حادثات کی طرف اشارہ کرنا ہے جو

Presented by Ziaraat.Com

ہزاروں افراد کا خون بہا کر چلے گئے۔ عاشور کا غم اور غدیر کی مسرت جو شیعوں کا ایک بنیادی فریضہ تھا مخالفین نے اسے بھی بدعت کے سیلاب میں بہا دیا اور اس کے ساتھ فریقین کے نہ جانے کتنے خون بھی بہہ گئے۔ (البدایہ والنہایہ ابن کثیر ۱۱ ۲۳۵) یہ اور بات ہے کہ خود اہلسنت نے بھی عاشور کے مقابلہ میں مصعب ابن زبیر کا غم منایا اور غدیر کے مقابلے میں یوم الغار (غار ڈے) کی بنیاد ڈالی۔ اس کے علاوہ سیکڑوں آدمیوں پر نوحہ پڑھا گیا اور اسے بدعت نہیں سمجھا گیا۔

محمد بن یحییٰ نیشاپوری نے احمد بن حنبل کی موت پر ایک عام حکم لگا دیا کہ بغداد کے ہر گھر میں ان کا ماتم کیا جائے۔ (طبقات الحنابلہ ۲ ۵۱) چنانچہ وہ ماتم بھی ہوا۔ غم بھی منایا گیا، ایک مدت تک قبر پر اجتماع بھی رہا اور مجالس بھی برپا ہوئیں۔

نوحہ و ماتم کا یہ سلسلہ ابن حنبل ہی تک محدود نہیں رہا بلکہ اس کے علاوہ بھی تاریخ میں متعدد مثالیں ملتی ہیں:۔

۱۔ ابو الفتح اسماعیل بن سلطان محمود نے ۵۶۷ھ میں رحلت کی تو گلی کوچوں میں ان کا ماتم ہوا اور بے پناہ غم منایا گیا۔ (شذرات الذہب ۶ ۱۱۲)

۲۔ ابن تیمیہ نے ۷۲۸ھ میں انتقال کیا تو ان کے جنازہ میں دو لاکھ مرد اور پچاس ہزار نوحہ کناں عورتیں شریک ہوئیں۔ ان کے غسل کے پانی کو تبرکاً پیا گیا۔ بیر کی پتیوں کو برکت کے لئے بانٹ لیا گیا اور ان کے ایک ایک مال پر سیکڑوں درہم و دینار لٹ گئے۔ جنازہ چلا تو منادی یہ آواز دیتا ہوا چلا کہ اہل سنت کے جنازہ ایسے ہوتے ہیں۔ تختۂ غسل پر رکھا گیا تو مردوں اور عورتوں نے مل کر بوسے دیئے۔ (تاریخ ابن کثیر ۱۴ ۱۳۸) شمس الدین ذہبی جیسے افراد نے ان کا مرثیہ بھی لکھا۔ (العقود الدریہ فی مناقب ابن تیمیہ ۳۹۹)

۳۔ احمد بن سلطان ملک شاہ نے ۴۸۱ھ میں انتقال کیا تو سات دن تک ان کا ماتم ہوتا رہا۔ دروازے سیاہ کر دیئے گئے۔ بازاروں میں عورتوں نے نوحہ پڑھا اور کوئی آدمی گھوڑے پر سوار نہیں ہوا۔

۴۔ شیخ الحرمین کا انتقال ہوا تو ان کے شاگردوں نے سڑکوں پر عورتوں کی طرح نالہ و شیون کیا اور سال بھر تک یہ ماتم رہا۔ (طبقات الشافعیہ ۳ ۲۵۹)

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

۵۔ ٦٠٧ھ میں ابوعمر حنبلی نے انتقال کیا تو اس پر مرد و عورت سب نے مل کر ماتم کیا۔ مسجد میں غسل دیا گیا۔ عورتوں نے اپنے دوپٹے اور مردوں نے اپنے عمامے اس پانی سے تر کر لئے اور برکت کے لئے کفن کے ٹکڑے حاصل کرنے پر ٹوٹ پڑے۔ قریب تھا کہ لاش برہنہ ہو جائے اگر حکومت نے بروقت مداخلت نہ کی ہوتی۔ تلوار سے مجمع کو پیچھے ہٹایا گیا، بقول ابن عماد اگر حکومت نہ ہوتی تو کفن کا کوئی ٹکڑا قبر تک نہ پہنچ سکتا۔ (شذرات الذہب ۳۰۴)

٦۔ مسترشد عباسی نے ۵۲۹ھ میں رحلت کی تو عورتوں نے برہنہ سر سڑکوں پر اس کا ماتم کیا اور مردوں نے گریبان چاک کر ڈالے۔ (تاریخ دول اسلام ذہبی ۱۸۲/۱)

اس کے علاوہ غم و الم، نوحہ و ماتم کی ایک داستان ہے۔ جس کا اندازہ تاریخ کے اوراق سے لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن جب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ پھر ان معاملات میں شیعوں سے اتنا سخت مواخذہ کیوں ہوا۔ ان کے سلسلہ میں اتنے حادثات کیسے رونما ہوئے تو ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تمام تر حکومتوں کی خوشامدوں کا ہاتھ تھا۔ شیعہ دشمنی اور تشیع سے علیحدگی ایک فریضہ بن گئی تھی۔ شیعوں سے مشابہت ایک جرم قرار پا گئی تھی۔

زرقانی نے مواہب لدنیہ میں حضرت علیؑ کی روایت کی بنا پر پیغمبر اسلامؐ کے عمامہ کی شان بیان کرتے ہوئے حافظ عراقی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ عمامہ کا انداز فقہاء امامیہ نے لیا ہے لہذا اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔

یعنی شیعوں کی مشابہت کی وجہ سے رسول اللہؐ کے شعار کو بھی ترک کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ ہزار ثبوت میں ایک اہم ثبوت ہے اس بات کا کہ اس دور میں شیعوں کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا اور یہ بھی کوئی عجیب بات نہ تھی، اس لئے کہ تشیع میں حکومت کی ناراضگی اور اس کے نتیجہ میں جان و مال کی بربادی یا قید و بند کی زندگی تھی۔ ضرورت تھی کہ ان کی مخالفت کر کے حکومت کو راضی کیا جائے اور تشیع کی تہمت کا خواب بھی نہ دیکھا جائے۔

خطیب بغدادی نے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے خواب میں حضرت علی علیہ السلام کو دیکھا تو ان کے قریب جانے کی ہمت نہ کی۔ اس کے ساتھی نے ٹوکا تو اس نے جواب دیا کہ

ڈرتا ہوں کہ کہیں تشیع سے بدنام نہ ہو جاؤں۔

یہ تھی حکومت کی وہ کارگذاری جہاں اپنے مصالح کے لئے افتراق و اختلاف کے شعلے بھڑکائے جاتے تھے تاکہ اخوت و اتحاد سے اپنے ذاتی اغراض پامال نہ ہونے پائیں۔

یہ سچ ہے کہ ہر دور میں کچھ حق کے پرستار بھی رہے ہیں اور انھوں نے امت کو اس اختلاف کے نتائج سے آگاہ بھی کیا ہے۔ لیکن ایسے انتشار تعصب، عداوت اور نزاجیت کے ماحول میں ان کی آواز کہاں تک پہنچ سکتی تھی۔ جہالت نے ان پر ایسے افراد مسلط کر دیئے تھے جو رحم و کرم کے نام سے بھی ناواقف تھے۔ اب ان کے سامنے ذلتیں تھیں، تلوارں تھیں۔ ان کے خون تھے اور زمین! ان کے سر تھے اور ٹیلے! مسلمانوں کے دل تھے اور رعب و ہیبت! کسی میں بات کرنے کی جرأت یا کلمۂ توحید کے نشر کرنے کی طاقت نہ تھی! وہ دن جا چکے تھے جب حیات کو پست سمجھ کر شہادت کی تمنا میں موت کا استقبال کرتے تھے۔ جب ان کے قدموں میں دنیا کے شہر تھے اور ان کے سامنے بڑے بڑے جابروں کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں۔ اب تو ان میں یہ دم بھی نہیں رہ گیا تھا کہ اپنے نفس سے دفاع کرتے! اب ایک تاتاری پوری جماعت کو قتل کر سکتا تھا۔ ایک عورت گھر میں گھس کر ایک جماعت کو تہ تیغ کر سکتی تھی اور ان میں دفاع کی طاقت نہ تھی۔ ایک شخص سو کو مار سکتا تھا اور اسے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا۔ عالم یہ تھا کہ ایک تاتاری نے ایک مسلمان کو گرفتار کیا اور جب اسے قتل کرنے کے لئے کوئی چیز نہ ملی تو اس نے کہا کہ تم اسی جگہ لیٹے رہو، میں کوئی چیز لے کر آتا ہوں۔ وہ شخص اسی مقام پر لیٹا رہا یہاں تک کہ اس نے آکر قتل کر دیا۔ (المدد الجزر ابوالحسن مناوی ۳۷) یہی وہ باتیں ہیں جن سے مسلمان کا دل رنجیدہ ہوتا ہے اور اس کا دم ہونٹوں تک آجاتا ہے۔ اس لئے کہ آج ہمارا مقابلہ فاسد عقائد، غلط خیالات اور گندے نظریات سے ہے۔ آج اگر ہم نے اسلامی تعلیمات کا سہارا نہ لیا اور اتحاد و اخوت پر عمل نہ کیا تو ہم خود ہی اپنے لئے بہت بڑا خطرہ بن جائیں گے۔ دشمن ہمارے اختلاف سے فائدہ اٹھا کر ہمارے معاشرہ کو تباہ کر دے گا۔ ہماری دینی و اخلاقی تعلیم کو مسخ کر دے گا اور ہمارے درمیان ایسی نامعقول تعلیم رائج کر دے گا جس کا مقابلہ اتحاد کے علاوہ کسی اور طاقت سے نہیں ہو سکتا ہے۔ بہتر ہے کہ ہم اسلام کو

Presented by Ziaraat.Com

سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس کے تعلیمات کو ان مرکزوں سے حاصل کریں جن کے اتباع کا قرآن مجید نے حکم دیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا۔

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

مذاہب کی نشر و اشاعت

Presented by Ziaraat.Com

مذاہب کی نشر و اشاعت

مذاہب اربعہ نے رفتہ رفتہ شہرت کی راہوں پر قدم رکھا۔ چوتھی صدی ہجری آتے آتے گذشتہ صدیوں کے تمام مذاہب کے نام کے دھندلے پڑ گئے اور یہی چاروں مذاہب حکمران رہ گئے۔ صرف ایک مذہب شیعہ ایسا تھا جو ان تمام رکاوٹوں کے باوجود اپنی روحانی طاقتوں سے آگے بڑھتا رہا اور کسی منزل پر نہ ٹھہر سکا۔

مقدسی نے چوتھی صدی کے حالات اس انداز سے بیان کئے ہیں :-

صنعاء اور عمان کے اطراف میں غالیوں کا غلبہ تھا۔

عمان اور ہجر وغیرہ کے صاحبِ فکر شیعہ تھے۔

خود اصل صنعاء پر حنفیوں کا قبضہ تھا۔

نجد و یمن کے اطراف میں سفیان کا مذہب رائج تھا۔

بغداد میں حنبلی اور شیعہ غالب تھے لیکن مالکی اور اشعری بھی تھے۔

کوفہ میں شیعوں کا اقتدار تھا لیکن کناسہ اہلِ سنت کے ہاتھ میں تھا۔

اہلِ بصرہ قدری تھے۔ شیعہ اور حنبلی بھی وہاں پائے جاتے تھے۔

بغداد میں معاویہ دوست غالیوں کا بھی وجود تھا۔ چنانچہ مقدسی ہی نے بغداد کی ایک مسجد میں ایک شخص کو یہ روایت نقل کرتے سنا کہ "اللہ روزِ قیامت معاویہ کو اپنے پہلو میں بٹھائے گا اور ان تمام مخلوقات کے سامنے دلہن بنا کر پیش کرے گا" گو یہ سن کر انھیں غیظ آگیا خطیب سے

Presented by Ziaraat.Com

کہنے لگے کیا یہ علیؑ سے جنگ کرنے کا صلہ ہے۔ تو جھوٹا اور بے ایمان ہے۔ مقدسی کا یہ کہنا تھا کہ مسجد میں ایک شور برپا ہو گیا پکڑو پکڑو یہ رافضی ہے۔ لوگ ان پر ٹوٹ پڑے لیکن بعض لوگوں نے مجھے پہچان لیا اور اسی لئے جان بچ گئی۔

موصل وغیرہ میں اہل سنت کا مذہب رائج تھا۔

عانہ پر معتزلہ کا غلبہ تھا۔

اہل شام اہلسنت تھے۔

طبریہ، نابلس اور عمان کی اکثریت شیعہ تھی۔ مالکی کوئی نہ تھا لیکن عمل اصحاب حدیث کے مذہب پر ہوتا تھا۔

اہل مصر شام والوں کے ہم مذہب تھے لیکن اکثر فقہاء مالکی تھے۔ اس لئے کتے پالا کرتے تھے اور امام کے آگے نماز پڑھتے تھے۔

فسطاط میں ظاہری مذہب تھا۔

مغرب میں تین قسم کے مذہب تھے۔

اندلس میں مالکی مذہب تھا اور نافع کی قرأت، ان کا ایمان اللہ کی کتاب اور مالک کی موطا پر تھا۔ یہ لوگ حنفی اور شافعی کو شہر بدر کر دیتے تھے اور معتزلہ و شیعہ کو مستحق قتل سمجھتے تھے۔

باقی مغرب میں مذہب حنفی و مالک رائج تھا۔ مالکی شافعی کو برا سمجھتے تھے اور ان کا کہنا تھا کہ شافعی نے مالک سے علم لے کر ان کی مخالفت کی ہے۔

خراسان کے اطراف میں شیعہ اور معتزلہ آباد تھے لیکن غلبہ حنفیوں کا تھا۔

کورۃ الشاش میں شافعی بھی تھے اور ایک قوم عبداللہ سرخسی کے مذہب پر بھی تھی۔

رحاب کے مذاہب مستقیم تھے لیکن اہل حدیث حنبلی تھے۔

دبیل میں حنفی مذہب غالب تھا۔

رَے کے مذاہب مختلف تھے۔ غلبہ حنفیوں کے ہاتھ میں تھا۔ حنبلی بھی بہت تھے۔

اہل قم شیعہ تھے۔

دینور میں سفیان ثوری کے پیرو تھے۔

Presented by Ziaraat.Com

خوزستان کے مذاہب بھی مختلف تھے۔

اہلِ اہواز و رامہرمز و دورق حنبلی تھے۔

نصف اہواز شیعہ تھا۔ اس میں حنفی بھی تھے اور مالکی بھی۔

فارس میں اصحابِ حدیث اور اصحابِ ابو حنیفہ کا دور دورہ تھا۔ داؤدیہ فرقہ کے مدارس و مجالس بھی تھے اور قضاتیں انھیں کے ہاتھ میں تھیں۔

کرمان میں شافعیوں کا غلبہ تھا۔

سندھ میں اصحابِ حدیث کی اکثریت تھی۔ قاضی ابو محمد منصوری مذہب داؤدی کے امام تھے۔

اہلِ ملتان شیعہ تھے جو اذان میں حی علی خیر العمل کہتے تھے اور اقامت میں دو دو فصلیں قرار دیتے تھے۔ قصبات میں حنفی فقہا بھی تھے لیکن مالکی، معتزلی یا حنبلی کا کوئی اثر نہ تھا۔

(احسن التقاسیم شمس الدین محمد ابن احمد بشاری مطبوعہ سنہ ۱۹۰۹ء مطبع بریل)

Presented by Ziaraat.Com

عصرِ حاضر

آج کے دور میں مذاہبِ اربعہ کی رفتار اشاعت کے بارے میں علامہ احمد تیمور پاشا اپنی کتاب نظرۃ تاریخیہ ص۸۹ پر یوں رقم طراز ہیں :۔

مغربِ اقصیٰ و جزائر اور تیونس میں مالکی مذہب غالب ہے۔

طرابلس میں مالکیوں کی اکثریت اور حنفیوں کی قلت ہے جو ترکوں کے قدیم خاندان کے باقی ماندہ افراد ہیں اور جن کی اکثریت تیونس میں ہے۔ اسی لئے وہاں کی قضاوت حنفی و مالکی دونوں کے ہاتھ میں ہے اور باقی جگہیں مالکیوں کے ہاتھ میں ہیں۔

حاضرہ میں مفتیٔ اعظم حنفی ہیں جن کا لقب شیخ الاسلام ہے۔ مالکی کا درجہ اس کے بعد ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس کو بھی کبھی کبھی شیخ الاسلام کہہ دیتے ہیں۔ باوجودیکہ یہاں حنفیوں کی قلت تھی۔ لیکن جامعہ زیتونہ کا قانون یہ ہے کہ اس کے آدھے مدرس حنفی ہوں اور آدھے مالکی، جس کا سبب صرف یہ ہے کہ مذہب حنفی بڑے خاندانوں نے اختیار کیا تھا۔

مصر میں مرکزیت شافعیوں کی ہے لیکن اطراف میں مالکی بھی ہیں۔ حنفیوں کی کثرت اور انھیں کی حکومت ہے۔ حنبلی نہ ہونے کے برابر ہیں۔

شام میں آدھے حنفی ہیں، چوتھائی شافعی اور چوتھائی حنبلی۔

فلسطین میں اکثریت شافعیوں کی ہے۔ اس کے بعد حنبلی، اس کے بعد حنفی، اس کے بعد مالکی۔

Presented by Ziaraat.Com

عراق میں اکثریت حنفیوں کی ہے اور اسی کے لگ بھگ شافعی بھی ہیں مالکی اور حنبلی کم ہیں۔

ترک علاقے میں حنفی ہیں۔

کردشافعی مذہب کے ہیں۔

اہلِ فارس میں بھی اکثریت انھیں کی ہے۔ تھوڑے سے حنفی بھی ہیں۔

افغان حنفی و شافعی ہیں اور تھوڑے سے حنبلی۔

ترکستان غربی میں حنفی زیادہ ہیں اور شرقی میں شافعی۔ بعد میں حنفیوں کا غلبہ اس لئے ہوگیا کہ قفقاز وغیرہ کے علماء نے کافی جدوجہد کی۔

پاک و ہند حنفی ہے۔ شافعی کم اور دیگر مذاہب بھی ہیں۔

ہندچینی میں شافعی ہیں۔

یہی حال آسٹریلیا کا ہے۔

برازیل میں پچیس ہزار حنفی مسلمان ہیں۔

امریکہ میں تقریباً ایک لاکھ چالیس ہزار مختلف مذہب کے مسلمان ہیں۔

حجاز میں شافعی و حنبلی زیادہ ہیں۔ بعض شہروں میں حنفی و مالکی بھی ہیں۔

یمن، عدن اور حضرموت میں شافعی ہیں۔ عدن کے بعض علاقوں میں حنفی بھی ہیں۔

عمان میں غلبہ خوارج کا ہے۔

قطر اور بحرین مالکی ہے۔ کچھ تھوڑے سے حنبلی بھی ہیں جو نجد سے آگئے ہیں۔

احساء میں اکثریت حنبلی و مالکی کی ہے۔

کویت مالکی ہے۔

یہ تفصیل احمد تیمور پاشا نے مذاہب اربعہ کے بارے میں ذکر کی ہے لیکن چونکہ موصوف نے مذہب شیعہ کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے اس لئے ہم ان مذاہب سے فرصت پانے کے بعد اس کی داستان بھی سنائیں گے۔

ہم پہلے ہی یہ بتا آئے ہیں کہ ان مذاہب کی ترویج میں زیادہ ہاتھ حکومت کا تھا جس کے زیرِ اثر مذہب کو آگے بڑھانے کے لئے مدرسے قائم کئے جاتے تھے اور ان کا کام ابتدا ہی سے ان مذاہب کو موجودہ نسل کے رگ و پے میں دوڑا دینا تھا۔

Presented by Ziaraat.Com

ترویجِ مذاہب کے مدرسے

عہدِ عباسی میں بغداد ایک ایسی مرکزی آبادی کی شکل اختیار کر چکا تھا جس میں مذاہب اربعہ کی تعلیم کے لئے مختلف مدرسے تھے۔ طلاب علم کے اخراجات برداشت کئے جاتے تھے نظام الملک ہر سال چھ لاکھ دینار خرچ کرتے تھے۔ مقتدر عباسی کے وزیر ابوالحسن علی بن محمد کی طرف سے ۵ ہزار طلاب کی کفالت ہوتی تھی۔ اطرافِ عالم کے طلاب علم کھنچ کھنچ کر آرہے تھے۔ ان مدارس میں قابلِ ذکر مدرسے یہ تھے:۔

۱۔ نظامیہ: جسے ۴۵۷ھ میں دجلہ کے کنارے نظام الملک طوسی نے تعمیر کیا تھا۔ اور اس کے اطراف میں مختلف بازار، مکانات اور حمام بنا کر وقف کر دیئے تھے۔

۲۔ تاجیہ: جسے تاج الدین ابوالغنائم نے ۴۸۲ھ میں بنوایا تھا۔

۳۔ تتوشیہ: جسے خمارتگین خادم تتش بن الب ارسلان بن داؤد بن سلجوق نے خاص حنفیوں کے لئے تعمیر کرایا تھا۔

۴۔ باب الازج: جو ثقۃ الدولہ ابی الحسن علی بن محمد قزوینی کے لئے بنا تھا۔

۵۔ مدرسہ ابن دینار: جو فقیہ شافعی ابراہیم بن دینار بغدادی کے لئے تعمیر ہوا تھا۔

۶۔ مدرسۂ زیرک: جو خاص حنفیوں کے لئے تھا۔

۷۔ مدرسہ سترابیہ: اسے شرف الدین اقبال سترابی نے ۶۲۸ھ میں سوق العجم میں تعمیر کرایا تھا۔

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

۸۔ بشیریہ : بغداد کے مغرب میں مذاہب اربعہ کی تعلیم کے لئے مستعصم کے دور میں بنا۔

ان تمام مدارس سے زیادہ اہم مدرسہ مستنصریہ تھا جس کی حیثیت ان تمام مدرسوں کے لئے ایک یونیورسٹی کی تھی جہاں علماء اعلام تعلیم پاتے تھے جس کا ذکر سیوطی (تاریخ الخلفاء ص۳۰۸)، ابن بطوطہ اور ابن فوطی نے کیا ہے۔ (الحوادث الجامعہ ص۵۳)

مصر میں ان مدارس کی تعداد نوے سے کسی طرح کم نہ تھی جن میں بعض یہ ہیں :۔

۱۔ مدرسۂ فائزیہ : جسے شرف الدین بن صاعد نے ۲۳۶ھ میں شافعیوں کے لئے بنوایا تھا۔

۲۔ مدرسۂ قطبیہ : جسے قطب الدین خسرو نے ۵۷۰ھ میں شافعیوں کے لئے تعمیر کرایا تھا۔

۳۔ مدرسۂ سیوفیہ : جسے صلاح الدین ایوبی نے ۵۷۲ھ میں حنفیوں کے لئے بنوایا تھا اور اس پر ۳۲ دکانیں بھی وقف کی تھیں۔

۴۔ مدرسۂ فاضلیہ : جسے قاضی فاضل عبدالرحیم نے ۵۸۰ھ میں شافعی اور مالکی فقہاء کے لئے تعمیر کرایا تھا۔

۵۔ مدرسۂ محلی : جسے برہان الدین ابراہیم بن علی محلی نے تعمیر کرایا تھا۔

۶۔ مدرسۂ فارقانیہ : یہ ۶۷۶ھ میں حنفیوں اور شافعیوں کے لئے بنا تھا۔

۷۔ مدرسۂ شریفیہ : جسے ایوبی حکومت کے دور میں ۶۱۲ھ میں شافعیوں کے لئے مصر کے ایک رئیس نے بنوایا تھا۔

۸۔ مدرسۂ صالحیہ : جسے ۶۳۹ھ میں نجم الدین ایوب نے تمام فقہاء کے لئے تعمیر کرایا تھا۔

۹۔ مدرسۂ کاملیہ : جسے سلطان ناصر الدین محمد بن ملک عادل نے شافعیوں کے لئے تعمیر کرایا تھا۔

۱۰۔ مدرسۂ ظاہریہ : یہ صرف شافعیوں اور حنفیوں کے لئے تھا۔

۱۱۔ مدرسۂ قطبیہ : یہ ساتویں صدی میں مونسہ خاتون کی وصیت سے تعمیر ہوا تھا۔ (خطط مقریزی ج ۴ ۱۹۱ تا ۲۶۲)

اس کے علاوہ مختلف مقامات پر نہ جانے کتنے مدارس تھے جو حکومت کے زیرِ سایہ مذاہب اربعہ کے لئے کام کر رہے تھے۔ اس کے مقابلہ میں مذہب اہلبیتؑ بجائے حکومت کی تائید کے ہر سلطنت سے ٹکراؤ کا شکار تھا۔ چار طرف سے حملے ہو رہے تھے لیکن یہ اپنے ٹھوس حقائق کا سہارا لئے ہوئے وصیت پیغمبرؐ کے بھروسے علوم آل محمدؐ کو نشر کر رہا تھا اور آج بھی اپنی روحانی طاقت سے روئے زمین پر پھیل پھول رہا ہے۔ ؎

وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

Presented by Ziaraat.Com

مذہبِ جعفری اور اس کی اشاعت کے اسباب

یہ مذہب ان اہلبیتؑ کا ہے جنھیں اللہ نے تطہیر کا مرکز بنا کر تمام برائیوں سے دور رکھا ہے۔ اس کے نشر و اشاعت کے اسباب صرف یہ ہیں کہ اس کا سرچشمہ قرآن کریم اور سنّتِ پیغمبرؐ ہے۔ پیغمبرؐ ہی نے اس کی تخم ریزی کی ہے اور انھیں کی تعلیمات سے اسے پھلنے پھولنے کا موقع ملا ہے۔

یہ وہ پہلا مذہب ہے جس پر دورِ صحابہ میں بھی عمل ہوا اور جس کی اشاعت میں حضرت ابوذر، سلمان، مقداد اور عمار بن یاسر جیسے اصحاب نے حصّہ لیا۔

امام صادقؑ کے ساتھ اس کی خصوصیت صرف یہ ہے کہ آپ کو اموی حکومت کے آخری نفس اور عباسی سلطنت کے لڑکپن کے درمیان اتنا موقع مل گیا کہ آپ الٰہی احکام اور پیغمبری تعلیمات کو اپنے آباء و اجداد کے واسطے سے نقل کر سکیں۔ آپ کا ذکر اس دور میں اس لئے زیادہ ہوتا تھا کہ آپ نے دینی حقائق کی تائید اور جعلی اور مشتبہ روایات کی تحقیق کا ایک سلسلہ قائم کر دیا تھا۔ طلاب علم آپ کے مدرسہ کی چوکھٹ پر جمع ہوتے تھے اور اربابِ ذوق آپ کی بارگاہ میں کھنچ کھنچ کر آتے تھے۔ انھیں خدمات کا نتیجہ تھا کہ اس دور کی اصطلاح کے مطابق آپ کے احکام کو مذہبِ جعفر صادقؑ کا نام دے دیا گیا۔

مذہب جعفری اپنی اشاعت کے اسباب میں دیگر مذاہب سے بالکل الگ تھا۔ اس کے ساتھ نہ مادّی طاقت تھی اور نہ حکومت کی کمک۔ اس میں کچھ ذاتی صلاحیتیں تھیں کہ اگر اس کے اصول میں پاکیزگی، تعلیمات میں روحانی طاقت اور اس پر اللہ کی خاص نظرِ عنایت نہ ہوتی تو حکومتیں

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

اسے پامال کر ڈالتیں۔ دیگر مذاہب کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ ان میں شہرت اور گمنامی کا سبب صرف حکومت کی مداخلت تھا۔ حکومت نے یہ کام اپنے ذمہ لے لیا تھا کہ اپنے پسندیدہ مذہب کو رواج دیا جائے اور اس کے خلاف مذاہب کو مٹا دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے مشہور مذاہب بھی حکومتی مدد نہ ملنے سے گوشۂ گمنامی میں جا بسے۔

مذہبِ اہلبیتؑ کو مٹانے کی کوشش مختلف ادوار میں کی گئی۔ ہر حکومت نے ایک خاص سبب سے اہلبیتؑ کا مقابلہ کیا اور ان کے مذہب کی اشاعت کو روکنا چاہا۔ اموی دور میں مخالفت کے تین اسباب تھے

۱۔ خانوادۂ پیغمبرؐ سے ذاتی عداوت جو انھیں ورثہ میں ملی تھی اور جس میں ان کا ظاہری اسلام کوئی تغیر نہ پیدا کر سکا تھا بلکہ اسلام کی اشاعت اور اس میں مجبوراً داخلہ نے ان کے آتشِ بغض و حسد کو اور بھی ہوا دے دی تھی۔

۲۔ ان کے دورِ حکومت میں مذہبِ اہلبیتؑ کے رواج کا مفہوم ہی یہ تھا کہ ان کی سیاست مٹ کے رہ جائے۔ اس لئے کہ اہلبیتؑ کی سیاست میں عدل و مساوات اور اسلامی تعلیمات تھیں اور اموی سیاست میں ان باتوں کا نام و نشان بھی نہ تھا۔

۳۔ بنی امیہ خلافت کے لئے اپنی نا اہلی سے بے خبر نہ تھے۔ انھیں یہ معلوم تھا کہ امت کی نگاہیں آلِ محمدؐ کی طرف اٹھ رہی ہیں اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اگر امورِ سلطنت اپنے فطری راستوں پر چلے تو خلافت بنی امیہ سے اس وقت تک کے لئے الگ ہو جائے گی جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے سے نہ گذر جائے۔ اس لئے ان لوگوں نے اپنی کامیابی کی تدبیریں شروع کر دیں۔ یہ اور بات ہے کہ اس کامیابی سے امت سیکڑوں سال پیچھے ہٹ گئی۔

حضرت علیؑ کے چاہنے والوں نے معاویہ کے دور میں مختلف قسم کے رنج سہے تکلیفیں برداشت کیں لیکن حکومت کے وسائل سے مرعوب نہ ہوئے۔ اور جب حضرت علیؑ کا نام لینا جرم ہو گیا تو آپ کی روایتیں ابوزینب کے نام سے نقل ہونے لگیں۔

معاویہ کی، ذکرِ علیؑ کو مٹا دینے کی کوشش کا ایک نمونہ یہ ہے کہ اس نے زیاد کو کوفہ کا حاکم بنا دیا تاکہ وہ شیعیانِ علیؑ کی خانہ تلاشی لے کر انھیں آپ سے بیزاری پر آمادہ کرے۔

حجر بن عدی اور ان کے اصحاب کا قتل اس دعویٰ کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ معاویہ کے کرتوت کے سلسلہ میں ہم زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتے ہیں صرف اتنا بتانا چاہتے ہیں کہ نتیجہ میں اس کی ساری محنتیں رائگاں ہی ہوئیں۔ اور مذہب اہلبیتؑ بنی امیہ کے دارالحکومت ہی میں پروان چڑھا۔

سب سے پہلے شام میں ایک محتاط جرأت مند صحابی حضرت ابوذر نے اس کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا۔ معاویہ کی سیہ کاریاں اور نظامِ اسلام کے مقابلہ میں اس کے تصرفات کو طشت از بام کیا۔ جس کے نتیجہ میں معاویہ نے عثمان سے فریاد کی اور حضرت ابوذر کو ربذہ میں غربت کی موت اختیار کرنا پڑی۔ معاویہ حضرت ابوذر کے اقدام کو برباد نہ کر سکا بلکہ اس کا سلسلہ آگے بڑھتا رہا اور جیسے جیسے حکومتوں نے دباؤ ڈالا حضرت علیؑ کے چاہنے والوں نے اپنی تحریک کو اور تیز تر کر دیا۔ اب حکومتِ وقت کے خلاف احتجاج اور مخالفت کا عظیم مرکز کوفہ بن چکا تھا۔ جہاں حضرت حجر بن عدی اور ان کے اصحاب حق وانصاف کی آوازیں بلند کر رہے تھے اور بنی امیہ کو ان کی غلطیوں سے آگاہ کرکے اسلام کی مخالفت کا انجام سمجھا رہے تھے۔

بنی امیہ کے رؤسا مغیرہ ابن شعبہ وغیرہ کا موقف یہ تھا کہ ان لوگوں کو ڈرا دھمکا کر اس اقدام سے روک دیا جائے تاکہ معاویہ کو ان کی تائید بھی حاصل ہو جائے لیکن بات اس کے برخلاف ہوئی اور ابن سمیہ کے حضرت علیؑ سے برائت کرنے کے فرمان پر مخالفت کے جذبات اور بھی بھڑک اٹھے۔ لوگ حضرت علیؑ کے جہاد، ان کے خدمات اور پیغمبرؐ سے ان کی قرابت سے بخوبی واقف تھے۔

زیاد نے کوفہ میں حکومت پاکر اصحابِ امیرالمومنینؑ کی برائی کرنا شروع کر دی۔ جھوٹے گواہوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ دولت سے بڑے بڑے ایمان خریدے جا سکتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت حجر اور ان کے اصحاب انھیں گواہوں کے زیرِ اثر مقام مرج عذرا میں دردناک طریقہ سے زندگی کی آخری منزل تک پہنچا دیئے گئے۔

یہ ان لوگوں کی مصیبتوں کی داستان تھی جو اہلبیت کے طرفدار تھے۔ رہ گئے خود اہلِ بیت

Presented by Ziaraat.Com

علیہم السّلام تو اموی دورِ حکومت میں ان کے مصائب کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔ جب کہ لوگ ان کی مخالفت کو ذریعۂ تقرب بنائے ہوئے تھے۔ حکومت کی خوشامد میں جھوٹی روایتیں وضع ہو رہی تھیں۔ بیت المال سے ہزاروں لاکھوں کا سرمایہ لٹ رہا تھا۔ دین کے بیوپاری چوٹے کو اونٹ اور رائی کو پربت بنا رہے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ آبائی دشمنِ اسلام کو ایک روحانی پاک و پاکیزہ شخصیت بنا دیں تاکہ امّت اس پر اعتماد کرے اور عقیدے اس کے سامنے سر جھکا دیں۔ حالانکہ یہ ممکن نہ تھا۔ چاہتے یہ تھے کہ یہ معاویہ کو وارث نبی بنائیں۔ ابو سفیان کو دین پر قربان ہو جانے والی شخصیت قرار دیں جیسے کہ امّت ان کے حالات سے بالکل بے خبر تھی۔

ظاہر ہے کہ ان باتوں کی قبولیت ایک ایسی بڑی طاقت کی محتاج تھی جو عقل پر غالب آ جائے۔ تمیز کو چھین لے اور شعلۂ فکر کو خاموش کر دے۔ مال یہ سب کچھ کر سکتا تھا کہ اس کی کاٹ تلوار سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔ چنانچہ معاویہ کی شان میں حدیثیں گڑھ کے اسے امینِ امّت بنا دیا گیا اور امیر المومنین کو اتنا گرایا گیا کہ آپ کو یہ فریاد کرنا پڑی۔ (زمانہ نے مجھے اتنا گرایا کہ میرا ذکر معاویہ کے ساتھ ہونے لگا)

ادھر ابو سفیان بھی ایک مقتدر صحابی شمار ہونے لگا اور اسلام کے پہلے مددگار، تبلیغ کے حامی، دعوتِ حق کے موید، تحفظِ پیغمبرؐ کے جاں نثار، عقیدہ و احساس کے مالک، قریش کے مومن، پیغمبرؐ کے موید، دین کے محافظ، اسلام کو عزت دینے والے، دشمن کی زبانِ مخالفت میں لگام لگانے والے ابو طالبؑ کو کافر کہا جانے لگا۔ ان کے کلمۂ شہادت کا انکار کر کے ان کی زندگی بھر کی محنتوں کو برباد کیا جا رہا تھا۔ صرف اس لئے کہ بغیر علیؑ کی مخالفت کے کوئی انعام ممکن نہ تھا۔ اور ابو سفیان کا فرزند اس بات پر راضی نہ تھا کہ حضرت علیؑ کو اس سلسلۂ طاہرہ کی ایک کڑی قرار دیا جائے جسے جاہلیت کی نجاستیں مس نہ کر سکی ہوں حالانکہ وہ پیغمبرِ اسلام کے ساتھ ایک ہی گود (خاندان) کے پلے اور ایک ہی دودھ سے پرورش یافتہ تھے۔ معاویہ اپنی خاندانی حیثیت سے واقف تھا لیکن اس نے اپنی مکاری و غداری اور قوت و طاقت سے بہت کچھ کام بنا لیا۔ حضرت ابو طالبؑ جیسے دین کے محافظ اور ناصر کا گناہ صرف یہ تھا کہ وہ حضرت علیؑ کے باپ تھے اور حضرت علیؑ کا گناہ صرف یہ تھا کہ وہ حق پر تھے جب کہ معاویہ باطل پر تھا۔ معاویہ سے آپ کا اختلاف ایک بنیادی اختلاف تھا جس میں تغیر ناممکن تھا۔ یہ خیر و شر، خبیث و طیب، باطل و حق، نفاق و ایمان کی لڑائی تھی جس کا سلسلہ

Presented by Ziaraat.Com

کسی منزل پر نہ رک سکتا تھا۔

مذہب اہلبیتؑ کا پہلا بیج کشت زار اسلام میں شریعت کے ساتھ ساتھ سرکار رسالتؐ نے بویا۔ آپ ہی نے اس کی سینچائی اور نگرانی کے انتظامات کئے۔ پھر آپ کی زندگی ہی میں ایک اچھا خاصا سایہ دار درخت بن گیا۔ آپ کے بعد اہلبیتؑ کی زحمتیں اور ان کے مصائب نے اسے بارآور بنا دیا۔ آلِ رسولؐ نے اخلاص و ایمان اور ثباتِ قدم سے مخالف طوفانوں کا مقابلہ کیا اور ایک لمحہ کے لئے کسی حکومت کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ تاریک دور گذرتے رہے اور شجرۂ تشیع کی جڑیں مضبوط ہوتی رہیں۔ شاخیں پھیلتی رہیں یہاں تک کہ امام جعفر صادقؑ کے دور میں اس کے سایہ میں بہت سے افراد نے پناہ لے لی اور اس کے ثمرات سے ایک دنیا فائدہ اٹھانے لگی۔ آپ اموی اور عباسی سلطنت کے درمیانی وقفہ میں اسلامی علوم کی نشر و اشاعت کر رہے تھے۔ لوگوں کی توجہ آپ کے مدرسہ کی طرف تھی۔ تشنگانِ علوم اور طالبانِ نورِ معرفت چار ہزار کی تعداد میں آپ کے دروازہ پر اجتماع کرتے تھے۔ ابو حنیفہ، مالک بن انس، سفیان ثوری، ابن عیینہ، اعمش جیسے ائمۂ مذاہب اور فقہاء و محدثین آپ کے سامنے زانوئے ادب تہ کرتے تھے۔ تالیف کا کام تیز ہو گیا تھا۔ فقہ اہلبیتؑ کی تدوین ہونے لگی تھی اور کتابوں کی تعداد چار سو تک پہنچ گئی تھی جنھیں اصول اربعمائۃ کے نام سے یاد کیا جا رہا تھا۔

مذہب اہلبیتؑ وہ پہلا مذہب ہے جو اموی اقتدار اور عباسی سلطنت کی تمام رکاوٹوں کو توڑتا ہوا تیزی سے آگے بڑھتا رہا۔ یہ اور بات ہے کہ ابن خلدون جیسے خیانت کار انسان نے اپنے مقدمہ میں اسے بدعتی مذہب قرار دیا ہے اور اس کی فقہ کو اجنبی فقہ قرار دیا ہے۔ ابن خلدون کے لئے یہ بات کوئی نئی نہ تھی اس لئے کہ اس کے دل میں عرب سے بے پناہ تعصب تھا۔ وہ اہلبیتؑ کے بارے میں دانستہ طور پر جہالت سے کام لیتا تھا۔ اس نے ان کے مذہب کو خود ان کی کتابوں سے نہیں لیا بلکہ ان کے دشمنوں سے اخذ کیا ہے اور ہر بری بات کو نظرِ استحسان سے دیکھا ہے۔ افسوس کہ بعض اربابِ قلم نے اسے اتنا اونچا کر دیا ہے کہ اب نہ اس کی شخصیت

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

رکھیں تاکہ اپنا ذاتی مفاد بآسانی حاصل ہو سکے۔ ان کے دستور میں صرف انھیں عقائد کی گنجائش تھی جو ان کے خواہشات کی تائید کر سکیں۔ اس سلسلہ میں تاریخ اسلام کی سب سے بڑی مشکل خلافت کا مسئلہ تھا۔ طے یہ کرنا تھا کہ آیا امامت بھی نبوت کی طرح کوئی الٰہی منصب ہے جس کی تعیین پیغمبرؐ کے ہاتھ میں ہو۔ یا ایسا نہیں ہے؟

شیعوں کا موقف یہ تھا کہ امامت کا مرتبہ ارشادِ پیغمبرؐ کے مطابق حضرت علیؑ اور ان کی گیارہ اولادِ طاہرینؑ کے علاوہ کسی کو نہیں مل سکتا ہے۔ اسی بات کو صدرِ اسلام کے مخلص اصحاب بھی کہتے رہے اور اسی بنیاد پر حکومتوں کے مصائب کا شکار بھی بنتے رہے۔

امام جعفر صادقؑ کے دور میں اس طویل و عریض علمی تحریک کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب اہلبیتؑ کو ایک آفاقیت حاصل ہو گئی۔ ادھر عباسی حکومت بھی اپنے لڑکپن کی وجہ سے اتنی توانائی نہ رکھتی تھی کہ آل محمدؐ سے کھل کر مقابلہ کر سکے۔ اسے ابھی ان کی تائید اور ان کے نام کا سہارا لینے کی ضرورت تھی۔ علمی حیثیت سے سوائے امام جعفر صادقؑ کے کوئی دوسرا نمایاں فرد تھا بھی نہیں۔ امام مالک کی حیثیت مدینہ کے عوام کی سی تھی۔ ان کی شہرت کا آغاز ۱۴۸ھ سے ہوا جب امت امام صادقؑ کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو گئی۔ ورنہ یہی امام مالک ۱۴۶ھ میں کوڑے کھا رہے تھے۔ ۱۴۸ھ امام مالک کے لئے بڑا مبارک سال ثابت ہوا۔ اس لئے کہ اب منصور کی نظرِ عنایت ان کی طرف مڑ چکی تھی اور حکومت کی طرف سے یہ فرمائش ہو چکی تھی کہ وہ ایک ایسی کتاب لکھیں جس پر عمل بھی کیا جائے اور جسے تمام بلادِ اسلامیہ کا مرجع بھی بنا دیا جائے۔

منصور کی اس تحریک کا سبب صرف یہ تھا کہ وہ آج تک کی امام صادقؑ کی شہرت سے پریشان تھا۔ اور آج کے بعد امام موسیٰ کاظمؑ کے گرد اربابِ علم وفضل کے ازدحام اور آپ کے عالم لقب سے سرگرداں تھا۔

مالک منصور کے اس مقصد سے واقف تھے۔ اور اسی لئے انھوں نے جواب میں یہ بیان دیا کہ اس کام کی ضرورت نہیں ہے۔ اس علاقہ میں میں موجود ہوں۔ شام میں اوزاعی کام کر رہے ہیں۔ عراق والے تو عراقی ہی ٹھہرے۔ اب یہ کتاب کس کے لئے کارآمد ہو گی؟

Presented by Ziaraat.Com

منصور نے یہ جواب سنا تو ایک طرف اوزاعی کو مرکز توجہ بنایا اور دوسری طرف مالک پر مزید نظرِ عنایت مبذول کر دی۔ مالک کا دروازہ واقعی کسی مالک کا دروازہ ہوگیا۔ لوگوں کی آمد ورفت کا ایک قابلِ دید منظر تھا۔ جس کی پشت پر اپنے اصولوں کو ذہن نشین کرا کے اصولِ آلِ رسولؐ کو دماغوں سے نکالنے کی تحریک تھی۔ تھوڑے دنوں تک یہ خفیہ ریشہ دوانیاں رہیں۔ اس کے بعد جب حکومت کے دست و بازو مضبوط ہو گئے تو اس نے کھُل کر آلِ محمدؐ کی مخالفت کا اعلان کر دیا۔ اور ان کے پرستاروں کے لئے اذیتوں کا راستہ کھُل گیا۔

منصور نے یہی کام پہلے ابو حنیفہ سے لینا چاہا تھا لیکن اس کی تمام امیدوں پر اوس پڑ گئی جب ابو حنیفہ نے یہ اعلان کر دیا کہ جعفرؑ بن محمدؑ سے بڑا کوئی عالم نہیں ہے۔ (جامع اسانید ابی حنیفہ ا ۲۲۲)

ایک موقع پر ان سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے اپنا مال امام کے نام وقف کیا ہے، اسے کس کو دیا جائے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ امام برحق صرف جعفرؑ بن محمدؑ ہیں۔ (تاریخ العلوئین ص۱۴۰)

زمانہ گذرتا رہا اور گذرتے ہوئے زمانہ کے ساتھ مذہب جعفری ترقی کی راہوں پر گامزن رہا۔ منصور، مہدی، ہادی اور رشید کی ساری کوششیں رائگاں ہوتی ہوئی نظر آئیں۔ رشید نے امام مالک کا سہارا لیا۔ ان کی تعظیم کا یہ عالم تھا کہ ان کے سامنے شاگردوں کی طرح زانوئے ادب تہ کر کے بیٹھتا اور اپنے گھرانے والوں کو ان کے احترام کی تعلیم دیتا۔

ادھر شافعی کی قسمت بھی چمک گئی کہ ان کی قرشیت کا احترام ہونے لگا اور وہ مصر میں اقتدار کے قابل بنا دیئے گئے۔ قرشیت کے رشتے سے ذی القربیٰ کا حصہ بھی انھیں کو ملنے لگا۔ منشاء صرف یہ تھا کہ حضرت علیؑ کا نام خلافت کے چوتھے درجہ سے بھی ہٹا دیا جائے۔ چنانچہ ابو معاویہ کا بیان ہے کہ میں ہارون رشید کے پاس حاضر ہوا تو اس نے کہا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ علیؑ کی خلافت ثابت کرنے والوں کے ساتھ برا سلوک کروں؟ میں یہ سن کر چپ ہوگیا۔ اس نے کہا کچھ تو بولو! میں نے عرض کی اجازت ہو تو زبان کھولوں؟ اس نے اجازت دی۔ میں نے

Presented by Ziaraat.Com

کہا۔ اے امیرالمومنین بنی تیم نے اپنے یہاں خلیفہ بنا لیا۔ بنی عدی اپنے گھرانے کی خلافت پر نازاں ہیں۔ بنی امیہ اپنے خلیفہ پر فخر کر رہے ہیں۔ اب آپ نے اگر حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کا نام مٹا دیا تو بنی ہاشم میں کون سی خلافت رہ جائے گی؟ یہ سن کر رشید اپنے خیال سے باز آ گیا۔ (تاریخ بغداد ۲۴۳ ۵)

رشید نے آلِ رسولؐ کے معاملہ میں اس سنگ دلی کا مظاہرہ کیا جس کی مثال تاریخ میں نہیں مل سکتی ہے۔ امام موسیٰ کاظمؑ جیسے روحانی بزرگ کو قید کر کے بے حد و انتہا سختیاں کیں اور آخر میں انھیں زہر سے شہید کرا دیا۔ جس پر امت ایک عظیم نقصان سے دوچار ہو گئی اور طالبانِ علوم کو زبردست خسارہ کا سامنا کرنا پڑا۔ امام کاظمؑ کے بعد دیگر افرادِ خاندان کی تلاش جاری ہوئی۔ حکومت کی نظر میں اپنے مقصد کے آگے حق و باطل، رحم و کرم، انسانیت و شرافت جیسے تمام الفاظ بے معنی ہو گئے تھے۔ خواہش یہ تھی کہ آلِ محمدؐ کی محبت کا وہ درخت جسے رسول اکرمؐ نے لگایا تھا اور جسے غدیر کے پانی سے سینچا گیا تھا، اسے جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے تاکہ امت ان کے فیوض سے محروم ہو جائے۔ اور ہماری حکومت حقِ وراثت کے طور پر جائز شرعی حکومت بن جائے۔

شریک قاضی، خلیفہ مہدی کے پاس آئے تو اس نے کہا کہ تم قضاوت کے اہل نہیں ہو۔ شریک نے پوچھا کیوں؟ اس نے کہا صرف اس لئے کہ تم جماعت کے خلاف امامت کے قائل ہو۔

شریک نے عرض کی کہ جماعت کی مخالفت کا کوئی مطلب ہی نہیں ہے۔ میں نے سب کچھ انھیں سے لیا ہے اور وہی میری بنیاد ہیں۔ رہ گیا امامت کا مسئلہ تو میں اس سلسلے میں سوائے کتابِ خدا اور سنت پیغمبرؐ کے کسی اور کو نہیں پہچانتا ہوں۔ رہی قضاوت تو یہ آپ حضرات کا عطیہ ہے۔ اگر درست ہے تو باقی رکھئے ورنہ اللہ سے توبہ و استغفار کیجئے۔

مہدی نے سوال کیا، اچھا یہ بتاؤ کہ علیؑ بن ابی طالبؑ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

شریک نے عرض کی کہ جو آپ کے جد عبداللہ اور عباس کا خیال تھا۔

Presented by Ziaraat.Com

مہدی نے پوچھا ان کا کیا خیال تھا؟

شریک نے کہا کہ عباس مرتے مر گئے اور حضرت علیؑ کو افضل صحابہ سمجھتے رہے۔ وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ سب علیؑ کی ڈیوڑھی پر مسائل لے کر آتے ہیں اور وہ کسی کے دروازہ پر نہیں جاتے ہیں۔ اور عبداللہ تو ان کی فوج کے ایک سپاہی اور ان کے لشکر کے ایک مجاہد ہی تھے۔ اگر ان کی خلافت غلط ہوتی تو حضرت عبداللہ ہی وہ شخص ہوتے جو اپنی علمیت کی بنا پر ان سے الگ ہو جاتے'۔۔۔۔ مہدی یہ جواب سن کر اس وقت چپ رہ گیا لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں شریک کو معزول کر دیا۔

مظالم اپنا کام کرتے رہے اور مذہب جعفری اطرافِ عالم میں پھیلتا رہا۔ بغداد میں اسے اتنی طاقت حاصل ہو گئی کہ وہ کھل کر حکومت سے ٹکر لے سکے اور یہی وجہ تھی کہ دینی شعائر علی الاعلان بجا لائے جا رہے تھے۔ اور حکومت اسے اپنے وجود کے لئے ایک خطرہ محسوس کر رہی تھی۔

مامون کا دور آتے آتے طاقت کچھ اور بڑھ گئی اور اب ارکانِ حکومت، قائدینِ لشکر، صاحبانِ وزارت و ریاست بھی اس کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ مامون اس بات پر مجبور ہو گیا کہ خود بھی تشیع کا اظہار کرے اور علویین کی طرف خاص توجہ کرے۔ چنانچہ اسی سیاست کی بنا پر امام رضاؑ کے سامنے تختِ حکومت پیش کر دینے پر تیار ہو گیا۔ امام نے مصلحتِ وقت کے پیشِ نظر اس تخت و تاج کو ٹھوکر مار دی اور آخر کار صرف نام کی ولیعہدی قبول فرمائی۔

مامون کا دربار مناظرہ کے لئے ایک اکھاڑا بن چکا تھا۔ علماء سے بحثیں ہوتی تھیں۔ امامت کے مسائل زیرِ بحث لائے جاتے تھے اور حکومت اپنی مکاری میں بڑی حد تک کامیاب ہو رہی تھی۔ شیعوں کے دل حکومت کی طرف کھنچ رہے تھے۔ صرف اس بنیاد پر کہ حکومت کا سارا افتخار امام رضاؑ کی ذات سے وابستہ ہے۔

معتصم کے دور میں شیعوں نے کسی حد تک خاموشی اختیار کی لیکن اس کے بعد جب ۲۲۰ھ میں امام محمد تقیؑ کے جنازہ کو خفیہ طور پر دفن کر دینے کی سازش کی گئی اور کسی شخص کو مشایعت کی اجازت نہ ملی تو یہی شیعہ ایک عظیم سیلاب کی شکل میں ۱۲ ہزار کی تعداد میں تلواریں

Presented by Ziaraat.Com

لے کر نکل پڑے۔ حکومت ہزار کوششیں کرتی رہی لیکن اس کے برخلاف جنازۂ امام جوادؑ کی مشایعت انتہائی شان و شوکت اور اعزاز و احترام کے ساتھ کی گئی۔

متوکل عباسی کا دور آتے ہی مصائب دو چند ہو گئے۔ اس کے دل پر بغض علیؑ کا وہی اثر تھا جو آگ کا خشک لکڑی پر ہوتا ہے۔ اسے اس وقت تک چین نہ مل سکتا تھا جب تک صفحۂ وجود پر حضرت علیؑ کا نام رہے یا دنیا میں ان کے شیعوں کا کوئی اعزاز و احترام قائم رہے۔ اس نے علویین کو تلاش کرنا شروع کیا۔ اہلبیتؑ کی توہین کو اپنا فرض قرار دیا اور ان کے ذکرِ خیر کو ناجائز بنا دیا۔ انتہا یہ ہے کہ نصر بن علی جہضمی نے پیغمبرؐ کی حدیث بیان کی کہ (جو مجھے اور حسنؑ و حسینؑ اور ان کے والدین کو دوست رکھے گا وہ قیامت کے دن میرے ساتھ میرے درجہ میں ہوگا) تو متوکل نے انھیں ایک ہزار کوڑے مارنے کا حکم دے دیا۔ جس پر جعفر بن عبدالواحد نے یہ سمجھایا کہ نصر شیعہ نہیں ہے بلکہ سنی ہے تو اس نے پانچ سو کے بعد معاف کر دیا۔ (تاریخ خطیب ۲ ۲۸۱)

مقریزی کا بیان ہے کہ امیرِ مصر یزید بن عبداللہ نے کسی سپاہی کو ایک معمولی سی تادیب کا حکم دیا اور جب اسے تادیب کی گئی اور درد کا احساس بڑھا تو اس نے امیر کو حسنین علیہم السّلام کے حق کا واسطہ دے کر معافی کی درخواست کی۔

امیر نے یہ دیکھ کر اس قسم کے بدلے میں تیس کوڑے اور بڑھا دیئے اور متوکل کو یہ اطلاع کر دی۔ متوکل نے یہ حکم بھیجا کہ اسے سو کوڑے اور لگائے جائیں اور میرے پاس بغداد بھیج دیا جائے۔ (خطیب ۴ ۱۵۳)

احمد بن محمد عاصم صاحب خان عاصم کو ایک ہزار کوڑے لگائے جانے کا حکم صرف اس لئے دیا گیا کہ ان پر شیخین کو برا بھلا کہنے کا بہتان باندھا گیا تھا۔

الحضارۃ الاسلامیہ نے منتظم سے نقل کیا ہے کہ حکومت کسی بھی شیعہ پر عتاب کرنے کا بہانہ نام علیؑ کو نہیں قرار دیتی تھی بلکہ بہترین جرم ابوبکر و عمر کو سب و شتم کرنا ہوتا تھا۔ نہ جانے کتنے ہی اس جرم میں مصائب کا شکار ہوئے اور متوکل کی جماعت نے کس کس طریقہ سے دنیا میں اپنا مقصد اور آخرت میں خدا کا عذاب حاصل کیا۔ متوکل کی دشمنی کا ایک نمونہ یہ بھی

Presented by Ziaraat.Com

تھا کہ اس نے ۲۳۶ھ میں امام علی نقی علیہ السّلام کو مدینہ سے سامرہ بلا کر ان پر بے حد سختیاں کیں۔ اولادِ علیؑ کے دشمنوں نے خوب خوب بہتان باندھے اور متوکل کو یہ خبر دی کہ ان کے گھر میں اسلحے اور رسالے ہیں۔ اور اسی بہانے راتوں رات آپ کے گھر پر حملہ کر دیا گیا۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی چیز برآمد نہ ہو سکی۔ امام ۱۸ سال تک سامرہ میں مقیم رہے اور ۲۵۴ھ میں آپ کو زہر دے دیا گیا۔

زمانہ گذرتا رہا اور شیعہ مختلف مصائب کا شکار ہوتے رہے۔ انھوں نے حکام کی طرف سے آنے والے جملہ مصائب سہے لیکن آلِ محمدؐ کی نصرت اور ان کے مذہب کی اشاعت سے باز نہ آئے۔ ان کے دل میں ایک طرف آلِ محمدؐ کی محبت کا جذبہ تھا اور دوسری طرف یہ خیال تھا کہ ان کے تحفظ کے بارے میں پیغمبر اسلامؐ کی وصیتیں رائگاں نہ ہونے پائیں۔ انھوں نے اہلبیتؑ کی نصرت میں اپنا سب کچھ لٹا دیا اور ان کے مدرسہ سے ہر دور اور ہر صورت میں استفادہ کرتے رہے۔ نہ ظالم کے خوف سے خانہ نشین ہوئے اور نہ حکومت کی دھمکیوں سے ان کا دامن چھوڑ سکے۔

انھوں نے حضرت علیؑ کے زمانہ سے امام عسکریؑ تک تمام احکامِ شریعت انھیں حضرات سے حاصل کئے۔ یہاں تک کہ غیبتِ صغریٰ کا پردہ حائل ہو گیا اور شیعی تحریکات ایک نئے موڑ پر آگئیں۔ متوکل نے امام عسکریؑ کو بھی آپ کے پدر بزرگوار کے ساتھ سامرہ طلب کیا تھا اور امام علی نقیؑ کے انتقال کے بعد آپ بھی ۶ سال تک عباسیوں کے مظالم کا ہدف بنے رہے اور اب امام تھے اور قید خانہ کی زندگی۔ یہاں تک کہ ۸ ربیع الاوّل ۲۶۰ھ کو ۲۸ سال کے سن میں اس امامِ برحق نے بھی دنیا کو ترک کر دیا۔ اس دور میں قم شیعیت کا ایک مرکز بن چکا تھا۔ وہاں احادیثِ اہلبیتؑ کے راوی، فقہ و حدیث کے مصنفین کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ کوفہ و بغداد، مدائن و سامرہ بلکہ شام میں بھی ان کے علماء پھیلے ہوئے تھے۔

یہ یاد رہے کہ شیعوں کا مذہبِ اہلبیتؑ سے تمسک کرنا کسی تعصب یا فرقہ واریت کی بنا پر نہیں ہے۔ اس کا مقصد نہ کسی مذہب کی تنقید ہے اور نہ کسی امام کی توہین۔ وہ اپنے کو ان شرعی

Presented by Ziaraat.Com

دلائل کا پابند محسوس کرتے ہیں جنھوں نے مذہبِ اہلبیتؑ کے اختیار کرنے کو واجب قرار دیا ہے۔ ان کی نظر میں کوئی اور بھی جائز طریقہ ہوتا تو اسی کو اختیار کر لیتے اور ان مصائب کا مقابلہ نہ کرتے۔ لیکن اسے کیا کریں کہ انھیں حق آلِ محمدؐ کے دروازہ پر ملا اور حق کا اتباع ان کے لئے ضروری تھا۔ ان لوگوں نے انھیں حضرات کو اخلاق، طرزِ ہدایت اور زہد و تقویٰ میں رسول اعظمؐ کی شبیہ پایا۔ انھیں کو قرآن کا ہمسر اور مددگار سمجھے۔ انھیں کے ذریعہ قرآن کے اسرار و حقائق دریافت کئے اور انھیں کی شان میں قرآن کو رطب اللسان پایا۔

آلِ محمدؐ نے لوگوں کی ہدایت کے لئے انتھک کوشش کی۔ انھیں نیکی کا راستہ بتایا۔ ان کے درمیان علم و انصاف کی اشاعت کی ظلم و جہالت کا مقابلہ کیا۔ لوگوں نے بھی دیکھا کہ یہ حق سے ذرہ برابر بھی جدا نہیں ہیں۔ یہی اسلام کے ارکان ہیں۔ انھیں سے حق کو مرکزیت ملی ہے اور انھیں کی وجہ سے باطل نے اپنی جگہ چھوڑی ہے۔ یہ دین کو اپنے فہم و فراست سے اپنائے ہوئے ہیں۔ ان کا مذہب بناسنایا نہیں ہے۔ یہ نبوت کے اہلبیتؑ، رسالت کے محل اور وحی کا مرکز ہیں۔ ان کی مخالفت ناجائز اور ان کے غیر سے تمسک حرام ہے۔ پیغمبر اسلامؐ نے بار بار ان کے اتباع کا حکم دیا ہے۔ حدیثِ ثقلین ان کی فضیلت کا چمکتا ہوا آفتاب ہے اور حدیثِ سفینہ ان کے ذریعۂ نجات ہونے کا پیغام ہے۔

ان کے بارے میں کچھ احادیث اور ارشاداتِ نبوی کا مختصر خاکہ یہ ہے :-

۱۔ طبرانی نے ابن عباس سے پیغمبر اسلامؐ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جو شخص چاہتا ہے کہ میری زندگی اور میری موت اختیار کرے اور جنتِ عدن میں مقیم ہو اسے چاہئے کہ میرے بعد علیؑ کو اپنا ولی اور ان کے دوست کو اپنا دوست بنائے۔ میرے اہلبیتؑ کی اقتدا کرے۔

یہی وہ عترت ہیں جو میری طینت سے پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں کو میرا علم و فہم دیا گیا ہے، ان کی فضیلت کے منکر اور ان سے میرے رشتہ کو توڑنے والے کے لئے جہنم ہے۔ میں اس کی شفاعت نہیں کر سکتا ہوں۔ (مسند احمد بن حنبل)

۲۔ ہر دور میں امت میں میرے اہلبیتؑ کے وہ عادل افراد رہیں گے جو اس دین سے گمراہوں، باطل پرستوں اور جاہلوں کی تحریف و تاویل و افترا پردازی کو دور کرتے رہیں گے۔ یاد رکھو

Presented by Ziaraat.Com

کہ امام اللہ کی بارگاہ میں نمائندہ ہوتا ہے۔ اس لئے اس پر نظر رکھو کہ تمہارا نمائندہ کون ہے۔ (صواعق محرقہ)

۳۔ نہ اہلبیتؑ سے آگے بڑھو کہ ہلاک ہوجاؤ اور نہ پیچھے رہ جاؤ کہ تباہ ہوجاؤ۔

۴۔ اہلبیتؑ کا وہ مرتبہ سمجھو جو جسم میں سر کا ہوتا ہے یا سر میں آنکھوں کا اس لئے کہ سر بغیر آنکھوں کے راستہ نہیں پاسکتا ہے۔

۵۔ جو شخص مجھ پر ایمان لایا ہے اور جس نے میری تصدیق کی ہے۔ میں اسے علیؑ کی ولایت کی وصیت کرتا ہوں۔ علیؑ کی ولایت میری ولایت ہے اور میری ولایت اللہ کی ولایت ہے۔ علیؑ کا دوست میرا دوست ہے اور میرا دوست اللہ کا دوست ہے۔ علیؑ کا دشمن میرا دشمن ہے اور میرا دشمن اللہ کا دشمن ہے۔

۶۔ ابن عباس نقل کرتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کی جس جس آیت میں یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ہے علیؑ اس کے راس و رئیس اور امیر ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء حافظ ابونعیم)

۷۔ حذیفہ کا بیان ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ سے عرض کی کہ آپ علیؑ کو خلیفہ بنا دیجئے تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم ان کو ولی مان لوگے تو وہ تم کو صحیح ہدایت کرکے صراطِ مستقیم پر چلائیں گے۔ (حلیۃ الاولیاء ۱؍۶۴) دوسری روایت میں یہ فقرہ بھی ہے کہ مگر تم ان کو خلیفہ نہ مانوگے۔

۸۔ نسائی نے خصائص ص۲۳ پر عمران بن حصین کے واسطے سے پیغمبرؐ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ تم لوگ علیؑ سے کیا چاہتے ہو؟ وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔ وہ میرے بعد ہر مومن کے ولی ہیں۔

۹۔ جناب ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضورؐ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ "علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں۔ میرا پیغام یا میں خود پہنچاؤں گا یا علیؑ"۔

۱۰۔ حاکم نے حضرت ابوذر کے واسطہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری معصیت کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ جس نے علیؑ کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے اس کی مخالفت کی اس نے

Presented by Ziaraat.Com

میری مخالفت کی۔"

۱۱۔ جناب ام سلمہ نے پیغمبرؐ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ "علیؑ قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے۔ یہ دونوں باہم حوضِ کوثر پر وارد ہوں گے۔" (مستدرک ۲ ۱۲۲)

۱۲۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کا یہ ایمان تھا کہ اہلِ مدینہ میں سب سے بہتر قاضی حضرت علیؑ ہیں۔

۱۳۔ ابوہریرہ نے حضرت عمر سے یہ روایت کی ہے کہ علیؑ کو تین فضیلتیں ایسی مل گئی ہیں کہ اگر مجھے ایک بھی مل جاتی تو ایک عالم سے بہتر سمجھتا۔

پوچھا گیا وہ کیا ہیں؟

فرمایا "حضرت فاطمہؑ سے عقد اور رسولؐ کے ساتھ مسجد میں سکونت وغیرہ۔"

۱۴۔ حاکم نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ایک سفر میں رسول اللہ کی جوتیاں ٹوٹ گئیں اور حضرت علیؑ انھیں ٹانکنے لگے تو حضور اکرمؐ نے چند قدم چل کر فرمایا کہ "جیسے میں نے تنزیلِ قرآن پر جہاد کیا ہے ویسے ہی تم میں سے ایک شخص تاویلِ قرآن پر جہاد کرے گا۔

یہ سن کر حضرت ابوبکر بول اٹھے کہ کیا وہ میں ہوں؟ فرمایا نہیں۔

حضرت عمر بولے کہ حقیر ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ وہ میرا جوتا ٹانکنے والا ہوگا۔

یہ سن کر صحابہ نے پلٹ کر حضرت علیؑ کو اس کی بشارت دی۔ لیکن آپ نہایت اطمینان سے سر جھکائے اپنا کام کرتے رہے اور اس خبر پر کسی حیرت و تعجب کا اظہار نہ کر سکے۔

۱۵۔ امیرالمومنینؑ کا ارشاد ہے کہ تم لوگ کدھر جا رہے ہو؟ کہاں بھٹک رہے ہو؟ ہدایت کے پرچم قائم ہیں، نشانیاں واضح ہیں اور منارے نصب ہو چکے ہیں۔ اب کیوں گمراہ ہو رہے ہو تمھارے درمیان پیغمبرؐ کی وہ عترت ہے جو حق کی محافظ ہے۔ صداقت کی زبان ہے اور دین کے لئے نشانِ ہدایت ہے۔ انھیں قرآن کی جگہ سمجھو اور ان کے پاس تشنگانِ علوم کی طرح آؤ۔ پیغمبرؐ کا یہ فرمان ہے کہ ہمارا مرنے والا مردہ نہیں ہوتا ہے۔ ہمارا بوسیدہ ہو جانے والا بوسیدہ نہیں کہا جاتا ہے۔ دیکھو بغیر سمجھے ہوئے کوئی بات نہ کہو، اس لئے کہ تم اکثر حق کا انکار کرتے ہو جس پر تمھاری حجت تمام نہ ہو (یعنی میں) اسے معذور سمجھو، کیا میں نے تم میں ثقلِ

Presented by Ziaraat.Com

اکبر قرآن پر عمل نہیں کیا اور کیا تمھارے درمیان پرچم اسلام کو نصب نہیں کیا؟ دیکھو آلِ نبیؐ کی طرف آؤ۔ ان کا اتباع کرو۔ وہ نہ تمھیں ہدایت سے باہر نکلنے دیں گے اور نہ گمراہ ہونے دیں گے۔ وہ بیٹھیں تو بیٹھ جاؤ۔ وہ اٹھیں تو اٹھ کھڑے ہو۔ ان سے آگے نہ بڑھو کہ گمراہ ہو جاؤ اور ان سے پیچھے نہ ہٹو کہ تباہ ہو جاؤ۔

۱۶۔ حاکم نے کنانی کا یہ بیان درج کیا ہے کہ انھوں نے حضرت ابوذر کو کعبہ کا دروازہ پکڑ کر یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ "جو مجھے جانتا ہے وہ جانتا ہے اور جو نہیں جانتا ہے وہ پہچان لے کہ میں ابوذر ہوں اور میں نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ "میرے اہلبیتؑ کی مثال سفینۂ نوحؑ کی ہے جو اس کشتی میں سوار ہو گیا اس نے نجات پائی اور جو الگ ہٹ گیا وہ ڈوب گیا۔"

۱۷۔ طبرانی نے اوسط میں عمار یاسرؓ کا یہ بیان درج کیا ہے کہ حضرت علیؑ نماز نافلہ کے رکوع میں تھے۔ ایک سائل نے آپ سے سوال کیا۔ آپ نے انگشتری دے دی تو آیۂ اِنَّمَا وَلِیُّکُم نازل ہو گئی۔

یہی بیان سیوطی اور ابن مردویہ اور ابن جریر نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے جس کے بہت سے ناقابلِ انکار شواہد موجود ہیں جیسا کہ آئندہ کسی موقع پر بیان کیا جائے گا۔

یہی وہ اخبار و روایات ہیں جن کی بنا پر مذہب اہلبیتؑ کا اختیار کرنا ضروری اور دیگر مذاہب کی طرف رجوع کرنا عمل کی صحت کے لئے خطرناک ہو گیا ہے۔

ہم مذاہب اربعہ کا احترام ضرور کرتے ہیں لیکن یہ ہمارے بس کی بات نہیں ہے کہ اس احترام کی خاطر رسول اکرمؐ کے اوامر کو نظر انداز کر دیں۔

ہمارے بری الذمہ ہونے کے لئے حدیثِ ثقلین، حدیثِ غدیر، آیتِ تطہیر اور آیتِ ولایت کافی ہے۔

ہمیں یہ دلائل اجازت دیتے اور مذہب اہلبیتؑ کو چھوڑ کر قصدِ قربت کے امکانات پیدا ہو سکتے تو ہم یقیناً دیگر مذاہب کو اختیار کر لیتے لیکن اسے کیا کریں کہ جمہور کے پاس ان کے مذہب کی ترجیح پر کوئی دلیل نہیں ہے اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے جب کہ خود ائمہ مذاہب نے اہلبیتؑ

Presented by Ziaraat.Com

سے استفادہ کیا ہے اور اسے باعثِ فخر سمجھا ہے۔

امام ابو حنیفہ اقوالِ امیرالمومنینؑ کو حدیث مدینۃ العلم کی روشنی میں اپنے مذہب کی ترجیح کا سبب سمجھتے تھے۔ (احسن التقاسیم مقدسی) اور امام صادقؑ کی شاگردی پر نازاں تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر دو سال حضرت کی شاگردی نہ کی ہوتی تو ہلاک ہو جاتا۔

مالک بن انس امام صادقؑ کے شاگرد تھے۔

شافعی نے ان سے علم لیا اور احمد بن حنبل نے شافعی سے۔

شافعی نے حضرت علیؑ سے اس کثرت سے روایتیں لیں کہ ان پر شیعیت کی تہمت لگا دی گئی اور انھوں نے مقامِ فخر میں اس کا اعلان کیا کہ میں مذہباً شیعہ ہوں اور یہ مذہب تمام دنیا سے بلند تر ہے۔ (مناقب شافعی فخر رازی ص۵۱)

یحییٰ بن معین نے انھیں رافضی قرار دیتے ہوئے یہ بیان کیا ہے کہ میں نے ان کی پوری کتاب میں سوائے حضرت علیؑ کے کسی کی روایت نہیں دیکھی ہے۔

شافعی نے اپنے اشعار میں اس امر کا بھی اظہار کیا ہے کہ "مقام منیٰ میں حجاج کے اجتماع میں صبح سویرے یہ اعلان ہو جانا چاہئے کہ اگر آلِ محمدؐ کی محبت رافضیت ہے تو دو عالم گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔" (مناقب شافعی فخر رازی)

امام احمد حضرت علیؑ کو تمام اصحاب سے بہتر سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ ان سے افضلِ اصحابِ رسولؐ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا حضرت ابوبکر، ان کے بعد حضرت عمر اور ان کے بعد حضرت عثمان! لوگوں نے کہا اور حضرت علیؑ! تو جواب دیا کہ تم نے اصحاب پیغمبرؐ کے بارے میں سوال کیا تھا اور علیؑ نفسِ پیغمبرؐ ہیں۔

دوسری طرف اہلِ مذاہب کے باہمی اختلافات، ایک دوسرے پر غلبہ کی کوشش، ایک دوسرے کو باطل قرار دینے کی جد و جہد وغیرہ ہے۔

مقصد یہ ہے کہ شیعوں نے مذہب اہلبیتؑ کو صرف ان آیات و روایات کی بنا پر اختیار کیا ہے جن میں ان حضرات کو نجات کا سفینہ، امّت کے لئے باعثِ امان، اللہ کی ریسمانِ ہدایت اور کتابِ خدا کا ہمسر قرار دے کر ان کے اتباع میں نجات کی ضمانت دی گئی ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

ہم سابق میں ان اسباب کی طرف اشارہ کر چکے ہیں جن کی بنا پر حکومتوں نے بغیر کسی شرعی دلیل یا عقلی برہان کے مذہب اہلبیتؑ کو پامال کرنے کی کوشش کی اور اپنے الزامات کو ایسے مسلمات کی شکل میں پیش کیا کہ انھیں بعد میں آنے والی نسلوں نے بغیر سوچے سمجھے اختیار کر لیا اور ان کے لئے ان سے کنارہ کشی دشوار ہو گئی۔ یہ اور بات ہے کہ ساری کوششیں مکمل طریقہ سے کامیاب نہ ہو سکیں اور مذہب اہلبیتؑ پھیلتا ہی رہا۔

یہاں پر ایک بات کا اور بتا دینا ضروری ہے کہ حکومتوں کے یہ تمام مقابلے اور ضمیر فروشوں کی یہ ساری کوششیں عقل و منطق اور حقیقت سے بالکل بیگانہ تھیں۔ انھوں نے اہلبیتؑ کا وقار گھٹانے کے لئے بے شمار تہمتیں گڑھیں اور جب جنون منزلِ آخر تک پہنچا تو شیعوں پر ائمہ معصومینؑ کی خدائی کا الزام رکھ دیا۔

اب یہ بات کہاں سے لائی گئی اور اس کی دلیل کیا ہے؟ یہ تو خدا ہی جانے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ ان لوگوں نے شیعوں کو بدنام کرنے کے لئے غالی فرقہ کو شیعہ کا نام دے دیا جب کہ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔

مسئلۂ غلو

شیعوں پر سب سے بڑا حملہ یہی تھا کہ انھیں غالیوں کے ساتھ ملا دیا جائے اور میری نظر میں یہ بھی حکومت کی ایک سازش تھی جس سے شیعوں کی تباہی اور اہلبیتؑ کی توہین کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔

مذہب اہلبیتؑ ایک اسلامی مرکز تھا جس میں باطل کا گذر نہ تھا۔ اس لئے سیاست نے غالیوں کا سہارا لیا جس سے ایک طرف اہلبیتؑ کی توہین کی گئی اور دوسری طرف اسلام کو مٹانے کی کوشش کی گئی۔

غالیوں کے پاس اسلام سے انتقام کا یہی ذریعہ تھا کہ وہ اسلام کے عقائد کو برباد کر دیں۔ اس لئے کہ اب طاقت کے مقابلہ کا امکان نہ تھا۔ وہ ذلت اٹھا چکے تھے، قید و بند کی زندگی گذار چکے تھے اور جزیہ ادا کر رہے تھے۔

اہلبیتؑ نے بروقت اپنے ان دوست نما دشمنوں کی حقیقت کو ظاہر کیا اور یہ اعلان کر دیا کہ یہ غالی دین کے دشمن اور ملعون ہیں۔ شیعوں کا فرض ہے کہ ان سے دور رہیں اور بیزاری کریں۔ شیعوں نے بھی ان احکام کے زیر اثر اپنی بیزاری کا اعلان کر دیا۔ ان سے میل جول حرام، وہ نجس، انھیں زکوٰۃ دینا ناجائز، ان کے مُردوں کا غسل و کفن خلاف شرع، ان کے مسلمانوں سے ازدواجی تعلقات یا وراثت کے رشتے سب ناروا۔

امام صادقؑ نے مغیرہ بن سعید کو جھوٹا، کافر، ملعون اور ابوالخطاب جیسے لوگوں کو مستحق

Presented by Ziaraat.Com

لعنت قرار دے کر ان تمام بے دینوں کی مخالفت کی اور غلو جیسے قاتل مرض کو سرایت کرنے سے روک دیا۔ اب اس کا تاریخ میں نام ہی نام ہے اور بس!

امامؑ نے ایک موقع پر مرازم سے فرمایا کہ غالیوں کو یہ بتا دو کہ وہ فاسق، کافر اور مشرک ہیں۔ انھیں بارگاہِ الٰہی میں توبہ کرنا چاہئے۔

کوفہ جانا تو بشار شعیری سے کہہ دینا کہ حضرت جعفرؑ بن محمدؑ نے تمھیں کافر و فاسق کہہ کر تم سے برائت کی ہے۔ مرازم کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ پہنچ کر بشار تک یہ پیغام پہنچایا تو اس نے پوچھا کہ میرے مولا نے مجھے یاد کیا ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں۔ اس انداز سے تمھارا ذکر کیا ہے۔ اس نے کہا، خدا تمھیں جزائے خیر دے۔

ایک مرتبہ بشار امام جعفر صادقؑ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا کہ یہاں سے نکل جا۔ تو ملعون ہے۔ میں تیرے ساتھ ایک چھت کے نیچے جمع نہیں ہو سکتا۔ وہ اٹھ کر چلا گیا تو آپ نے فرمایا کہ خدا اسے غارت کرے۔ اس نے خدا کی بھی توہین کی ہے۔ یہ شیطان بن شیطان ہے۔ میرے شیعوں کو گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ میرے شیعوں کو خبردار رہنا چاہئے۔ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اصلاب و ارحام کی منزلوں سے گذرا ہوں۔ مجھے بھی ایک دن مرنا ہے اور میدانِ حشر میں جواب دینا ہے۔

امام حسن عسکریؑ نے اپنے ایک چاہنے والے کو یہ خط لکھا کہ میں ابن نصیر فہری اور ابن بابہ قمی سے بیزار ہوں۔ تم کو بھی ان سے بچنا چاہئے۔ میں ان دونوں پر لعنت کرتا ہوں۔ یہ ابن بابہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ میرا نبی ہے۔ خدا اس پر لعنت کرے۔ اسے شیطان نے بہکا دیا ہے۔ خدا اس کے ماننے والوں پر بھی لعنت کرے۔ یہ خبیث واجب القتل ہے۔

امام جعفر صادقؑ نے ایک دن اصحاب سے فرمایا کہ خدا مغیرہ بن سعید پر لعنت کرے اور خدا اس یہودی عورت پر بھی لعنت کرے جس سے اس نے شعر و شاعری اور جادوگری سیکھی ہے۔ اس نے میرے والد پر بھی بہتان باندھا تھا۔ خدا اسے عذاب جہنم میں مبتلا کرے۔ خدا کی قسم ہم اللہ کے بندے ہیں۔ اسی نے ہمیں پیدا کیا ہے اور منتخب قرار دیا ہے۔ بغیر اس کے دیئے ہوئے اختیار کے ہم کچھ نہیں کر سکتے ہیں۔ ہمارے رحمت و عذاب دونوں کا اختیار اسی کے ہاتھ

Presented by Ziaraat.Com

ہیں ہے۔ جو ہمارے بارے میں اس کے خلاف کہے گا وہ ملعون ہے اور جو ہمیں ہمارے خالق و مالک کی بندگی سے الگ کردے گا وہ بھی ملعون ہے۔

ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ ابو منصور بھی پکا ملعون ہے۔ وہ تو شیطان کا نمائندہ ہے۔ ہم اہلبیتؑ کے ساتھ ہر دور میں کچھ افترا پرداز رہے ہیں جو اپنے جھوٹ سے ہماری صداقت کو بدنام کرنا چاہتے ہیں۔ جن میں مغیرہ، بزیغ، سری، ابوالخطاب، معمر، بشار شعیری، حمزہ یزدی اور صائد نہدی وغیرہ ہیں۔ خدا ان سب پر لعنت کرے اور ان کے شر سے بچائے۔

حمدویہ ناقل ہیں کہ میں اس وقت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر تھا۔ جب میسرہ نے آپ سے دریافت کیا کہ پہلے ابوالخطاب وغیرہ آپ کے پاس بہت نظر آتے تھے اور اب ان کا کوئی پتہ نہیں چلتا تو آپ نے ایک مرتبہ آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ ابوالخطاب پر اللہ، ملائکہ اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ خدا شاہد ہے کہ وہ کافر، فاسق اور مشرک ہے۔ اس کا حشر فرعون کے ساتھ ہوگا۔

ایک دوسرے موقع پر آپ کے سامنے انھیں لوگوں کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا کہ ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، ان سے مصافحہ کرنا، انھیں میراث دینا سب حرام ہے۔ ان میں بعض غالی تو اتنے جھوٹے ہیں کہ شیطان بھی ان کے جھوٹ کا محتاج ہے۔

ایک اور موقع پر فرمایا کہ بعض لوگ ہمیں اپنا امام کہتے ہیں۔ حالانکہ ہم ان سے بیزار ہیں۔ وہ ملعون ہیں اور ہمارے اقوال کی مخالفت کرتے ہیں۔ ہم صرف ان کے امام ہیں جو ہماری اطاعت کرتے ہیں۔ جو لوگ ہمیں نبی کہتے ہیں ہم ان پر لعنت کرتے ہیں اور جو اس میں شک کرتا ہے ہم اس پر بھی لعنت کرتے ہیں۔ (الشیعہ فی التاریخ)

غالیوں کے بارے میں انھیں ارشادات نے سیاست کے اس مشن کو فیل کر دیا اور شیعوں کے ائمہ کے بارے میں خدائی کی تہمت کا راز فاش ہوگیا۔

غالیوں کا مسلمانوں کے فرقوں میں شمار کرنا صحیح نہیں ہے اور نہ کوئی ان کے جان و مال کا ذمہ دار ہے۔ ان کے بارے میں شیعوں کا موقف معلوم کرنے کے لئے حسب ذیل کتابوں کا مطالعہ

Presented by Ziaraat.Com

کیا جائے۔

روض الجنان شہید ثانی متوفی ۹۹۶ھ۔ نہج المقال مرزا محمد استر آبادی متوفی ۱۰۲۶ھ۔ انتصار سید مرتضیٰ متوفی ۴۳۶ھ۔ تہذیب شیخ طوسی متوفی ۴۶۰ھ۔ سرائر ابن ادریس متوفی ۵۹۸ھ۔ منتہیٰ، نہایت الاحکام، تذکرہ، قواعد، تبصرہ علامہ حلی متوفی ۷۲۶ھ۔ دروس شہید اوّل متوفی ۷۸۶ھ۔ شرائع، معتبر، نافع محقق ابوالقاسم حلی متوفی ۶۷۶ھ۔ جامع المقاصد شیخ علی کرکی متوفی ۹۴۰ھ۔ بحار شیخ مجلسی متوفی ۱۱۱۱ھ۔ جواہر شیخ محمد حسن نجفی متوفی ۱۲۶۶ھ وغیرہ۔

آیندہ آنے والی نسلوں سے ہماری گذارش ہے کہ وہ ان خیالات اور اتہامات پر اعتماد نہ کریں۔ بلکہ حقیقت کو اپنی تحقیق سے دریافت کریں۔ علم ہم سے اپنے حقوق کا مطالبہ کر رہا ہے اور حقانیت اپنی نصرت کی طالب ہے۔

اب آنکھوں سے تعصب کے پردے ہٹ جانے چاہئیں اور حق کو آشکار ہو کر سامنے آنا چاہیئے۔

اہلِ قلم کا فریضہ ہے کہ اس کج رو سیرت کو چھوڑ دیں۔ اپنی فکر کے خطوط کو تبدیل کریں اور شیعوں کے بارے میں تاریک دور کی داستان کو مرکزِ توجہ نہ بنائیں۔

وہ زمانہ گیا جب مذہب شیعہ کو ابن سبا کا مذہب قرار دے کر تشیّع کی توہین کی جاتی تھی۔ شیعیت کے نئے نئے معنی گڑھے جاتے تھے۔ اب یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ تشیع حضرت علیؑ کی دوستی کا نام ہے اور اس حقیقت پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

عبداللہ بن سبا

وہ موہوم شخصیت جسے شجاعت وجوانمردی اور اقتدار وحکومت جیسے متعدد اوصاف سے متصف کیا گیا ہے اور جس کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ اسی نے اہل مصر کو قتل عثمان پر ابھارا۔ حضرت ابوذر اسی کے شاگرد اور جناب عمار اسی کے پیرو تھے۔ جنگ جمل وصفین اسی کی سازشوں کا نتیجہ تھی اور مذہب شیعہ اسی کی فکری جولانی کا اثر ہے۔ جس کا تذکرہ کتابوں میں اس کثرت سے کیا گیا ہے کہ گویا یہ کوئی واقعی انسان ہے۔ انتہا یہ ہے کہ بعض شیعوں نے بھی اس کا ذکر کر کے اس سے برائت وبیزاری کی ہے لیکن جب ہم اس شخصیت کا پتہ لگانے کے لئے تحقیق اور تجسس سے کام لیتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف ایک خیالی داستان ہے جسے باہمی تعصب اور سیاسی مکاریوں نے مذہب اہلبیتؑ کو گرانے اور اس کا وقار مٹانے کے لئے وضع کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی نہ کوئی حقیقت ہے اور نہ اصلیت۔

کاش ان داستانوں کو بیان کرنے والے تھوڑی دیر ان مآخذ پر غور کر لیتے تو انھیں معلوم ہو جاتا کہ اس قصہ کا واحد ماخذ طبری متوفی ۳۱۰ھ ہے۔ اس کے علاوہ تمام مورخین نے اسی سے اخذ کیا ہے۔ طبری نے بھی اس قصہ کو سیف بن عمر سے لیا ہے جس کا سلسلۂ سند نامعلوم ہے اور خود سیف بھی علماء رجال کی نظر میں پکا جھوٹا ہے۔ مذہب شیعہ کے بارے میں "استاد کرد علیؒ (خطط شام ۶ ۲۵۱-۲۵۶) میں تحریر فرماتے ہیں کہ "زمانۂ پیغمبرؐ ہی میں بہت سے صحابہ کرام محبت علیؑ میں مشہور تھے جیسے سلمان جن کا قول تھا کہ ہم نے رسولؐ اللہ کی بیعت، مسلمانوں کی نصیحت اور

Presented by Ziaraat.Com

حضرت علیؑ کی ولایت پر کی ہے۔

یا ابو سعید خدری جن کا کہنا تھا کہ لوگوں کو پانچ چیزوں کا حکم دیا گیا ہے لیکن انھوں نے چار چیزیں نماز، زکوٰۃ، روزہ و حج تو لے لیا اور پانچویں چیز یعنی محبت اہلبیت جو ایک اہم فریضہ تھی اسے ترک کر دیا۔

ابوذرؓ، عمارؓ، یاسرؓ، حذیفہ یمانی، خزیمہؓ بن ثابت، ابو ایوبؓ انصاری، خالدؓ بن سعید، ابن عاصؓ، قیسؓ بن سعد بن عبادہ وغیرہ۔

بعض اہلِ قلم کا یہ خیال کہ مذہبِ شیعہ ابن سبا کی ایجاد ہے ایک وہم اور جہالت ہے۔ شیعوں میں یہ شخص قابلِ برائت اور ملعون ہے اور مذہبِ شیعہ حجاز سے ظاہر ہوا ہے۔

علامہ شیخ محمد حسین کاشف الغطا غالیوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "شیعہ ان تمام فرقوں سے بیزار ہیں۔ اگرچہ یہ فرقے نصاریٰ جیسے نہیں ہیں بلکہ یہ امام کو کسی نہ کسی اعتبار سے خدا سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ بعض صوفیوں کا بھی مسلک ہے، بلکہ حلاج گیلانی، رفاعی اور بدوی وغیرہ کے یہاں تو ایسے کلمات پائے جاتے ہیں جن سے ان کا مرتبہ خدا سے بھی بلند تر معلوم ہوتا ہے لیکن پھر بھی شیعہ یعنی عراق و ایران کی اکثریت پاک و ہند، شام اور افغانستان کے لاکھوں مسلمان ان باتوں سے بیزار ہیں۔ انھیں کفر و ضلالت سمجھتے ہیں۔ ان کا مذہب توحید اور خالق کا مخلوق سے بلند تر ہونا ہے۔

وہ خالق میں کسی نقص، امکان، تغیر یا حدوث کے قائل نہیں ہیں۔

ان کی حکمت و کلام کی کتابیں اوصافِ باری سے بھری ہوئی ہیں اور مختصر یہ ہے کہ وہ اس قسم کے تمام الزامات سے بیزار ہیں اور انھیں اپنے اوپر ایک ظلم تصور کرتے ہیں بلکہ مجھے تو یقین ہے کہ یہ بات ان کے دشمنوں کو بھی معلوم ہے لیکن چونکہ ان کے پاس کوئی دوسرا حربہ نہیں ہے اس لئے اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے اس بات پر مجبور ہیں کہ ایسے ہی خرافات وضع کریں اور اسی قسم کی جعل سازی سے کام لیں۔ بھلا ان شیعوں پر کیا الزام لگایا جا سکتا ہے جن کے سرِ فہرست حضرت ابوذرؓ، عمار یاسرؓ، جاریہ بن قدامہؓ، جابرؓ بن عبداللہ، حذیفہؓ بن یمان، سلمان فارسیؓ، صعصعہؓ بن صوحان اور مقدادؓ کا نام ہو۔

Presented by Ziaraat.Com

تعجب یہ ہے کہ اکثر اہلِ قلم نے اصحابِ پیغمبرؐ کو بھی ابنِ سبا کا تابع بنا دیا ہے۔ اسلام اور رسولِ اسلامؐ پر اس سے بڑا حملہ کیا ہوگا کہ ایک یہودی آپ کے خاص اصحاب کی ذہنیتوں پر مسلط ہو کر ان کی فکر کی راہیں بدل دے۔

ابنِ سبا کو مذہبِ شیعہ کا بانی خیال کرنے والے ایک صاحبِ قلم کی عبارت یہ ہے :-

"عبداللہ ابن سبا صنعاء کے یہودیوں میں وہ شیطان تھا جو نہایت چالاکی اور مکاری سے اپنی طرف لوگوں کو دعوت دیتا تھا۔ اس نے بہت سے سادہ لوح مقدسین کو اپنا ہم خیال بنا لیا تھا اور یہ چاہتا تھا کہ بڑے بڑے رؤسا پر بھی ہاتھ صاف کرے۔ اس کی جماعت میں فسطاط سے غافقی بن حرب، عبدالرحمٰن بن عدیس بلوی، کنانہ بن بشر بن عتاب، عبداللہ بن زید بن ورقاء خزاعی، عمرو بن حمق خزاعی، عروہ بن نباع لیثی، قتیر سکونی۔ کوفہ سے عمرو بن الاصم زید بن صوحان، اشتر، زیاد بن نضر حارثی، عبداللہ بن الاصم، بصرہ سے حرقوص بن زہیر، حکیم بن جبلہ، ذریح بن عباد عبدی، بشر بن شریح، ابن محرش اور مدینہ سے محمد بن ابی بکر، محمد بن حذیفہ اور عمار بن یاسر تھے۔"

(حملۃ رسالۃ الاسلام، محب الدین خطیب ص۲۳)

اللہ محفوظ رکھے ایسی تہمت سے۔ اصحابِ پیغمبرؐ کو ایک شیطان کا تابع قرار دے دینا۔ کیا اس سے بڑی کوئی جسارت اور تبلیغِ پیغمبرؐ کی توہین ہو سکتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ شیطان نے اس مصنف پر غلبہ کر لیا تھا، اور اسی لئے اس کے قلم سے ایسے ناسزا کلمات نکل آئے۔ ہماری تمام اہلِ قلم برادری سے گذارش ہے کہ اپنی کسی تحریر میں ذاتیات اور مذہبی تعصب کو جگہ نہ دیا کریں۔ بلکہ ابن سبا جیسے قصوں کو لکھتے وقت ایک آزاد مورخ کی طرح تحقیق کریں۔ ان کا مقصد علم کی خدمت اور حق کی ترجمانی ہو۔ ان کا کام تحقیق، توضیح اور حق و باطل کی تمیز ہو۔ وہ یہ یاد رکھیں کہ ابن سبا کی داستان صرف اسلامی تعلیمات اور اس کے بزرگوں کی توہین کے لئے گڑھی گئی ہے۔ اس کی پشت پر کوئی عقل و منطق یا فکر و نظر نہیں ہے۔ اس کی سند باطل اور اس کا راوی کذاب ہے جیسا کہ آئندہ کسی باب میں ذکر کیا جائے گا۔

Presented by Ziaraat.Com

مذہب جعفری کی اشاعت

یہ مذہب اپنی ذاتی صلاحیت کی بنا پر بغیر کسی حکومت و اقتدار کا سہارا لئے ہوئے سب سے پہلے سرزمینِ حجاز پر ظاہر ہوا۔

چوتھی صدی میں مدینہ منورہ میں باقاعدہ پھیل گیا۔ جو بات ابن حزم کو برداشت نہ ہو سکی اور اس نے شیعوں کی وجہ سے مدینہ منورہ کے لئے بھی ناسزا الفاظ استعمال کر دیئے۔

شام میں اس مذہب کی تبلیغ حضرت ابوذرؓ نے کی۔ چنانچہ آج بھی قریہ صرفند میں ابوذر کے نام کی مسجد موجود ہے۔ وہاں کے شیعہ حکومت کے عہدہ دار، تاجر، طبیب مرکزی حیثیت کے مالک ہیں۔ وہاں عزائے امام حسینؑ کی مجلسیں ہوتی ہیں۔ اہلسنت شرکت کرتے ہیں اور خطیب کھل کر یزید و معاویہ کی سیاہ کاریوں کا اعلان کرتا ہے۔

ابن جبیر اپنے سفرنامہ میں چھٹی صدی کا حال لکھتا ہے کہ "شام میں شیعہ سنیوں سے زیادہ ہیں اور تمام شہروں پر چھائے ہوئے ہیں"۔

کرد علی کا بیان ہے کہ شام میں شیعیت پہلی صدی میں آئی اور اس کا سلسلہ جبل عامل اور بعلبک کے مہاجرین سے چاروں طرف پھیل گیا اور اب شام میں شیعوں کی تعداد دو لاکھ سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

جبلِ عامل میں یہ سلسلہ حضرت ابوذر کی کوششوں سے شروع ہوا اور آج تک جاری ہے۔
لبنان میں تشیع پرسکون طریقہ سے پھیل رہا ہے۔ نجف اشرف میں یہاں کی ایک جماعت

Presented by Ziaraat.Com

مشغولِ تحصیل ہے جس میں سے بہت سے ارباب علم مبلغین اور مجتہدین نکلتے رہے ہیں۔

استاد کرد علی ہی کا کہنا ہے کہ حمص میں شیعوں کے خاص قریے ہیں بلکہ اصل شہر میں بھی مختلف جماعتیں ہیں۔

غوغہ اور نبل وغیرہ سب شیعہ ہیں۔

حلب میں بنوزہرہ کا اقتدار رہا ہے اور یہ سب حمدانیوں کے زمانہ کے بچے ہوئے ہیں جبکہ شیخ نوح حنفی نے شیعوں کے کفر کا فتویٰ دیا تھا اور چالیس ہزار شیعوں کے قتل و غارت کے بعد ان کو شہر بدر کر دیا تھا۔

حلب میں مذہب تشیع کو اتنا اقتدار ملا کہ انھوں نے سلیمان بن عبدالجبار کو ۵۱۷ھ میں مدرسہ زجاجیہ بنانے سے روک دیا۔

افریقہ میں بھی تشیع کافی پھیلا۔ یہاں تک کہ ۴۰۷ھ میں امیر افریقہ المعز بن بادیس نے شیخین کو برا بھلا کہنے کی تہمت رکھ کر انھیں تباہ و برباد کر دیا۔ قصہ یہ تھا کہ المعز شیعوں کی ایک جماعت کے پاس سے گذرا تو لوگوں نے اس سے ان لوگوں کے بارے میں سوال کیا اور یہ محسوس کیا کہ امیر ان سے بیزار ہے۔ یہ دیکھنا تھا کہ سب شیعوں پر ٹوٹ پڑے۔ ان کی اکثریت کو قتل کیا۔ ان کا اسباب غارت کیا۔ انھیں نذرِ آتش کیا۔ کچھ لوگوں نے قصرِ منصور میں پناہ لی تو وہاں بھی آب و دانہ بند کر دیا گیا کہ جب کوئی شخص باہر نکلتا تھا تو ختم کر دیا جاتا تھا۔ بعض لوگوں نے مسجد میں پناہ لی لیکن وہ بھی مارے گئے۔ (تاریخ کامل ۹ ۱۲۲)

تاریخ شیعیت کے لئے یہ کوئی نیا حادثہ نہ تھا بلکہ یہاں ایسے بے شمار حادثات موجود ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے باوجود افریقہ میں شیعوں کی تعداد تقریباً ایک کروڑ ہے۔

انڈونیشیا میں شیعوں کی تعداد تقریباً ۸۰ لاکھ ہے۔ جہاں علویین کو کافی دسترس حاصل ہے۔ انھیں میں علامہ سید محمد عقیل (صاحب نصائح کافیہ) وغیرہ تھے جن کا قیام سنگاپور میں رہتا تھا۔

مصر میں تشیع کی اشاعت ان اصحاب کرام کے ذریعہ ہوئی جنھوں نے فتح مصر میں حصہ لیا تھا۔ جیسے حضرت مقداد، ابوذر، ابورافع، ابوایوب انصاری وغیرہ۔ حضرت عمار نے تو عثمان کے دور میں اس انداز سے تبلیغ کی کہ تمام شہر حضرت علیؑ کی طرف سے حضرت عثمان کا مقابلہ کرنے کے لئے

Presented by Ziaraat.Com

آمادہ ہوگئے۔ قیس بن سعد حاکم بن کر آئے تو اسے مزید استقلال نصیب ہوا۔ اب پرچمِ تشیع حدودِ مصر پر لہرا رہا تھا اور لشکرِ اسلام ترقی پذیر تھا۔ عمرو عاص کے آنے کے بعد یہ رفتار کچھ سست پڑ گئی لیکن اموی دور کے خاتمہ کے ساتھ ہی دلوں میں چھپے ہوئے جذبات محبت ابھر آئے اور مذہب شیعہ حالات کے پیشِ نظر نمایاں و پنہاں ہر طریقہ سے آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ آج بھی شیعوں کی ایک بڑی تعداد وہاں موجود ہے۔

پاک و ہند میں تشیع کی اشاعت ان مبلغین کے ذریعے ہوئی جو مختلف مقامات سے آتے رہے اور اسلام کی دعوت میں مصروف رہے۔ انھوں نے ایک بڑی جماعت کو مسلمان بنایا اور پھر وہیں قیام پذیر ہوگئے۔ چنانچہ آج تک وہاں کے مختلف شہروں میں شیعیت کا وجود نمایاں طور پر نظر آتا ہے بلکہ بعض مقامات کو تو مرکزیت حاصل ہے جیسے لکھنؤ جو اودھ کا دارالحکومت رہ چکا ہے اور جس نے دورِ قدیم اور عصرِ حاضر میں بے شمار علماء پیدا کئے ہیں وہاں سلطان المدارس، ناظمیہ اور مدرسۃ الواعظین جیسے تعلیمی مرکز ہیں جن سے اربابِ علم و فکر، علوم و معارف حاصل کر کے تشنگانِ خلائق کو سیراب کرتے ہیں۔ لکھنؤ کے علاوہ بھی جونپور، مظفر آباد، لاہور اور پنجاب جیسے عظیم مرکز موجود ہیں۔ (تاریخ الشیعہ صفحہ ۲۵۸) (یاد رہے کہ مؤلف محترم نے بلادِ ہند کی شیعیت پر باقاعدہ روشنی نہیں ڈالی اور جو کچھ لکھا ہے وہ قبل تقسیم کا قصہ ہے۔ تقسیم ہند و پاک کے بعد شیعیت کی اس نوعیت میں بڑی حد تک تغیر پیدا ہوا ہے۔ کراچی جس کا کل تک ذکر بھی نہ تھا آج شیعوں کا بہت بڑا مرکز شمار کیا جاتا ہے۔ اور خود ہندوستان میں لکھنؤ میں علوم آلِ محمدؐ کا عظیم ترین ادارہ تنظیم المکاتب قائم ہو چکا ہے جس کی مثال پورے ایشیا میں کہیں نہیں ہے اور الٰہ آباد میں عظیم دینی جامعہ انوار العلوم قائم ہے۔ اور بنارس میں جامعہ جوادیہ و ایمانیہ، فیض آباد میں وثیقہ کالج کے علاوہ مختلف شہروں اور صوبوں میں دینی ادارے اور مدارس کام کر رہے ہیں۔ جوادی)

ترکی میں تشیع نے کافی ترقی کر لی تھی لیکن سلطان سلیم نے دسویں صدی کی ابتدا میں ان کی ایک بڑی تعداد کو تہ تیغ کر کے ترقی کے راستوں کو روک دیا ـــــــ ابراہیم طبیب کا بیان ہے کہ سلطان سلیم تشیع کے بارے میں بے حد متعصب تھا۔ اس کے دور میں شیعیت کافی پھیل چکی تھی اور اسی لئے اس نے اس سلسلہ کو روکنے کے لئے شیعوں کے قتل عام کا حکم دے دیا اور اس طرح

Presented by Ziaraat.Com

چالیس ہزار افراد کا خون حلال کر لیا گیا۔ اب شیعوں کا قتل مباح بلکہ قابلِ انعام و اکرام عمل تھا۔ (مصباح الساری و نزہتہ القاری ص۱۲۳) لیکن ان سب مظالم کے باوجود آج بھی ترکی میں بکثرت شیعہ موجود ہیں۔

سعودی عرب میں قطیف وغیرہ خالص شیعہ مرکز ہیں۔

احسار میں برابر کی آبادی ہے۔ ان دونوں مقامات سے ہر دور میں علمار پیدا ہوتے رہے ہیں اور نجف اشرف سے طلبِ علم کر کے تبلیغِ مذہب کے اہم فریضہ کو ادا کرتے رہے ہیں۔

قطر وغیرہ میں کافی تعداد میں شیعہ پائے جاتے ہیں۔

افغانستان میں آج بھی تقریباً ایک کروڑ شیعہ ہیں جن میں سے تین ہزار کے قریب نجف اشرف میں مقیم ہیں۔ بعض تحصیلِ علم کی خاطر اور بعض کسبِ معاش کے لئے ــــ یہاں سے بھی مختلف اربابِ علم و معرفت اور صاحبانِ فکر و نظر پیدا ہوتے رہے ہیں۔

امریکہ میں شیعوں کی آبادی ۵۰ ہزار کے قریب ہے جن میں ہندوستانی، ایرانی، عراقی سب ہی ہیں لیکن اکثریت جبلِ عامل کے ان حضرات کی ہے جو بغرض تجارت و زراعت وہاں آباد ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ اپنے مذہبی شعائر کے اعلان میں آزاد ہیں۔ مجالسِ عزا برپا کرتے ہیں اور اب ایک عظیم مسجد بھی تعمیر ہو گئی ہے۔ (دورِ حاضر میں یہ آبادی ایک لاکھ سے زیادہ ہے اور تقریباً ایک سو سے زیادہ مرکز قائم ہو چکے ہیں۔ جوادی)

روس میں ۱۳۳۲ھ کی جنگ سے پہلے بخارہ اور قفقاز وغیرہ کی طرف شیعوں کی کثیر آبادی تھی۔ شعائرِ مذہب کا اعلان ہوتا تھا۔ لوگ زیارات کے لئے آتے تھے۔ طلابِ علم کی آمد و رفت تھی، لیکن اب یہ تمام باتیں کہاں ؟ اب تو مہاجرین اپنا وطن دیکھنے کے لئے ترس رہے ہیں۔ (الحمد للہ روس کی صورتِ حال بھی بدل چکی ہے اور وہاں بھی شیعیت کا چرچا شروع ہو گیا ہے۔ جوادی)

عراق میں تشیع پہلی صدی ہجری ہی سے پھیل چکا تھا۔ مدائن و بصرہ کے ساتھ کوفہ میں شیعوں کی ایک عظیم تعداد تھی۔ جنہوں نے عہدِ معاویہ کی سختیاں برداشت کیں لیکن تشیع کا پرچم سرنگوں نہیں ہونے دیا۔

Presented by Ziaraat.Com

[illegible]

Presented by Ziaraat.Com

تصفیۂ حساب

تاریخ اسلام کچھ ایسے دردانگیز سانحے بھی بیان کرتی ہے جن کا تعلق مسلمانوں کے باہمی اختلافات اور بالخصوص شیعہ سنّی نزاع سے ہے۔ ہم جب ان نزاعات کے اسباب کی جستجو کرتے ہیں تو ہمیں ان کے پس منظر میں مذہب سے زیادہ سیاست کی دخل اندازی نظر آتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر حکومت نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے قوم کے اختلاف کو ضروری سمجھا ہے اور انھیں کسی نہ کسی جھگڑے میں مبتلا رکھنا اپنا فرض اوّلین قرار دیا ہے۔

انھیں اس سے کوئی غرض نہ تھی کہ ان تنازعات میں کتنی جانیں تلف ہوں گی۔ کتنے گھر برباد ہوں گے اور کتنی تہمتوں کے دروازے کھلیں گے بلکہ ان کا مقصد صرف اپنی خواہش کی تکمیل تھی جو ہر دور میں ہوتی رہی ہے۔

ہمیں سردست مسلمانوں کے باہمی جھگڑوں سے کوئی سروکار نہیں ہے کہ ان کا سلسلہ بہت قدیم ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان کی پشت پر بھی حکومت ہی کی کارگذاری رہی ہے۔ حکومتوں نے امت کے لئے اتحاد کو ضروری اور لازم سمجھنے کے بجائے اس اتحاد کو اپنے لئے ایک عظیم خطرہ تصور کیا ہے اور اسی ایک سبب سے ان اختلافات کو ہوا دیتی رہی ہیں۔

ہمارا مقصد شیعہ سنّی نزاع کی بنیادوں کا تلاش کرنا ہے کہ یہ نزاع نہ جانے کتنی صدیوں سے اسی طرح چلی آرہی ہے اور کسی دور میں کوئی ایسا مصلح نہیں پیدا ہوا ہے جو باہمی غلط فہمیوں کو دور کرکے امت کو ایک مرکز پر جمع کر دیتا اور قرآن کریم کے اس پیغام کی تبلیغ کرتا جس میں اتحاد کو ایک

Presented by Ziaraat.Com

اہم فریضہ قرار دیا گیا ہے۔

ہماری نظر میں اس اختلاف کے دو بنیادی اسباب ہیں :۔

۱۔ مسئلۂ خلافت ۔ بحث یہ ہے کہ نبی کریمؐ کے بعد اس شریعت کی ذمہ داری کو سنبھالنے والا انسان کیسا ہونا چاہئے ؟ اس کے اوصاف و کمالات کیا ہونے چاہئیں ؟

شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جانشین پیغمبرؐ کو تمام نقائص سے پاک و پاکیزہ اور تمام عیوب سے بری ہونا چاہئے اور ایسی صفتیں سوائے چند مخصوص افراد کے کسی اور شخص میں نہیں پائی جاتی ہیں۔ اہلسنت اس خیال سے کسی طرح متفق نہیں ہیں۔

۲۔ حکومت کی دخل اندازی ۔ اس کا سبب صرف یہ ہے کہ حکومت وقت اپنے اندر وہ صلاحیت نہیں پاتی تھی جسے شیعوں نے اسلامی حاکم اور مذہبی رہنما کے لئے قرار دی تھی۔

وہ یہ جانتی تھی کہ شیعہ کسی دوسرے حاکم کے سامنے سر جھکانے کو تیار نہیں ہیں اور نہ اس کی کسی قدر و قیمت کے قائل ہیں۔

وہ اس مسئلہ میں ایک دوراہے پر کھڑی تھی۔ ایک طرف اس کا ذاتی کردار تھا جس میں کسی قسم کا تغیر ممکن نہ تھا اور دوسری طرف شیعوں کا عقیدہ تھا جو اسے سراسر ناجائز اور غاصب ٹھہرا رہا تھا۔

ظاہر ہے کہ ایسے وقت میں حکومت کو اپنا وقار برقرار رکھنے کے لئے شیعوں کو ایک حزب مخالف کی حیثیت دینا ہی چاہئے تھی۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور اپنے خلاف ہر قانون کے اظہار پر پابندی عائد کرنا شروع کر دی۔ شیعی عقائد حکومت کی تائید سے بالکل مجبور تھے۔ ان کا مطالبہ فکر کی آزادی، نیت کی سلامتی، ارادے کی پاکیزگی اور عقائد کی صحت کا تھا اور حکومت اسے پورا نہ کر سکتی تھی۔ اس لئے اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ وہ ان کے بارے میں اپنے رویہ کو سخت کر دے۔

چنانچہ اس نے مختلف حالات میں متعدد طریقے اختیار کئے۔ کبھی یہ خطرہ سامنے آیا کہ یہ عقائد عوام میں اثر کر جائیں گے ؟ کبھی یہ بات پریشان کن ثابت ہوئی کہ یہ اقلیت ایک دن اکثریت بن سکتی ہے۔ چنانچہ اس نے سارا زور اس بات پر صرف کر دیا کہ امت میں نئے نئے اختلاف

Presented by Ziaraat.Com

پیدا کرائے جائیں۔ انھیں باہمی جھگڑوں میں لگا دیا جائے شیعوں کو ایک ایسی صورت میں پیش کیا جائے جسے اسلام سے کوئی تعلق نہ ہو۔ ان پر جماعت کی مخالفت اور عقائد کی کمزوری کا الزام لگایا جائے تاکہ ان کا اعتبار قائم نہ ہو سکے۔ چنانچہ تہمتوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ خلاف واقع بیانات عام ہونے لگے۔ عوام کے ذہنوں میں اپنے خود ساختہ الزامات اتارے جانے لگے اور ان الزامات کی کوئی حد بھی معین نہ کی گئی۔ بلکہ ہر دور کی ضرورت کے لحاظ سے ویسے ہی الزام تراشے گئے۔

سلطنت کا منشاء یہ تھا کہ آزادی فکر کو سلب کر کے ہر شخص کو حکومت کے افکار کا ترجمان بنا دیا جائے۔ لوگوں کے خوف و ہراس کی یہ کیفیت تھی کہ ایک مرتبہ منصور نے امام مالک سے پوچھ لیا رسول اللہ کے بعد سب سے بہتر کون تھا؟ تو وہ مبہوت ہو کر رہ گئے۔ اس لئے کہ حقیقت کا تقاضا یہ تھا کہ سچ کہیں احالات کہہ رہے تھے کہ سچائی میں سختیوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ جیسا کہ طلاق کے مسئلہ میں دیکھ چکے تھے۔ چنانچہ انھوں نے منصور کے نفسیات کا جائزہ لے کر یہ جواب دے دیا کہ حضرت ابوبکر اور ان کے بعد حضرت عمر ــــ منصور یہ جواب سن کر خوش ہو گیا اور کہنے لگا کہ یہی امیرالمومنین کی بھی رائے ہے۔ یعنی میں بھی اسی کا قائل ہوں۔

ظاہر ہے کہ جب امیر کی یہ رائے ہے تو عوام میں مخالفت کی طاقت کہاں ہو سکتی ہے؟ اس رائے کی مخالفت کرنا اپنی جان کو عذاب میں ڈالنے کے مرادف ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کے درمیان تفضیل کا مسئلہ بھی حکومت کی ایک سیاست کا نتیجہ تھا۔ ورنہ اس کا مطلب صرف یہ تھا کہ علیؑ کو پست قرار دینے والے مطمئن رہیں۔ اور ان کی فضیلت کے قائل کافر، بدعتی، بے دین اور رافضی خبیث کے الفاظ سے یاد کئے جائیں۔

اس کا تو کھلا ہوا مطلب ہے کہ حکومت نے اس مسئلہ کو حضرت علیؑ کے دشمنوں پر مصائب ڈھانے کا ایک وسیلہ بنایا تھا اور اسی بنا پر ان کی رائے کو بدترین رائے تصور کیا گیا تھا۔

جب ہم واقعات کو آزاد فکر کے ساتھ بغیر کسی مغالطہ اور تعصب کے ایک واقعہ کی حیثیت سے دیکھتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خلفاء کی ترتیب کسی اعتبار سے بھی ایک کے دوسرے سے بہتر ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

یہ ایک اندھی تقلید اور قدیم اقتدار پرستی کی میراث ہے جسے مسلمان سینہ سے لگائے ہوئے ہیں۔

حکومت نے عقائد کو اپنے قانون کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے ایسے بے شمار مسائل ایجاد کئے ہیں۔ مامون نے لوگوں کو جبراً قرآن کے مخلوق ہونے کا عقیدہ تسلیم کرایا اور اس پر کفر سازی اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا۔

متوکل نے اس کے بعد آکر اس کے پورے منصوبے کو پامال کر دیا اور لوگوں میں قرآن کے قدیم ہونے کا مذہب رائج کر دیا۔

قادر عباسی نے ۴۲۲ھ میں معتزلہ کو قرآن کے مخلوق ہونے پر کافر قرار دیا اور اس سلسلہ میں ایک کتاب تالیف ہوئی جو ہر جمعہ کو سنائی جاتی تھی۔ لوگوں کو اعتزال اور تشیع سے توبہ کرا کے تسنن کے طریقہ پر مجبور کیا گیا۔ سلطان محمود کو یہ فرمان بھیجا گیا کہ خراسان میں سنیت کو رائج کرے۔ چنانچہ اس نے بھی اس سلسلہ میں بے شمار معتزلہ اور شیعوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور یہ اعلان کر دیا کہ ان لوگوں پر منبروں سے لعنت کی جائے۔ یہ واقعہ ۴۰۸ھ کا ہے۔ (شذرات الذہب ۲ ص۱۸۶)

ادھر ۴۰۲ھ میں عباسی قصرِ حکومت سے یہ قانون نکلا کہ علویین کو حضرت علیؑ کی ولدیت سے الگ کر دیا جائے اور ان کے نسب پر اعتراض کیا جائے۔ (تاریخ ابن فدا ۲ ص۱۵۰) چنانچہ یہ قانون نشر ہوا اور اس پر علماء بغداد سے دستخط بھی لئے گئے۔

حکومت کا مقصد ان تمام باتوں سے کسی مسئلہ کی تحقیق نہ تھا بلکہ وہ صرف یہ چاہتی تھی کہ امت اسی طرح باہمی اختلافات کا شکار رہے اور وہ اپنا کام چلاتی رہے۔ ورنہ تحقیق کو جبر و استبداد سے کیا تعلق؟ اس کے لئے تو خیال کی آزادی اور فکر کی حریت انتہائی ضروری ہے جو کسی وقت بھی میسر نہ ہو سکی۔ حکومت نے اپنے اس طرزِ عمل سے پورے اسلامی معاشرہ کو تباہ کر دیا اور مسلمانوں کا کام سوائے لڑائی جھگڑوں کے اور کچھ نہ رہ گیا۔

حکومت وقت شیعوں کے موقف کو ہمیشہ حزب مخالف کی حیثیت دیتی رہی۔ اور اس کا منشاء یہ رہا کہ ان کو تباہ کر کے آل محمدؐ کا نام مٹا دیا جائے۔ چنانچہ اس نے تشیع کو ایک عظیم جرم اور بدترین

Presented by Ziaraat.Com

تہمت بنا دیا۔ حد ہوگئی کہ علامہ زمخشری صلوٰۃ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اہلبیتؑ پر تنہا صلوٰۃ بھیجنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ صلوٰۃ ذکر پیغمبرؐ کا طریقہ ہے اور ذکرِ اہلبیتؑ سے رافضیت کا اتہام آتا ہے۔ اور آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ ایماندار کو تہمت کی جگہوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔"

اس قسم کے بے شمار فتوے ایسے ہیں جن میں حکم شریعت کی صرف اس بنیاد پر مخالفت کی گئی ہے کہ اسے شیعوں نے اپنا لیا ہے اور اس سے رافضیت کا الزام آتا ہے۔

یہ یاد رہے کہ رافضیت اس دور کی اصطلاح میں محبت اہلبیتؑ ہی کا دوسرا نام تھا۔ جیسا کہ امام شافعی نے اپنے اشعار میں کہا ہے کہ "جب کسی مجلس میں علیؑ وفاطمہؑ یا ان کی اولاد کا ذکر ہوتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ اس ذکر کو چھوڑ دو یہ رافضیوں کی باتیں ہیں۔ اللہ مجھے ایسے لوگوں سے بچائے جو فاطمیین کی محبت کو رافضیت کہتے ہیں۔"

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں "لوگ مجھے رافضی کہتے ہیں۔ حالانکہ رافضیت نہ میرا دین ہے اور نہ میرا اعتقاد۔ میں تو ایک بہترین امام اور بہترین ہادی کو دوست رکھتا ہوں۔ اب اگر یہی رفض ہے تو میں سب سے بڑا رافضی ہوں۔

خطیب بغدادی نے فتح بن شخرف کا یہ لطیفہ نقل کیا ہے کہ اس نے عالم خواب میں دو آدمیوں کو دیکھا اور اپنے قریب والے سے پوچھا کہ تم کون ہو؟

اس نے کہا کہ اولاد آدم! یہ کہتا ہے کہ اولادِ آدم تو سبھی ہیں، تمھارے پیچھے کون ہے؟ اس نے کہا علیؑ بن ابی طالبؑ۔

فتح نے کہا کہ تم ان سے پوچھتے نہیں ہو؟

اس نے کہا کہ رافضیت کے الزام سے ڈرتا ہوں۔ (تاریخ خطیب ۱۲ ۲۵۱)

فضل بن دکین میں کسی قدر تشیع پایا جاتا تھا تو ایک دن اس کا لڑکا روتا ہوا آیا۔ انھوں نے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ لوگ مجھے شیعہ کہتے ہیں۔ فضل نے برجستہ یہ شعر کہے: "مجھے تیری محبت جواب دینے سے روک رہی ہے اس لئے کہ چغل خوروں کا خطرہ بہرحال موجود ہے۔"

(تاریخ بغداد ۱۲ ۳۴۶) آپ یہ جانتے ہیں کہ اس بچے کے رونے کا سبب کیا تھا؟ بات صرف یہ تھی کہ وہ اس تہمت سے باپ کے قتل ہونے، مال کے غصب ہونے اور گھر کی تباہی کا خطرہ

Presented by Ziaraat.Com

محسوس کر رہا تھا۔ اس لئے کہ اس دور کے قانون میں شیعیت کی یہی سزا تھی۔

ابراہیم بن ہرثمہ نے مدح اہلبیتؑ میں چند اشعار کہے "مجھے کب تک اہلبیتؑ کی محبت پر ملامت کی جائے گی۔ یہ سب صاحب شریعت، دختر پیغمبرؐ کی اولاد ہیں۔ میں ان کی محبت کے بعد صحرائی جانوروں کی پروا نہیں کرتا ہوں"

اس کے بعد منصور کے پاس آئے تو اس نے کوئی توجہ نہ کی اور یہ کہا کہ میری نظر میں تم ایک عظیم انسان تھے اگر تم نے یہ شعر نہ کہے ہوتے۔ لہذا توبہ کرو۔

انھوں نے بھی اپنی جان بچانے کے لئے معافی مانگ لی تو منصور نے کہا کہ آیندہ اس قسم کا اقدام کروگے تو اس کی سزا قتل ہے۔

اب یہ حالت تھی کہ مدینہ میں ابراہیم کو ایک علوی نے سلام کیا تو انھوں نے کہا کہ "دور ہٹ جاؤ، میرا خون نہ بہاؤ" (تاریخ بغداد ۶ ص ۱۲۷)

منصور نمیری نے چند شعر کہے "افسوس کہ آل نبیؐ اور ان کے چاہنے والے قتل کا خوف محسوس کر رہے ہیں جب کہ یہود و نصاریٰ چین کی زندگی گذار رہے ہیں"

ہارون رشید کو یہ اطلاع ملی تو اس نے ایک آدمی ان کے قتل کے لئے بھیج دیا۔ اس نے آکر خبر دی کہ وہ تو مر چکے ہیں۔ رشید نے چاہا کہ لاش کو قبر سے نکال کر جلا دیا جائے لیکن بعد میں اپنے اس ارادے کو ترک کر دیا۔ (زہر الآداب ۳ ص ۷۰۶)

ابن قرایا کی زبان صرف اس لئے کاٹ دی گئی کہ وہ آل محمدؐ کی مدح کرتے تھے اور مقدمہ میں فرد جرم یہ عائد کی گئی کہ مدح علیؑ سے صحابہ کی توہین ہوتی ہے۔ کاش معاملہ اتنی ہی سزا پر ختم ہو جاتا لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا اور لوگوں نے ان پر پتھراؤ کیا۔ وہ دجلہ میں کود پڑے تو ان کی لاش نکال کر جلا دی گئی جس کے بعد شیعوں اور سنیوں میں ایک عظیم معرکہ ہوا۔" یہ واقعہ ۴۷۵ھ کا ہے۔" (شذرات الذہب ۴ ص ۲۴۶)

حسن بن محمد بن ابی بکر پر یہ الزام لگایا گیا کہ انھوں نے صحابہ کو برا بھلا کہا تو قاضی شرف الدین مالکی نے ان کی گردن اڑا دینے کا حکم دے دیا۔ یہ حادثہ سوق الخیل دمشق میں جمادی الاول ۷۴۴ھ میں رونما ہوا۔" (شذرات الذہب ۶ ص ۱۴۴)

Presented by Ziaraat.Com

تاریخ اس قسم کے حادثات سے بھری ہوئی ہے۔ ہمیں تو حکومت کے طرز عمل کی نشاندہی کرکے اس مسئلہ کو حل کرنا تھا کہ شریعت اسلام میں کسی مسلمان کا خون بہانا بہت بڑا جرم ہے۔ اس لئے جو حکومت بھی اپنے نظام کو شرعی کہتی ہے اس کو شریعت کی مخالفت سے بچنے کا راستہ نکالنا چاہئے۔ جیسا کہ مختلف مقامات پر کیا بھی گیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ شیعوں پر ان مظالم کے لئے کیا جواز نکالا گیا؟

کیا اس وقت امت میں ایسے علماء نہ تھے جو کتاب و سنت کی مخالفت اور مسلمان کی خونریزی پر حکومت کو متنبہ کرتے؟ ایسا نہیں ہے بلکہ حکومت نے حفاظتی تدابیر کے لئے چند چیزیں مہیا کر لی تھیں۔

۱۔ عام صحابہ کو بلند کیا جائے اور ان کے بارے میں ہر نقد و تبصرہ حرام ہو۔ وہ ایک قسم کے معصوم مانے جائیں، ان کے مواخذہ کو پیغمبر اسلام کی توہین قرار دیدیا جائے۔ چنانچہ تاریخ بیان کرتی ہے کہ رشید کے دربار میں ابوہریرہ کی یہ حدیث بیان ہوئی کہ "حضرت موسیٰ نے حضرت آدم سے ملاقات کی تو کہا کہ آپ نے ہم سب لوگوں کو جنت سے نکلوادیا" تو یہ سن کر قرشی نے اعتراض کیا کہ حضرت موسیٰ نے حضرت آدم سے کب ملاقات کی تھی؛ جس پر رشید نے تلوار و تازیانہ طلب کرلیا اور کہا کہ یہ کافر حدیث پیغمبر پر اعتراض کرتا ہے۔ (تاریخ بغداد ۷، ۹۴) اس طرز عمل نے امت کے ذہن پر لگام لگادی اور ان کی فکر پر پہرے بٹھادیئے۔ اب ہر ایک کا فرض تھا کہ یا حکومت کی پیروی کرے یا زندیق بن کر قتل ہوجائے۔ ظاہر ہے کہ شیعہ اس قانون کا احترام نہیں کرسکتے تھے۔ لہذا حکومت کے پاس ان کے قتل کا جواز واضح تھا۔

۲۔ شیعہ اپنے عقائد میں اہلبیتؑ کو مرکز قرار دیتے تھے۔ شعائر دین کی حفاظت کرتے تھے اس لئے انھیں کافر بنانے کے لئے حکومت کو غالیوں کا سہارا لینا پڑا اور اس نے یہ مشہور کرادیا کہ یہ لوگ اہلبیتؑ کو خدا سمجھتے ہیں اور اس شہرت کے لئے تمام ضمیر فروش واعظوں کو وسیلہ بنایا جو بظاہر تو دیندار تھے لیکن باطنی طور پر پکے بے ایمان تھے۔

۳۔ شیعہ اہلبیتؑ کی محبت اور ان کے اتباع میں ایک عام شہرت کے مالک تھے۔ حکومتوں نے یہ خطرہ محسوس کیا کہ ارباب فکر پر واعظوں کے گڑھے ہوئے کفر کے فتوے اثر انداز نہیں

Presented by Ziaraat.Com

ہو سکتے ہیں۔ ان کے لئے الگ سے کوئی نسخہ تیار ہونا چاہئے۔ ان کے پیش نظر وہ تمام صحیح حدیثیں بھی تھیں جن میں اہلبیتؑ اور ان کے شیعوں کے فضائل بیان کئے گئے تھے۔ اس لئے حکومت نے یہ دیکھا کہ ان حدیثوں کا بیان کرنا یا ان کا عوام کے ذہنوں سے مٹا دینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس نے ایک نیا حربہ ایجاد کیا کہ انھیں روایتوں کے ساتھ ضمیمہ [illegible] ملا [illegible] ئے [illegible] مر، تاکہ عوام اصل حدیث کی شہرت کو دیکھ کر ان افسانوں پر بھی ایمان لے آئیں۔

اہلبیتؑ کی فضیلت کی جن حدیثوں میں اضافہ کیا گیا ہے وہ یہ ہیں :-

۱۔ یا علیؑ تمھارے دوست صرف مومن ہیں اور تمھارا دشمن صرف منافق ہوگا۔ (صحیح مسلم، ترمذی ۲ ۲۹۸، مسند احمد ۲ ۱۰۲)

۲۔ اے علیؑ تم اور تمھارے شیعہ اللہ کی بارگاہ میں خوش و خرم جاؤ گے اور تمھارے دشمن عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ (صواعق محرقہ ص۹۳)

۳۔ جو حسنؑ و حسینؑ اور ان کے والد بزرگوار اور ان کی والدہ گرامی کو دوست رکھے گا وہ جنت میں میرے درجہ میں ہوگا۔ (حاکم ۲ ۱۴۹، مسند احمد ۲ ۲۵)

۴۔ "علیؑ کی محبت" نفاق اور جہنم دونوں سے بچاتی ہے۔ علیؑ کے شیعہ کامیاب ہیں۔ (کنوز الحقائق)

۵۔ جو میری جیسی زندگی، میری جیسی موت اور جنت کی سکونت کا طالب ہے اسے چاہئے کہ علیؑ کو ولی بنائے اس لئے کہ وہ نہ کسی کو ہدایت سے الگ کر سکتے ہیں اور نہ گمراہی میں مبتلا کر سکتے ہیں۔ (مستدرک ۲ ۱۲۶)

۶۔ علیؑ اور ان کے شیعہ روز قیامت کامیاب ہیں۔ (کنوز الحقائق)

۷۔ آیتِ مودّت نازل ہوئی تو لوگوں نے رسول اکرمؐ سے سوال کیا کہ وہ اقربا کون ہیں جن کی محبت واجب کی گئی ہے ؟ آپ نے فرمایا علیؑ و فاطمہؑ اور ان کے دونوں فرزند۔ (ذخائر العقبیٰ ص۵۲)

۸۔ اے علیؑ تم اور تمھارے شیعہ جنتی ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

۹۔ اے ابوالحسنؑ تم اور تمھارے شیعہ جنت میں ہوں گے۔

۱۰۔ اے علیؑ تم اور تمھارے شیعہ حوضِ کوثر پر وارد ہوں گے۔

۱۱۔ جب یہ آیت نازل ہوئی "جو لوگ ایمان اور عمل صالح والے ہیں وہ بہترین مخلوق ہیں" تو رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ اے علیؑ یہ تم اور تمھارے شیعہ ہیں جو روزِ قیامت بارگاہِ الٰہی میں خوش و خرم پیش ہوں گے۔ (خطیب بغدادی ۱۲ ۳۵۸)

حدیثِ ثقلین، حدیثِ غدیر اور حدیثِ سفینہ کے علاوہ یہ چند احادیث تھیں جن میں رسولِ اکرمؐ نے حضرت علیؑ اور دیگر اہلبیتؑ کی محبّت کا حکم دیتے ہوئے ان کے اتباع کو واجب و لازم قرار دیا تھا۔

اس کے بعد جعلسازی کا کاروبار شروع ہوا تو مذکورہ بالا حدیثوں کے لئے اضافے تیار کئے گئے۔

۱۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا تھا کہ اے علیؑ تم اور تمھارے شیعہ جنتی ہیں۔

فضل بن غانم نے یہ اضافہ کیا: "اے علیؑ تمھارے ہی دوستوں میں سے ایسے ہی اشخاص ہیں جن کا اسلام صرف زبانی ہے۔ جن کی تلاوتِ قرآن حلق کے نیچے نہیں اترتی ہے۔ ان کا لقب رافضی ہے۔ یہ جہاں مل جائیں تم ان سے جہاد کرو، اس لئے کہ یہ سب مشرک ہیں" (تاریخ بغداد ۱۲ ۳۵۸)

ابو یحییٰ الحمانی نے حضرت علیؑ کی زبان سے اضافہ کیا کہ: "میں نے آنحضرت سے پوچھا کہ ایسے لوگوں کی پہچان کیا ہے؟ تو فرمایا کہ وہ تمھاری بیجا تعریف کریں گے اور میرے اصحاب کو برا کہیں گے"۔

دوسری روایت یہ بنائی گئی، یہ تمھاری محبت کے دعویدار ہوں گے۔ قرآن ان کے حلق سے نہ اتر سکے گا۔ ان کی علامت یہ ہوگی کہ وہ ابوبکر اور عمر کو برا کہیں گے۔

تیسری شکل یہ تیار ہوئی "اے علیؑ ایک قوم رافضی نام پیدا ہوگی۔ وہ جہاں نظر آجائے اسے قتل کر دو اس لئے کہ وہ سب مشرک ہیں۔ (الاشاعۃ فی اشراط الساعۃ)

۲۔ حدیثِ ثقلین میں یہ ترمیم کی گئی کہ عترتی کی جگہ پر سنّتی کا لفظ رکھ دیا جائے۔ حکومت کے پرستاروں نے

Presented by Ziaraat.Com

اس ترمیم واضافہ کا کام کیا اور حکومت نے اسے مشہور کرنے کے انتظامات کیے اور اس طرح رفتہ رفتہ یہ باتیں عوام کے ذہنوں میں اتر گئیں۔ علماء نے پوری صراحت کے ساتھ ان باتوں کا انکار کیا اور یہ واضح کر دیا کہ یہ سارے راوی جھوٹے ہیں۔

فضل بن غانم مروزی۔ کردار کا پست، دین کا کمزور اور روایات میں غیر مقبول ہے۔ حافظوں نے اس کی حدیثوں کو ترک کر دیا ہے اور انھیں قابل نقل نہیں سمجھا ہے۔ دار قطنی نے اسے ضعیف اور یحیٰی بن معین نے اسے کالعدم قرار دیا ہے۔ (لسان المیزان ۴ ۴۴۵، تاریخ بغداد ۱۲ ۳۵۷)

سوار بن مصعب ہمدانی۔ یحیٰی بن معین کی نظر میں کالعدم، بخاری کے نزدیک منکر الحدیث، نسائی کے یہاں متروک، ابوداؤد کی زبان میں غیر معتبر اور حاکم کی اصطلاح میں مجہولات کا راوی ہے۔ (لسان المیزان ۳ ۱۳۸)

ان کے علاوہ ابوجناب کلبی، سوید بن سعید جیسے نہ جانے کتنے راوی ایسے ہیں جن کا کذب وافترا علماء کی نظر میں مسلمات میں ہے اور اسی لئے ابن حجر، ابن تیمیہ، شوکانی اور خطیب بغدادی نے ان اضافوں کو باطل قرار دیا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ علماء اور ماہرین حدیث ان اضافوں کو لغو ومہمل کہہ رہے ہیں اور بعض متعصب، فرقہ پرست اور تفرقہ انداز افراد امت میں پھوٹ ڈالنے کے لئے انھیں روایتوں کو اپنا سہارا بنائے ہوئے ہیں اور آج بھی حکومت کی غلط تائید اور شیعوں پر ناروا الزام کا بزعم خود اہم فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ حکومت وقت نے اس قتل وغارت کو اپنے مخالفین کے لئے ایک بنیادی قانون بنا دیا تھا۔ کسی انسان کے لئے ان کے خلاف کوئی رائے دینا یا ان کے مقصد سے ناسازگار روایت بیان کرنا ایک امر محال تھا۔ خصوصاً اس وقت جب ان کے دو ایک دشمن بھی نکل آئیں جو حکومت کے دربار تک ان باتوں کی اطلاع پہنچا دیں اور وہاں سے قتل یا قید کا فرمان نافذ کرانے میں کامیاب ہو جائیں۔

یہی وجہ ہے کہ اس قانون کا بعض غیر شیعہ مفکرین کو بھی شکار بننا پڑا۔ صرف اس بنیاد

Presented by Ziaraat.Com

پر کہ انھوں نے اپنی رائے میں تعصب اور تنگ نظری سے کام لئے بغیر حقیقت کا صاف صاف اعلان کر دیا تھا۔

ظہیر الدین اردبیلی نے منبر پر مدح صحابہ کے واجب نہ ہونے کا فتویٰ دے دیا تو انھیں گرفتار کر کے قاضی کے سامنے پیش کیا گیا۔ قاضی نے سزائے موت سنا دی اور ان کی گردن کاٹ دی گئی۔ اس کے بعد ان کا سر قاہرہ میں باب زویلہ پر لٹکا دیا گیا۔ (شذرات الذہب ۷؍۱۴۳)

ایک قاضی نے خلیفہ مقتدر کی بیعت سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ بچہ ہے تو اس کے قتل کا حکم جاری ہو گیا اور دمشق میں بھرے مجمع میں اس کا سر کاٹ لیا گیا۔

حنبلی عالم اور مدرس ابو العباس سلیمان بن عبد القوی المتوفی ۷۱۶ھ پر رافضیت کا الزام لگایا گیا تو انھوں نے حیرت سے کہا کہ ایک آدمی حنبلی، رافضی، ظاہری، اشعری کیا کیا ہو گا؟ یہ تو عجیب و غریب بات ہے لیکن اس کے باوجود انھیں سزا دیدی گئی، صرف اس لئے کہ انھوں نے یہ شعر کہا تھا "اس شخص میں جس کی خلافت مشکوک ہو، اور اس شخص میں جس کی خدائی کا شبہ ہو بڑا فرق ہے"

دوسرا الزام توہین شیخین کا لگا اور وہ اس بنیاد پر کہ انھوں نے شرح اربعین میں یہ عبارت لکھ دی تھی کہ علماء کے اختلاف کا سبب روایات کا تعارض و اختلاف ہے۔ اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ روایات کے اختلاف کا سبب حضرت عمر بن الخطاب ہیں۔ اس لئے کہ صحابہ کرام نے روایتوں کو مرتب کرنا چاہا تھا اور انھوں نے روک دیا تھا۔ حالانکہ رسول اعظمؐ کے یہ ارشادات موجود تھے کہ "روایتیں لکھو۔ علم کو تحریر کے ذریعے محفوظ کرو"۔ اگر انھوں نے یہ ممانعت نہ کی ہوتی تو آج سنتِ رسول ایک مرتب شکل میں ہوتی اور ہر راوی کی روایتیں اسی طرح متواتر ہوتیں جیسے بخاری و مسلم کی حدیثیں متواتر اور مشہور ہو گئی ہیں"

اس عبارت سے ان پر اتنا بڑا جرم عائد ہوا کہ وہ رافضی بنے، مارے گئے، قید ہوئے، وطن سے نکالے گئے اور تدریس کے عہدہ سے الگ کر دیئے گئے۔

(تاریخ علماء بغداد سلامی ص۵۹، درر کامنہ ابن حجر)

Presented by Ziaraat.Com

اس سلسلے کا عجیب ترین واقعہ یہ ہے کہ علامہ مقدسی اصفہان پہنچے۔ وہاں انھیں یہ اطلاع ملی کہ یہاں ایک شخص انتہائی عابد و زاہد ہے۔ انھوں نے اپنے قافلہ کو چھوڑ دیا اور اس کے پاس پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر بعض دیگر سوالات کے ساتھ یہ بھی پوچھا کہ صاحب کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ اس نے یہ سن کر لعنت بھیجنا شروع کر دی۔

مقدسی کہتے ہیں میں نے گھبرا کر پوچھا یہ کیا؟ اس نے کہا کہ اس کا عجیب و غریب مذہب ہے۔

میں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ وہ معاویہ کو رسول نہیں مانتا ہے۔

مقدسی نے پوچھا اور آپ کا کیا خیال ہے؟ اس نے آیت پڑھی کہ ہم اس کے رسولوں میں کوئی تفریق نہیں کرتے ہیں۔ اور یہ تفسیر کی کہ ابوبکر بھی رسول تھے، عثمان و علیؑ بھی رسول تھے اور معاویہ بھی رسول تھا۔

مقدسی کہتے ہیں کہ میں نے اسے سمجھایا کہ یہ کہئے۔ وہ چاروں خلیفہ تھے اور معاویہ صرف بادشاہ تھا۔ پیغمبر اسلامؐ کا ارشاد ہے کہ تیس سال خلافت رہے گی اس کے بعد بادشاہی آجائے گی۔ تو یہ سن کر اس نے میری مرمت شروع کر دی اور مجھے رافضی کہنے لگا۔ میں نے حالات نامساعد دیکھے اور وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اس لئے کہ اگر اس وقت فرار نہ کرتا تو میری خیریت نہ تھی۔

(احسن التقاسیم ۲ ص ۲۹۹)

ایک مدت تک اسلامی معاشرہ اسی تنگ نظری کا شکار رہا۔ نہ خیال کی آزادی تھی اور نہ فکر کی حریت۔ نقاد تنقید کے مفہوم سے ناآشنا تھے اور معترض اعتراض کے سلیقہ سے بے بہرہ۔ تہمتوں کا بازار گرم تھا اور اسی کے ذریعہ حکومتِ وقت کو راضی کیا جا رہا تھا۔ فضیلتِ اہلبیتؑ میں حدیث بیان کرنا کفر اور صحابہ پر صحیح تنقید کرنا رافضیت اور تشیع! نتیجہ یہ ہوا کہ اس بیچ میں وہ افراد بھی پیس ڈالے گئے جنھیں تشیع سے دور کا بھی لگاؤ نہ تھا۔

حاکم ابو عبداللہ نیشاپوری صاحب مستدرک پر شیعیت کا الزام لگا دیا گیا صرف اس بنیاد پر کہ انھوں نے حدیث طیر اور حدیث من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ کو نقل کر دیا

Presented by Ziaraat.Com

جب ان کا نقل کرنا حکومت کی پالیسی کے بالکل خلاف تھا۔ آپ خود سوچئے کیا ایسے معاشرہ میں بھی انسان زبان کھول سکتا ہے؟ جہاں نہ عقل کے قوانین کی کوئی قدر و قیمت ہو اور نہ اسلام کے احکام کا احترام؟ شریعت، مذہب، دین، دیانت سب حکومت کے اشاروں پر رقص کرتے ہوں۔

ابن کثیر نے تاریخ کامل ۱۰ ۲۱ میں العقد الفرید کے مؤلف شہاب الدین اندلسی پر بھی شیعیت کا الزام لگا دیا اور وہ بھی معمولی نہیں بلکہ بڑی کٹر قسم کی شیعیت۔ صرف اتنی سی بات پر کہ انھوں نے خالد قسری کی روایتوں پر تبصرہ کر دیا ہے۔ ابن کثیر کی عبارت یہ ہے "صاحب العقد الفرید نے خالد کی طرف غلط باتوں کی نسبت دے دی ہے اس لئے کہ وہ خود پکے شیعہ اور اہلبیت کے بارے میں غالی تھے۔ یہ اور بات ہے کہ ان کے بیانات سے استفادہ کرنا بہت مشکل ہے اور یہی وجہ ہے کہ علامہ ذہبی بھی ان کی طرف سے دھوکا کھا گئے اور ان کے حافظ ہونے کی مدح کر دی! صاحب العقد الفرید کا مذہب کیا تھا؟ اس کا فیصلہ تو کتاب کا مطالعہ کرنے والے ہی کر سکتے ہیں۔ البتہ اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ان تمام تہمتوں اور جھگڑوں کی بنیاد حکومت کی ذاتی خواہشیں تھیں جنھیں پورا کرنے کے لئے یہ ذرائع اختیار کئے جاتے تھے۔ حکومت کا منشا یہ تھا کہ علماء اور مفکرین بھی بھیڑوں کے ایک گلہ کی حیثیت رکھیں اور حکومت جس طرف چاہے انھیں ہنکا دے۔ ظاہر ہے کہ تمام ارباب فکر اس تحریک کی تائید نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے ان کے لئے ان مصائب کا شکار ہو جانا اور عوام سے فکر و نظر کی آزادی کا سلب ہو جانا ناگزیر تھا۔

ان تمام بیانات سے اتنا ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ حکومت کی ان تدبیروں کا عوامی ذوق پر کتنا اثر پڑا ہوگا اور اس کے نتیجے میں شیعوں سے نفرت ایک فطری جذبہ کی شکل اختیار کر گئی ہو گی۔ اب کیا تعجب ہے اگر شیعیت کو بدعت کا نام دے دیا جائے۔ اس لئے کہ یہاں بدعت کا مفہوم سنتِ رسولؐ سے مقابلہ نہیں ہے بلکہ سنتِ سیاست سے متصادم ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

ورنہ اس کا کیا جواز ہے کہ تشیع جو حضرت علیؑ کی مشایعت اور ان کے اتباع کا نام ہے اسے بدعت قرار دے دیا جائے اور پھر اس پر کوئی دلیل بھی نہ قائم کی جا سکے۔

کیا یہ طرزِ عمل پیغمبر اسلامؐ کے ان اقوال کی صریحی مخالفت نہیں ہے، جن میں حضرت علیؑ کے دوست کو مومن اور آپ کے دشمن کو منافق کہا گیا ہے؟ جیسا کہ امام احمد بن حنبل کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ان سے یہ پوچھا گیا کہ حضرت علیؑ کے قسیم الجنۃ والنّار ہونے کا کیا مطلب ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ رسول اکرمؐ کی مشہور حدیث ہے عُلی کا دوست مومن اور ان کا دشمن منافق ہے اور ظاہر ہے کہ مومن کی جگہ جنت اور منافق کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اب چونکہ دونوں کا یہ انجام علیؑ ہی کی وجہ سے ہوا ہے لہٰذا وہ قسیم الجنۃ والنّار ہیں۔

مختصر یہ کہ شیعوں کے دشمنوں نے اپنی ساری تدبیریں صرف کر دیں لیکن تاریخ میں کوئی ایک دن ایسا نہ آسکا جب اس مذہب کی اشاعت رک گئی ہو یا وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے نظر آئے ہوں۔

خدا کا شکر ہے کہ ان مصائب و آلام کا شکار رہنے کے باوجود آج بھی یہ مذہب سارے عالم میں پھیلا ہوا ہے اور شیعوں کی تعداد نو کروڑ سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

اب ہمیں یہ حق پہنچتا ہے کہ ہم اپنے ظالموں سے سخت قسم کا محاسبہ کریں کہ انھوں نے ہمیں کس بنیاد پر متہم کیا۔ اور ہمارے سر اتنے الزامات کیوں لگائے؟ ہمارا مطالبہ نہ کسی کی ہمدردی کا تھا اور نہ کسی کی امداد کا تھا۔ ہم صرف یہ چاہتے تھے اور چاہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ انصاف کیا جائے۔ ہمارے مسائل کا فیصلہ علم و تحقیق کی روشنی میں کیا جائے۔ ہمارے بارے میں اندھی تقلید سے کنارہ کشی کی جائے۔ اب وہ دور گیا جب فتنہ انگیزی ایک ہنر تھا اور مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنے پر تمغہ ہائے سیاست ملتے تھے —— اب عدل و انصاف، آزادی و حریت اور تحقیق و تنقید کا دور ہے۔ لہٰذا اس راہ میں قدم اٹھنے چاہئیں اور ہر مسلمان کو سوچنا چاہئے کہ ان تہمتوں سے شیعوں کو نقصان پہنچے گا یا دشمنانِ اسلام کو فائدہ؟

Presented by Ziaraat.Com

شیعوں کے سلسلے میں بہتان تراشی اور افترا پردازی کا فریضہ انجام دینے والوں میں ایک بڑا ہاتھ ان روایات سازوں کا بھی ہے جنھوں نے حق و انصاف کا خون کر کے روایتیں وضع کیں اور اپنا ضمیر بیچ کر مخلوق کی رضامندی اور خالق کے غیظ و غضب دونوں کو خرید لیا۔ ہم اس مقام پر زیادہ تفصیلی بحث نہیں کر سکتے ہیں لیکن کسی نہ کسی مقدار میں اس جماعت کا تعارف ضرور کرائیں گے۔

Presented by Ziaraat.Com

جعلساز جماعت

بہتان طرازی کے اس تلاطم اور افترا پردازی کے اس طوفان میں صدارت کی کرسی ان لوگوں نے سنبھالی جنھیں نہ دین سے کوئی واسطہ تھا اور نہ دیانت سے۔ ان کو روکنے کے لئے نہ صداقت کی طاقت تھی اور نہ انصاف کی۔ چنانچہ حکومتِ وقت کی خوشامد کے لئے روایت سازی کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔

ہمیں اس وقت صحابہ کرام کے دور کی حالت سے کوئی بحث نہیں کرنا ہے۔ اگرچہ ان جعلسازوں نے اپنی حدیثوں کا سلسلہ انھیں کے نام سے شروع کیا ہے اس لئے کہ صحابہ کرام کی شخصیت اس بات سے بلند و برتر ہے کہ وہ پیغمبر اسلامؐ پر کوئی بہتان رکھ سکیں۔ سوائے ان چند افراد کے کہ جن پر دنیا غالب آگئی اور انھوں نے آخرت کو دنیا کے عوض بیچ ڈالا۔ ان کا کام معاویہ کے اشاروں پر رقص کرنا تھا اور انھیں صحابیت سے دور کا بھی لگاؤ نہ تھا۔ بھلا وہ کون ایسا مسلمان ہوگا جو سمرہ بن جندب جیسے افراد کو بھی صحابی کہے گا۔

ہمارا مقصد اس دور کی نقشہ کشی کرنا ہے جب سیاسی کشمکش اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی بغض و حسد اور حبِ ریاست کے جذبات پر شباب آیا ہوا تھا اور حکومت کو ایسے افراد کی ضرورت تھی جو چند پیسوں میں اپنا ضمیر بیچ کر اس کے موقف کی تائید کر سکتے ہوں۔

یہی وہ ہمت افزائی تھی جس نے اس جماعت کا حوصلہ اور بھی بڑھا دیا اور حکومتِ وقت سے تقرب کی خاطر روایتیں گڑھی جانے لگیں اور افترا پردازی کا دروازہ پاٹوں پاٹ کھل گیا۔

Presented by Ziaraat.Com

غیاث بن ابراہیم خلیفہ مہدی عباسی کے پاس آیا اور مہدی کی خواہش پر ابو ہریرہ کے نام سے یہ روایت بیان کی کہ "مقابلہ تیر اندازی، گھوڑ دوڑ کے ساتھ کبوتر بازی میں بھی ہو سکتا ہے۔" (اس لفظ کا اضافہ اِس لئے ضروری تھا کہ مہدی کو کبوتر بازی کا ذوق تھا۔) تو مہدی نے دس ہزار درہم انعام دیئے اور غیاث کے جانے کے بعد یہ بیان کیا کہ خدا شاہد ہے، رسول اکرمؐ نے ہرگز یہ نہیں فرمایا تھا۔ یہ صرف مجھ سے قریب ہونے کے لئے ایسا کر رہا ہے۔ (تاریخ بغداد ۱۲؍۱۹۳)

ابو البختری وہب بن وہب قاضی بغداد، ہارون رشید کے پاس آیا تو دیکھا کہ ہارون کبوتر اڑا رہا ہے۔ ہارون نے اس سے پوچھا کہ کبوتر بازی کے بارے میں بھی کوئی حدیث یاد ہے؟ تو اس نے برجستہ روایت بیان کی کہ ہشام نے عروہ اور اس کے باپ کے واسطے سے حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرمؐ کبوتر اڑایا کرتے تھے۔

عباسی دور میں شاہ بن بشر بن ماہیان جعلسازی میں کافی شہرت رکھتا تھا۔ اس نے جابر بن عبداللہ کے نام سے یہ حدیث تیار کی کہ "آنحضرتؐ کی خدمت میں جبرئیل امین سیاہ قبا پہن کر کمر سے پٹکا باندھے، خنجر لگائے ہوئے حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا کہ یہ کیا انداز ہے؟ انہوں نے کہا کہ ایک دور میں ایسا ہی لباس ہوگا۔ آپ نے پوچھا کہ اس دور کا رئیس کون ہوگا؟ کہنے لگے بنی عباس۔

رشید نے ابو حذیفہ اسحاق معروف متوفی ۲۰۰ھ کو طلب کر کے یہ حکم دیا کہ مسجد ابن رغبان میں بیٹھ کر روایتیں بیان کرے۔ اسے اپنے فن کے مظاہرہ کا موقع ملا اور اس نے بھی ایسے افراد سے روایت کرنا شروع کر دی جو اس کی پیدائش سے مدتوں پہلے مر چکے تھے۔

مہدی عباسی نے ابو معشر سندی کو بغداد بلا کر اس کی یہ ڈیوٹی قرار دی کہ وہ لوگوں کو فقہ کی تعلیم دے۔ صرف اس لئے کہ ابو معشر اپنے دور کا سب سے بڑا جعلساز تھا اور ابن جزرہ نے اسے زیرِ آسمان سب سے بڑا جھوٹا کہا تھا۔ (تاریخ بغداد ۱۳؍۴۳۱) ابو معشر نے ایک کتاب تالیف کی اور بعد کے مورخین نے اس سے استفادہ کیا۔ طبری کے اگلی معلومات اسی کے ممنونِ کرم ہیں۔

جعلسازی کا ایک محرک تو حکومت کا تقرب تھا اور دوسرا محرک جو اس کے پہلو بہ پہلو کام کر رہا تھا وہ اپنے اصولوں کی تائید اور اپنے مذہب کی امداد تھا۔ چنانچہ اس سلسلے سے بھی بے شمار

Presented by Ziaraat.Com

حدیثیں وجود میں آگئیں۔

نعیم بن حماد بن معاویہ المتوفی ۲۲۷ھ اس میدان کا شہسوار تھا۔ اس نے ابوحنیفہ کی منقبت اور سنت کی تائید میں متعدد روایتیں جنم دی ہیں ـــــ ذہبی۔

احمد بن عمرو بن مصعب بن بشر نے سنت کی تائید میں کتاب کی کتاب گڑھ دی اور اسے خراسان والوں میں کافی عام بھی کر دیا۔ یہ شخص بھی تائیدِ مذہب کے لئے جعلسازی میں کافی شہرت رکھتا تھا۔
(تاریخ بغداد ۵ ۷۳)

علی بن احمد بن محمد عمرو! اس کا بھی یہی کاروبار تھا۔

احمد بن عبداللہ انصاری بھی اسی پیشہ کا آدمی تھا اور اسی نے یہ روایت گڑھی تھی کہ روزِ قیامت سفید رو اہلِ سنت ہوں گے اور سیاہ چہرہ اہلِ بدعت۔ (شذرات الذہب ۳ ۲۶۲)

جعلسازوں کا یہ سلسلہ حکومت کے زیرِ سایہ پروان چڑھتا رہا اور حکومت نے ان لوگوں کی مکمل سرپرستی کی۔ جن کے تین اسباب تھے۔

۱۔ اپنے مرکز کا محفوظ کرنا اور عوام کی نظروں میں اس کی عظمت و اہمیت کا ثابت کرنا۔
۲۔ اپنے مقابل کو معاشرہ میں ذلیل و رسوا کر کے اس کے احتجاج کی قیمت کو گھٹا دینا۔
۳۔ عوام کو مختلف مسائل میں الجھا کر اپنی مقصد برآری کی فکر کرنا۔

ان تمام اسباب میں سب سے زیادہ اہمیت شیعوں کے موقف کو حاصل تھی۔ اس لئے کہ یہی وہ قوم تھی جس نے کسی حکومت کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ اس سے کوئی رابطہ نہیں قائم کیا اور ہمیشہ یہ اعلان کرتی رہی کہ یہ حکومت غاصب و ظالم ہے۔

ظاہر ہے کہ حکومت کو اپنے تخت و تاج کی حفاظت کے لئے اس آواز کا دبانا انتہائی ضروری تھا اور اس کام کے لئے اس جعلساز پارٹی سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں مل سکتا تھا۔ چنانچہ مکر و غداری، جعل و فریب کاری کا یہ سلسلہ یہاں تک پہنچا کہ شیعوں کے کفر کی بھی روایات تیار ہو گئیں جن کا مقصد یہ تھا کہ ان کا خون حلال اور ان کا مال مباح کر لیا جائے۔

ظاہر ہے کہ اس وقت نہ تمام معاشرہ جاہل تھا اور نہ سب نو مسلم۔ ان کے سامنے وہ حدیثیں بھی تھیں جن میں شیعوں کی مدح و ثنا کی گئی تھی۔ ان کے پیشِ نظر ان کے وہ اسلامی خدمات

Presented by Ziaraat.Com

بھی تھے جو سنہرے حرفوں سے لکھنے کے قابل تھے۔ اس لئے حکومت کے اس مشن کا کامیاب ہونا انتہائی دشوار تھا۔ لیکن اس کا مقصد تو صرف یہ تھا کہ ایک ایسا بیج بھی اسلام کی کھیتی میں بو دیا جائے جس کی بعد کے آنے والے بے دین ملا آبیاری کریں اور یہ درخت بار آور ہو سکے۔ چنانچہ نتیجہ بھی یہی ہوا اور اس دور کی تخم ریزی نے یہ پھل دیا کہ اسلامی معاشرہ ہمیشہ کے لئے دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ امت کے اتحادی جسم میں ایک گھاؤ ہو گیا جس کا مداوا تقریباً ناممکن ہو گیا۔

اس جعلساز کمیٹی کے کام بھی مختلف اسباب وعوامل کی بنا پر ہو رہے تھے۔ کوئی حکومت کی نظر میں تقرب اور دنیا کی طمع میں روایتیں گڑھ رہا تھا جس کی سرپرستی معاویہ بن ابی سفیان کو حاصل تھی۔ (شرح نہج البلاغہ ۱ ۲۵۵)

کسی کا مقصد اس نامعقول اقدام سے اپنے مذہب کی تائید اور دوسروں کے مسلک کی توہین تھا جس کے لئے عجیب عجیب حدیثیں اور نت نئے قصے تیار کئے جا رہے تھے اور مذہب افسانوں کے ایک مجموعہ کا نام بن رہا تھا۔

ایسے افراد کی فرداً فرداً نشاندہی کرنا اس وقت تقریباً ناممکن ہے۔ البتہ اتنا بتانا ضروری ہے کہ علامہ امینی دام ظلہ نے اس کمیٹی کے ممبران کی تعداد ۶۲۰ تک شمار کی ہے۔ اور ان کی وضع کی ہوئی حدیثوں کی تعداد ۰۴۰،۳۲۴،۸ بتائی ہے۔ (الغدیر ۵ ۲۴۵) ان حدیثوں میں سے تقریباً ۱۰۰ حدیثیں وہ ہیں جنھیں اپنے پیرؤوں کی مدح سرائی کے لئے تیار کیا گیا ہے جن میں وہ عجیب و غریب افسانے بھی شامل کئے گئے ہیں جن میں سب سے زیادہ حسین اور دلچسپ افسانہ ابن سبا کا ہے جو اسلام کا ایک اہم مسئلہ بن گیا ہے اور جس میں ہر صاحب قلم کا قلم کچھ دیر تک ضرور جولانیاں دکھاتا رہا ہے۔

خدا شاہد ہے کہ یہ حالات اسلام کے لئے ایک عظیم مصیبت کا درجہ رکھتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اس طوفان سے نکلنا ممکن نہیں ہے؟ کیا امت میں صفائی نہیں ہو سکتی ہے؟ جب کہ یہ بلا پورے معاشرہ میں پھیل چکی ہے اور مرض متعدی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ روایتیں کسی قدر معتبر بنائی جا چکی ہیں، ان کی تائید کے لئے دیگر قصے اور نئے نئے اصول وضع ہو چکے ہیں۔ رجال

Presented by Ziaraat.Com

پر بحث، راویوں کی جرح و تعدیل، حق و باطل کی تمیز، عقل و ادراک کے فیصلے سب معطل ہو گئے ہیں۔ اقتدار، ہوا و ہوس، جعل و فریب، مکاری و افترا پردازی کے ہاتھ میں آ چکا ہے۔

اس کا جواب حق و انصاف سے پوچھئے۔

داستان گو

داستان گو جماعت نے بھی بڑی حد تک اپنے فرائض انجام دیئے ہیں۔ مشاق قصہ گویوں نے روایتوں کی خرابیوں کو حسن بنا دیا ہے اور مہمل حدیثیں بھی بھلی معلوم ہونے لگی ہیں۔

حکومت کی امداد کے لئے مسجد سے لے کر میدانِ جنگ اور محراب سے لے کر دربارِ خلافت تک ان انسانوں کا سلسلہ پھیل چکا ہے اور اس طلسم کا توڑنا ایک ناممکن امر بن گیا ہے۔

عالم یہ ہے کہ شعبی نے ایک داستان گو کو اس حدیث کے بیان کرنے پر ٹوکا کہ "اللہ نے دو صور پیدا کئے ہیں جو دو مرتبہ پھونکے جائیں گے"۔ اور یہ کہا کہ اے شیخ خدا سے ڈر، اس نے ایک ہی صور پیدا کیا ہے تو اس بڈھے نے شعبی کو سختی سے ڈانٹا اور مارنے کے لئے چپل اتار لی۔ قوم نے بھی شیخ کا ہاتھ بٹایا اور شعبی کی اس وقت تک مرمت ہوتی رہی جب تک انھوں نے یہ قسم نہیں کھالی کہ اللہ نے ۳۰ صور پیدا کئے ہیں۔ (تحذیر الخواص سیوطی)

ایک داستان گو نے یہ حدیث بیان کی کہ جس کی زبان ناک تک پہنچ جائے وہ جنتی ہے۔ تو حالت یہ ہوئی کہ ہر شخص نے اپنی زبان نکال کر یہ تجربہ کرنا شروع کر دیا۔ (اغانی ۱۴ ص)

طبری نے ایک قصہ گو کو اس کی غلط بیانی پر ٹوک دیا تو عوام نے طبری پر حملہ کر دیا۔ وہ بھاگ نکلے تو ان کے دروازے پر اتنا پتھراؤ کیا کہ ان کا گھر سے نکلنا دشوار ہو گیا۔

ابن جوزی نے المنتظم میں نقل کیا ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے آخر میں شیعہ سنی فساد کے سب سے بڑے بانی یہی داستان گو افراد تھے جو تفرقہ پرداز قسم کی روایتیں گڑھ گڑھ کر لوگوں کو لڑایا کرتے تھے۔

ظاہر ہے کہ جعلسازوں اور داستان گویوں کے ان مسلسل تخریبی اقدامات کے بعد امت کے درمیان اتحاد کا پیدا کر دینا کوئی معمولی کام نہیں ہے، لیکن ہم تصفیۂ حساب کے لئے صرف

Presented by Ziaraat.Com

ایک بات کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ آج کی ترقی یافتہ نسل کو چاہئے کہ تعصب و تنگ نظری کو دور پھینک کر شیعوں کی تاریخ کا بغور مطالعہ کرے اور یہ دیکھے کہ مذہب جعفری نے حکومتوں کی امداد کے بغیر صرف اپنی داخلی طاقت اور اصولوں کی قوت کی بنیاد پر کس قدر ترقی کی ہے۔ اس نے اپنی راہ کی رکاوٹوں کا کس انداز سے مقابلہ کیا ہے اور اپنی ابدی زندگی کے لئے کیسا محکم ثبوت فراہم کیا ہے؟ ــــ یہ رکاوٹیں وہ تھیں جو اگر کسی دوسرے مذہب کی راہ میں حائل ہو جاتیں تو آج اس کا نام و نشان تک نہ ہوتا۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ مذہب جعفری میں کوئی ایسی بات ہے ہی نہیں جس پر مواخذہ کیا جا سکے۔ یہ مذہب عقل و شعور کا ترجمان اور کتاب و سنّت سے ہم آہنگ ہے۔ اس نے آج تک اجتہاد کا دروازہ کھلا رکھا ہے جو اپنے لچکدار اصول، گہرے قواعد، پاکیزہ اصول کی بنا پر بدلتے ہوئے زمانے اور روز افزوں ترقی کرنے والے دور کی اہم ترین ضرورت ہے۔

لیکن افسوس کہ آج کے اکثر اربابِ قلم جب بھی تاریخ مذاہب پر کچھ لکھنا چاہتے ہیں تو مذہب جعفری کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ عہدِ قدیم کے محو ہو جانے والے مذاہب زیر بحث آجاتے ہیں لیکن مذہبِ جعفری کا کوئی تذکرہ نہیں ہوتا ہے۔ دنیا بھر کے علماء کے اقوال نقل ہوتے ہیں اور آلِ محمدؐ کا فرمان قابل ذکر نہیں ہوتا ہے۔

ہم عہدِ قدیم کے فقہاء سے کوئی بات اس لئے نہیں کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک نہایت ہی ہولناک دور سے گذرے ہیں۔ ان کے زمانہ میں زبان و قلم پر پابندیاں عائد تھیں اور ہر انسان جرأتِ گفتار و کردار کا آئینہ نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن ہمیں آج کے دور میں قلم اٹھانے والے اربابِ نظر سے ضرور شکایت ہے کہ وہ ان مجبوریوں کا شکار نہیں ہیں پھر بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اندھی تقلید نے ان کے ذہنوں کی فضا کو اتنا تنگ و تاریک بنا دیا ہے کہ وہ چند مذہبی مزعومات کے علاوہ کچھ سوچنا یا دیکھنا چاہتے ہی نہیں ہیں۔ ان کا ذہن آج کے اس دور میں بھی جب کہ تشیع تمام اطرافِ عالم میں پھیل چکا ہے، جب اس کے حدود سات سمندر پار کر چکے ہیں اور اس کے ماننے والوں کی تعداد ۹ کروڑ سے زیادہ ہو چکی ہے ــــ اسی تاریک ماضی کا شکار بنا ہوا ہے جس میں یہ مذہب دار و رسن سے کھیل رہا تھا۔

Presented by Ziaraat.Com

ہمارا مطالبہ اس نئی پود سے صرف یہ ہے کہ یہ کتابوں کا مطالعہ کر کے حقیقتِ حال سے باخبر بنے اور حق وحقیقت کو قبول کرنے کے لئے اپنے ذہن کو کشادہ کرے ـــــ اس لئے کہ دورِ کہن کے پروپیگنڈوں نے دماغوں کو مدہوش اور ذہنوں کو مسموم بنا دیا ہے۔ امّت کے مصلح افراد اس مرض کے علاج سے عاجز نظر آرہے ہیں۔ مسئلہ کسی طرح بھی اتنی اہمیت کا مالک نہ تھا اور نہ شیعوں کے یہاں ایسے اصول وقواعد تھے جن سے عام امتِ اسلامیہ نا آشنا ہو یا ان پر ایمان نہ رکھتی ہو۔ شیعوں کا ایمان صرف کتاب وسنّت پر تھا اور اس میں ساری امّت متفق تھی لیکن اس کے باوجود باہمی اتحاد نہ ہو سکا۔

مقدسی نے اپنی کتاب احسن التقاسیم میں مذہب شیعہ سے عدول کے چند اسباب بیان کئے ہیں جن کا تذکرہ گفتگو کی اس منزل تک پہنچنے کے بعد انتہائی ضروری معلوم ہوتا ہے۔

مقدسی کا بیان

"یاد رکھو لوگوں نے حنفی مذہب کو چار مسائل کی وجہ سے ترک کیا ہے :۔

۱۔ علاوہ زبید کے نماز عیدین ، ۲۔ خرمہ کا صدقہ ، ۳۔ میّت کا وقتِ احتضار روبقبلہ کرنا ، ۴۔ قربانی کی پابندی۔

مذہبِ مالک کو بھی چار ہی مسائل کی وجہ سے چھوڑا ہے :۔

۱۔ علاوہ مغرب کے امام کے آگے نماز کا نہ ہونا ، ۲۔ روز جمعہ عصر میں جائز ہونا ، ۳۔ علاوہ مغرب کے دو شہروں کے کتّے کے گوشت کا حرام ہونا ، ۴۔ نماز سے ایک سلام پر خارج ہو جانا۔

شافعی مذہب میں بھی چار ہی باتیں ہیں :۔

۱۔ بسم اللہ کا باوازِ بلند ہونا علاوہ مشرق میں اپنی مسجدوں کے ، ۲۔ نمازِ صبح میں قنوت ، ۳۔ تکبیرۃ الاحرام میں نیت کا اختصار ، ۴۔ ارکانِ نماز میں تکبیر ترک کرنا۔

مذہبِ داؤد میں بھی چار ہی خرابیاں تھیں :۔

۱۔ چار سے زیادہ عقد ، ۲۔ دو لڑکیوں کی میراث میں نصف حصہ ہونا ، ۳۔ ہمسایۂ مسجد کی نماز غیر مسجد میں نہ ہو سکنا ، ۴۔ مسئلہ عول۔

Presented by Ziaraat.Com

اصحابِ حدیث سے اعراض کی بھی چار ہی وجہیں تھیں :۔
۱۔ حج تمتع ، ۲۔ عمامہ پر مسح ، ۳۔ ریگ میں تیمم کا نہ ہوسکنا ، ۴۔ قہقہہ سے وضو کا باطل ہو جانا۔
مذہب شیعہ سے بیزاری کے اسباب بھی چار ہی تھے :۔
۱۔ متعہ ، ۲۔ تین طلاقوں کا ایک شمار ہونا ، ۳۔ پیروں کا مسح ، ۴۔ اذان میں حی علیٰ خیر العمل۔
اگرچہ یہ مسائل فقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا مفصل تذکرہ فقہی کتابوں میں موجود ہے اور ہم بھی اس سلسلے کی کسی ایک کڑی میں ان پر بحث کریں گے لیکن اس وقت مقدسی کے کلام پر تبصرہ کرنے کے لئے صرف ایک نکتہ کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ امت کے ان مسائل سے کنارہ کشی اور ان کی بنا پر مذہب شیعہ سے بیزاری کے اسباب کیا تھے ؟ کیا واقعاً یہ چیزیں بدعت تھیں کہ ان سے برائت ضروری ہو یا ان میں بھی کوئی دوسرا عنصر کام کر رہا تھا۔ اس امر کی تحقیق کے لئے چند اشارے کافی ہیں۔

۱۔ متعہ

نکاح کی اس قسم سے عدول کرنا کتابِ خدا اور سنت رسولؐ سے کھلی ہوئی بغاوت ہے۔ اس لئے کہ صدرِ اسلام کا یہ وہ مستحسن اقدام تھا جس کا سلسلہ دورِ رسالت سے شروع ہو کر عہدِ حضرت عمر تک باقی رہا جس کے بعد انھیں منبر پر یہ اعلان کرنا پڑا کہ دو متعہ آنحضرتؐ کے عہد میں جائز تھے اور میں انھیں حرام کر رہا ہوں جس کی وجہ سے ابن عباس کو اس مسئلہ پر کافی زور دینا پڑا اور جب ابن زبیر نے ان کی مخالفت کی تو حضرت جابر بن عبداللہ نے یہ فیصلہ کیا کہ متعہ کی حدیثیں ہمارے ہی ہاتھوں سے چلی ہیں۔ یہ تو بعد کی ایجاد تھی کہ انھوں نے ہر متعہ کی مخالفت کی اور اس پر سنگسار کرنے کی دھمکی بھی دیدی۔
صحیح مسلم کے باب نکاح متعہ میں بھی اس روایت کا تذکرہ موجود ہے۔
امیر المومنین حضرت علیؑ تو اس حد تک تاکید فرماتے تھے کہ آپ کا یہ اعلان تھا کہ اگر عمر نے متعہ کو حرام نہ کیا ہوتا تو سوائے بدبخت آدمی کے کوئی زنا نہ کرتا۔
عبداللہ بن عباس متعہ کو اس امت کے لئے رحمتِ پروردگار شمار کرتے تھے۔ عبداللہ بن عمر

Presented by Ziaraat.Com

سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ ہم عہدِ رسولؐ اکرم میں زنا تو نہیں کرتے تھے، اسی طرح زندگی گذرتی تھی۔ (مسند احمد)

عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ ہم لوگ سفرِ جہاد میں جنسی اعتبار سے مجبور ہو کر آنحضرت کی خدمت میں شکایت لے گئے تو آپ نے ہمارے لئے متعہ کو جائز فرما دیا ـــــ یہ کہہ کر آپ نے آیت پڑھی "اے ایمان والو! اللہ کے حلال کو حرام نہ کرو۔" (صحیح مسلم ج ۲۹)

جابر بن عبداللہ اور سلمہ بن الاکوع کا بیان ہے کہ ہم لشکر میں تھے، جب حضور اکرمؐ نے آکر ہمارے لئے متعہ کے جواز کا اعلان فرمایا۔ (بخاری ج ۳ ص ۱۵۰) مختصر یہ ہے کہ قرآن کریم کا یہ وہ حکم ہے جس پر اپنے مخصوص شرائط کے ساتھ عمل ہونے کا اعتراف شیعہ و سنی سب کو ہے۔ اختلاف خلیفۂ دوم کے عہد سے پیدا ہوا ہے۔ بعض لوگوں نے ان کی خاطر سنّتِ رسولؐ کو ٹھکرا دیا اور بعض ان کی پرواہ کئے بغیر قولِ رسولؐ پر جمے رہے۔

متعہ کی حلیت اور اس کے جواز کے قائل اصحاب میں جابر بن عبداللہ، معاویہ، عمرو بن حریث، اسماء بنت ابی بکر، ابو سعید، سلمہ بن امیہ بن خلف اور تابعین میں سے طاؤس، عطاء، سعید بن جبیر اور جملہ فقہاء مکہ تھے۔ (نیل الاوطار شوکانی ج ۶ ص ۱۳۴)

۲۔ طلاق

علماء شیعہ اس امر پر متفق ہیں کہ بغیر رجوع کے تین طلاقوں سے عورت حرام نہیں ہوتی ہے اور نہ اسے محلل کی ضرورت ہوتی ہے۔ بلکہ اس طلاق کا شمار ایک ہی ہوتا ہے۔ وہ طلاق جو عورت کو حرام کر دے اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ انسان طلاق دے کر زمانہ عدۃ میں رجوع کرے اور پھر دوبارہ طلاق دے کر پھر رجوع کرے۔ اب اگر تیسری مرتبہ طلاق دے گا تو عورت اس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک کسی دوسرے کے عقد میں جا کر اس سے جنسی تعلقات پیدا کر کے طلاق نہ لے لے! قرآن مجید کا صریحی حکم بھی طلاق کے بارے میں یہی ہے۔

علماء اہلسنّت کی اکثریت ایک ہی وقت کی تین طلاقوں کو تین شمار کرتی ہے اور اس کے بعد عورت کو حرام کر کے محلل کی تلاش جاری کر دیتی ہے۔ جب کہ عہدِ سرکارِ رسالتؐ سے لے کر ابتدائے

Presented by Ziaraat.Com

دورِ حضرت عمر تک ایسی کوئی بات نہ تھی جیسا کہ صحیح مسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ رسولؐ اور دورِ اوّل اور دور دوم کے دو سال تک یہ طلاق ایک ہی شمار ہوتی تھی۔ اس کے بعد خلیفۂ دوم نے یہ اعلان کر دیا کہ لوگ جلدی جلدی طلاق دینے لگے ہیں۔ اس لئے اب ہم اسی طلاق پر اکتفا کریں گے۔ (تاکہ انھیں محلل تلاش کرنا پڑے) (صحیح مسلم ۱۸۳/۲)

اسی مسلم میں ابوالصہبا کا ابن عباس سے یہ سوال کہ کیا تین طلاقوں کو ایک شمار کرنے کا سلسلہ عہدِ حضرت عمر کے تیسرے سال تک جاری تھا؟ اور ان کا اثبات میں جواب بھی مذکور ہے۔

شوکانی نے نیل الاوطار ۲۲۶/۶ میں نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ کی زندگی میں ایک شخص نے تین طلاق دے دی تو آپ غصہ میں تشریف لائے اور آپ نے فرمایا کہ میری زندگی میں قرآن سے کھیل شروع ہو گیا ہے۔

ابن عباس سے منقول ہے کہ رکانہ نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دے دی اور بعد میں پشیمان ہو کر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دریافتِ حال کے بعد فرمایا کہ ایک نشست کی تین طلاقیں ایک ہی حساب ہوتی ہیں لہٰذا تمھیں رجوع کرنے کا حق ہے۔ (شوکانی ۲۲۶/۶)

آلوسی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ علماء کے درمیان تین طلاق اور طلاق کے حالتِ حیض میں صحیح ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ شیعہ حضرات ان دونوں باتوں کو بدعت اور حرام سمجھتے ہیں۔ ان کی دلیل آنحضرتؐ کا یہ ارشاد ہے کہ جس چیز کے بارے میں ہمارا کوئی فرمان نہ ہو اسے رد کر دو۔ جس کو ابن مسیب جیسے متعدد تابعین نے روایت کیا ہے۔

شوکانی نے اس اختلاف کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ائمہ اربعہ ان طلاقوں کو تین ہی شمار کرتے ہیں لیکن بعض اہلِ علم اس کے مخالف ہیں جیسا کہ ابو موسیٰ، حضرت علیؑ، ابن عباس، طاؤس، عطار، رجار، ہادی، قاسم اور حضرت باقرؑ وغیرہ نے فرمایا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ دورِ رسالتؐ سے ابتدا دورِ دوم تک ان طلاقوں کا ایک شمار ہونا تاریخی مسلمات میں سے ہے۔ بعد میں حضرت عمر نے اپنے ذاتی اجتہاد سے ایک کو تین بنا دیا اور امت میں ایک مستقل تفرقہ پیدا ہو گیا۔ ایک جماعت خلیفہ کی مصلحت کو حکمِ خدا و رسولؐ سے زیادہ اہم سمجھنے لگی اور دوسرا گروہ ساری مصلحت اتباعِ رسولؐ میں سمجھتا رہا اور فرمانِ خدائی کے بعد کسی کے قول و عمل کو کوئی

Presented by Ziaraat.Com

اہمیت نہ دے سکا۔

استاد محمد غزالی نے حقوق الانسان ص۱۷۶ میں تحریر فرمایا ہے کہ جمہور فقہاء نے حضرت عمرؓ کے اجتہاد کی پیروی کرکے اس طلاق کی صحت کا فتویٰ دے دیا ہے۔ حالانکہ سنت پیغمبرؐ قطعاً اس کے خلاف تھی بلکہ حضورؐ کا تو یہ عالم تھا کہ تین طلاق پر اظہار غیظ وغضب فرماتے تھے اور اسے ایک ہی قرار دیتے تھے۔

۳۔ پیروں کا مسح

جمہور نے معلی بن عطاء کے واسطے سے ادریس ثقفی سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے وضو میں پیروں کا مسح فرمایا ہے۔ لیکن صحیح مسلم میں ایک روایت عبداللہ بن عمر سے یہ بھی ہے کہ ہم لوگ سفر کر رہے تھے۔ جب نماز عصر کا وقت آیا تو ہم لوگوں نے وضو میں پیروں کا مسح کیا۔ آنحضرتؐ نے یہ دیکھ کر اعلان کیا کہ "پیروں کے لئے جہنم کا خطرہ ہے۔"

اس روایت سے اکثر علماء نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے مسح کی مذمت فرمائی ہے حالانکہ یہ کوتاہی نظر کا نتیجہ ہے۔ جیسا کہ علامہ قرطبی نے تحریر فرمایا ہے کہ "عام طور پر اس حدیث سے مسح کی ممانعت پر استدلال کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ بات بالکل الٹی ہے۔ درحقیقت یہ دلیل مسح کے جواز کی دلیل ہے جیسا کہ بعض صحابہ اور تابعین نے اختیار فرمایا ہے۔ اس جواز کا سبب یہ ہے کہ حدیث نے پیروں کے مطلق طہارت نہ کرنے کی مذمت فرمائی ہے اور اس بات کی طرف متوجہ کیا ہے کہ سفر کی حالت میں پیر کثیف ہو جاتے ہیں اس لئے بغیر طہارت کے نماز نہ پڑھنی چاہئے۔ اب اس طہارت کا کیا طریقہ ہوگا؟ اس کا روایت میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ (ہدایۃ المجتہد ۱ ص۱۵) (بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ حضور اکرمؐ نے طریقہ بھی بیان فرما دیا ہے اس لئے کہ عبداللہ کو مسح کرتے دیکھ کر حضرت کا نہ ٹوکنا اور عبداللہ کا بغیر کسی تامل کے مسح کر لینا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ مسح فقط جائز ہی نہ تھا بلکہ اس دور میں ہر مسلمان کے ذہن میں ایسا رچ بس گیا تھا جس کے بعد دریافت حال کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی تھی ــــــ مترجم)

مقصد یہ ہے کہ اہلسنت میں یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ بعض لوگ مسح کے وجوب کے قائل ہیں

Presented by Ziaraat.Com

ابن جریر اور داؤد ظاہری جیسے حضرات مسح اور دھونے میں اختیار کے قائل ہیں جب کہ شیعہ حضرات بالاتفاق مسح کو واجب جانتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ آیت شریفہ ہے۔ وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین (مسح کرو اپنے سروں کا اور اپنے پیروں کا گٹوں تک) اس آیت میں ارجلَ کے لام پر زبر ہے اس لئے کہ اس کا عطف و تعلق رؤس سے ہے اور رؤس پر اپنے محل کے اعتبار سے زبر ہی ہے۔ اگرچہ ظاہری لفظ کے اعتبار سے زیر ہے۔ بعض لوگوں نے ارجلَ کے لام پر زبر پڑھا ہے اور یہ کہا ہے کہ اس کا تعلق غسل دھونے والے حصہ سے ہے۔ یہاں صرف ہمسائیگی کی وجہ سے زیر آگیا ہے۔ لیکن یہ بات تین وجوہات سے غلط ہے :۔

۱۔ ہمسائیگی کے لحاظ سے زیر و زبر کا قانون ایک نادری بات ہے جسے صرف بوقت ضرورت اختیار کیا جا سکتا ہے۔ اور یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے۔

۲۔ یہ قانون وہاں کارآمد ہو سکتا ہے جہاں حرفِ عطف نہ ہو اور اس آیت میں حرفِ عطف واؤ موجود ہے۔

۳۔ یہ قانون وہاں نافذ ہو سکتا ہے جہاں معنی نہ بدل سکتے ہوں اور یہاں اس قانون سے ایک مستقل نزاع پیدا ہو جاتی ہے۔

اہلِ بیت معصومینؑ نے رسول اعظمؐ کی جو سیرت نقل کی ہے اس میں پیروں کے دھونے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے بلکہ ابن عباس کے الفاظ میں وضو میں بنصِ کتاب دو اعضاء کا دھونا ہے اور دو کا مسح !

۴۔ اذان

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اذان میں "حیّ علیٰ خیر العمل" عہدِ رسالت سے لے کر خلیفۂ دوم کے ابتدائی دور تک باقی رہا۔ لیکن انھوں نے اپنے زمانہ میں کسی مصلحت کے تحت متعہ کی طرح سے اس میں بھی ترمیم کر دی اور اس کی جگہ الصّلوٰۃ خیر من النوم رکھ دیا جس کے بارے میں مالک نے موطاء میں یہ روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ مؤذن حضرت عمر کو نماز صبح کے واسطے بلانے کے لئے آیا تو کیا دیکھا کہ آنجناب آرام فرما رہے ہیں۔ اس نے کہا الصّلوٰۃ خیر من النوم

Presented by Ziaraat.Com

آپ کو یہ فقرہ اس قدر پسند آگیا کہ آپ نے اسے اذانِ صبح میں داخل کر دیا۔

زرقانی نے موطا کی شرح میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ روایت دارقطنی نے اپنی سنن میں وکیع، عمری، نافع، ابن عمر کے واسطے سے حضرت عمر سے نقل کی ہے۔

اذان کے سلسلے میں محمد بن خالد بن عبداللہ واسطی کی اس حدیث کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ حضور اکرمؐ کو لوگوں کو نماز کی اطلاع کے بارے میں سخت تردد تھا تو اصحاب میں کسی شخص نے سنکھ کا مشورہ دیا اور کسی نے ناقوس کا۔ اتفاق سے اسی رات کو عبداللہ بن زید انصاری اور حضرت عمر نے اذان کو خواب میں دیکھا اور مرد انصاری نے رات ہی میں آکر آنحضرت کو مطلع کر دیا۔ حضرت نے بھی اس طریقہ کو پسند فرمالیا۔"

اس لئے کہ اس کا راوی محمد بن خالد واسطی ہے ــــ جو یحییٰ بن معین کی نظر میں کذّاب، ابوزرعہ کے نزدیک ضعیف، ابن عدی کے خیال میں منکر الحدیث اور بقول یحییٰ بدمعاش ہے۔ اس کی روایت کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب حضرت حسینؑ بن علیؑ کے سامنے عبداللہ کی روایت کا ذکر آیا تو آپ نے غضبناک ہو کر فرمایا کہ وحی رسولؐ پر آتی ہے اور یہ لوگ سب خواب ہی سے ٹھیک کر لیتے ہیں۔ اذان دین کا شعار ہے۔ میں نے اپنے پدر بزرگوار حضرت علیؑ سے سنا ہے کہ رسولِ اکرمؐ کو یہ طریقہ ملک کے ذریعہ معراج کی رات تعلیم دیا گیا تھا۔

مذہب شیعہ یہ ہے کہ اذان ایک خدائی فرمان ہے۔ اسے کسی کے خواب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حی علیٰ خیر العمل اذان کا اصلی جزء ہے اور الصّلوٰۃ خیر من النّوم خلیفۂ ثانی کا ذاتی اجتہاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود ان کے فرزند عبداللہ بن عمر اپنی اذان میں حی علیٰ خیر العمل کہا کرتے تھے اور یہی طرزِ عمل امام بن سہل بن حنیف کا تھا جیسا کہ ابن حزم نے المحلّیٰ میں نقل کیا ہے ــــ اہلبیت کرامؑ کا یہ ایک مستقل شعار تھا اس لئے کہ ان کی نظر میں حکم رسولؐ کسی امتی کے منسوخ کرنے سے منسوخ نہیں ہو سکتا تھا۔ حضرت حسین بن علیؑ شہید فخ نے بھی اسے تشیّع کا شعار بنا کر پیش کیا تھا۔

مختصر یہ کہ مقدسی نے جن باتوں کو مذہب شیعہ سے اعراض اور کنارہ کشی کے اسباب میں ذکر کیا

Presented by Ziaraat.Com

ہے۔ ان میں سے کوئی شے ایسی نہیں ہے جسے بدعت کا درجہ دیا جاسکے۔ یہ سب اسلام کے ثابت و مقرر احکام ہیں جنھیں خواہشات نے پامال کیا ہے اور سیاست نے تباہی کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کی ہے۔

اہلبیتؑ کا مذہب تمام تر کتاب و سنت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں نہ کسی کی ذاتی رائے کو کوئی دخل ہے اور نہ اجتہاد کو۔ اس کے اصول کی تشکیل قیاس کے ہاتھوں ہوئی ہے اور نہ سیاست کے ہاتھوں۔

مگر افسوس کہ سیاست کی چالوں نے مسلمانوں کو اس نکتہ کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا اور تعصب نے اختلاف کی خلیج کو وسیع سے وسیع تر بنا دیا۔ ہم اس داستان کو ترک کر کے ائمہ مذاہب اربعہ کی زندگی پر روشنی ڈالتے ہیں تاکہ اہلبیتؑ کی شخصیت کو سمجھنے میں مزید مدد مل سکے اور یہ فیصلہ ہو سکے کہ امتِ اسلامیہ کو کس مذہب کو گلے لگانا چاہئے تھا۔

اس سلسلہ میں قدیم مذاہب کا ایک اجمالی خاکہ بھی پیش کر دیا جائے گا تاکہ ان کی صحیح نوعیت کا بھی اندازہ ہو جائے۔ مسلمانوں کے موجودہ مذاہب یہ ہیں:۔

۱۔ جعفری۔ اس مذہب کی نسبت امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف ہے جو سنہ ۸۳ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور وہیں سنہ ۱۴۸ھ میں زہرِ دغا سے شہید کر دیئے گئے۔

۲۔ حنفی۔ اس کی نسبت ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی کی طرف ہے جو کابل یا نسا کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد قبیلہ ربیعہ کے ایک شخص کے غلام تھے۔ یہ سنہ ۸۰ھ میں متولد ہوئے اور سنہ ۱۵۰ھ میں بغداد میں رحلت کر گئے۔

۳۔ مالکی۔ یہ مذہب مالک بن انس کی طرف منسوب ہے جو سنہ ۹۳ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے (دو برس یا زیادہ شکمِ مادر میں قیام فرمانے کے بعد) ـــــ اور سنہ ۱۷۹ھ میں وفات پا گئے۔

۴۔ شافعی۔ اس کی نسبت محمد بن ادریس بن عباس بن شافع کی طرف ہے۔ شافع ابولہب کا غلام تھا جس نے حضرت عمر سے درخواست کی تھی کہ انھیں قریش کا غلام بنا دیا جائے اور انھوں نے انکار کر دیا تھا لیکن حضرت عثمان نے یہ عرضداشت منظور کر لی۔ شافعی سنہ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے سنہ ۱۹۸ھ میں انتقال کر گئے۔

Presented by.Ziaraat.Com

۵۔ حنبلی۔ اس کے بانی احمد بن محمد بن حنبل ہیں جنہوں نے ۱۶۴ھ میں بغداد میں پیدا ہو کر ۲۴۱ھ میں وہیں انتقال فرمایا۔

ہم اس جلد میں صرف امام ابو حنیفہ کے حالات کا ذکر کریں گے۔ اس کے بعد دوسری جلد میں امام مالک، تیسری جلد میں امام شافعی اور چوتھی جلد میں امام احمد بن حنبل کا تذکرہ ہوگا۔

امام جعفر صادق کے ذکر مقدس کے لئے کوئی جگہ معین نہیں کی گئی ہے۔ وہ ان تمام جلدوں میں منتشر رہے گا کہ آنحضرتؐ کی سیرت مبارکہ کے تمام پہلوؤں کا بیک وقت احاطہ کر لینا ناممکن ہے۔ ایک مورّخ اس مقدس زندگی کے بارے میں کتنا ہی لکھتا ہے لیکن آخر میں اپنے کو ہنوز روز اوّل کی منزل میں پاتا ہے اس لئے نہیں کہ آپ کی عظمت کے نقوش دھندلے ہیں یا آپ کی زندگی میں تحسین و ترمیم کی ضرورت ہے یا آپ کی شخصیت کو اجاگر کرنے کے لئے بھی جذبات و عقیدت کا سہارا لینے کی ضرورت ہے بلکہ صرف اس لئے کہ آپ کے سلسلے کے حقائق و معارف، آپ کی شخصیت کے اطراف و جوانب، آپ کی اسلامی فکر پر احسانات اور امت کی ترقی کے لئے مسلسل جہاد پر روشنی ڈالنے کے لئے ایک غیر معمولی وقت اور استعداد کی ضرورت ہے۔

کاش یہ امت اپنے تعصب کو بالائے طاق رکھ کر امام علیہ السّلام کی شخصیت کا کچھ بھی حق ادا کر دیتی۔ مگر افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا لیکن پھر بھی خدائی امداد اور اصول و قواعد کی داخلی طاقت سے آپ کی شخصیت نمایاں ہو کر رہی اور آج بھی آپ کے ماننے والے ۱۰ کروڑ یا اس سے زیادہ تعداد میں سارے عالم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ علم و حق آپ کے آثار کا اعلان کر رہے ہیں اور عدل و انصاف آپ کے فیصلہ کو منوانے کے لئے کوشاں ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

امام ابوحنیفہ

Presented by Ziaraat.Com

تمہید

گذشتہ بیانات سے یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ ان تمام مذاہب کی نشر و اشاعت کے اسباب و عوامل کیا تھے؛ اور اہلسنت کے دیگر مذاہب کو کس چیز نے گوشۂ گمنامی تک پہنچا دیا کہ آج ان چار مذاہب کے علاوہ دوسرے مذاہب کا نام بھی نہیں آتا ہے۔

تاریخ پر نظر رکھنے والے حضرات ضرور اس بات کا اعتراف کریں گے کہ ان موجودہ مذاہب نے کسی سخت دشواری کا سامنا نہیں کیا اور نہ ان کی راہ میں رکاوٹیں ہی پیدا ہوئی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ یہ آج تک صفحۂ وجود پر جلوہ گر نظر آتے ہیں ورنہ ان کی ذاتی صلاحیت اور باطنی استعداد کو سمجھنے کے لئے ان کے بانیوں کی سیرت پر نظر کرنا ہی کافی ہے۔

ہمارا ارادہ ہے کہ ہم ان تمام مذاہب کے بزرگوں کے حالات پر ہلکی سی روشنی ڈال دیں جس میں نہ والہانہ عقیدت کی رنگینیاں ہوں اور نہ بغض کی تلخیاں۔

اس لئے کہ شخصیت کو تعصب یا جذبات کی نظر سے دیکھنے والے افراد ہمیشہ صحیح تنقید سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے حضرت ابوحنیفہ کا نام آتا ہے اس لئے کہ زمانہ کے اعتبار سے وہ سب سے مقدم تھے اور فضیلت کے اعتبار سے تقدم و تاخر کا فیصلہ ہم سے ممکن نہیں ہے۔ یہ کام ارباب مذہب اور عقیدت مند حضرات ہی کر سکتے ہیں۔ ہم اپنی تحقیق میں ان معاصرین کے اقوال کا سہارا لیں گے جو مریدوں کی پیدائش سے پہلے ان کے دور حیات کا جائزہ لے چکے ہیں تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ ابتدائی دور میں ان کی حیثیت کیا تھی اور انھیں کس درجہ کا آدمی تصور کیا جاتا تھا؟

Presented by Ziaraat.Com

ابو حنیفہ

نعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے ۱۵۰ھ میں بغداد میں انتقال کیا۔ ان کے دادا زوطی کابل یا نسا کے رہنے والے تھے۔ اور بعض لوگوں نے انھیں بابل کا ساکن بتایا ہے۔ جب عرب نے ان علاقوں کو فتح کیا تو وہاں سے گرفتار ہو کر آئے اور بنی تیم کے ایک شخص نے انھیں آزاد کر دیا چنانچہ آزادی کی ولایت بھی اسی قبیلہ کے حصہ میں آگئی۔

ان کے نسب میں شدید اختلاف ہے۔ بعض عقیدت مندوں نے ان کو خالص عرب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور بعض نے ایرانی لیکن غلام نہ ہونے پر زیادہ زور صرف کیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ نسب کے اعتبار سے فارسی (ایرانی) اور حسب کے لحاظ سے غلام تھے۔ ان کے خاندان کی ولایت بنی تیم کو حاصل تھی۔

محل ولادت میں بھی اختلاف ہے کہ بعض ترمذ یا نسا کہتے ہیں اور بعض انبار یا کوفہ۔ آپ کے والد ثابت کے بارے میں تاریخ خاموش ہے البتہ خود آپ ہی کا ایک بیان یہ ہے کہ میں نے ۹۶ھ یا ۹۹ھ میں حج کیا تو میرے والد میرے ہمراہ تھے۔ اور اس وقت میرا سن ۱۹ سال کا تھا۔ جب ہم لوگ مسجد الحرام میں داخل ہوئے تو ایک اجتماع نظر آیا۔ میں نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ عبداللہ بن الحارث کا حلقہ ارادت ہے۔

لیکن بظاہر یہ بیان خلاف واقعہ ہے۔ اس لئے کہ عبداللہ بن الحارث کی وفات مصر میں ۸۵ھ میں واقع ہوئی ہے جیسا کہ ہم آیندہ ثابت کریں گے اور اس بنیاد پر ۹۶ھ میں ان کا حج

Presented by Ziaraat.Com

کے موقع پر اجتماع کے بیچ میں بیٹھنا ایک غیر معمولی سی بات ہے۔

مختصر یہ کہ آپ کے والد کی تاریخ زندگی پردۂ خفا میں ہے البتہ آپ کے دادا زوطی کے بارے میں یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ انھوں نے نوروز کے موقع پر حضرت علیؑ کی خدمت میں فالودہ پیش کیا اور حضرت علیؑ نے انھیں برکت کی دعا دی۔

آپ کی مادر گرامی کے حالات بھی ہم تک صاف طریقہ سے نہیں پہنچے ہیں۔ جو کچھ تاریخ نے نقل کیا ہے وہ صرف انھیں کی اپنی ماں کے ساتھ سعادت مندی اور حسن سلوک کے ذیل میں بیان ہوا ہے۔ چنانچہ مصر کے شرعی وکیل استاد السید عفیفی اپنے رسالہ میں بغیر کسی سند کے تحریر فرماتے ہیں کہ "حضرت ابوحنیفہ کے والد ثابت بن نعمان تھے، جو انتہائی عقل مند، دیانتدار اور زاہد تھے۔ آپ کے زہد کا عالم یہ تھا کہ ایک دن نہر کے کنارے وضو کر رہے تھے۔ اتفاقاً ایک سیب بہتا ہوا آگیا۔ آپ نے اسے اٹھا کر کھا لیا۔ اب جو تھوکا تو بجائے لعاب دہن کے خون برآمد ہوا۔ فوراً دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں نے مال حرام کھایا ہے، ورنہ ایسا نہ ہوتا! یہ سوچ کر نہر کے کنارے کنارے چلے یہاں تک کہ ایک سیب کا درخت دکھائی دیا تو اس کے مالک کے پاس پہنچے اور سارا قصہ بیان کر کے اس سے معافی کی درخواست کی۔ اس نے زہد و تقویٰ کو دیکھ کر یہ کہا کہ میں کوئی معاوضہ نہیں چاہتا۔ میری شرط یہ ہے کہ آپ میری اندھی، گونگی، بہری، اپاہج لڑکی سے شادی کرلیں ورنہ روز قیامت میں آپ کا دامن پکڑوں گا۔ آپ نے خوف قیامت سے اس شرط کو قبول کر لیا اور عقد ہو گیا۔ اب جو اس لڑکی کے پاس گئے تو وہ ایک انتہائی حسین و جمیل عورت نظر آئی۔ انھیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی اور شبہ میں پڑ گئے۔ واپسی کا ارادہ ہی کیا تھا کہ اس نے روک کر کہا، میں تمھاری زوجہ ہوں۔ انھوں نے جواب دیا کہ تم میں وہ صفات نہیں ہیں جو مجھ سے طے ہوئے تھے۔ اس نے عرض کی کہ میں نے گھر کے باہر قدم نہیں نکالا۔ نامحرم کا چہرہ نہیں دیکھا، کوئی غلط آواز نہیں سنی۔ اس اعتبار سے مجھے ان اوصاف سے متصف کیا گیا ہے۔ یہ سننا تھا کہ ثابت شکر خدا بجا لائے۔"

افسوس ہے کہ وکیل صاحب نے اس واقعہ کو نقل کرتے وقت یہ فراموش کر دیا کہ بیسویں صدی کی نسل ایسے افسانوں پر ایمان نہیں لا سکتی ہے چہ جائیکہ اس افسانے سے ابوحنیفہ کی عظمت پر استدلال کیا جائے اور یہ سوچا جائے کہ "ایسے زاہد باپ اور ایسی محترم ماں سے ایسے ہی بچے پیدا ہونے چاہئیں

Presented by Ziaraat.Com

جن کا مذہب عالمگیر اور جن کی شخصیت آفاقی ہو۔ آپ کا نام نعمان اس لئے تھا کہ نعمان عربی زبان میں خون اور روح کے معنی میں ہے۔ گویا آپ فقہ کی روح اور اس کی جان تھے جس پر پورا نظام اسلام منحصر تھا۔"

ہمارا سوال صرف یہ ہے کہ کیا ہمارے وکیل صاحب کو امام اعظم کی شخصیت کو نمایاں کرنے کے لئے کوئی اور دلیل نہ مل سکتی تھی کہ اس عجیب و غریب قصّے کا سہارا لینا پڑا۔ جسے ضعیف عورتیں جاڑے کی رات میں بیان کیا کرتی ہیں اور جس کا تذکرہ ایک وکیل کے لئے باعثِ ننگ و عار ہے۔ وکیل کا کام جرح و تنقید ہوتا ہے۔ اس سے اندھی تقلید کی توقع نہیں کی جا سکتی ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ آج وکیل صاحب کے سامنے ایسا مقدمہ پیش آجائے تو وہ ثابت کو کس طریقہ سے مجرم ثابت کر سکیں گے؛ اور منہ سے خون آجانے کو حرام کھانے کی دلیل کیوں کر بنائیں گے؟ جب کہ ایسی کوئی بات نہ طب میں نقل ہوئی ہے اور نہ علم الحیات میں!

Presented by Ziaraat.Com

مناقب

حضرت ابو حنیفہ کی سیرت نگاری کے سلسلے کی سب سے بڑی دشوار منزل ان کے مناقب کی ہے کہ مناقب وفضائل ہی سے انسان کی شخصیت کا تعین ہوتا ہے اور کتب مناقب کا حال یہ ہے کہ اس میں ارادت مندوں نے اس قدر مبالغہ آمیزی اور غلو و اغراق سے کام لیا ہے کہ نقاد کو قدم قدم پر ٹھہر کر حالات کا صحیح جائزہ لینا پڑتا ہے اور یہ طے کرنا دشوار ہو جاتا ہے کہ ان مناقب میں کتنا حصہ حقیقت کا ہے اور کتنی حد تک مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ ہم اس سلسلے میں جملہ مناقب کی تنقید میں اپنا وقت صرف نہیں کر سکتے ہیں اس لئے صرف انھیں فضائل پر تبصرہ کر کے آگے بڑھ جائیں گے جن کا تعلق رسول اعظمؐ کی ذات سے ہے اور جن میں حضورؐ کی طرف سے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ابو حنیفہ کے علاوہ کوئی شخص بھی مذہبی اعتبار سے اتباع کے قابل نہیں ہے۔

اصحاب مناقب کا کہنا ہے کہ کسی مذہب کے معتقد کے لئے اس کے امام کے حالات سے باخبر رہنا انتہائی ضروری ہے۔ اسے یہ جاننا چاہئے کہ اس کا امام کون تھا؛ اس کا حسب نسب کیا تھا؛ اس کے فضائل و مناقب کیا تھے؛ اس کی زندگی کن حالات میں گذری؛ اس نے کیا کیا کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں؛ اور یہی وجہ ہے کہ ہر امام کی سیرت پر متعدد کتابیں تالیف کر دی گئیں۔

ابو حنیفہ کے سلسلے کی کتابوں میں نمایاں حیثیت ان چند کتابوں کو حاصل ہے۔ عقود المرجان، قلائد عقود الدر والعقیان ابو جعفر طحاوی، مناقب ابو حنیفہ خوارزمی متوفی ۵۶۷ھ (اس کتاب میں

Presented by Ziaraat.Com

۴۰ باب ہیں) البستان شیخ محی الدین عبدالقادر بن ابی الوفا، شقائق النعمان زمخشری متوفی ۵۳۸ھ مناقب ابی حنیفہ محمد بن کردری متوفی ۸۴۲ھ

ان کتابوں میں ہر مؤلف نے اپنے ذوق کے مطابق مختلف مناقب کو جگہ دی ہے جس کے بارے میں ڈاکٹر احمد امین فرماتے ہیں کہ مذہبی تعصب نے ہر مذہب کے آدمی کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ وہ امام کے بارے میں روایتیں وضع کرے۔ چنانچہ ہر شخص نے اپنے قائد کے لئے رسول اکرمؐ کی زبانی پیش گوئیاں اور بشارتیں نقل کیں۔ اہل عراق کے بارے میں یہ روایت وضع ہوئی کہ "اللہ نے علم کے خزانے ان کے پاس رکھ دیئے ہیں"۔

ابوحنیفہ کے لئے یہ حدیث تیار ہوئی کہ "میری امت میں ایک شخص نعمان بن ثابت پیدا ہوگا جس کی کنیت ابوحنیفہ ہوگی۔ اللہ اس کے ہاتھوں میری سنت کو دوبارہ زندہ کرے گا"۔

اسی طرح شافعیوں نے شافعی کے لئے، مالکیوں نے مالک کے لئے آنحضرتؐ کی زبانی بشارتیں گڑھیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک نقاد سیرت نگاری میں سخت مشکلات کا شکار ہوگیا اور اب کسی امام کے بارے میں صحیح رائے ایک عظیم جدوجہد کی محتاج ہوگئی ہے۔ احمد بن الصلت بن المغلس نے بشر بن الحارث، یحییٰ بن معین اور ابن المدینی کے نام سے ابوحنیفہ کے لئے متعدد فضائل و مناقب تیار کئے ہیں۔ (المنتظم ۵ ۱۵۶)

ایسے حالات میں ہمارا فریضہ یہ ہے کہ جن مناقب پر ساری امت ایمان لاچکی ہے اور جنھیں مسلمات کا درجہ دیا جاچکا ہے ان پر بھی ایک تنقیدی نگاہ ڈالیں تاکہ حقیقت اور تصنع کا فرق واضح ہوسکے اور یہ معلوم ہوجائے کہ اس مسئلہ میں انصاف کا تقاضا کیا ہے اور عقیدت مندوں کے حوصلے کہاں تک بلند ہیں؟

بشارتیں

حنفی حضرات نے ابوحنیفہ کے بارے میں حسب ذیل بشارتیں سرکار دوعالمؐ کی زبان سے نقل کی ہیں :۔

۱۔ میری امت میں ایک ابوحنیفہ ہوگا جو میری امت کا چراغ ہوگا۔

Presented by Ziaraat.Com

۲۔ میری امت میں ایک شخص نعمان اور ابو حنیفہ کنیت کا پیدا ہوگا۔

۳۔ میری امت میں ایک شخص نعمان بن ثابت پیدا ہوگا جو میری سنت کو زندہ کرے گا۔

اگرچہ یہ روایتیں کسی تنقید کی محتاج نہیں ہیں اور ان کا خلاف واقعہ ہونا آفتاب سے زیادہ روشن ہے لیکن چونکہ بعض علماء نے انھیں روایتوں کا سہارا لے کر مذہب حنفی کا اتباع واجب ولازم قرار دیا ہے۔ اس لئے ہمارا فریضہ ہے کہ ان میں سے ایک ایک روایت کا سلسلۂ سند ذکر کرکے اس کے راویوں کا جائزہ لیں اور یہ فیصلہ کریں کہ ان بیانات کی حقیقت کیا ہے اور ان سے مذہب کا اتباع کس طرح واجب ہوگا؟

چراغ اگرچہ اس روایت کا سلسلۂ سند طولانی ہے لیکن ہم صرف بعض راویوں کے حالات کی تنقید پر اکتفا کریں گے اس لئے کہ اتنی سی بات بھی ہمارے مدعیٰ کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔

اس روایت کی سند محمد بن سعید بورقی سے شروع ہوکر ابو ہریرہ پر ختم ہوتی ہے۔ محمد بن سعید کے بارے میں علماء کے بیانات حسب ذیل ہیں:۔

ابن حجر: محمد بن سعید بڑا جعلساز تھا۔ اس نے بہت سی بے ربط حدیثیں گڑھی ہیں جن میں دو انتہائی خطرناک ہیں۔ ایک ابو حنیفہ کے لئے چراغِ امت ہونے کی روایت اور دوسرے امام شافعی کے لئے فتنۂ ابلیس سے بدتر ہونے کی حدیث! (لسان المیزان ۵ ۱۷۹)

حمزہ سہمی: محمد بن سعید پکا جھوٹا تھا۔ اس نے خراسان میں ابو حنیفہ کو چراغِ امت بنایا اور عراق میں شافعی کو ابلیس سے بدتر فتنہ پرداز قرار دیا۔

حاکم: محمد بن سعید ایک بے حقیقت راوی ہے۔

ملا علی قاری: آپ خود بھی حنفی مسلک کے عالم تھے لیکن آپ کا بیان ہے کہ چراغ والی روایت گڑھی ہوئی ہے۔ اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔

احیاء سنت یہ روایت مرفوع طریقہ سے نقل ہوئی ہے یعنی اس کا سلسلۂ سند رسول اکرم تک نہیں پہنچا۔

موفق خوارزمی نے اسے صحیح بنانے کی کوشش کی ہے لیکن آخرکار اس کام کے لئے موفق

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

نہیں ہو سکے۔ ان کا راوی یحییٰ بن سلیمان ہے جس نے ابراہیم بن احمد خزاعی اور ابراہیم بن ہدبہ کے واسطے سے انس سے روایت کی ہے۔ ہمیں ان تمام راویوں میں صرف انس سے نقل کرنے والے ابراہیم بن ہدبہ کا جائزہ لینا ہے جس کے بارے میں علماء کے خیالات حسب ذیل ہیں :۔

خطیب بغدادی : ابراہیم بن ہدبہ نے انس سے باطل روایتیں نقل کی ہیں۔

ابوحاتم : ابراہیم کذاب اور خبیث تھا۔

ابن حبان : ابراہیم دجالوں میں سے تھا۔ اس کا حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (لسان المیزان ۱ / ۱۲۰)

بشر بن عمر : ہمارے ہمسایہ میں ایک شادی کی تقریب تھی جس میں ابراہیم بن ہدبہ نے شراب کے نشہ میں گانا گایا۔ (تاریخ ابن عساکر)

علی بن ثابت : ابراہیم میرے گدھے سے بھی بدتر ہے۔

ابراہیم سڑکوں پر بھیک مانگا کرتا تھا اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ تیسری صدی کا انسان ہے جب کہ انس کا پتہ بھی نہ تھا۔ اب خدا ہی جانے کہ اس نے انس سے یہ روایت کیوں کر سن لی؛ مختصر یہ ہے کہ یہ روایتیں مختلف مقاصد کے لئے گڑھی گئی ہیں۔ پہلے ان میں کنیت وضع کی گئی اور جب یہ دیکھا گیا کہ اس کنیت کے بہت سے افراد ہو سکتے ہیں تو نام کا بھی اضافہ کر دیا گیا۔

علامہ سیوطی کا بیان ہے کہ چراغ والی روایت مامون بن احمد السلمی اور احمد بن محمد نے گڑھی ہے اور یہ دونوں ہی جعلساز تھے۔ (اللآلی المصنوعہ ۱ / ۲۳۷)

احیاء سنت والی حدیث بھی مختلف طریقوں سے نقل کی گئی ہے لیکن اصل سلسلہ میں یہی سعید بورقی، مامون بن احمد، احمد بن محمد، یزید طرسوسی، ابان بن عیاش اور ابراہیم بن ہدبہ ہیں۔

مامون بن احمد کے بارے میں ابونعیم نے مستخرج کے مقدمہ میں بیان کیا ہے کہ یہ انتہائی خبیث آدمی تھا۔ اس نے ابوحنیفہ کے لئے بشارت نقل کی ہے اور یہ خدا و رسولؐ اور مسلمانوں کی لعنت کا مستحق ہے۔

حاکم نے اس حدیث پر یہ تبصرہ کیا ہے کہ اس کا جھوٹ ایک معمولی عقل و فہم کا انسان بھی سمجھ سکتا ہے۔

محمد بن یزید نے اس حدیث کو ابوالمعلیٰ سے نقل کیا ہے اور ابن حجر نے ان دونوں کو جعلساز بتایا ہے۔ (لسان المیزان ۵ ۷)

ابان بن عیاش بصری کو یحییٰ بن معین اور عبدالرحمن بن مہدی قابلِ حدیث نہ سمجھتے تھے۔ فلاس نے اسے متروک قرار دیا تھا۔ احمد بن حنبل اسے متروک الحدیث جانتے تھے۔ ابو عوانہ اس سے روایت کرنے کو حرام سمجھتے تھے۔

ابن حبان کا خیال ہے کہ ابان حسن بصری کی باتوں کو انس کی روایتیں بنا دیا کرتا تھا۔ اس نے انس سے تقریباً ۱۵۰۰ روایتیں کی ہیں۔

جوزجانی نے اسے ساقط ٹھہرایا ہے۔

شعبہ کا کہنا ہے کہ گدھے کا پیشاب پی لینا ابان کا نام لینے سے بہتر ہے۔

مرہ کی نظر میں ابان سے روایت کرنے سے بہتر زنا کرنا ہے اور اس کے بارے میں خموشی بھی جائز نہیں ہے۔

احمد بن محمد جویباری کو ذہبی نے میزان میں، ابن حجر نے لسان المیزان میں اور سیوطی و خطیب بغدادی نے اپنی کتابوں میں جھوٹا قرار دیا ہے۔

خدا جانتا ہے کہ ہمارا مقصد ان تمام باتوں سے کسی انسان کی بلا سبب توہین کرنا نہیں ہے اور نہ اس سے ہمارا کوئی مفاد وابستہ ہے۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ اربابِ تحقیق کے سامنے تصویر کا دوسرا رخ بھی واضح کر دیں اور یہ بتا دیں کہ ان روایتوں کی بنا پر مذہب حنفی کو واجب العمل نہیں قرار دیا جا سکتا ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ بعض علمار اہلسنت نے بھی ان روایتوں سے اعراض کیا ہے اور انھیں قابلِ ذکر نہیں سمجھا ہے۔ جیسا کہ سیوطی نے تبییض الصحیفہ میں، ابن حجر نے الخیرات الحسان میں، ملا علی قاری اور ذہبی نے مناقب ابو حنیفہ میں واضح کیا ہے۔

سیوطی نے اس روایت کو چھوڑنے کے بعد ابو حنیفہ کی بشارت کو ایک دوسرے طریقہ سے ثابت کیا ہے اور اس سلسلے میں رسول اکرمؐ کے اس ارشاد کا سہارا لیا ہے جسے حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیا میں نقل کیا ہے کہ "اگر علم ثریا پر ہوتا تو بھی فارس کے کچھ افراد اسے حاصل کر لیتے۔"

Presented by Ziaraat.Com

لیکن کھلی ہوئی بات ہے کہ سرزمین فارس پر ابوحنیفہ سے پہلے بھی ایسے بلند و برتر اشخاص پیدا ہو چکے تھے جن کے بعد روایت کو ابوحنیفہ کی پیدائش کا انتظار کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

فریادرس موفق خوارزمی نے محمد حارثی کی سند سے ابوالبختری سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ابوحنیفہ امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں آئے تو حضرت نے انھیں دیکھتے ہی ارشاد فرمایا کہ "تم میرے جد کی سنت کو مردہ ہونے کے بعد زندہ کرو گے۔ تم ہر مصیبت زدہ کے کام آنے والے اور ہر فریادی کے فریاد رس ہو"۔

ہمیں اس روایت کے سلسلے میں صرف حضرت ابوالبختری کی شخصیت سے بحث کرنا ہے۔ اگر ان کی وثاقت و صداقت ثابت ہو گئی تو حق سے انکار کرنے کا کوئی سبب نہیں ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہوگا تو ہم اس روایت کو ترک کر دینے میں معذور ہوں گے۔

ابوالبختری یہ بغداد کے قاضی وہب بن وہب قرشی کی کنیت ہے جس کے بارے میں معافی کا خیال ہے کہ ابوالبختری جہنمی ہے۔ اس نے حضرت جعفر پر بہت بڑا بہتان باندھا ہے۔

ابن العماد حنبلی نے شذرات میں سنہ ۲۰۰ھ کے حالات میں وہب بن وہب کی وفات کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کے کاذب ہونے کا اعلان کیا ہے۔

ابن قتیبہ نے معارف میں اسے ضعیف الحدیث سے تعبیر کیا ہے۔

یحییٰ بن معین کا بیان ہے کہ یہ ایک ایک پیسے میں رات بھر قصے گڑھا کرتا تھا۔ اس نے رسول اکرمؐ پر افترا کیا ہے۔ یہ انتہائی جھوٹا اور دشمن خدا تھا۔

عثمان بن ابی شیبہ کا کہنا ہے کہ یہ روز قیامت دجالوں میں محشور ہوگا۔

عبدالرحمٰن بن مہدی کو اس کے مرنے کی اطلاع ملی تو انھوں نے فرمایا کہ شکر خدا آج مسلمان اس کے شر سے محفوظ ہو گئے۔

ابن خلکان نے اسے جعلساز اور احمد نے جھوٹا کہا ہے۔

خطیب کا بیان ہے کہ اس نے ہارون رشید کی خاطر آنحضرتؐ کی کبوتر بازی کی حدیث فی البدیہ

Presented by Ziaraat.Com

گڑھ دی تھی۔ (تاریخ بغداد ۱۳ ۲۵۳، وفیات الاعیان ۲ ۱۸۲)

ابن عدی نے اس کی چند حدیثیں نقل کر کے یہ فیصلہ دیا ہے کہ یہ جعلساز اور کذاب تھا۔ ہر روایت کو بڑے بڑے موثق بزرگوں کے سر ڈال دیا کرتا تھا۔ (لسان المیزان ۶ ۲۳۱)

ابوالبختری کی اس شان و منزلت کو سننے کے بعد ایک قصہ اور سنتے چلئے تاکہ اس کی قضاوت کا حال بھی معلوم ہو جائے۔

ہارون رشید نے یحیٰی بن عبداللہ بن علیؑ بن الحسینؑ بن علیؑ کے نام ایک امان نامہ لکھا اور تھوڑے عرصہ کے بعد اسے باطل کرنا چاہا تو محمد بن الحسن شیبانی سے مسئلہ دریافت کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ امان نامے کو باطل نہ کرو۔ ان کا خون بہانا حرام ہے۔ اس کے بعد وہ خط حسن بن زیاد کو دیا گیا۔ انھوں نے دبے لفظوں میں کہا کہ یہ امان نامہ درست ہے۔ اتفاق سے قاضی وہب بن وہب تشریف لے آئے۔ اور انھوں نے جراب سے ایک چاقو نکال کر اسے کاٹ ڈالا اور کہا کہ یہ امان نامہ فسخ ہو چکا ہے۔ اس کی حیثیت اب کچھ نہیں ہے اور اگر ہے تو اس کا بار میری گردن پر ہے۔ (مفتاح السعادہ احمد بن مصطفٰی ۲ ۱۱۰، لسان المیزان ۲ ۲۳۴) امان نامہ کے فسخ کرنے کے فتویٰ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابوالبختری کے عہدہ میں ترقی ہو گئی اور اسے قاضی القضاۃ کا منصب مل گیا اور ہارون کی طرف سے ۱۶ لاکھ درہم کا انعام بھی حاصل ہوا۔

سوید بن عمرو بن الزبیر نے اس کی تعریف اس انداز سے کی ہے کہ ابن وہب نے اپنی حدیثوں سے دین اور ایمان دونوں کو تباہ کیا ہے۔ اس پر اور اس کی حدیثوں پر تف ہے۔ (لسان المیزان ۶ ۲۳۲، میزان الاعتدال ۳ ۲۷۸، تاریخ بغداد ۳ ۴۵۴ وغیرہ)

Presented by Ziaraat.Com

فضائل کا جزر و مد

ابو حنیفہ کے بارے میں کہنے والوں نے اس قدر مبالغہ سے کام لیا ہے کہ نہ بیان کا اعتدال باقی رہ گیا ہے اور نہ اقوال کا توازن۔ بعض لوگوں نے قصے اور افسانے گڑھ گڑھ کے پوری کتاب تیار کر دی ہے جس کا مختصر سا خاکہ اس مقام پر پیش کیا جا رہا ہے۔

اس سلسلے کا اہم ترین اور لطیف ترین واقعہ اس دہریہ سے مناظرہ کرنے کا ہے جو بغداد کے علماء اسلام سے بحث کرنے آیا تھا، اور عباسی دور حکومت کے تمام علماء ان کے جواب سے عاجز رہ گئے تھے جیسے صاحب مفتاح السعادہ ۲ ۲۰۱ نے اس انداز سے لکھا ہے کہ "ایک رومی دہریہ علماء اسلام سے مناظرہ میں مشغول ہوا اور سب کو شکست دے دی۔ آخر میں ایک حماد بن سلیمان باقی رہ گئے جو ابو حنیفہ کے استاد تھے لیکن انھیں بھی یہ خطرہ تھا کہ اگر میں ہار گیا تو اسلام کی توہین ہو جائے گی۔ اسی اثناء میں انھوں نے ایک خواب دیکھا اور اس کے نتیجہ میں ابو حنیفہ کو لے کر جامع مسجد پہنچ گئے۔ ابو حنیفہ کے بچپنے کا زمانہ تھا۔ دہریہ منبر پر گیا اور اس نے علماء کو چیلنج کیا۔ ابو حنیفہ نے قبول کر لیا۔ اس نے انھیں حقارت آمیز نگاہوں سے دیکھا تو انھوں نے کہا کہ ان باتوں سے کیا فائدہ، اپنی بات بیان کرو۔ دہریہ اس جرأت سے بدحواس ہو گیا اور اس نے چند سوالات پیش کئے۔ آپ نے برجستہ سب کا جواب دے دیا اور فرمایا کہ اب تک تو سائل تھا اس لئے تو منبر پر تھا۔ اب میں سوال کرنا چاہتا ہوں اس لئے تو زیر منبر آ اور میں منبر پر جاؤں۔ دہریہ یہ سن کر منبر سے اتر آیا۔ آپ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ خدا تجھ جیسے دہریوں کو منبر سے اتار دیتا ہے اور

Presented by Ziaraat.Com

مجھ جیسے معدوموں کو منبر پر بلند کرتا ہے۔ دہریہ یہ سن کر مبہوت ہو گیا اور لوگوں نے اسے تہ تیغ کر دیا۔"

راویوں نے اس افسانہ کو تیار تو کر دیا لیکن یہ سوچنے کی زحمت نہ کی کہ بغداد میں یہ واقعہ ہو کیسے سکتا ہے۔ بغداد منصور کے عہدِ حکومت میں ۱۴۵ھ میں آباد ہوا جس وقت ابو حنیفہ کی عمر ۶۵ سال کی تھی تو بچپنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟

پھر ان کے استاد حماد کا انتقال بھی ۱۲۰ھ یعنی بغداد کی آبادی سے ۲۵ سال پہلے ہو چکا تھا۔ اس لئے ان کے بغداد میں پیدا ہونے کا کیا سوال ہے؟

اور سب سے لطیف بات تو یہ ہے کہ ابو حنیفہ نے ایک مدت تک ریشم بیچنے کے بعد حماد کی شاگردی اختیار کی تھی اس لئے بچپنے میں ان کے شاگرد ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔

بعض لوگوں نے اس واقعہ میں اس جملہ کا بھی اضافہ کر دیا ہے کہ جب امام اعظم کی بچپنے میں یہ حالت تھی تو جوانی کا کیا کہنا؛ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ اس واقعہ کو بچپنے ہی کا واقعہ سمجھتے ہیں۔

خوارزمی نے اس واقعہ کو یوں نقل کیا ہے کہ "بادشاہ روم نے ایک امین کے ہاتھ بہت سا مال بغداد بھیجا اور یہ شرط کر دی کہ وہ علماء بغداد سے تین سوال کرے۔ اگر صحیح جواب مل جائے تو مال ان کے حوالے کر دے ورنہ واپس لے آئے۔ امین بغداد آیا اور تمام علماء کو جمع کر کے منبر پر گیا۔ صورتِ حال کو بیان کرنے کے بعد مسائل پیش کر دیئے۔ قوم پر سناٹا چھا گیا۔ اتفاقاً حضرت ابو حنیفہ اپنے والد کے ساتھ موجود تھے۔ انھوں نے مچل کر کہا کہ اجازت ہو تو میں کچھ بولوں۔ باپ نے چپ کرا دیا۔ آپ نے بادشاہ سے اجازت لی اور منبر پر تشریف لے گئے۔

اس سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ مفتاح السعادہ کے مؤلف نے یہ تحقیق کی ہے کہ جب ان کے باپ کا انتقال ہو گیا تو ان کی والدہ نے امام جعفر صادقؑ سے عقد کر لیا اور انھوں نے امامؑ کی آغوش میں تربیت پائی اور یہ ان کی سب سے بڑی منقبت ہے۔ قاضی زادہ شریف مخدوم نے بھی اس واقعہ کی تائید کی ہے۔ (جامع الرموز ۷۱)

کاش ان مسکینوں نے یہ سوچا ہوتا کہ ابو حنیفہ کا سنِ ولادت ۸۰ھ اور امام جعفر صادقؑ کا سنِ ولادت ۸۳ھ ہے۔ ایسی حالت میں یہ کیوں کر ممکن ہے کہ ابو حنیفہ امامؑ کی آغوش میں تربیت پا کر

Presented by Ziaraat.Com

یہ عظیم منقبت حاصل کرلیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ سمندر میں جزرومد کی طرح عمروں میں جزرومد ہونے لگے۔ اس لئے کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

ہم اپنے بیان کو ختم کر ہی رہے تھے کہ دو ایک لطیفے اور یاد آگئے جن میں ابوحنیفہ کا تذکرہ توریت سے ثابت کیا گیا ہے۔

ایک واقعہ یہ ہے کہ قدرت نے ابوحنیفہ کو آواز دی کہ میں نے تمھیں اور تمھارے مذہب کے ماننے والوں کو بخش دیا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ رسول کریم نے حضرت داؤد پر غبطہ کیا کہ ان کی امت میں لقمان جیسا حکیم پیدا ہوا ہے تو قدرت نے خطاب کیا کہ تمھاری امت میں ابوحنیفہ ہے جو لقمان سے کہیں بہتر ہے۔

تیسرا لطیفہ یہ ہے کہ حضرت خضر نے پانچ سال ان کی زندگی میں ان سے استفادہ کیا اور ایک عرصہ تک مرنے کے بعد۔

درحقیقت یہ تمام باتیں صرف اس لئے پیدا ہوئی ہیں کہ مذاہب کے باہمی مقابلے چاہنے والوں کو ان روایتوں کے وضع کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔ چنانچہ احمد الحمانی المتوفی ۳۰۲ھ اور اسد بن عمر البجلی المتوفی ۱۹۰ھ ، ابان بن جعفر الکذاب وغیرہ نے ابوحنیفہ کے فضائل گڑھنے کا ٹھیکہ لے لیا تھا۔ ابان کا کذب وبہتان چونکہ زیادہ مشہور ہوگیا تھا اس لئے بعض لوگوں نے اسے ابان سے بدل دیا۔ اس نے ابوحنیفہ کی شان میں ۳۰۰ سے زیادہ حدیثیں تیار کی ہیں۔ (تہذیب التہذیب ۱/ ۱۴۹)

سب سے زیادہ اہم منقبت یہ ہے کہ انھوں نے صحابہ کرام کی ایک جماعت سے حدیثیں سنی ہیں اور انھیں حدیثوں کے مجموعہ کا نام مسند ابوحنیفہ پڑا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک نظر اس فضیلت پر بھی ڈالتے چلیں۔

صحابہ سے سماع

بعض ارباب قلم کی خواہش یہ ہے کہ ابوحنیفہ کو ایک تابعی بلکہ سید التابعین کی حیثیت سے پیش کرکے یہ ثابت کردیں کہ انھوں نے صحابہ کرام سے ملاقات کی ہے اور ان سے حدیثیں سنی ہیں جن کی تعداد پچاس ہے لیکن اکثر ارباب تحقیق نے

Presented by Ziaraat.Com

اس خواہش کو مسترد کر کے یہ طے کر دیا ہے کہ یہ صرف ایک دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

ہمارے لئے مشکل یہ ہے کہ ان روایتوں کے نقل کرنے والے حنفی حضرات نے بھی اس دعویٰ کا کوئی ثبوت نہیں فراہم کیا ہے۔ پھر بھی ہم ایک ایک صحابی کی حدیث اور ان کے حالات آپ کے سامنے رکھ دیتے ہیں تاکہ حقیقتِ حال روزِ روشن کی طرح واضح ہو سکے۔

۱۔ عبداللہ بن انس ابو یحییٰ الجہنی۔ انھوں نے عقبہ ثانیہ اور احد میں شرکت کی، اس کے بعد مصر تشریف لے گئے۔ شام میں ۸۰ھ میں انتقال فرمایا۔ ایک قول کی بنا پر معاویہ کے زمانہ میں ۵۴ھ میں انتقال کیا۔

ابو حنیفہ کی ان سے یہ روایت کہ "محبت انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے"۔ ناممکن ہے جیسا کہ ملا علی قاری نے اعتراف کیا ہے۔ اس لئے کہ ابو حنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے جب کہ عبداللہ ۵۴ھ میں انتقال کر چکے تھے۔ (شرح مسند ابو حنیفہ ص۲۸۶)

۲۔ عبداللہ بن الحرث بن الجزء الزبیدی۔ فتح مصر میں شریک ہوئے۔ وہیں مکان بنالیا۔ اور ۸۶ھ میں انتقال کر گئے۔ یہ مصر کے آخری صحابی تھے۔ ان سے ابو حنیفہ نے یہ روایت کی ہے کہ "میں نے ۹۶ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج کیا تو مسجد الحرام میں ان کا حلقۂ درس دیکھا جس میں انھوں نے یہ حدیث بیان کی کہ "علم دین سیکھنے والے کا رزق غیب سے آتا ہے"۔

اس روایت کا امکان اس لئے نہیں ہے کہ یہ عبداللہ کے انتقال کے دس سال بعد کی ہے اور اس کے پہلے بھی ملاقات کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس لئے کہ ابو حنیفہ نے ۹۶ھ سے پہلے کوئی حج نہیں کیا ہے۔ اور بقول شیخ قاسم الحنفی عبداللہ نے کبھی کوفہ میں قدم نہیں رکھا ہے۔

۳۔ جابر بن عبداللہ انصاری۔ ۱۹ غزوات میں شریک ہوئے اور ۵۸ھ میں انتقال فرمایا۔ ان سے ابو حنیفہ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ جس کے اولاد نہ ہو وہ استغفار کرے، چنانچہ اسی استغفار سے جابر کے نو بچے پیدا ہوئے۔

یہ روایت اس لئے مہمل ہے کہ جابر کے انتقال کے وقت ابو حنیفہ بطن مادر میں بھی

Presented by Ziaraat.Com

نہ تھے۔

۴۔ عبداللہ بن ابی اوفی السلمی۔ صحابی بن صحابی تھے۔ انھوں نے بیعتِ رضوان میں شرکت کی تھی۔ اور ۸۵ھ میں انتقال فرمایا تھا۔ ابوحنیفہ نے ان سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ "جس نے ایک پرندے کی نشست گاہ برابر کی مسجد بھی بنادی اسے جنت میں گھر مل جائے گا۔"

یہ روایت اس لئے غلط ہے کہ ابوحنیفہ اس وقت نہایت کمسن تھے۔ ان میں سماع کی اہلیت نہ تھی۔ پھر انھوں نے علم دین کی طرف توجہ بھی ایک عرصہ کی بزازی کے بعد فرمائی ہے۔

۵۔ معقل بن یسار المزنی۔ انھوں نے بیعتِ شجرہ میں شرکت کی اور معاویہ کے زمانہ میں ۶۰ھ میں انتقال کیا۔ ابوحنیفہ نے ان سے یہ روایت کی ہے کہ "منافق کی تین علامتیں ہیں، بات کرے گا تو جھوٹ بولے گا، وعدہ کرے گا تو مخالفت کرے گا، امانت رکھی جائے گی تو خیانت کرے گا۔"

یہ روایت اس لئے غلط ہے کہ معقل نے ابوحنیفہ کی ولادت سے ۲۰ سال پہلے دنیا کو چھوڑ دیا تھا۔

۶۔ واثلہ بن الاسقع۔ جنگِ تبوک کے قبل مسلمان ہوئے۔ تبوک میں شریک ہوئے۔ اور دمشق میں تمام صحابہ کے بعد ۸۳ھ میں انتقال فرمایا جب کہ ابوحنیفہ کی عمر صرف تین سال کی تھی۔ ان سے ابوحنیفہ نے دو روایتیں کی ہیں:۔

۱۔ اپنے بھائی پر طعن و طنز نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ خود بھی اس مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ۔

۲۔ شبہ کو چھوڑ کر یقینی بات پر عمل کرو۔

۷۔ عائشہ بنت عجرد۔ ان کا نام و نشان معلوم نہیں ہے۔ ذہبی اور ابن حجر نے ان کی صحابیت ہی سے انکار کیا ہے۔ ابوحنیفہ نے ان سے روایت کی ہے کہ "ٹڈیاں اللہ کا لشکر ہیں۔ لہٰذا انھیں کھا سکتا ہوں اور نہ حرام کر سکتا ہوں۔"

۸۔ سہل بن سعد الساعدی۔ ان کا نام حزن تھا، آنحضرتؐ نے سہل رکھ دیا تھا۔ انھوں نے

Presented by Ziaraat.Com

۵۸ھ میں مدینہ کے تمام اصحاب کے بعد دنیا سے رحلت کی۔ ابو حنیفہ کی ان سے روایت اس لئے غیر معقول ہے کہ ابو حنیفہ نے پہلا حج ۹۶ھ میں کیا ہے اور سہل اس سے ۸ سال پہلے انتقال کر چکے تھے

۹۔ انس بن مالک بن النضر بن ضمضم بن زید بن حرام انصاری۔ یہ جنگ بدر میں شریک ہوئے اور ۹۰ھ میں بصرہ میں انتقال فرمایا۔ ظاہر ہے کہ ابو حنیفہ کا ان سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

مختصر یہ کہ ابو حنیفہ کا اصحاب رسولؐ سے روایت کرنا ایک ایسا مفروضہ ہے جس کی ولی عراقی، ابن حجر اور سخاوی جیسے بہت سے علماء نے مخالفت کی ہے بلکہ محمد بن شہاب البزاز نے تو ان کی اصحاب سے ملاقات ہی کو غیر ثابت قرار دیا ہے۔

اس کے بعد دو الفاظ ابو حنیفہ اور اصحاب صحاح کے بارے میں بھی سن لیجئے تاکہ ان کی روایتوں کی قدر و قیمت معلوم ہو سکے۔

احادیث ابو حنیفہ

علماء کا بیان ہے کہ ابو حنیفہ کا شمار اصحاب حدیث میں نہیں ہے۔ وہ ایک قیاسی آدمی تھے۔ ہر مسئلہ میں قیاس کیا کرتے تھے۔ اور اسی لئے کافی بدنام بھی ہوئے۔

مالک بن مغول کہتے ہیں کہ مجھ سے شعبی نے اہل رائے کے بارے میں یہ رائے بیان کی کہ ان کی روایتوں کو قبول کر لو لیکن رائے کو گھورے پر ڈال دو۔ قیاس سے دور رہو۔ یہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر رہا ہے۔ (تاویل مختلف الحدیث ابن قتیبہ ص۶۳)

ابن خلدون کا کہنا ہے کہ ابو حنیفہ کی کل روایتیں ۱۷ ہیں جس کا سبب یہ ہے کہ وہ روایت اور راوی وغیرہ میں کافی شرائط اور پابندیوں کا لحاظ رکھتے تھے۔ ان کی نظر میں روایت کے قبول کرنے کے لئے فعل نفسی کی بھی ضرورت تھی۔ (مقدمہ ص۳۷۲)

ڈاکٹر احمد امین فرماتے ہیں کہ ابن خلدون کی یہ عبارت مجمل ہے لیکن اس کا مفہوم یہ ہے کہ تنہا روایت پر اکتفا کرنا مناسب نہیں ہے بلکہ اس کے نفسیاتی اور اجتماعی پہلوؤں پر بھی نظر کرنا ہوگی۔ (ضحی الاسلام ۲ ص۱۳۱)

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

وکیع وغیرہ کے اقوال دلالت کرتے ہیں۔ جامع اسانید ابوحنیفہ میں زہیر سے یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ جابر اصدق الناس ہیں۔ (جامع اسانید ابوحنیفہ ۱/۳۰۵)

جابر کا شمار ابوحنیفہ کے استادوں میں ہوتا ہے جن سے انھوں نے متعدد روایتیں نقل کی ہیں۔ ابوحنیفہ ان کے حافظے اور حاضر جوابی کی تعریف کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے جابر سے رسول اکرمؐ کے تعقیبات کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے برجستہ یہ روایت بیان کی کہ آپ کی آخری نماز وتر ہوا کرتی تھی۔ (جامع اسانید ۱/۳۰۵)

جابر کی تکذیب کا قول اس دور کی پیداوار ہے جب موالی اور عرب کے جھگڑے شباب پر تھے۔ اور ہر ایک اپنی فضیلت کی روایتیں گڑھ رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے موقع پر عجم کا فریضہ تھا کہ وہ کوئی ایسی روایت تیار کریں جس سے عطا فارسی کی فضیلت ظاہر ہو اور جابر عربی کی منقصت۔

Presented by Ziaraat.Com

ابو حنیفہ اور احباب و اغیار

ابو حنیفہ کی زندگی پر صحیح تنقید کرنے کے لئے ان تمام اقوال کو سامنے رکھنا ہوگا جن میں ایک طرف دوستوں اور چاہنے والوں کی مدح سرائی اور مبالغہ آرائی ہے اور دوسری طرف اغیار کی تنقیدی یورش ــــ ان دونوں پہلوؤں پر نظر کئے بغیر ان کی شخصیت کا صحیح تجزیہ ممکن نہیں ہے۔

ان کے چاہنے والوں کا یہ عالم ہے کہ وہ انھیں انبیاء کی منزل تک لے گئے ہیں۔ ان کے لئے توریت میں بشارتیں تلاش کی ہیں۔ نبی اکرمؐ کی زبان سے پیشین گوئی وضع کی ہے۔ انھیں امت کا چراغ اور شریعت کا مجدد بنایا ہے۔ قرآن کے ساتھ ایک جیتا جاگتا معجزہ قرار دیا ہے۔ اور حد ہوگئی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو آسمان سے اترنے کے بعد ان کے احکام کی تقلید کا پابند بنادیا ہے اور حضرت عمرؓ کو ان کی شاگردی کا شرف بخش دیا ہے۔

قاضی زادہ کا بیان ہے کہ مذہب صرف ابو حنیفہ کا ہے اس لئے کہ اس کا اتباع انبیاء نے کیا ہے۔ حضرت خضرؑ نے پانچ سال تک صبح کے وقت ان سے علم شریعت سیکھا ہے اور جب ان کا انتقال ہوگیا تو خضرؑ نے بارگاہِ احدیت میں یہ استدعا کی کہ مجھے ابو حنیفہ کی قبر سے استفادہ کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ اور انھوں نے پچیس سال تک مزید علم حاصل کیا۔ اس کے بعد حکمِ خدا ہوا کہ قشیری کے پاس جائیں اور انھیں تمام معلومات سکھائیں۔ قشیری نے ان تعلیمات سے ایک ہزار کتابیں تالیف کیں جو نہر جیحون کے حوالے کر دی گئیں تاکہ جب حضرت عیسیٰؑ آسمان سے اتریں تو انھیں کتابوں پر عمل کریں۔ (الاشاعہ فی اشراط الساعہ صفحہ ۱۲، الیاقوتہ لابن الجوزی صفحہ ۱۵)

Presented by Ziaraat.Com

میرے خیال میں ان چاہنے والوں نے ایسے خرافات سے اپنے امام کی تعظیم کی بجائے ان کی توہین کی ہے اس لئے کہ یہ باتیں ایک صاحبِ عقل و انصاف کی نظر میں انتہائی مہمل اور غیر معقول ہیں۔

اس کے علاوہ چند خلاف طبیعت و فطرت معجزات بھی وضع کئے گئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ آپ ایک مقام پر بیٹھ کر ۷۰ ہزار قرآن ختم کرلیا کرتے تھے۔

ہر رات دو رکعت نماز پڑھتے تھے اور ہر رکعت میں پورا قرآن۔

چالیس سال تک نماز عشا کے وضو سے نماز صبح پڑھی ہے۔

دس سال تک بکری کا گوشت صرف اس لئے نہیں کھایا کہ ایک شخص کی بکری گم ہوگئی تھی اور ہر گوشت پر اس بکری کے گوشت کا گمان تھا اور بکری کی زندگی عام طور سے دس سال ہوتی ہے۔

اس کے برخلاف اغیار اور نقادوں نے ان کی شخصیت پر وہ سخت تبصرہ کیا ہے جو حیرت انگیز ہے۔ کسی نے کافر، کسی نے بے دین، کسی نے فاسد العقیدہ، کسی نے مخالف کتاب وسنت، کسی نے بے ایمان، غرض ہر شخص نے اپنے ذوقِ تحقیق کی بنا پر ایک نئے لقب سے نوازا ہے۔

ایک مرتبہ سفیان ثوری، شریک، حسن بن صالح، ابن ابی لیلیٰ ایک مقام پر جمع ہوئے اور ابو حنیفہ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کرایا جس نے اپنے باپ کو قتل کیا ہو، ماں سے زنا کی ہو، باپ کے کاسۂ سر میں شراب پی ہو؛ ابو حنیفہ نے جواب میں فرمایا کہ وہ مومن ہے تو ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ اس شخص کی شہادت ناقابلِ قبول ہے۔ سفیان ثوری نے کہا کہ یہ بات کرنے کے بھی قابل نہیں ہے۔ (خطیب ۱۳ ۳۷۴)

ابو یوسف سے پوچھا گیا کہ کیا ابو حنیفہ مرجئہ میں سے تھے تو انھوں نے جواب دیا کہ یہی نہیں بلکہ جہمی بھی تھے۔ لوگوں نے عرض کیا، پھر جناب سے یہ تعلقات کیسے؛ جواب دیا کہ وہ ایک مدرس تھے۔ میں نے ان کی اچھی باتوں کو لے لیا ہے اور برائیوں کو ترک کر دیا ہے۔ (خطیب ۱۳ ۳۷۴)

ابراہیم بن بشار نے سفیان بن عیینہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ابو حنیفہ سے زیادہ اللہ کی بارگاہ

Presented by Ziaraat.Com

میں گستاخ کوئی نہیں ہے۔ (الانتقاء ص۱۴۸)

ولید بن مسلم کہتے ہیں کہ مجھ سے مالک بن انس نے یہ سوال کیا کہ کیا تمھارے شہروں میں ابوحنیفہ کا نام لیا جاتا ہے؟ میں نے عرض کیا۔ جی ہاں! فرمایا وہ شہر رہنے کے قابل نہیں ہے۔ (میزان الشعرانی ۱ ص۵۹)

اوزاعی کا کہنا ہے کہ ہمیں ابوحنیفہ کی رائے پر اعتراض نہیں ہے بلکہ اعتراض اس بات پر ہے کہ وہ رسول اکرمؐ کی حدیثوں کو تبدیل کر دیا کرتے تھے۔ (تاویل مختلف الحدیث ابن قتیبہ ص۶۳)

ابن عبد البر کا بیان ہے کہ ابوحنیفہ کو مطعون کرنے والوں میں ایک امام بخاری بھی ہیں جنھوں نے ان کا ذکر ضعیف اور متروک لوگوں میں کیا ہے۔

نعیم بن حماد کا کہنا ہے کہ سفیان ثوری کے قول کے مطابق ابوحنیفہ سے دو مرتبہ کفر سے توبہ کرائی گئی ہے۔

نعیم فزاری کہتے ہیں کہ میں سفیان بن عیینہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ابوحنیفہ کے انتقال کی خبر آئی۔ سفیان نے برجستہ کہا کہ یہ شخص اسلام کو تباہ کر رہا تھا۔ اس سے بدتر شخص اسلام میں نہیں پیدا ہوا ہے جیسا کہ بخاری نے نقل کیا ہے۔ (الانتقاء لابن عبد البر ص۱۵۰)

ابن الجارود نے اپنی کتاب ضعفاء و متروکین میں لکھا ہے کہ ابوحنیفہ کی اکثر روایتیں غلط ہیں۔ امام مالک نے انھیں اسلام کا بدترین مولود قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ شخص امت کو تلوار سے قتل کر دیتا تو وہ زیادہ آسان تھا ـــــ ایک مرتبہ امام مالک سے حضرت عمر کے اس قول کے بارے میں پوچھا گیا کہ "عراق میں ایک سخت مرض ہے" تو انھوں نے فرمایا کہ اس سے مراد ابوحنیفہ ہے۔

وکیع بن الجراح کا کہنا ہے کہ ابوحنیفہ نے دو سو احادیث پیغمبرؐ کی مخالفت کی ہے۔

ابن المبارک سے پوچھا گیا کہ کیا آپ ابوحنیفہ کے تابع ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ غلط فہمی ہے۔ میں ان کے پاس اس وقت تک جایا کرتا تھا جب تک ان کی معرفت نہ تھی۔ جب سے انھیں پہچان لیا ہے چھوڑ دیا ہے۔ (الانتقاء لابن عبد البر ص۱۵۱، الخیرات الحسان ص۷۴)

Presented by Ziaraat.Com

ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ کے مخالفین نے ان پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ حدیث کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے کہ بلکہ سارا کام اپنی فکر و نظر سے کیا کرتے تھے۔ اسی فکر کی خاطر انھوں نے بہت سی حدیثوں کو ٹھکرا دیا جیسا کہ ابو صالح فراء نے یوسف بن اسباط سے نقل کیا ہے کہ ابو حنیفہ نے چار سو سے زیادہ احادیث رسولؐ کی مخالفت کی ہے۔ یوسف سے سوال ہوا کہ آپ ان حدیثوں کو جانتے ہیں؟ انھوں نے کہا بیشک۔ دریافت کیا گیا کہ کوئی مثال دیجئے۔ کہنے لگے کہ پیغمبر اسلامؐ نے پیادہ مجاہد کے لئے ایک حصہ رکھا تھا اور سوار کے لئے دو۔ ابو حنیفہ نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ میں گھوڑے کو ایک مومن کا درجہ نہیں دے سکتا ہوں۔

حضورؐ نے اونٹ کو اشعار کیا (اس کے کوہان کو زخمی کر کے اس کے خون کو بدن پر مل دیا) اور ابو حنیفہ نے اسے مثلہ سے تعبیر کر کے ناجائز کر دیا۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ خریدار اور بائع ایک مقام پر جمع رہنے تک معاملہ کو فسخ کر دینے کا اختیار رکھتے ہیں۔ ابو حنیفہ نے اس اختیار کو باطل کر دیا۔

حضور اکرمؐ نے سفر میں جاتے وقت عورتوں کے درمیان قرعہ ڈالا تھا اور ابو حنیفہ نے قرعہ کو قمار بازی قرار دے دیا۔

اس کے علاوہ کہا جاتا ہے کہ ابو حنیفہ کے دور میں چار صحابہ کرام موجود تھے اور انھوں نے کسی ایک سے بھی ملاقات کی فکر نہیں کی۔

ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب مصنف میں ان مخالفتوں کی تعداد ۱۵۰ تک شمار کرائی ہے۔

(نظرۃ عامہ فی تاریخ الفقہاء الاسلامی للدکتور علی حسن عبدالقادر صـ۲۲۵)

خطیب بغدادی نے ان کی تمام حدیثوں کو نقل کر کے ان پر موافق و مخالف تبصرہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ان کی طرف ایسی باتوں کی نسبت دی ہے جن کی تصحیح تقریباً ناممکن ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ حنفی علماء نے خطیب کی سخت مذمت کی ہے اور انھیں متعصب ٹھہراتے ہوئے ان کے اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ (تاریخ بغداد ۱۳ صـ۱۲۳)

مختصر یہ ہے کہ ائمہ مذاہب کی تاریخ حیات کا ترتیب دینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہاں مختلف اقوال کا ایک انبار ہے جس کے درمیان سے حقیقت کا نکال لینا ایک دشوار ترین کام ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

ابو حنیفہ کی زندگی بھی ایک معمہ کی حیثیت رکھتی ہے جیسا کہ استاد ابو زہرہ نے فرمایا ہے کہ ابو حنیفہ کے مریدوں نے اس قدر مبالغہ کیا ہے کہ انھیں انبیاء کے مرتبہ تک پہنچا دیا ہے۔ توریت میں ان کی بشارت اور زبانِ پیغمبرؐ پر ان کی خبر ولادت تلاش کر لی ہے اور دوسری طرف ان کے دشمنوں نے انھیں کفر و الحاد وغیرہ سے متہم کر کے دین و دیانت اور کتاب و سنت کا مخالف ٹھہرایا ہے۔

مناقب کی کتابیں بہت ہیں لیکن ان سے کوئی معقول نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا ہے۔ ان میں ہر روایت مبالغہ کی حامل اور ہر داستان غلو و اغراق کا نمونہ ہے۔ نہ تمام باتوں کو تسلیم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہر روایت ٹھکرائی ہی جا سکتی ہے۔ ایک محقق کا فریضہ ہے کہ گہری نظر سے تنقید کر کے اور حق و باطل میں امتیاز کر کے صحیح کو ضعیف سے الگ کرے۔ (ابو حنیفہ ص۵ تا ۷)

ہمارے لئے ایک دشواری یہ بھی ہے کہ ہم نہ تو اقوال پر تبصرہ کر سکتے ہیں اور نہ کسی کے بیان کی تکذیب و تصدیق میں حصہ لے سکتے ہیں۔ ہمارا کام صرف یہ ہے کہ ہم اس شخصیت کے بارے میں بزرگانِ دین اور علماء اسلام کے اقوال آپ کے سامنے رکھ دیں اور خدا کا شکر ہے کہ ہم نے یہ کام انجام دے دیا۔ اب فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ہمارا فیصلہ اسی وقت سامنے آ سکتا ہے جب ہم ان اقوال سے آگے بڑھ کر ان کی پوری زندگی پر ایک نظر ڈال لیں۔

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

ابو حنیفہ

نشوونما
تعلیم و تربیت
اساتذہ
تلامذہ

Presented by Ziaraat.Com

ابو حنیفہ

۱

حضرت ابو حنیفہ عبد الملک بن مروان کے دور خلافت میں ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ یا ۱۵۱ھ یا ۱۵۲ھ میں دنیا سے رخصت ہوئے۔

انھوں نے اموی دورِ حکومت میں ۵۲ سال گذارے اور عباسی زمانۂ خلافت میں ۱۸ سال۔

ان کی نشو ونما کوفہ میں حجاج بن یوسف ثقفی کے زمانہ میں ہوئی اور انھوں نے ابتدائی زندگی ہی سے حجاج کی سنگ دلی، اس کے مظالم اور اس کی بد سرشتی کا مشاہدہ کر لیا تھا۔ حجاج کے مرتے وقت ان کا سن پندرہ سال کا تھا۔ وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ مختلف شہروں کے عمال بادشاہوں کی خوشامد میں اسلامی شاہراہ سے الگ ایک راستہ بنائے ہوئے ہیں۔ رعایا پر مظالم کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں۔ مسلمانوں کو اذیت پہنچانے میں کوئی حاکم کوئی تکلف نہیں محسوس کرتا ہے۔ قومی تعصب بھی شباب کی منزلوں پر ہے۔ عرب و عجم کے اختلاف ہمہ گیر ہو رہے ہیں۔ عجم پر صرف اس بنا پر مصائب ٹوٹ رہے ہیں کہ وہ عرب نہیں ہیں۔

ظاہر ہے کہ ایک صاحبِ احساس کے دل میں ایسے نظام کی طرف سے بغاوت کا جذبہ پیدا ہونا ہی چاہئے تھا اور اسے ہر اس تحریک میں حصہ لینا چاہئے تھا جو ایسے ظالم نظام کو تباہ و برباد کرنے کے لئے اٹھائی جائے۔

ابو حنیفہ کی ابتدائی زندگی کارخانہ اور تجارت کی تھی۔ وہ کپڑوں کا کاروبار کرتے تھے۔ اور زندگی کے دن عیش سے گذار رہے تھے، دولت کی بھی کسی حد تک فراوانی تھی۔ یہ نہیں معلوم ہو سکا

Presented by Ziaraat.Com

کہ انھوں نے باپ کے زیر سایہ زندگی کی کتنی منزلیں طے کی ہیں لیکن اتنا ضرور ہے کہ ان کا ماحول اور ان کا دور حکومت ایسا ہی تھا کہ جس میں ایک لائق انسان نمایاں حیثیت حاصل کر سکے۔ اور اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اپنا ایک مقام پیدا کر سکے۔ ادھر کوفہ بھی ایک علمی مرکز بن رہا تھا جہاں علمی اجتماعات ہوتے تھے۔ سیاست، عقائد، مذہب ہر قسم کے موضوع پر مناظرے اور مباحثے ہوتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اموی دور کے خاتمہ تک امت کے رجحانات اس منزل پر پہنچ گئے جہاں اس سے پہلے پہنچنا ناممکن تھا۔ کوفہ کے اجتماعات میں علم کلام، فقہ، شعر و سخن ہر ایک کا حلقۂ فکر الگ الگ تھا۔ علم کلام کے حلقۂ فکر میں قضا و قدر، کفر و ایمان اور کردارِ صحابہ پر بحث ہوتی تھی۔ ابوحنیفہ کو یہ حلقہ بحث زیادہ پسند آیا اور وہ اسی سے منسلک ہو گئے۔

(ضحی الاسلام ۲ ۱۷۸)

کہا جاتا ہے کہ علم کلام کی بحثوں میں انھوں نے بڑا نام پیدا کر لیا تھا جس کا شاہد یہ ہے کہ ان کی زندگی کا زیادہ حصہ اسی علم کلام میں گذرا ہے۔ انھوں نے ۲۰ مرتبہ مناظرہ کے سلسلے میں بصرہ کا سفر کیا اور ہر سفر میں سال دو سال قیام بھی کیا۔

"اگرچہ اس روایت میں مبالغہ کا حصہ زیادہ معلوم ہوتا ہے۔" (مناقب ابوحنیفہ للمکی ۱ ۵۹)

خلاصہ یہ ہے کہ ان کی ابتدائی زندگی کاروبار میں گذری۔ ایک مدت کے بعد انھیں شعبی نے تحصیل علم کی طرف متوجہ کیا تو حلقۂ کلام کی طرف جھک گئے۔ اور آخر کار حماد بن ابی سلیمان المتوفی ۱۲۰ھ کے شاگردوں میں داخل ہو گئے اور ان کے بعد اس حلقہ کی نمایاں شخصیت بن گئے۔ حالات نے بھی ان کا ساتھ دیا اور زمانہ بھی سازگار مل گیا۔ خود بھی خاصے ذہین و ہوش مند تھے اسی لئے کسی ایک موقع کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

یہ مزید خوش قسمتی تھی کہ اسی دور میں اہل حدیث و اہلِ قیاس اور عرب و عجم کے جھگڑے چھڑ گئے۔ طرفین سے طعن و طنز کی یورش ہونے لگی۔ یہ بھی حماد کے حلقۂ درس کی نمایاں شخصیت ہونے کے ناطے پیش پیش رہنے لگے۔ ان کے گرد زیادہ تر عجم اور موالی تھے جن کے ساتھ حکومت کا رویہ انتہائی تشدد آمیز اور نفرت انگیز تھا۔ اس لئے کہ حماد خود بھی عرب نہ تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے دل میں بھی حکومت کی طرف سے نفرت کی ایسی آگ بھڑک اٹھی جو ایک احساس مند دل کو جلا کر

Presented by Ziaraat.Com

خاک کر سکتی تھی۔

کوفہ علم کا مرکز بن چکا تھا۔ فکر و نظر کی تحریکیں عروج کی منزلوں میں تھیں۔ اہلِ رائے و اہلِ حدیث کا اختلاف کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ موالی میں یہ جذبہ بھی پیدا ہو چکا تھا کہ اب ہمیں بھی سماج میں ایک مقام بنانا چاہئے اور عربوں کے خلاف کھل کر احتجاج کرنا چاہئے۔ کوفہ میں ان کی تعداد بھی کافی تھی۔ ان کے افراد حکومت کے مختلف عہدوں پر فائز تھے۔ فوج میں ان کی نمائندگی تھی۔ اربابِ علم و فن ان کے یہاں پیدا ہو چکے تھے۔ حکومت کے ناروا طرزِ عمل نے مصائب برداشت کرنے کا عادی بنا دیا تھا اور بقول اصفہانی "عباسی دورِ حکومت سے پہلے اگر کوئی عرب بازار سے سامان خرید تا تھا اور کسی عجم کے سر پر لادنا چاہتا تھا تو اس عجمی کو انکار کرنے کا کوئی اختیار نہ تھا۔ ایک عجمی نے بنی سلیم کی ایک لڑکی سے عقد کر لیا تو نتیجہ یہ ہوا کہ محمد بن بشیر نے مدینہ جا کر وہاں کے حاکم ابراہیم بن ہشام بن اسماعیل سے شکایت کر دی اور اس نے ایک شخص کو بھیج کر میاں بیوی میں تفرقہ ڈال دیا اور عجمی کو دو سو تازیانے الگ سے لگائے۔ اس کے جسم کے سارے بال مونڈ دیئے گئے اور اس پر محمد بن بشیر نے یہ شعر بھی کہا کہ "آپ نے سنّت و عدالت کے مطابق فیصلہ کیا ہے کیوں نہ ہو حکومت آپ کے گھر کی میراث ہے"۔

عجموں کے ساتھ یہ رویہ بھی درحقیقت معاویہ بن ابی سفیان کا ایجاد کردہ تھا۔ معاویہ کو یہ معلوم تھا کہ حضرت علیؑ کے طرزِ عمل میں مساوات و انصاف کا ایک ایسا جوہر ہے جو عجموں کو ان کی ہمدردی پر ابھارے گا۔ اس لئے اس نے پہلے ہی یہ تدبیر شروع کر دی کہ عجم کو ذلیل کر کے انھیں سر اٹھانے کے قابل نہ رکھا جائے۔

مدائنی راوی ہے کہ حضرت علیؑ کے چاہنے والوں کی ایک جماعت آپ کے پاس آئی اور اس نے یہ درخواست دی کہ آپ مال کی تقسیم میں عرب کو عجم پر فوقیت دیں تاکہ مخالف عناصر اپنے ہاتھ میں آجائیں۔ اس لئے کہ معاویہ اس قسم کی تمام مکاریوں میں ماہر ہے —— تو آپ نے فرمایا کہ میں ظلم سے مددگار نہیں پیدا کر سکتا۔ (شرح نہج البلاغہ)

ایسے ہی حالات میں ابو حنیفہ نے آنکھیں کھولیں اور ایسے ہی ماحول میں نشو و نما پائی۔ ان کا ذاتی

Presented by Ziaraat.Com

تعلق بھی اسی مظلوم طبقہ سے تھا جو حکومت کی بدسلوکی سے عاجز آکر بغاوت کے جذبات کو بیدار کرچکا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ جیسے ہی حکومت بنی امیہ سے منتقل ہو کر بنی عباس کی طرف آئی اور اس انقلاب میں عجموں نے نمایاں طور پر حصہ لیا، ابوحنیفہ کے وقار کو چار چاند لگ گئے۔ عجموں کو اپنی حیثیت نمایاں کرنے کی فکر لاحق تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چار طرف انھیں کے نام کا شہرہ اور انھیں کا چرچا ہوگیا۔ انھوں نے بھی اپنی اسی سیاست کی بنا پر دشمنوں سے حسنِ سلوک کا مظاہرہ کیا۔ لوگ گالیاں دیتے تھے اور وہ سن لیتے تھے۔ لوگ تنقید کرتے تھے اور وہ برداشت کر لیتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ اپنے اصحاب کی امداد کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ دولت و ثروت بھی دست بوسی میں مصروف تھی۔

مساور نے ان کی ہجو میں یہ اشعار کہے کہ "اب تک ہم سکون کے ساتھ مذہبی زندگی گذار رہے تھے اور اب ان قیاسیوں کے چکر میں پھنس گئے ہیں" تو ابوحنیفہ نے ان سے مل کر راضی کرنے کے لئے چند درہم دے دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ساور کی زبان بدل گئی اور کہنے لگا کہ "اگر لوگ نئے قسم کا قیاس کریں گے تو ہم صحیح قیاس جو حضرت ابوحنیفہ کا ہے وہ پیش کر دیں گے، اے فقہا، قبول کریں گے اور اپنے اپنے صحیفہ میں درج کریں گے"۔ اہلِ حدیث نے ان اشعار کا یہ جواب دیا کہ اگر کوئی صاحب قیاس ضعیف رائے پیش کرے گا تو ہم شریف سنّت و کتاب پیش کریں گے"۔

ان اشعار کو تفصیل کے ساتھ قتیبہ نے معارف ص۲۱۶ میں اور ابن عبد ربہ نے العقد الفرید ص۴۰۴ میں ذکر کیا۔ لیکن ہمارا موضوع اس سے زیادہ نقل کرنے کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ ہمارا مقصد تو صرف یہ ظاہر کرنا تھا کہ ابوحنیفہ نے فقہ کے میدان میں عمر کا زیادہ حصہ گذارنے کے بعد قدم رکھا ہے۔ بلکہ میں عطا ابن رباح اور مدینہ میں نافع کی شاگردی کی اس لئے کہ یہ دونوں ہی موالی میں سے تھے۔ اس کے بعد عاصم بن ابی النجود، عطیہ عوفی، عبد الرحمٰن بن ہرمز، مولی ربیعہ بن الحارث، زیاد بن علاقہ، ہشام بن عروہ وغیرہ سے استفادہ کیا۔ لیکن جن کے ساتھ مستقل طور پر رہے اور آخر عمر تک استفادہ کرتے رہے وہ حماد بن ابی سلیمان اشعری تھے جن کے انتقال کے وقت ابوحنیفہ کا سن ۴۰ سال تھا۔ ابوحنیفہ حماد سے اپنے تعلقات کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ "میں بصرہ اس خیال سے گیا تھا کہ مجھ سے جو سوال کیا جائے گا میں اس کا جواب دے سکتا ہوں، وہاں پہنچا تو لوگوں نے ایسے سوالات کئے جن کا کوئی جواب میرے پاس نہ تھا۔ میں نے فوراً عہد کر لیا کہ اب تاحیات حماد ہی کے ساتھ رہوں گا۔

Presented by Ziaraat.Com

چنانچہ ۱۸ سال تک ان کی خدمت سے استفادہ کرتا رہا"۔

حماد سے ان کے گہرے تعلقات کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ صرف حماد ہی کے ہو کر رہ گئے تھے بلکہ انھوں نے دیگر علمار اعلام سے بھی استفادہ کیا ہے۔ کئی مرتبہ حج کی غرض سے مکہ و مدینہ گئے ہیں اور وہاں اہلبیتؑ کی نمایاں شخصیتوں امام محمد باقرؑ، امام جعفر صادقؑ، زید بن علیؑ اور عبداللہ بن الحسن بن الحسن وغیرہ سے تحصیل علم کی ہے۔

ابو حنیفہ کی پوری فقہ کا تعلق ان کے تلامذہ اور شاگردوں سے ہے۔ انھوں نے اپنی زندگی میں نہ مسائل لکھے تھے اور نہ کوئی فقہ مرتب کی تھی۔ اس قسم کا جتنا بھی کام ہوا ہے وہ سب ان کے شاگردوں کے ہاتھ سے انجام پایا ہے۔ ان کے شاگردوں میں بعض وہ تھے جو غیر مقامات سے سفر کر کے آتے تھے اور استفادہ کر کے چلے جاتے تھے اور بعض وہ تھے جو مستقل طور پر ان کے ہمراہ رہتے تھے۔ جن کی تعداد ۳۶ تک پہنچتی ہے۔ جن میں سے ۱۸ کو وہ قابلِ قضاوت سمجھتے تھے اور ۶ کو لائق فتویٰ۔ ابو یوسف اور زفر کو قاضیوں کی تادیب کا اہل تصور کرتے تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے مذہب کی خدمت میں تمام تر ہاتھ صرف چار آدمیوں کا تھا۔ ابو یوسف، زفر، محمد بن الحسن الشیبانی، الحسن بن زیاد اللؤلوئی۔

۱۔ ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری کوفہ کے رہنے والے تھے۔ ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی زندگی فقر و فاقہ میں گذاری۔ ابن ابی لیلیٰ کے بعد ابو حنیفہ کا دامن تھاما اور انھیں کے ہو کر رہ گئے۔ انھوں نے بھی دس سال تک ان کے تمام اخراجات برداشت کئے۔ ابو حنیفہ اور زفر بن الہذیل کے مرنے کے بعد مذہب کی قیادت کا شرف بھی ابو یوسف ہی کو ملا اور انھوں نے حکومتِ وقت کی سرپرستی میں کافی مرجعیت پیدا کر لی اور مہدی، ہادی اور رشید تینوں کے دور میں قاضی رہے اور اسی قضاوت کے طفیل میں مذہب کو چار طرف شہرت سوے دی۔

ابو یوسف نے فقہ حنفی پر بہت سی کتابیں تالیف کی ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ ابن ندیم نے کیا ہے اور وہ یہ ہیں۔ کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصیام، کتاب الفرائض،

Presented by Ziaraat.Com

کتاب البیوع، کتاب الخراج، کتاب الوکالۃ، کتاب الوصایا، کتاب اختلاف الانصار، کتاب الرد علیٰ مالک وغیرہ۔

ابویوسف کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے قیاس پر عمل کرتے ہوئے بھی حدیثوں کو اہمیت دی ہے اور اس طرح دونوں مذہبوں کو ایک کر دیا ہے۔

۲۔ محمد بن الحسن۔ بنی شیبان کے غلاموں میں سے تھے۔ ۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۹ھ میں وفات پائی۔ ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر ضرور ہوئے لیکن مکمل طور پر ان سے استفادہ نہ کر سکے۔ اس لئے کہ ان کے انتقال کے وقت ان کا سن صرف ۱۸ سال کا تھا۔ ابوحنیفہ کے بعد اپنے درسیات کی تکمیل ابویوسف کے پاس کی۔ کچھ ثوری اور اوزاعی سے حاصل کیا۔ امام مالک سے حدیث کا علم سیکھا۔ تین سال ان کی خدمت میں رہے۔ قیاس میں احادیث کو جگہ دی اور فقہ حنفی کی عظیم ترین کتاب تالیف کی جس میں اکثر مسائل میں بانیٔ مذہب سے اختلاف کیا۔

۳۔ الحسن بن زیاد اللؤلؤی الکوفی المتوفیٰ ۲۰۴ھ۔ مذہب حنفی کے فقہاء میں شمار ہوتے تھے لیکن محدثین اور ارباب رجال نے ان پر کوئی اعتبار نہیں کیا ہے۔ ابن معین نے انھیں کذاب اور غیر معتبر کہا ہے۔

نضر بن شمیل نے ان کی کتابوں کو نقل کرنے والے سے کہا کہ تو اپنے شہر میں ایک شر لے آیا ہے۔

ابوثور کا بیان ہے کہ لؤلؤی سے زیادہ جھوٹا آدمی نہیں دیکھا گیا ہے۔

ابن ابی شیبہ کا کہنا ہے کہ اسامہ اسے خبیث سے تعبیر کرتے تھے لیکن ابن قاسم نے اس کی توثیق کی ہے۔ ابوعوانہ اور حاکم نے مستخرج و مستدرک میں اس کی روایت بھی درج کی ہے۔ (لسان المیزان ۲ ص۲۰۸)

۴۔ زفر بن الہذیل المتوفیٰ ۱۵۸ھ۔ ان کے باپ عرب تھے اور ماں ایرانی۔ یہ ابوحنیفہ کی خدمت میں ابویوسف اور شیبانی سے پہلے پہنچے تھے اور قیاس میں سب سے بڑھے چڑھے تھے۔ ابوحنیفہ کے بعد زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہنے کی وجہ سے ان کی فقہ کو مرتب نہیں کر سکے۔

Presented by Ziaraat.Com

لیکن بصرہ کی قضاوت کے دوران ان کے مذہب کی اشاعت میں تقریبی حد تک کافی حصہ لیا۔
احمد بن معدل مالکی نے ان کی ہجو لکھی ہے۔ "اگر تیری روایت غلط ہے تو اس کی ذمہ داری ابو حنیفہ اور زفر پر ہے کہ وہ لوگ قیاس کے پیچھے روایتوں کو ترک کر دیا کرتے تھے۔ (تانیب الخطیب للکوثری ص۹۵)

محدثین نے اس کی روایتوں پر اعتماد نہیں کیا ہے۔ چنانچہ ابو موسیٰ محمد بن المثنیٰ کا بیان ہے کہ عبد الرحمٰن بن مہدی نے زفر سے کوئی روایت نہیں لی ہے۔

معاذ بن معاذ ناقل ہیں کہ میں سوار قاضی کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک مرتبہ خادم نے آکر اطلاع دی کہ زفر دروازے پر کھڑے ہیں۔ تو سوار نے کہا کہ ہرگز اجازت نہ دینا یہ بدبخت انسان ہے۔

عقیلی نے ان کا شمار ضعفاء میں کیا ہے۔

بشر بن السری کا بیان ہے کہ میں نے سفیان ثوری کے سامنے زفر کے لئے دعائے رحمت کی تو انھوں نے منہ پھیر لیا۔

ازدی کا بیان ہے کہ زفر کا مذہب ناپسندیدہ ہے۔

احمد بن ابی العوام مناقب ابو حنیفہ میں رقمطراز ہیں کہ مجھ سے ابو جعفر طحاوی نے بیان کیا کہ میں نے ابو حازم سے ضبی کا یہ قول سنا ہے کہ زفر بصرہ میں عثمان البتی کے حلقۂ درس میں آکر مناظرہ و مباحثہ کیا کرتے تھے اور اگر کبھی شاگردوں سے تشفی نہ ہوتی تو استاد سے بحث کرتے تھے۔ استاد نے کوئی جواب دیا تو کہتے تھے کہ اس سے بہتر جواب تو ابو حنیفہ کا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ طلاب ان کی طرف کھنچنے لگے اور عثمان البتی کا حلقۂ درس سنسان ہو گیا۔

ابو حنیفہ کے یہی وہ شاگرد تھے جن کے دم سے ان کی فقہ مرتب ہوئی اور ان کے تعلیمات کی تدوین عمل میں آئی۔ اس میدان میں سب سے آگے قاضی ابو یوسف نظر آتے ہیں جن کی کتابیں فقہ کا سب سے بڑا ماخذ شمار کی جاتی ہیں۔ اس کے بعد شیبانی کا نمبر آتا ہے۔ انھوں نے چوں کہ ابو حنیفہ کی شاگردی کمسنی میں اختیار کی تھی اس لئے ان کی کتابوں میں ابو یوسف کا حوالہ واضح طور پر

Presented by Ziaraat.Com

پایا جاتا ہے۔ ابن نجیم کا کہنا ہے کہ شیبانی کی جتنی کتابیں صغیر کے نام سے ہیں، سب میں ابویوسف کا ہاتھ ہے اور جتنی کتابیں کبیر کے عنوان سے ہیں وہ سب ان کی ذاتی تالیف ہیں۔

ابویوسف اور شیبانی اگرچہ ابوحنیفہ کے شاگرد اور انہیں کے مسلک کے پیرو تھے لیکن اس کے باوجود ان لوگوں نے افکار میں ان کی تقلید نہیں کی ہے۔ اس لئے کہ شاگردی کے اصول اور ہوتے ہیں اور افکار و آراء میں تقلید کے قوانین اور۔ شاگردی ہی سے تقلید کا عنوان پیدا ہو سکتا تو خود ابوحنیفہ کا اجتہاد بھی ختم ہو جاتا اور وہ بھی حماد بن ابی سلیمان کے مقلدین میں شمار ہو جاتے۔ ان حضرات نے اگر اپنے استاد کی موافقت کی ہے تو صرف اس لئے کہ ان کی ذاتی فکر بھی اسی نتیجہ کی مقتضی تھی اور اگر مخالفت کی ہے تو بھی اسی لئے کہ انسان اپنی فکر میں آزاد ہوتا ہے۔ اسے دوسرے کی بلاسبب پابندی زیب نہیں دیتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حنفی فقہ کی کتابوں میں چاروں علماء کے اقوال نظر آتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات ایک ہی مسئلہ میں ابوحنیفہ، ابویوسف، شیبانی، زفر کے اقوال الگ الگ دکھائی دیتے ہیں۔ (ابوحنیفہ محمد ابوزہرہ، ضحی الاسلام احمد امین)

علامۂ خضری کا کہنا ہے کہ بعض لوگ علماء حنفیہ کی طرف منسوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور باہمی اختلاف کو انہیں کی رائے کا تغیر و تبدل قرار دینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ یہ علماء مذہب کی تاریخ سے غفلت کا واضح ثبوت ہے اس لئے کہ ابویوسف نے کتاب الخراج میں ابوحنیفہ کی رائے لکھ کر ان کی مخالفت کی ہے اور پھر اختلاف کا سبب بھی بیان کیا ہے۔ یہی انداز ان کی کتاب "خلاف ابوحنیفہ" میں ہے کہ جہاں ابوحنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ دونوں کے قول کو نقل کر کے ابن ابی لیلیٰ کی رائے کو ترجیح دی ہے۔

شیبانی بھی اپنی تصانیف میں ابوحنیفہ سے کھلم کھلا اختلاف کرتے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر اسے علماء کی رائے کا تغیر تسلیم کر لیا جائے تو خود ان کی منسوخ شدہ رائے کو مذہب سے خارج ہو جانا چاہئے جب کہ ایسے اقدام پر کوئی حنفی مسلمان تیار نہیں ہے۔

یہ بھی ایک تاریخی بات ہے کہ ابویوسف اور شیبانی نے اہل حجاز کی حدیثوں کو دیکھنے کے بعد امام ابوحنیفہ کے بہت سے فتووں سے اختلاف کیا ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے امام

Presented by Ziaraat.Com

کے مقلد نہ تھے بلکہ مستقل طور پر مجتہد تھے۔ اب چاہے ان کی رائے اپنے امام کے موافق ہو یا مخالف ورنہ اگر اس کا نام بھی تقلید پڑ جائے گا تو شافعی مذہب کوئی مذہب ہی نہیں رہے گا۔ اس لئے کہ شافعی امام مالک کے شاگرد تھے۔ (الخضری تاریخ التشریع الاسلامی ص۲۲۵)

ہم آگے چل کر ان مسائل کی بھی نشاندہی کریں گے جہاں شاگردوں نے اپنے استاد سے کھل کر اختلاف کیا ہے اور ان کی کتابوں کو ان کے حسب ذیل تلامذہ نے نقل کیا ہے :-

۱۔ ابراہیم بن رستم مروزی المتوفی ۲۱۱ھ۔ انھوں نے شیبانی سے علم حاصل کیا، مالک سے روایتیں سنیں اور اپنے استاد سے نقل کرکے کتاب النوادر مرتب کی۔ (یہ یاد رہے کہ مروزی مرو ایران کے رہنے والے تھے۔ مرو، عراق کے نہیں۔ مرو سے مروزی اس لئے بنایا گیا ہے کہ عراق و ایران کا تفرقہ برقرار رہے۔)

۲۔ احمد بن حفص الکبیر البخاری : انھوں نے شیبانی سے فقہ حاصل کی، ان کی کتابوں کی روایت کی اور خود اپنے ذاتی افکار بھی قائم کئے جن میں تمام علماء سے اختلاف کیا۔ الفوائد البہیہ ۹

۳۔ بشر بن غیاث المریسی المتوفی ۲۱۸ھ : انھوں نے چند روز ابو حنیفہ سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد ابو یوسف سے استفادہ کیا اور انھیں کے مخصوص اصحاب میں شمار ہو گئے۔ ابو یوسف ہی سے روایت کی اور انھیں کی اتنی شدید مخالفت کی کہ انھوں نے ان کی مذمت کرنا شروع کر دی۔ محدثین نے بھی انھیں درجۂ اعتبار سے گرا دیا اور ذہبی نے انھیں ناقابلِ روایت قرار دے دیا۔ (لسان المیزان ۲ ۲۹)

۴۔ بشر بن الولید بن خالد الکندی القاضی المتوفی ۲۳۸ھ : یہ ابو یوسف کے شاگرد تھے۔ انھیں کی کتابوں کی روایت کی اور معتصم کے دور میں بغداد کے قاضی بنے۔ اکثر بیانات میں شیبانی پر حملے کرتے تھے۔

دار قطنی نے ان کی توثیق کی ہے۔

صالح بن محمد کا کہنا ہے کہ یہ صادق تھے لیکن بیوقوف بھی تھے۔

(الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ)

۵۔ محمد بن الشجاع الثلجی المتوفی ۲۶۷ھ : حسن بن زیاد اور حسن بن ابی مالک سے علم فقہ سیکھا

Presented by Ziaraat.Com

اور کتاب تصحیح الآثار، کتاب النوادر، کتاب المضاربہ، کتاب الرد علی المشبہ کی تالیف بھی کی لیکن اہلِ حدیث کی نظر میں ضعیف کے ضعیف ہی رہے۔ (الفوائد البہیہ ص۱۷۱)

۶۔ ابوسلیمان موسیٰ بن سلیمان الجوزجانی : شیبانی سے علم حاصل کیا۔ مسائلِ اصول میں کتاب تالیف کی، مامون نے قضاوت کی درخواست کی لیکن اسے ٹھکرا دیا۔ السیر الصغیر اور کتاب النوادر وغیرہ کے نام سے کتابیں بھی تصنیف کیں۔

۷۔ محمد بن سماعہ التمیمی : لیث، ابویوسف، شیبانی سے روایت کی ہے اور ابویوسف و شیبانی کے شاگرد بھی رہے ہیں۔ حسن بن زیاد کی بھی شاگردی کی ہے۔ ابویوسف اور شیبانی کے بیان سے کتاب النوادر مرتب کی ہے۔ یہ ۱۳۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۱۳ھ میں رحلت فرما گئے۔ ابویوسف کے صاحبزادے یوسف کے انتقال کے بعد ۱۹۲ھ میں قضاوت کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ ان کی کتابوں کے نام ادب القاضی، کتاب المحاضرات، السجلات، النوادر وغیرہ ہیں۔

۸۔ ہلال بن یحییٰ بن مسلم : انھوں نے ابویوسف اور زفر سے فقہ حاصل کی۔ شروط و احکام وقف میں کتابیں تالیف کیں اور ۲۴۵ھ میں رحلت فرما گئے۔

۹۔ احمد بن عمر بن مہیر الخصاف المتوفی ۲۶۱ھ : حسن بن زیاد سے اپنے باپ کے ذریعہ علم حاصل کیا۔ مذہب پر اچھی نظر رکھتے تھے۔ بتدی کے لئے کتاب الخراج تالیف کی اور اس کے علاوہ کتاب الوصایا، کتاب الشروط الصغیر والکبیر، کتاب الادب القاضی، کتاب الحیل الشرعیہ کے نام سے کتابیں لکھیں۔

۱۰۔ ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ ازدی طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ : عبدالعزیز دہلوی کا بیان ہے کہ یہ باقاعدہ مقلد نہیں تھے بلکہ ابوحنیفہ کی مخالفت بھی کیا کرتے تھے، اپنی رائے میں آزاد تھے اور دلائل کے پابند۔

محمد بن عبدالحیٔ کا کہنا ہے کہ ان کا شمار ابویوسف اور شیبانی کے طبقہ میں ہونا چاہئے۔ انھوں نے امام مذہب سے اختلاف نظر بھی کیا ہے۔ اور درحقیقت یہ ایک مجتہد تھے جو ایک امام مذہب کی طرف منسوب ہو گئے ہیں۔ ورنہ انھوں نے ابوحنیفہ کی تقلید نہ اصول میں کی ہے اور نہ فروع میں۔ (الفوائد البہیہ ص۳۱)

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

یہی وہ طریقے تھے جن سے مذہب حنفی کو عروج حاصل ہوا ورنہ خود امام اعظم نے نہ کوئی کتاب تالیف کی تھی اور نہ کسی فقہ کی تدوین کی تھی۔ اس سلسلے میں سارا کام ان کے اصحاب نے انجام دیا ہے۔ اور ان لوگوں نے بھی مکمل طریقے سے اپنے امام کی تقلید نہیں کی ہے بلکہ ابو یوسف نے اہل حدیث سے احادیث کا استفادہ کیا ہے اور شیبانی نے مالک سے روایتیں لی ہیں اور اسی روایت کی بنا پر ایک بلند درجہ بھی حاصل کیا ہے۔ (ابوحنیفہ محمد ابوزہرہ ص۲۴۱)

اسی بنیاد پر ان حضرات کو ابوحنیفہ کے مذہب کا پابند خیال کرنا ایک کھلی ہوئی غلطی ہے۔ ابن عابدین کا بیان ہے کہ "جب امام نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ ان مقررہ اصولوں سے استنباط کیا جائے تو ہر استنباط کرنے والے کو ان کا مقلد ہی کہا جائے گا۔ اس لئے کہ اس نے امام کے حکم پر عمل کیا ہے"۔ اور یہی بات علامہ بیری نے ابن شحنہ کی شرح الہدایہ کی شرح میں تحریر فرمائی ہے کہ "اگر کوئی حدیث صحیح ابوحنیفہ کے خلاف مل جائے تو اس پر بھی عمل ہونا چاہئے اور وہی حکم ابوحنیفہ کا حکم کہا جائے گا کہ ابوحنیفہ کا ارشاد تھا کہ حدیث صحیح پر عمل ہی میرا مذہب ہے۔ اب جو شخص بھی ان کے اس ارشاد کے مطابق حدیث صحیح پر عمل کرکے اس سے استنباط کرے گا، اسے ان کے مقلدین میں شمار کیا جائے گا۔ اس لئے کہ اس نے ان کے حکم سے ایسا کیا ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اگر انھیں یہ حدیث مل جاتی تو وہ بھی اسی پر عمل کرتے"۔ (ابوحنیفہ ص۲۵۱)

درحقیقت ان اقوال کی بے ربطی کسی بیان کی محتاج نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس بیان کا لازمہ تو یہ ہے کہ صحیح حدیث سے استنباط کرنے والے کو ابوحنیفہ کا مقلد بنا دیا جائے جو کسی طرح بھی معقول نہیں ہے۔ اور شاید ان لوگوں کا یہی نظریہ تھا جس کی بنا پر ابوحنیفہ کو علی الاطلاق اعلم اور افضل التابعین کا لقب دے دیا گیا ورنہ ان کی علمی جلالت بھی معلوم ہے۔

مختصر یہ ہے کہ ابوحنیفہ کے صحیح مذہب اور ان کی ذاتی رائے کا معلوم کرنا انتہائی دشوار ہے۔ آج مذہب حنفی کی فقہ ہمارے سامنے ہے۔ اس میں ان سے زیادہ ان کے اصحاب اور شاگردوں کا ہاتھ ہے۔ جسے کسی طرح بھی ان کی فقہ نہیں کہہ سکتے ہیں۔

دوسری دشواری یہ بھی ہے کہ شیبانی نے اپنی کتابوں میں تمام فقہاء عراق کے اقوال کو جمع کر دیا ہے اور ابوحنیفہ کی رائے کو مستقل طور پر بیان نہیں کیا ہے۔

بعد میں آنے والی نسل نے بھی اس نکتہ کی طرف توجہ نہیں کی اور پوری کتاب کو حنفی فقہ کا ماخذ بنا دیا۔ باوجودیکہ اس میں غیر حنفی فقہ کا بھی معقول مواد موجود تھا۔ یہ بہت بڑی ناانصافی تھی کہ ایک ابوحنیفہ کی شخصیت کو نمایاں کرنے کے لئے ان کے تمام اصحاب، تلامذہ اور عراق کے جملہ فقہاء کے ارشادات کو ان کی بھینٹ چڑھا دیا جائے۔" (ابوحنیفہ، محمد ابو زہرہ)

مختصر یہ ہے کہ حنفی مذہب کی تشکیل میں اتنے ہاتھ لگ گئے ہیں کہ اس کا دوسرے مذاہب کے ساتھ موازنہ تقریباً ناممکن سا ہو گیا ہے۔ اب فقط ایک صورت یہ رہ گئی ہے کہ حنفی مذہب کے تمام علماء و اصحاب اور فقہاء عراق کے تمام افکار و آراء کو ایک طرف رکھ کر دیگر مذاہب کے ایک ایک عالم سے مقابلہ کیا جائے جو انتہائی غیر معقول بات ہے۔ مذہبی تقابل کے میدان میں حنفی مذہب کا نام صرف اسی عنوان سے آسکتا ہے کہ ایک ایک مسئلہ میں ان کی رائے کو دیگر مذاہب سے ملا کر دیکھا جائے اور پھر حقیقت کا فیصلہ کیا جائے جیسا کہ ہم آیندہ صفحات میں کریں گے۔

Presented by Ziaraat.Com

ابوحنیفہ اور امام صادقؑ

تاریخ بتاتی ہے کہ ابوحنیفہ کا دور مباحثوں اور مناظروں سے معمور تھا۔ کہیں اسلام والحاد میں مباحثہ، کہیں فقہی مکاتب میں مناظرہ اور کہیں کسی، اور رنگ کی بحث۔

ابوحنیفہ اپنی فطری صلاحیت کے اعتبار سے اس میدان کے شہسوار تھے۔ انھیں طرزِ استدلال پر اتنا عبور تھا کہ رائی کو پہاڑ اور بقول امام مالک مٹی کو سونا بنا دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔

ظاہر ہے کہ ایسے آدمی کو اس ماحول سے بے حد فائدہ اٹھانا چاہئے تھا جب کہ حکومتِ وقت کی نظریں اسی پر جم رہی ہوں اور منصور بھی اسے احترام و عزت کی نگاہ سے دیکھ رہا ہو۔

ابوحنیفہ کے مناظرانہ کمال کی شہرت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ جب منصور نے یہ طے کر لیا کہ امام جعفر صادقؑ کی بڑھتی ہوئی شہرت اور ان کے علمی چرچے کو حکومت کے زور پر نہیں دبایا جا سکتا تو وہ ابوحنیفہ کا سہارا لینے پر مجبور ہو گیا۔ مقصد یہ تھا کہ امام کے مقابلہ میں مکہ و مدینہ اور کوفہ و قم میں ایسے علمی حلقے قائم کر دیئے جائیں جو امام کی مرجعیت کو توڑ دیں اور ان کی طرف سے لوگوں کے رخ موڑ دیں۔

اس سلسلے میں اس نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ امام کو مدینہ سے کوفہ طلب کیا اور ابوحنیفہ کو بلا کر یہ فرمائش کی کہ ان کے لئے سخت ترین مسائل تیار کریں تاکہ وہ ان مسائل کے جواب سے عاجز رہیں اور حکومت کا واقعی منشا پورا ہو جائے۔ اس واقعہ کو خود ابوحنیفہ اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ "میں نے

Presented by Ziaraat.Com

منصور کے حکم سے چالیس مسائل تیار کئے۔ اس کے بعد منصور نے مجھے حیرہ بلا بھیجا۔ وہاں پہنچا تو کیا دیکھا کہ امام جعفر صادقؑ منصور کے پہلو میں تشریف فرما ہیں۔ مجھ پر منصور کی ہیبت کا وہ اثر نہ ہو سکا جو امامت کے رعب و جلال کا ہوا۔ میں گھبرا گیا اور امام کا اشارہ پا کر بیٹھ گیا منصور نے امامؑ کی طرف رخ کر کے کہا کہ یہ ابوحنیفہ ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں واقف ہوں۔ اس کے بعد منصور نے کہا کہ اپنے مسائل پیش کرو۔ میں نے مسائل پیش کرنا شروع کئے اور امام جواب دینے میں مصروف ہو گئے۔ آپ کا طرزِ جواب یہ تھا کہ اس مسئلہ میں مدینہ والوں کی یہ رائے ہے۔ تم لوگوں کا یہ خیال ہے اور میرا یہ فتویٰ ہے۔ میں نے اسی طرح سے چالیس سوال کر ڈالے اور آپ سب کے بالتفصیل جوابات دیتے رہے اور ہماری روایتوں میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ سب سے بڑا عالم وہ ہے جو اختلاف پر زیادہ نظر رکھتا ہو۔ اس بنا پر امام صادقؑ سے بڑا کوئی عالم نہیں ہو سکتا ہے۔"

امام علیہ السّلام کا یہ دستور تھا کہ آپ ابوحنیفہ کو برابر قیاس سے منع فرماتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ قیاس ابلیس کی ایجاد ہے۔ اس سے پرہیز کرو۔ (الطبقات الکبریٰ للشعرانی ۲۸ ، حلیۃ الاولیاء ۱۹۳)

ایک مرتبہ آپ نے ابوحنیفہ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ اگر کوئی شخص حالتِ احرام میں ہرن کے آگے کے چاروں دانت توڑ ڈالے تو کیا کفارہ ہوگا؟

انھوں نے عرض کیا۔ یا ابنِ رسولؐ اللہ میں اس مسئلہ سے واقف نہیں ہوں۔

آپ نے فرمایا کہ افسوس! تم تو بڑے چالاک بنتے ہو اور تمھیں یہ خبر نہیں ہے کہ ہرن کے ایسے دانت ہی نہیں ہوتے ہیں۔

ابونعیم کا بیان ہے کہ ابوحنیفہ، عبداللہ بن ابی شبرمہ اور ابن ابی لیلیٰ یہ تینوں اشخاص امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ابن لیلیٰ سے پوچھا کہ یہ تمھارے ساتھ کون ہے؟

انھوں نے عرض کی کہ امورِ دین کا بہت بڑا بابصیرت عالم!

آپ نے فرمایا شاید یہی امورِ دین میں قیاس کرتے ہیں۔

انھوں نے عرض کیا، جی ہاں!

آپ نے فرمایا تمھارا نام کیا ہے؟

Presented by Ziaraat.Com

ابو حنیفہ نے جواب دیا، نعمان!

آپ نے فرمایا تم کچھ نہیں جانتے ہو۔ اور یہ کہہ کر آپ نے سوالات شروع کر دیئے۔ ابو حنیفہ کسی ایک کا جواب نہ دے سکے تو حضرت نے فرمایا۔ اے نعمان میرے پدر بزرگوار نے بسلسلۂ عصمت، رسول اکرمؐ سے یہ روایت کی ہے کہ سب سے پہلے امر دین میں ابلیس نے قیاس کیا تھا۔ اللہ نے سجدہ کا حکم دیا اور وہ آگ، مٹی کے موازنہ میں لگ گیا ـــــ یاد رکھو جو شخص قیاس کرے گا وہ قیامت کے دن ابلیس کے ساتھ محشور ہوگا۔

ابن شبرمہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت نے یہ مسائل پوچھے۔ اے ابو حنیفہ قتل بڑا گناہ ہے یا زنا؟

ابو حنیفہ نے جواب دیا قتل!

فرمایا، پھر قتل میں دو گواہ کیوں کافی ہیں اور زنا میں چار کی ضرورت کیوں ہوتی ہے؟

اے نعمان، یہ بتاؤ کہ نماز زیادہ اہم ہے یا روزہ؟

ابو حنیفہ نے عرض کیا، نماز!

فرمایا، پھر عورت پر حالتِ حیض کے روزوں کی قضا کیوں واجب ہے اور نماز کی قضا کیوں نہیں ہے؟

ابو حنیفہ نے کوئی جواب نہ دیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ تمہارا قیاس ہے جو کہیں بھی کام نہیں آتا ہے۔

(حلیۃ الاولیاء ۳ ۱۹۷)

تاریخ نے نہ جانے کتنے ایسے مواقع محفوظ کئے ہیں جہاں ابو حنیفہ کو سر تسلیم خم کرنا پڑا ہے اس لئے کہ وہ اپنی صلاحیت و استعداد سے بھی باخبر تھے اور امام کی معرفت بھی رکھتے تھے۔ انھیں معلوم تھا کہ ان کا مقصد مسلمانوں کو صحیح راستہ پر لگانا ہے اور ان کا گھر علماء و حکماء کا مدرسہ ہے جہاں دور دراز کے لوگ اپنی علمی تشنگی کو دور کرنے کے لئے حاضر ہوتے ہیں اور اپنے مشکلات حل کراتے ہیں۔ ان کا قول فیصلہ کن اور ان کا جواب دندان شکن ہوتا ہے۔ یہ جب بھی کوفہ آجاتے ہیں تو سب بارگاہیں سنسان ہو جاتی ہیں اور طالبانِ فضل و کمال موقع کو غنیمت جان کر ان کے گرد ہجوم کر لیتے ہیں۔

ابو حنیفہ کے بارے میں یہ مسلّم ہے کہ وہ اکثر اوقات امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں آکر نہایت

Presented by Ziaraat.Com

ادب واحترام کے ساتھ آپ سے علمی مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔ اور گفتگو میں ہمیشہ جعلت فداک (قربان شما) کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ انھوں نے امام سے بہت سی روایتیں نقل کی ہیں۔ جنھیں ان کی حدیثیں جمع کرنے والوں نے اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے اور ابو یوسف نے کتاب الآثار میں درج کیا ہے۔

ابوحنیفہ کا اہلبیتؑ کی طرف رجحان و میلان ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے جس سے تاریخی اعتبار سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے اکثر مواقع پر اس خانوادہ کا ساتھ دیا ہے۔ زید بن علیؑ کے انقلاب میں ان کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ وہ زید کے ساتھ خروج کو جنگ بدر میں رسولؐ اللہ کے ساتھ جہاد کے برابر سمجھتے تھے۔

ان سے پوچھا گیا کہ زید کے جہاد میں آپ نے کیوں شرکت نہیں کی؟ تو انھوں نے فرمایا کہ میرے پاس کچھ امانتیں رکھی ہوئی تھیں جنھیں ابن ابی لیلیٰ نے لینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس لئے میں مجبور ہو گیا۔ (ابوحنیفہ محمد ابوزہرہ ص ۱، مناقب ابی حنیفہ للبزازی ۱ ص ۵۵)

محمد بن عبداللہ بن الحسن اور ان کے بھائی ابراہیم کے جہاد میں بھی ان کی مدد شامل تھی اور وہ لوگوں کو ان کی ہمراہی پر ابھار رہے تھے۔ (مناقب ابی حنیفہ للمکی ۲ ص ۸۴)

ایک عورت نے ان کے پاس آکر اپنے بیٹے کی شکایت کی کہ اس کا رجحان ابراہیم کی طرف ہے اور وہ میرے منع کرنے پر بھی نہیں مانتا ہے تو انھوں نے فرمایا کہ تو منع ہی کیوں کرتی ہے؟ (مناقب ابی حنیفہ مکی ۲ ص ۸۴)

ابو اسحٰق فزاری کہتے ہیں کہ میں نے ابی حنیفہ سے یہ شکایت کی کہ تم نے ابراہیم کے ساتھ خروج کا حکم کیوں دے دیا۔ میرا بھائی اس سلسلہ میں بلا وجہ کام آگیا؟ تو انھوں نے فرمایا کہ ابراہیم کے ساتھ شہادت زندگی سے بہتر ہے۔ تمھارے بھائی کو شہدائے بدر کا مرتبہ مل گیا ہے۔ (مقاتل الطالبین ص ۲۴۶) اس گفتگو کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابو اسحٰق نے ابوحنیفہ سے اظہار نفرت شروع کر دیا۔

ابوحنیفہ نے ابراہیم کو ایک خفیہ خط بھی لکھا کہ آپ کوفہ کا ارادہ کریں۔ یہاں زیدی حضرات آپ کی کمک کریں گے۔ یہ لوگ خود ہی اس فکر میں ہیں کہ ایک دن ابوجعفر کی گردن کاٹ کر آپ کے پاس پیش کر دیں۔ یہی سبب ہوا کہ مرجیہ نے ابوحنیفہ کی مخالفت شروع کر دی۔ (مقاتل الطالبین ص ۲۴۷)

Presented by Ziaraat.Com

ابوحنیفہ کے سامنے جب بھی محمد بن عبداللہ بن الحسنؑ کا ذکر آتا تھا ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ (مناقب کردری ۲ ص۷۲)

یہی وہ حالات تھے جن کی بنا پر بعض لوگوں نے ابوحنیفہ کو زیدی شیعہ تک کہہ دیا ہے۔ چنانچہ محمد ابوزہرہ اپنی بحث کے خاتمہ پر فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہ اپنے افکار و رجحانات کے اعتبار سے شیعہ تھے۔ انھوں نے خلافت کو اولاد فاطمہؑ کا حق سمجھا۔ اور حکومت وقت کو ہمیشہ غاصب سمجھتے رہے۔ (ابوحنیفہ ص۱۶۵)

ان کا خیال تھا کہ جنگ جمل وغیرہ میں حق حضرت علیؑ کے ساتھ تھا۔ اور مقابل سب باطل پر تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ان سے جنگِ جمل کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ "حضرت علیؑ نے انصاف سے کام لیا تھا اور انھوں نے لوگوں کو باغیوں سے جہاد کا سلیقہ سکھایا تھا۔ (مناقب مکی ۲ ص۸۴)

"جس نے علیؑ سے جنگ کی وہ باطل پر رہا اور علیؑ حق پر رہے"۔

"علیؑ نے طلحہ و زبیر سے اس لئے جنگ کی کہ ان لوگوں نے بیعت کے بعد بھی مخالفت کی تھی"۔

"اہل شام صرف اس لئے میری مخالفت کرتے ہیں کہ میں علیؑ کا طرفدار اور معاویہ کا دشمن ہوں"۔

"اہلِ حدیث مجھ سے اس لئے نفرت کرتے ہیں کہ میں محب اہلبیتؑ ہوں۔ ان کے فضائل کا اعتراف کرتا ہوں اور حضرت علیؑ کی خلافت کا قائل ہوں"۔

اس قسم کے بے شمار واقعات اور بیانات تاریخ کے اوراق میں موجود ہیں لیکن مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے کہ وہ شیعہ تھے یا غیر شیعہ۔ یہ بات میرے موضوع سے خارج ہے۔ مجھے اس وقت صرف اس بات کی طرف اشارہ کرنا تھا کہ منصور کا انھیں زہر دلانا کس بنیاد پر تھا۔ اس کا سبب بھی خانوادۂ رسالتؐ کی امداد ہی تھا۔ یا اس کی پشت پر قضاوت سے انکار کام کر رہا تھا۔ مورخین نے اس مقام پر کافی اختلاف کیا ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس کا سبب صرف قضاوت سے انکار تھا اور بس۔

بات صرف یہ تھی کہ منصور نے انھیں کوفہ سے بغداد بلا کر ان سے قضاوت کے لئے کہا۔ انھوں نے انکار کر دیا۔ اس نے گرفتار کر لیا اور وہ زندان ہی میں راہی عدم ہو گئے۔ اس قصہ میں بھی بعض حضرات نے

Presented by Ziaraat.Com

قضاوت کا سرے سے انکار کیا ہے اور بعض کا بیان ہے کہ مجبوراً قضاوت قبول کر لی تھی لیکن اسی صدمہ میں جاں بحق تسلیم ہو گئے۔ (مناقب ابو حنیفہ بزازکی)

بعض مورخین کا کہنا ہے کہ چونکہ ان پر ابراہیم کے شیعوں میں محبوب ہونے کی تہمت تھی اور انھوں نے ان کے ساتھ خروج کے واجب ہونے کا فتویٰ دیا تھا اس لئے منصور نے انھیں کوفہ سے طلب کیا تھا۔

ابوالفرج اصفہانی نے عبداللہ بن ادریس کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ابو حنیفہ سے دو آدمیوں نے محمد اور ابراہیم کے ساتھ خروج کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا تو انھوں نے اس خروج کو لازم قرار دیا اور ابراہیم کو خفیہ خط لکھا کہ آپ کوفہ کی طرف آئیے۔ یہاں آپ کے شیعہ ابو جعفر منصور کی تاک میں لگے ہیں۔ آپ کی سرپرستی میں یہ اس کا کام تمام کر دیں گے ــــــ منصور کو اس خط کی اطلاع مل گئی اور اس نے انھیں زہر دے کر ان کا کام تمام کرا دیا۔ (مقاتل الطالبین ص۳۶۴)

ابوالفرج کے اس بیان پر اس لئے اعتماد نہیں ہو سکتا ہے کہ ابراہیم کا قتل ۱۴۵ھ میں واقع ہوا ہے اور ابو حنیفہ کا انتقال ۱۵۰ھ۔ اب نہ یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ خط پکڑے جانے تک منصور پانچ سال تک ابو حنیفہ کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کر سکا جب کہ قتل و غارت اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا اور وہ ابو مسلم جیسے بڑے بڑے لوگوں کا خاتمہ کرا چکا تھا اور نہ کوئی ایسا زہر ہی فرض ہو سکتا ہے جس کا اثر اتنی دیر کے بعد ظاہر ہو۔ یہ ضرور ممکن ہے کہ منصور کو اس خط کی اطلاع اتنے عرصہ کے بعد ہوئی ہو اور اس نے اطلاع کے بعد ابو حنیفہ کے قتل کا اقدام کیا ہو۔

ابو حنیفہ ہی کی طرح محمد اور ابراہیم کے ساتھ مالک بن انس، اعمش، مسعر بن کدام، عبادہ بن عوام، عمران بن داؤد قطان اور شعبہ بن الحجاج وغیرہ کی رائے بھی تھی۔ ان میں بعض حضرات ان کے لشکر کے سپاہی بھی رہ چکے تھے۔ اور ان کے ساتھ شہادت کو جنگ بدر کی شہادت کے ہم پلہ تصور کرتے ہوئے ان کے معرکہ کو بدر صغریٰ سے تعبیر کر رہے تھے منصور نے ان فقہاء کو صرف اس لئے نظر انداز کر دیا تھا کہ اسے ایسے بے شمار فقہاء کی ضرورت بھی تھی جن کا اجتماع و اشتہار امام جعفر صادقؑ کی شخصیت اور مرجعیت کو متاثر کر سکے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ابو حنیفہ مالک کی طرح سست آدمی نہ تھے۔ مالک نے پہلے محمد کے

Presented by Ziaraat.Com

مسائلہ خروج پر زور دیا لیکن جب منصور نے ان پر عتاب نازل کیا تو اس کے ہم خیال ہو گئے اور یہاں تک کہنے پر آمادہ ہو گئے کہ حضرت علیؑ کو کسی صحابی پر تقدم حاصل نہیں ہے ـــــ لیکن ابو حنیفہ اپنی رائے پر آخر وقت تک ثابت قدم رہے۔ مصائب و مظالم نے ان کے موقف میں کوئی تغیر نہیں پیدا کیا۔ وہ حضرت علیؑ کو تمام صحابہ یا کم از کم حضرت عثمان سے بہتر سمجھتے تھے اور حکومتِ وقت کو علی الاعلان ناجائز قرار دیتے تھے جو آخر دم تک کرتے رہے۔

ابو حنیفہ کے سانحۂ قتل کا کوئی سبب بھی بیان کیا جائے لیکن اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس حادثہ کا بنیادی محرک ان کا حکومتِ وقت کے خلاف صریحی اعلان تھا جس نے انھیں منصور کی نظروں پر چڑھا دیا اور اس نے ان کا کام تمام کرا کے دم لیا۔

ابو حنیفہ کا علماء شیعہ سے ارتباط و تعلق بھی قابلِ تشکیک و انکار نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ابو عصمہ نے اس سلسلے میں یہ داستان وضع کر دی ہے کہ ان سے راویوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ ہر راوی کی روایتیں لے لو سوائے شیعوں کے کہ ان کا مسلک اصحابِ رسولؐ کی توہین و تذلیل ہے اور ان سے روایت کرنا ناجائز ہے۔

اس روایت میں پہلی کمزوری یہ ہے کہ اس کا راوی نوح بن مریم مروزی متوفی ۱۷۳ھ ہے جو اپنے جعلساز ہونے میں شہرۂ آفاق تھا۔

حافظ زین الدین عراقی نے اس کے حالات میں نقل کیا ہے کہ اس سے یہ دریافت کیا گیا کہ تم نے فضائل قرآن کے بارے میں عکرمہ سے اتنی روایتیں کیوں کر بیان کر دیں تو اس نے جواب دیا کہ لوگ قرآن سے غافل ہو رہے تھے اس لئے میں نے بر بنائے ضرورت یہ حدیثیں وضع کر دی ہیں تاکہ فقہ ابو حنیفہ اور مغازی محمد بن اسحاق کے بجائے قرآن ہی پڑھا جائے۔

بخاری نے اسے معلّی بن ہلال کے درجہ کا جعلساز قرار دیا ہے۔ (شرح الفیہ عراقی ۱ صـ۱۶۸، الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ صـ۲۲۱)

ابن حجر نے اس کی تکذیب کو اجماعی قرار دیا ہے۔ (لسان المیزان ۶ صـ۱۶۸)

ابو عصمہ کا مقصد اس روایت سے صرف یہ تھا کہ امام ابو حنیفہ کے ماننے والوں کے ذہن میں شیعوں کی طرف سے یہ غلط فہمی پیدا کر دی جائے کہ وہ صحابۂ کرام کی توہین و تذلیل کرتے ہیں اور ان کے کسی احترام

Presented by Ziaraat.Com

کے قائل نہیں ہیں جو اس تحقیق و تفتیش کے دور میں کسی طرح بھی قابلِ توجہ نہیں ہو سکتی ہے۔

ابوعصمہ کے اس بیان میں دوسری کمزوری یہ ہے کہ ابوحنیفہ خود بھی شیعوں سے روایت کرتے تھے۔ ان کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ شیعوں سے روایت کرنے کو حرام کرسکیں اس لئے کہ یہ بات ان کے کردار کی خامی کی اعلیٰ ترین دلیل ہوتی۔ ابوحنیفہ کی کتابیں "کتاب الآثار"، "کتاب الخراج"، "کتاب الرد علی الاوزاعی" شیعہ علماء کے روایات سے بھری ہوئی ہیں۔ جن میں سے بعض کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

جابر بن یزید بن حارث جعفی المتوفی ۱۲۸ھ، حبیب بن ثابت کوفی متوفی ۱۱۹ھ مخول بن ابی راشد نہدی متوفی ۱۴۱ھ، سلمہ بن کہیل حضرمی ۱۱۳ھ، اجلح کندی ۱۴۵ھ، اسماعیل بن عبدالرحمٰن کوفی ۱۲۷ھ منہال بن عمر کوفی اسدی بن ثابت کوفی ۱۱۶ھ، زبید بن الحارث کوفی ۱۲۲ھ۔

ابوحنیفہ کی علماء شیعہ اور ائمہ اہلبیتؑ کی شاگردی سے انکار تاریخ کی واضح حقیقت کو جھٹلانے کے مرادف ہے۔ جو حق و انصاف کی بارگاہ میں کسی طرح قابلِ معافی نہیں ہو سکتا ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

خلاصۂ بحث

(۱)

عام طور پر اظہارِ حقیقت طبیعتوں پر صرف اس لئے گراں گذرتا ہے کہ عوامی مزاج اندھی تقلید اور ناروا تعصب کا شکار رہتا ہے۔ اس میں حقیقت کے برداشت کرنے کی سکت اور صلاحیت نہیں ہوتی ہے۔ پھر مذاہب کے سلسلے کی بحث بھی ایک ایسی گفتگو ہے جس میں ناخوشگوار باتوں کا درمیان میں آجانا ناگزیر ہے۔ اس لئے کہ حقیقت کی راہیں پیچیدہ اور ان کی رکاوٹیں بے شمار ہوتی ہیں۔ قدم قدم پر بغض و عناد کے امکانات اور ہر لمحہ اختلاف کی بھیانک تصویریں سامنے آتی ہیں مسلمانوں کی ایک مسلسل تاریخ ہے جو باہمی تعصب و اختلاف ہی کو روحِ مذہب سمجھے ہوئے ہے۔ اس میں بغض و عناد ہی جان تہذیب بنا ہوا ہے۔ یہاں ہر شخص اپنے مذہب کی تائید میں روایتیں وضع کرنے اور دوسرے کے مذہب پر غلط تنقید کرنے ہی کو اہم فریضہ تصور کرتا ہے۔

مسلمانوں نے ایک لمحہ کے لئے بھی یہ زحمت نہیں کی کہ سنجیدگی کے ساتھ اپنے اختلافات کی اصلیت اور ان کے دور کرنے کے وسائل پر غور کریں اور یہ سوچیں کہ ہم میں ایک دوسرے سے عداوت کا بنیادی جذبہ کیسے پیدا ہو گیا؟ ہمارا ضمیر اختلاف کیوں کر بن گیا۔ ہمیں ہوا و ہوس، جذبات و احساسات کی گونج میں صدائے اتحاد کا شعور کیوں نہیں ہوتا؟ بلکہ ان ناخوشگوار حالات کو کچھ ایسے افراد بھی مل گئے جنھوں نے اختلافات کی خلیج کو وسیع تر بنانے ہی کو ایک مقدس فریضہ تصور کیا اور اسی کو سلطنت کی بنیادوں کو مضبوط کرنے یا اقتدار کی پیاس بجھانے کا بہترین وسیلہ قرار دیا۔ انھیں یہ معلوم تھا کہ

Presented by Ziaraat.Com

امت کا اتحاد ہماری راہوں میں رکاوٹ پیدا کرے گا اور ہمارے اقتدار کو ہمہ گیر نہ ہونے دے گا اس لئے انھوں نے اس رکاوٹ کو دور کرنے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا اور اس طرح اسلامی معاشرہ ان تمام مشکلات کا شکار ہوگیا جن کے نتائج آج ہمارے پیش نظر ہیں۔

۲

ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ حکامِ جور نے اپنی حکومتوں کا سارا زور اس ایک بات پر صرف کر دیا تھا کہ دنیا کو آلِ محمدؐ سے منحرف کر کے عوامی ذہنوں میں ایسے احساسات پیدا کر دیئے جائیں کہ وہ ان حضرات کی طرف رخ بھی نہ کر سکیں۔ چنانچہ اس منحوس سیاست کا نتیجہ یہ تھا کہ شیعہ، حکومت کی نظروں میں سما نہ سکے اور انھیں تمام مصائب و آلام کا شکار ہونا پڑا۔

شیعہ، آلِ رسول پاکؐ کو اولی الامر، حاملِ روحِ اسلام، داعیانِ شریعت، نمونۂ قدس و طہارت اور دینِ الٰہی کا ابلتا ہوا چشمۂ ہدایت سمجھتے تھے۔ ان کی نظر میں آلِ رسولؐ کا اتباع لازم اور ان سے انحراف حرام تھا۔ وہ مصائب برداشت کر سکتے تھے لیکن آلِ محمدؐ کا دامن نہ چھوڑ سکتے تھے۔ مظالم کا سامنا کر سکتے تھے لیکن ان سے منہ نہ موڑ سکتے تھے۔

حکومتِ وقت نے دیکھا کہ ان فدایانِ آلِ محمدؐ کو رعب و داب، ظلم و ستم اور جور و جفا کے زور پر نہیں دبایا جا سکتا ہے چنانچہ اس نے ان کی آواز کو دبانے کے لئے ایک نئی راہ نکالی اور قدم قدم پر تہمتوں کے انبار لگنے لگے۔ انھیں یہ معلوم تھا کہ یہ تمام تہمتیں حقیقت سے بیگانہ اور انصاف سے بعید ہیں لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اپنی حکومت کو مضبوط بنانے کا کوئی اور وسیلہ بھی نہیں ہے۔ جب تک اس قوم کی آواز میں زور رہے گا ہمارا اقتدار پروان نہیں چڑھ سکتا ہے۔ انھوں نے اپنے استحکام کے سلسلے میں ہر امکانی قدم اٹھایا اور شیعوں کی مخالفت کا کوئی ایک دقیقہ بھی اٹھا نہیں رکھا۔

حد ہو گئی کہ ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ میں صاف صاف لکھ دیا کہ اکثر فقہاء نے بعض مستحبات کو ترک کر دینے ہی کو بہتر قرار دیا ہے کہ رافضیوں نے ان مستحبات کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ اب اگر ہم بھی ایسا ہی کریں گے تو ان سے مشابہت پیدا ہو جائے گی اور سنّی و رافضی میں امتیاز نہ رہ جائے گا۔ حالانکہ یہ امتیاز رافضیوں سے قطع تعلق کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ ان سے قطع تعلق کی مصلحت سنّت کی مصلحت سے کہیں زیادہ اہم ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

ہدایہ کے مصنف رقمطراز ہیں کہ داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہننا مستحب ہے لیکن ہم بائیں ہاتھ میں صرف اس لئے پہنتے ہیں کہ اسے رافضیوں نے اپنا شعار بنالیا ہے۔

حضرت غزالی فرماتے ہیں کہ قبروں کا مسطح بنانا مطابق شریعت تھا لیکن چونکہ یہ رافضیوں کا شعار بن گیا ہے اس لئے ہم کوہان نما بناتے ہیں۔ (الغدیر ۱۰ ۲۱۰)

شیخ محمد عبدالرحمٰن اپنی کتاب رحمۃ الامہ فی اختلاف الائمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ مذہب شافعی کی بنا پر قبروں کا مسطح ہونا ہی مطابق شرع اور افضل ہے لیکن ابوحنیفہ اور احمد نے اس کی مخالفت کی ہے کہ یہ رافضیوں کا شعار بن چکا ہے۔ (حاشیہ میزان شعرانی ۱ ۸۸)

(۳)

شیعوں کے سامنے یہ تمام مصائب و آلام صرف اس لئے آئے کہ وہ آل محمدؐ کے پیرو اور ان کے طرفدار تھے۔ وہ کسی بھی قیمت پر ان کا ساتھ چھوڑنا گوارا نہ کرسکتے تھے۔ انھوں نے اپنی روش میں تبدیلی پیدا کر کے امت کا ساتھ دے دیا ہوتا تو انھیں ان حالات کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ وہ اس امر سے بخوبی واقف تھے کہ حکومت کی پالیسی آل محمدؐ کو مٹا دینے سے ہم آہنگ ہے۔ اب اپنے مصائب سے گھبرا کر اس کا ساتھ دے دینا آلِ رسولؐ کی تباہی میں حصہ لینے کے مرادف ہے جو کسی طرح بھی روا نہیں ہوسکتا ہے۔

حکومت نے شیعوں کو اذیت دینے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ مصر میں بنی ایوب کے بادشاہوں نے روز عاشور کو صرف اس لئے روز مسرت بنالیا کہ شیعہ اس دن کو قیامت سے کم نہیں سمجھتے ہیں۔ وہ فرزند رسولؐ کی شہادت کو کائنات کا سب سے عظیم حادثہ تصور کر کے اس دن کو رنج والم اور حزن و بکا میں گذارتے ہیں۔ (خطط مقریزی)

شیعوں کے دشمنوں کو معلوم تھا کہ یہ سلسلہ حجاج بن یوسف کے زمانہ سے قائم ہوا ہے۔ اور اس میں حجاج کی اہلبیتؑ دشمنی کا پورا پورا ہاتھ تھا لیکن انھوں نے اس بات کی کوئی پروا نہ کی اور اپنے مظالم کے سلسلہ کو جاری رکھا اور محرم کو عید بنائے رہے۔ روح رسالت تڑپتی رہی اور مسلمان خوشی مناتے رہے۔

Presented by Ziaraat.Com

[illegible]

(٥)

[illegible]

(ل)

Presented by Ziaraat.Com

سے دور کا بھی تعلق نہیں رکھتی ہے۔

اے خدا ہمارے اور اس قوم کے درمیان حق کا فیصلہ کرنا تاکہ ہمارے دل ہدایت کے بعد منحرف نہ ہو سکیں۔ ہم تجھ پر ایمان لائے اور ہم نے تیرے نبی اور اس کے ان تمام اصحاب کا اتباع کیا ہے۔ جو ان کے راستہ پر گامزن اور ان کی ہدایت کے پرستار تھے۔ ہم ان اصحاب کرام کے پیرو ہیں جنھوں نے دل سے حق کی دعوت قبول کی۔ اخلاص کے جذبہ کے ساتھ عمل کیا۔ امت کے مفاد کو اپنے ذاتی فائدہ پر مقدم رکھا۔ کفار پر سخت اور اہل ایمان پر نرم رہے۔ تیری رضا کے طلبگار اور تیرے دین کے پرستار بنے۔ شعائر اسلام کو ظاہر کیا، فرائض الٰہیہ کو حیات نو بخشی، نبی کریمؐ کی نصرت کی، ان کے ساتھ نازل ہونے والے نور کا اتباع کیا۔ باہمی معاونت سے کام لیا اور تیرے دین کا وقار بڑھایا امت میں برادری کے جذبات استوار کئے۔ اور تیرے عہد کو پورا کیا۔

خداوندا! ہم ان تمام منافقین سے بیزاری کا اعلان کرتے ہیں جو تیرے نبیؐ کے قتل کی سازش میں شریک ہوئے۔ جو دل سے ایمان نہیں لائے اور صرف زبان سے کلمہ پڑھتے رہے۔ تیرے حبیب کے پاس آکر ایمان کی شہادت دیتے رہے اور تو نے ان کی تکذیب کر دی۔ اپنی قسموں کو آلۂ کار بنائے رہے اور تو نے انھیں دین حق کا معاند و مخالف ٹھہرایا۔

وہ منافقین جو تجھے اور تیرے رسولؐ کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے رہے۔ جنھوں نے ریاکاری کے لئے نمازیں قائم کیں، تیرے ذکر میں کوتاہی کی، کفر و ایمان کے درمیان زندگی گذاری۔ اور گمراہ کے گمراہ ہی رہے۔ جنھوں نے تیرے حبیب سے بغاوت کی اور اہل ایمان سے الگ ایک نیا جادہ اختیار کیا، جن کی سزا تو نے اپنے قرآن میں جہنم قرار دی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اگر اس الزام کی کوئی حقیقت ہوتی تو شیعوں کا اس سے بڑا کوئی جرم نہ ہوتا لیکن افسوس کہ اس تہمت کو حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ علماء سوء کی طبعزاد داستان اور ضمیر فروشوں کی گڑھی ہوئی کہانی ہے۔ اس کی پشت پر حکومتوں کی خواہش اقتدار اور ملاؤں کی زر پرستی رہی ہے۔ ورنہ کیا یہی انصاف تھا کہ معاویہ کی جماعت پر علمی تنقید کرنے والے گروہ کو ناقابل اعتبار اور دین سے منحرف کہہ دیا جائے۔ کیا تقاضائے عدالت یہی تھا کہ حضرت علیؑ پر سب و شتم کرنے والے افراد کی روایتوں کو بہ فخر و ناز بیان کیا جائے اور علیؑ کے دشمنوں سے برائت کرنے والی قوم کے اقوال کو

Presented by Ziaraat.Com

درخورِ اعتنا رنہ قرار دیا جائے۔

افسوس کہ اب اس موضوع کی تفصیل کا موقع نہیں رہا ورنہ ہم یہاں بھی دکھ بھری داستان آپ کے سامنے پیش کرتے۔ ہمارا خیال یہ تھا کہ یہ ساری باتیں عہد کہن کی داستانیں بن چکی ہیں۔ انھیں قصۂ پارینہ کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے کہ اب نہ حکومتوں کا دباؤ ہے اور نہ تعصب کی گرم بازاری لیکن افسوس کہ آج کی کتابیں بھی انھیں قدیم ایام کی یاد تازہ کر رہی ہیں اور انھیں فرسودہ تہمتوں کے زندہ کرنے میں مصروف ہیں۔ ہمارے پاس ان مصائب کے بیان کرنے کا موقع نہیں ہے۔ اس لئے آپ کے ذاتی مطالعہ پر چھوڑ کر آپ سے رخصت ہو رہے ہیں۔ ہمارا وعدہ ہے کہ آئندہ کسی موقع پر صحابۂ کرام کے بارے میں اپنے موقف کا اظہار کریں گے اور یہ بتائیں گے کہ ان تہمتوں کا پس منظر کیا ہے؟

اب آپ ہمارے لئے توفیقات کی دعا کریں اور اس وقت کا انتظار کریں جب ہم آپ سے دوبارہ ملاقات کر سکیں اور ہمارا وعدہ وفا ہو سکے۔

والحمد للّٰہ رب العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ رسولہ الذی ارسلہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون وعلیٰ آلہ الذین اذھب اللّٰہ عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا۔

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

امام جعفر صادقؑ
آپ کا دور اور اس کے مشکلات

Presented by Ziaraat.Com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والصلوٰۃ والسلام علیٰ محمدٍ وآلہ الطیبین وصحبہ المنتجبین

ہمت شکن حالات

تمہید ـــــ گذشتہ جلد میں ہم اسلامی مذاہب کی نشو ونما اور اس کے عوامل ومحرکات کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے اور اس سلسلہ میں ہم نے امام جعفر صادقؑ کے سامنے پیش آنے والے بعض مشکلات اور آپ کے دورِ حیات کے بعض سوانح وحادثات کی طرف بھی اشارہ کیا تھا لیکن ابھی گفتگو ناتمام تھی اس لئے اس موضوع پر مزید بحث ضروری معلوم ہوتی ہے۔

یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ امام صادقؑ کے دورِ حیات میں اموی مظالم اس منزل تک پہنچ گئے تھے کہ نہ کوئی شیر خوار بچہ اپنے گہوارہ میں اطمینان کی سانس لے سکتا تھا اور نہ کوئی پیرِ سال اپنے کنج خانہ میں۔ حکّامِ جور کا کردار صاف بتا رہا تھا کہ خونی انقلاب بہت قریب ہے اور یہ آتش فشاں عنقریب پھٹنے والا ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ انقلاب آیا اور اپنے چہرہ پر آلِ محمدؐ کی حمایت کا غازہ مل کر آیا۔ اب چاروں طرف ان کے پامال شدہ حقوق اور ان کے بہتے ہوئے خون کی گفتگو تھی۔ ظاہر ہے کہ صادقِ آلِ محمدؐ اس گھرانہ کی سب سے بڑی شخصیت تھے۔ اس لئے فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس انقلاب میں آپ کا کردار کیا تھا؟ آپ نے سیاست وقت

Presented by Ziaraat.Com

سے کنارہ کشی کی یا بے سر و پا تاریخوں کی بنیاد پر مقام ابواء میں ہونے والی کانفرنس میں عبداللہ بن الحسین کے ہاتھ پر سربراہ ملت کی حیثیت سے بیعت کر لی۔ ظاہر ہے کہ اس سوال کا واقعی جواب اسی وقت معلوم ہوگا جب ہم حالات کا صحیح تجزیہ کر کے انقلاب کے مقاصد، انقلابی مجاہدین کے نفسیات اور ان کے باہمی اختلاف کے باوجود اس ایک مرکز پر اتحاد کے اسباب معلوم کر لیں گے۔

لیکن یہ واضح سی بات ہے کہ خواہشات کے اس طوفان میں امام نے بالکل نیا طرز عمل اختیار کیا تھا۔ نہ آپ نے کسی کو اپنے ہاتھ پر بیعت کرنے دی اور نہ اپنے اعزا میں کسی کو اقدام کرنے کی رائے دی۔ آپ قائدین انقلاب کے نفسیات سے بخوبی واقف تھے۔ آپ کو معلوم تھا کہ یہ آدمی اپنے ہیں اور نہ یہ زمانہ اپنا۔ بیعت سے اپنے لئے مشکلات پیدا کئے جا سکتے ہیں لیکن اپنے مقصد میں کوئی کامیابی نہیں حاصل کی جا سکتی ہے۔

یہی سیاسی بصیرت اور حکمتِ عملی تھی کہ امامؑ نے اپنی حمایت کی آوازیں سننے کے باوجود اپنے کو میدانِ جنگ سے الگ کر لیا جس کی تفصیل یہ ہے۔

آپ کے دور کے مشکلات

امام صادقؑ کا دورِ حیات ۸۳ھ سے ۱۴۸ھ تک یعنی عبدالملک بن مروان کی خلافت کے آخر سے منصور کی خلافت کے وسط تک ہے۔ اس دور میں آپ نے بنی امیہ کا کافی دورِ حکومت دیکھا ہے۔ ان کے حکام کے مظالم اور عوام کے ساتھ ان کا برتاؤ دیکھا ہے۔ بارہ سال کی عمر تک اپنے جدِ بزرگوار امام زین العابدینؑ کے ساتھ رہے۔ ۱۲ سال سے ۳۲ سال تک امام باقرؑ کے زیرِ سایہ زندگی گذاری۔ دونوں کی وراثت، دونوں کا سایۂ عاطفت اور دونوں کا مقدس ماحول پانے کے بعد ۱۱۴ھ سے آپ نے اپنے کمالات کا مظاہرہ شروع کیا۔

امام باقرؑ کا انتقال ہوا تو آپ کے مدرسہ کی وسعتوں نے مکہ، مدینہ اور کوفہ کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا تھا۔ یہ زمانہ بلادِ اسلامیہ میں فتنوں اور لڑائیوں کا زمانہ تھا۔ حکام میں باہمی اختلافات ارکانِ حکومت کو متزلزل بنائے ہوئے تھے۔ عوام اموی سلطنت کی کھلم کھلا مخالفت کر رہے تھے۔

Presented by Ziaraat.Com

سیاسی جماعتیں سازشوں میں مصروف تھیں اور عمائدِ سلطنت چین کی نیند سو رہے تھے۔ انھیں نہ عوام کی فلاح و بہبود کا خیال تھا اور نہ اپنی صلاح و بقا کا۔ سیاست اور اقتصاد کے بگڑے ہوئے حالات ہر طبقہ کو بدظن بنائے ہوئے تھے۔ ایک کے بعد ایک آنے والا حاکم مزید مشکلات پیدا کر رہا تھا اور پوری سلطنت ایسے طریقِ کار کے سوچنے پر مجبور ہو رہی تھی جس سے امّت کو اس بلاءِ عام سے نجات دلائی جا سکے۔

اقتصادی کشمکش عوام کو اور بھی پریشان کئے ہوئے تھی۔ حکام زیادہ سے زیادہ خراج وصول کرنے کے خواہاں تھے اور عوام کے ساتھ برے سے برے سلوک کو روا سمجھتے تھے۔ عالم یہ تھا کہ فصل سے پہلے پھلوں کی قیمت لگا کر اپنی ہی قیمت سے سارے پھل خرید لئے جاتے تھے اور بازار کے بھاؤ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ (العصر العبّاسی الاوّل استاد عبد العزیز دوری)

ناجائز طریقہ سے جزیہ طلب کیا جاتا تھا۔ حد یہ ہے کہ عبد العزیز بن مروان نے راہبوں تک سے جزیہ وصول کر لیا تھا۔ اور پھر صنعت و حرفت، انشاء و کتابت وغیرہ پر بھی ٹیکس لگائے جا رہے تھے۔

اُدھر امیر شام معاویہ نے ساسانی حکومت کے طریقہ کو زندہ کر کے نوروز کے دن ہدیہ و تحفہ وصول کرنا شروع کر دیا تھا اور ایک سال کے تحفہ میں ایک کروڑ ۳۰ لاکھ درہم وصول کر لئے تھے۔ (جہشیاری ص۱۰)

ہرات کے دہقان خراسانی نے اسد بن عبد اللہ قسری عامل ہشام کی خدمت میں ۱۱۹ھ میں ۱۰ لاکھ درہم پیش کئے۔ (تاریخ کامل ص۱۰۱)

۱۲۰ھ میں والیِ ہرات نے دہقان کے ساتھ آکر سونے چاندی کے مختلف ظروف اور ریشم و حریر کے متعدد کپڑے نذر کئے۔ (طبری ۵ ص۱۶۵ ۱۲۰ھ)

عبد الملک بن مروان نے جزیرہ کے گورنر کو فرمان بھیجا کہ ملک کے ہر شخص کو مزدور فرض کر کے اس کی سالانہ آمدنی کا حساب کر کے اس کی کھانے پینے اور پہننے کی ضرورت بھر نکال کر باقی اس سے وصول کر لیا جائے۔ چنانچہ ہر شخص پر ۴ دینار ٹیکس لگا دیا گیا۔ (الخراج ص۲۷)

یمن کے گورنر محمد بن یوسف نے ملک کے تمام اموال پر قبضہ کر کے خراج کے علاوہ نئے نئے ٹیکس لگا دیئے۔ (السیادۃ العربیہ ص۲۸)

Presented by Ziaraat.Com

اسامہ بن زید، سلیمان بن عبدالملک کے پاس خراج جمع کرنے کے لئے آیا تو اس نے عرض کی۔ اے امیر یہ مال اس انداز سے جمع ہوا ہے کہ رعایا بالکل بیدم ہوگئی ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ خراج کے بارے میں کچھ تخفیف کردیں تاکہ شہر آباد ہوں اور رعایا خوشحال ہو۔

سلیمان نے جواب دیا کہ تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے۔ جا اور جاکر پہلے دودھ دوہ لے اور جب دودھ ختم ہوجائے تو خون ہی جمع کر۔ (ہشیاری ص۳۲)

یہی وہ ہمت شکن حالات تھے جن سے ساری رعایا مضطرب تھی۔ حکام وقت کا کام ٹیکس پر ٹیکس عائد کرنا تھا چاہے ملک تباہ ہو یا رعایا برباد۔ گورنروں کا فرض تھا کہ ہر ممکن شدت سے عائد شدہ ٹیکس وصول کریں اس لئے کہ انعام کے امکانات بھی قوی تھے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ والیٔ خراسان کو ٹیکس میں سے دس لاکھ درہم انعام میں دیدیئے گئے تھے۔

یزید بن معاویہ نے عبدالرحمان بن زیاد والیٔ خراسان کو ۲۰ ہزار نقد اور اس سے زیادہ کا مال دے دیا اور اس طرح اس کے مال کا یہ عالم ہوگیا کہ ایک دن اپنے کاتب سے کہنے لگا کہ "مجھے حیرت ہوتی ہے کہ اتنا مال گھر میں رکھ کر کس طرح سوتا ہوں"۔ کاتب نے سوال کیا کہ حضور کا مال کتنا ہوگا؟

عبدالرحمٰن نے کہا بازار سے کوئی ضروری چیز خریدے بغیر ہزار درہم روز کے حساب سے سو سال تک کھا سکتا ہوں۔

کاتب نے عرض کی "خدا آپ کو نیند نصیب کرے۔ آج کا سونا تعجب خیز نہیں ہے، حیرت تو اس وقت کی نیند پر ہوگی جب یہ مال نہ رہ جائے گا"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کچھ خیانت کی نذر ہوا، کچھ غصب ہوا اور کچھ چوری چلا گیا۔ اور اب یہ حال ہوگیا کہ جلد قرآن کی چاندی بیچ دی گئی اور ایسے گدھے پر سواری شروع ہوئی جس سے پاؤں زمین پر خط دیتے چلیں۔ اتفاق سے ایک دن مالک بن دینار سے ملاقات ہوگئی۔ اس نے پوچھا کہ آپ کے مال کا کیا حشر ہوا؟ عبدالرحمٰن نے کہا کہ "سوائے ذات خدا کے کسی کے لئے بقا نہیں ہے"۔ (ہشیاری ص۱۸)

عمر بن عبدالعزیز نے تخت پر آنے کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ ایسے تمام ٹیکسوں کی اصلاح کی اور اپنے کوفہ کے گورنر کے نام یہ فرمان لکھا۔ "اہل کوفہ نے حکام جور کے ہاتھوں کافی مصائب برداشت

Presented by Ziaraat.Com

کئے ہیں۔ دین کا خمیر عدل و احسان سے ہے۔ اپنے نفس کا اہتمام کرو اور اسے گناہوں سے بچاؤ۔ برباد زمینوں کو آباد پر قیاس نہ کرو۔ ہر زمین سے بقدر امکان خراج وصول کرو۔ اضافی ٹیکس مت لو۔ نوروز عید کے تحفے بند کرو۔ قرآن کی قیمت، گھر کا کرایہ، نکاح کا درہم، نو مسلم کا خراج سب ختم کرو۔ میری اطاعت کرو۔ میں نے تمھیں حاکم بنایا ہے۔ بغیر میری اجازت کے کسی کو کوئی سزا نہ دو۔ جو شخص حج کرنا چاہے اسے سو درہم فوراً عطا کر دو۔ (کامل ص۲۹، طبری ص۱۳۹)

افسوس کہ عمر بن عبد العزیز کی یہ تمام اصلاحات اس کے ساتھ ہی دفن ہو گئیں اور یزید بن عبد الملک نے برسرِ اقتدار آتے ہی اپنا فرمان جاری کر دیا کہ "عمر دھوکے میں تھا۔ اس کی باتوں کو چھوڑ دو۔ لوگوں کو پہلی حالت پر لے آؤ۔ ان سے ہر حال میں ٹیکس وصول کرو، شادابی ہو یا قحط۔ وہ پسند کریں یا ناپسند۔ زندہ رہیں یا مر جائیں"۔ (طبری، کامل)

سختیاں بڑھ گئیں۔ امت کی گردن پر نئے نئے بوجھ لاد دیئے گئے۔ عمال نے شدت برتنا شروع کر دی اور کسی بھی ملک کی گورنری سرمایہ اندوزی کا وسیلہ فرض کر لی گئی۔ (السیادۃ العربیہ ص۳۰)

والی بننے کے لئے جن وسائل کو اختیار کیا گیا ان کا ایک خاکہ یہ ہے کہ عمر بن عبد العزیز کے پاس بلال بن ابی بردہ آیا اور مسجد میں مستقل طور پر معتکف ہو گیا۔ عمر کو یہ زہد پسند آ گیا اور اس نے علاء بن ابی بندار سے کہا کہ اگر اس کا ظاہر و باطن ایک ہے تو یہ بہترین انسان ہے۔ علاء نے کہا کہ میں ابھی اس کی اطلاع لے آتا ہوں۔ چنانچہ علاء مسجد میں آیا اور بلال سے کہنے لگا کہ آپ امیر سے میرے تقرب سے واقف ہیں۔ میں نے ان سے آپ کو عراق کا والی بنانے کی سفارش کر دی ہے۔ فرمائیے میرا کمیشن کیا ہو گا؟ بلال نے برجستہ جواب دیا کہ ایک سال کا کل مال یعنی دو کروڑ درہم۔ علاء نے کہا کہ اسے لکھ دیجئے۔ بلال نے لکھ دیا۔ علاء اس تحریر کو لے کر عمر کے پاس آیا۔ عمر نے اسے دیکھ کر کوفہ کے گورنر کو خط لکھا کہ "بلال نے ہمیں دھوکہ دینے کی کوشش کی تھی لیکن ہم نے امتحان کر لیا اور اسے مجسمۂ خباثت پایا"۔ (کامل مبرد ص۱۵۸)

ظاہر ہے کہ جو حکومت دلوانے پر اتنا معاوضہ دے گا تو حکومت پانے پر اس سے کہیں زیادہ وصول بھی کرے گا ورنہ اس کی کمی پوری کہاں سے ہو گی؟

Presented by Ziaraat.Com

تمہیدِ انقلاب

حکومت نے عراق کی وصولی شیوخ قبائل کے حوالے کر دی اور انھوں نے اپنے مظالم شروع کر دیئے۔ خراسان میں ٹیکس آدمیوں کے حساب سے لگایا گیا کہ زمین کے حساب سے رُوسا پر زیادہ ٹیکس لگ جاتا، اور یہ حکومت کی مصلحت کے خلاف تھا مسلمان ہونے کا ٹیکس بھی فرض کر دیا گیا اور اس طرح اسلام کی اشاعت میں عظیم رخنہ پڑ گیا۔ بات صرف یہ تھی کہ اسلام نے جزیہ اور خراج غیر مسلم افراد پر عائد کیا تھا تو لوگوں نے صورتِ حال سے عاجز ہو کر یا اسلام سے اخلاص کی بنا پر اس کے دائرہ میں پناہ لینا شروع کر دی۔ حکومت کا بینک بیلنس بگڑنے لگا اس لئے دولت پرست حکومت کا فرض ہو گیا کہ نومسلم لوگوں پر بھی ٹیکس لگا دے۔ چاہے اسلام کی نشر و اشاعت کا کوئی بھی حشر کیوں نہ ہو جائے۔

تاریخ سے باخبر افراد جانتے ہیں کہ جزیہ و خراج کی کمی سے حکومت کے انتظامات پر کوئی اثر نہیں پڑ رہا تھا بلکہ اس سے حکام کے ہوا و ہوس کی تکمیل میں رخنہ پڑ رہا تھا اس لئے ان لوگوں نے یہ طرزِ عمل اختیار کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امویت کے خلاف ایک عام نفرت پھیل گئی۔ ہر شخص احتجاج پر کمربستہ ہو گیا۔ حکام نے عوام کی فریاد سننا بند کر دی۔ مسلمان قرآن و سنّت کی تباہی نہ دیکھ سکے۔ بہتے ہوئے خون، لٹتے ہوئے اموال، لٹتی ہوئی آبروؤں نے مصلحین امّت کو صدائے احتجاج بلند کرنے پر مجبور کر دیا۔ دن گذرتے گئے، نفرت بڑھتی رہی لیکن ابھی آواز بلند نہ ہو سکی تھی کہ امام حسینؑ کا عظیم الشان اقدام آڑے آ گیا جس نے امّت کے شعورِ نفرت کو بیدار کر دیا۔ انقلاب کی صدائیں گونجنے لگیں، عوام میں آواز بلند کرنے کی سکت پیدا ہو گئی اور ۶۳ھ میں واقعہ حرہ کے سلسلے میں اہلِ مدینہ نے اپنے احساسات کو منظرِ عام پر لا کر کھڑا کیا۔ (البدایۃ والنہایۃ ۱۰ صـ۲۲۰)

انقلابات اٹھے، خونریزیاں ہوئیں۔ تین دن تک قتلِ نفس، ہتک حرمت، غصب اموال کو مباح بنایا گیا، صحابۂ کرام تہِ تیغ ہوئے۔ باقی سے غلامی کی بیعت لی گئی۔ سات سو حاملانِ قرآن قتل ہوئے، ۱۷ سو بقایا مہاجرین و انصار اور دس ہزار عام آدمی کام آئے لیکن انقلابات کی بنیاد

Presented by Ziaraat.Com

مستحکم ہوگئی۔ ہر طرف انقلاب، ہر طرف احتجاج، ہر طرف خروج، ہر طرف بغاوت اور ہر طرف استنکار ـــــ عراق، حجاز، مصر، اردن سب انقلابات کی آماجگاہ!

مذکورہ بالا حالات کا جائزہ لینے کے بعد ان لوگوں کے خیالات کی بہ آسانی تردید کی جاسکتی ہے جنھوں نے اموی حکومت کے خاتمہ کو عجموں کے انقلاب کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کے حسب ذیل اسباب قرار دیئے ہیں:-

۱۔ اموی سلطنت خالص عرب تھی اور اس میں عجم کو کوئی عہدہ نہیں دیا گیا تھا۔

۲۔ عجموں کو عربوں سے شدید نفرت تھی اور عرب اموی حکومت کے نمائندے تھے۔

۳۔ عجموں نے ساسانی اقتدار کو پلٹانے کی کوشش کی تھی اور یہ جنگ صرف نسلی بنیادوں پر قائم ہوئی تھی۔

ہم اس بات سے انکار نہیں کرنا چاہتے کہ امویت کے خاتمہ میں موالی عجم کا بھی بہت بڑا ہاتھ تھا۔ خراسان میں ان کی طاقتیں مکمل ہوگئی تھیں۔ ابو مسلم خراسانی نے ان کی قیادت کی تھی لیکن اس بات سے اتفاق بھی نہیں کر سکتے کہ اتنے عظیم انقلاب کو صرف نسلی اور قومی تعصب کے سر ڈال کر امت اسلامیہ کو بالکل بے حس فرض کر لیا جائے اور اس میں حالات کے سمجھنے کی کوئی صلاحیت نہ مانی جائے جب کہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سرزمینِ فارس میں اٹھنے والے انقلابات کی قیادت بھی سلیمان بن کثیر خزاعی، قحطبہ بن شبیب الطائی اور ابوداؤد شیبانی جیسے رؤسا عرب کے ہاتھ میں تھی۔ انقلاب کے داعی نصر بن صبیح تمیمی، عبدالرحمٰن بن مسلم اور جہم بن عطیہ جیسے عرب ہی تھے۔ نقباءِ انقلاب میں پانچ بنی خزاعہ میں سے، تین بنی تمیم سے اور بعض ربیعہ وغیرہ میں سے تھے۔

یہ کہنا بھی تاریخ سے غفلت کا نتیجہ ہے کہ اموی حکومت میں موالی کو کوئی عہدہ نہ دیا گیا تھا اس لئے ان لوگوں نے یہ انتقامی قدم اٹھایا تھا۔ اس لئے کہ اموی تاریخ میں دیوانِ رسائل، تحصیلِ خراج، خفیہ، قیادت لشکر، امارت بلاد جیسے اہم عہدوں پر موالی ہی فائز نظر آتے ہیں جس کی مختصر فہرست یہ ہے:-

۱۔ سرجون بن منصور۔ معاویہ کا غلام تھا اور معاویہ، یزید، معاویہ بن یزید اور مروان بن الحکم

Presented by Ziaraat.Com

کے دورِ حکومت میں دیوانِ رسائل پہ مامور تھا۔

۲۔ عبدالرحمٰن بن دراج۔ معاویہ کے یہاں رسل و رسائل کا متولی تھا اور اس کا بھائی خراج پر مامور تھا۔

۳۔ مرداس۔ زیاد کا غلام تھا اور اس کے یہاں دیوان رسائل کا رئیس تھا۔

۴۔ ابوالزرعہ۔ عبدالملک کا غلام تھا اور اس کے یہاں دیوان رسائل کا منتظم تھا۔ اسی دربار میں "امین السر" کا عہدہ بنی عامر کے غلام عمر بن الحارث کے سپرد تھا۔

۵۔ جناح۔ عبدالملک کا غلام تھا اور دیوان خاتم کا رئیس۔

۶۔ ابوالعلاء یزید بن ابی مسلم۔ بنی ثقیف کا غلام اور حجاج کے دربار کا جلاد تھا۔ حجاج کے بعد خراج عراق کا والی قرار پایا۔

۷۔ سعید الصابی۔ ولید بن عبدالملک کے دیوان خاتم کا رئیس۔

۸۔ شعیب العمانی۔ ولید کا غلام اور کاتب۔

۹۔ لیث بن ابی فروہ۔ ام الحکم کا غلام، عمر بن عبدالعزیز کا کاتب۔

۱۰۔ عبداللہ بن ذکوان۔ رملہ بنت شیبہ کا غلام، عراق کا محصل خراج۔

۱۱۔ محمد بن یزید۔ عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے مصر کا والی۔

۱۲۔ سالم۔ سعید بن عبدالملک کا غلام اور ولید کی طرف سے دیوانِ رسائل کا متولی۔

۱۳۔ عبدالحمید بن یحییٰ۔ علاء کا غلام، مروان الحمار کا متولی دیوان۔

۱۴۔ عثمان بن قیس۔ خالد قسری کا غلام، متولی دیوان۔

۱۵۔ طارق بن زیاد۔ موسیٰ بن نصیر کا غلام، قائد لشکر۔

۱۶۔ نیزک بن صالح۔ عمر بن عبدالعزیز کا غلام، امیر الشاس۔

۱۷۔ اسامہ۔ معاویہ کا غلام۔ مصر کا امیر۔

۱۸۔ طارق بن عمر۔ عثمان کا غلام۔ مدینہ کا والی۔

۱۹۔ عطاء بن یسار۔ ام المومنین میمونہ کے غلام، مفتی شہر۔

۲۰۔ سمنان۔ عبداللہ بن عمرو عاص کے غلام، مصر کے قاضی۔

Presented by Ziaraat.Com

۲۱۔ ابورجاء بن حسیب مفتی مصر۔

بلکہ بعض غلام تو ایسے تھے جنھیں امویوں نے ضرورت سے زیادہ اہمیت دے دی تھی چنانچہ عطاء بن رباح کے بارے میں یہ اعلان عام تھا کہ خبردار ان کے علاوہ کوئی فتویٰ نہ دے۔ نافع دیلمی۔ ابن عمر کے غلام کو مصر کا معلم بنا دیا گیا تھا۔ دمشق کی مسند قضاوت سلیمان بن ابی موسیٰ المتوفی ۱۱۷ھ کے ہاتھ میں تھی۔ زید بن اسلم عدوی المتوفی ۱۳۶ھ کا مسجد نبوی میں حلقہ درس تھا۔

اس کے علاوہ بے شمار موالی تھے جنھیں حکومت میں بڑے بڑے عہدے تفویض کئے گئے تھے۔ جن کے مفصل تذکرہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ موالی کو انقلاب کا ذمہ دار ٹھہرانا بنو امیہ کو ان کے غلط کردار سے محفوظ رکھنے کی ایک سازش ہے جس سے ہمیں کوئی تعجب اس لئے نہیں ہوتا ہے کہ جب کل مسلمان ان کے خلاف آواز نہ بلند کر سکے تو آج قلم کیا اٹھائیں گے۔ انھوں نے کل ان کے حق میں حدیثیں گڑھی ہیں تو آج ایک مفروضہ تیار کر دینے میں کیا قباحت ہے۔ یہاں تو عالم یہ ہے کہ معاویہ نے یزید سے کہا کہ میں نے تیری ہر خواہش کو پورا کر دیا ہے، اب کوئی تمنا تو نہیں ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے جہنم سے بچا لیجئے اور اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ میرے لئے بیعت لے لیجئے۔ اس لئے کہ جس نے امتِ محمدؐ پر تین دن حکومت کر لی وہ عذاب جہنم سے محفوظ ہو گیا۔ (کامل ۴ ص۶۲)

یہ واقعہ اور یہ روایت اس بات کے گواہ ہیں کہ حکام اور ان کے پرستاروں نے اپنی باہمی سازش سے عوام کو یہ باور کرانے کی پوری کوشش کی تھی کہ حکام کے بارے میں کوئی سوال و جواب نہیں ہو سکتا ہے۔ ان کا حاکم ہو جانا ہی ان کی نجات کے لئے کافی ہے۔

حد ہو گئی کہ مسلم بن عقبہ نے مدینہ کو تاراج کر کے مکہ کا رخ کیا اور درمیان میں موت سامنے آگئی تو کہنے لگا کہ میں نے کلمہ توحید کے بعد اہل مدینہ کے قتل سے بہتر کوئی عمل خیر نہیں کیا ہے اور نہ قیامت کے روز کسی دوسرے عمل سے کوئی امید ہے۔ (کامل ۴ ص۶۱)

اور اسی طرح ولید کے سامنے ۴۰ شیوخ نے اس امر کی شہادت دی کہ خلیفہ پر عقاب نہیں ہو سکتا ہے۔ جس نے تین دن امت پر حکومت کر لی وہ جہنم سے نجات پا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ ان جعلی

Presented by Ziaraat.Com

روایتوں کے ذریعہ حکام سے سخت مواخذہ و احتساب کی روایتوں کو عوام کے ذہنوں سے محو کر دیا جائے۔ حالانکہ حدیث صحیح میں یہی تھا کہ رسول اکرمؐ نے جابر بن عبداللہ سے فرمایا ہے کہ "خدا تمھیں بیوقوفوں کی حکومت سے بچائے۔"

جابر نے عرض کی کہ "حضورؐ! یہ بیوقوفوں کی حکومت کیا ہے؟"

فرمایا "میرے بعد ایسے حکام بھی ہوں گے جو میری سنت سے بالکل الگ ہوں گے۔ ان کی تصدیق کرنے والا اور ان کے ظلم کی اعانت کرنے والا مجھ سے بالکل غیر متعلق ہوگا اور جس نے ان کی تصدیق نہ کی اور ان کے ظلم پر اعانت نہ کی وہ مجھ سے ہے اور میرے پاس حوضِ کوثر پر وارد ہوگا۔" (مسند احمد ۳ ص۳۲۱)

"میری امت کی ہلاکت اور تباہی قریش کے بیوقوف حکام کے ہاتھوں ہوگی۔" (مسند احمد ۲ ص۲۵۵)

کعب بن عجرہ نے آنحضرتؐ سے نقل کیا ہے کہ "عنقریب جھوٹے اور ظالم حکام برسرِ اقتدار آئیں گے۔ جس نے ان کی تصدیق کی اور ان کے ظلم میں ان کی اعانت کی وہ مجھ سے غیر متعلق ہے۔ قیامت کے دن کوثر پر اس کا گذر نہ ہوگا اور جس نے ان کی تصدیق نہ کی وہ مجھ سے ہے اور قیامت کے دن کوثر پہ وارد ہوگا۔" (تاریخ خطیب ص۳۶۲)

"عنقریب ایسے حکام بھی ہوں گے جو مختلف اسباب سے نماز کو وقت کے بعد پڑھیں گے۔ اس لئے تم وقت سے پڑھا کرو۔" (مسند احمد ۵ ص۳۱۵)

عوف بن مالک ناقل ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا کہ "اگر تم چاہو تو تمھیں حکومت کے بارے میں اطلاع دوں؟ یاد رکھو اس کی ابتداء ملامت سے ہوتی ہے، اس کے بعد ندامت ہے اور آخر میں عذابِ روزِ قیامت۔ سوائے ان لوگوں کے جو انصاف سے کام لیں۔ لیکن قرابت داری میں انصاف کیسے ہوگا؟" (الترغیب والترہیب ۳ ص۱۳۲)

بشر بن مالک آنحضرتؐ سے ناقل ہیں کہ "جو شخص امورِ مسلمین کا حاکم ہوگا اسے روزِ قیامت جہنم کے کنارے کھڑا کیا جائے گا۔ اگر نیک کردار ہوگا تو نجات پائے گا ورنہ وہیں سے جہنم میں گرا دیا جائے گا۔" (طبرانی)

Presented by Ziaraat.Com

عمر بن الخطاب راوی ہیں کہ "روزِ قیامت سب سے بہتر انسان امام عادل ہوگا اور سب سے بدتر امام ظالم واحمق۔" (ترمذی، اوسط طبرانی)

انس راوی ہیں کہ "امامِ ظالم کو روزِ قیامت رعایا کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ وہ اس سے بحث کرکے اسے شکست دیدیں گے اور اس وقت اس کو جہنم کا حکم مل جائے گا۔" (بزار)

ابوہریرہ ناقل ہیں کہ "ہر دس آدمیوں کے حاکم کو روزِ قیامت گرفتار کرکے لایا جائے گا اور اسے سوائے عدالت کے کوئی چیز نہیں بچا سکتی ہے۔" (مسند احمد)

انس بن مالک راوی ہیں کہ "جس حاکم نے رعایا سے خیانت کی وہ جہنمی ہے۔"

اس کے علاوہ خود معاویہ کے فضائل میں وہ بے شمار جعلی روایتیں تیار کی گئیں جن سے اسلام بیزار اور اہلِ اسلام متنفر تھے۔ احتجاج کی آوازیں بلند ہوئیں لیکن ایسے دور میں کیا آواز، جہاں زبانوں پر قفل لگے ہوں، شعور پامال ہو رہا ہو۔ اہلِ صداقت کو سزائیں دی جا رہی ہوں اور دربدری کے راستے کھلے ہوئے ہوں۔

حافظینِ احادیث نے اس جعل کو واضح کیا ہے جس کا ایک نمونہ یہ ہے:۔

حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں ابنِ عمر سے آنحضرتؐ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حضورؐ نے بزم میں ایک جنتی کے آنے کی بشارت دی اور اتنے میں معاویہ آ گئے۔ دوسرے دن پھر ایسا ہی ہوا، تیسرے دن پھر ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ (الحلیہ ۱۰ ص۲۱۳)

ہشام بن عروہ نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے معاویہ کے لئے ہدایت اور ہلاکت سے نجات کی دعا کی ہے۔

اس کے بعد محمد بن عبدالواحد کی باری آئی اور اس نے کذب وافترا کا انبار لگا دیا۔

(خطیب ۲ ص۳۰۷)

ابن حجر نے تو مستقل کتاب ہی فضائل معاویہ میں تالیف کردی جب کہ معاویہ کو فضائل سے دور کا بھی لگاؤ نہ تھا جیسا کہ علامہ امینی "دام ظلہ" نے الغدیر ۱۰-۱۱ میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

بات یہیں پر تمام نہیں ہوتی بلکہ اس کے بعد ان کے پایۂ تخت کے بارے میں حدیثیں

Presented by Ziaraat.Com

وضع ہونے لگیں اور اس کا ایک غیر متناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ جو اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ انقلاب کی شکل بدلنے کے لئے کیسی کیسی تدبیریں کی گئی تھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ انقلاب کے پس منظر میں اموی دور کے وہ مظالم تھے جنھیں نہ اسلام برداشت کر سکتا تھا اور نہ اہلِ اسلام۔ اُمت مصائب کا شکار تھی اور اہلبیتؑ ظلم و ستم کا نشانہ۔

امیوں کا خیال تھا کہ ایسی ظالم و سفاک حکومت بھی بقاءِ دوام سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔ انھیں یہ تصور نہ تھا کہ عام مسلمان بھی "خلافت راشدہ" کے بعد ایسی خونخوار حکومت کو برداشت نہ کر سکیں گے۔ وہ اسلامی مملکت کو اوجِ کمال سے قعرِ مذلت میں گرتا ہوا نہیں دیکھ سکتے ہیں۔ وہ ایسے حکام کے زیرِ نگیں نہیں رہ سکتے ہیں جو مظلوم کی فریاد اور ستم رسیدہ کی شکایت سننے سے گریز کرتے ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ انقلابات اٹھے۔ اموی کی دھجیاں بکھریں اور چند باقی ماندہ لوگ دربدر کی ٹھوکریں کھانے لگے۔ نوبہ پہنچے تو وہاں سے نکالے گئے، بجاوہ پہنچے تو وہاں پناہ نہ ملی، یمن گئے تو وہاں رہنے کی جگہ نہ ملی۔ اور ظالمین پر ارضِ خدا تنگ ہو گئی۔ اس سرگرداں و حیران قافلہ کی قیادت مروان کے بیٹے عبداللہ اور عبیداللہ کے ہاتھوں میں تھی۔ ایک منزل پر پہنچنے کے بعد راستے میں پہاڑ نظر آیا۔ دونوں نے یہ فیصلہ کیا کہ پہاڑ کے داہنے بائیں سے سفر کریں اور ایک ساعت کے بعد ایک مرکز پر مل جائیں۔ چنانچہ دونوں چلے، دن بھر چلتے رہے اور آپس میں ملاقات نہ ہوئی۔ واپس ہوئے تو راستہ نہ ملا ادھر عبداللہ سے حبش کے ایک لشکر سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ ان لوگوں نے عبداللہ کو قتل کر کے اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا اور تھوڑی دیر کے بعد سارا سامان لوٹ کر ننگا کر کے چھوڑ دیا۔ یہ لوگ صحرا میں مارے مارے پھرتے رہے یہاں تک کہ پیاس سے تباہی کے قریب پہنچ گئے۔ حالت یہ تھی کہ ہاتھ میں پیشاب کر کے اسی کو پی لیتے تھے۔ تھوڑے دنوں کے بعد عبیداللہ کے قافلہ سے ملاقات ہوئی۔ ان کی حالت ان سے بھی بدتر تھی۔ چلنے سے پیر زخمی ہو گئے تھے۔ پیشاب پینے سے ہونٹ کٹ گئے تھے۔ حالت تباہ ہو گئی تھی اور اسی حال میں ایک منزل پر قیام کیا۔ وہاں سے تھوڑا سا سامان جمع کر کے مزدوروں کی شکل سے مکّہ میں داخل ہوئے۔ عورتوں نے اپنے قصر دیکھے تو گریہ و زاری کی آوازیں بلند کر دیں اور قدرت نے عبرت و موعظہ کا آخری نمونہ پیش کر دیا۔ (یعقوبی ۳ ص۸۹)

Presented by Ziaraat.Com

(العقد الفرید ۳ ص ۱۹۸، ص ۱۹۹)

کہا جاتا ہے کہ سفاح کے چچا صالح بن علی کے مقدمۃ لشکر کے قائد عامر بن صالح خراسانی نے بنی امیہ کے آخری بادشاہ مروان جعدی کو قتل کر کے اس کے قصر پر قبضہ کیا تو قصر میں داخل ہو کر اس کا سر اس کی بیٹی کی آغوش میں رکھا اور اس سے شام کا کھانا طلب کیا۔ مروان کی بیٹی نے کہا اے عامر کیا یہ بات عبرت کے لئے کافی نہیں ہے کہ تو نے میرے باپ کو قتل کیا اور اس کی جگہ پر بیٹھ کر اس کا کھانا کھا رہا ہے اور یہ کہہ کر باپ سے خطاب کر کے فریاد کی۔

عامر یہ سن کر کانپنے لگا۔ سفاح کو اس واقعہ کی خبر ملی تو اس نے عامر کو سخت تنبیہ کی۔

(شذرات ۱ ص ۱۸۴)

ادھر منصور نے عبید اللہ بن مروان کو گرفتار کرا کے جیل میں ڈال دیا اور ایک دن جیل سے بلوا کر پوچھا کہ بادشاہ نوبہ کے ساتھ تیرا کیا قصہ ہے؟ اس نے کہا کہ اے امیر اب تو گرانی زنجیر سے بولنے کی تاب نہیں ہے۔

منصور نے اسی عالم میں قصہ سنا اور پھر زندان میں بھجوا دیا۔

عبید اللہ رشید کے دور تک قید میں رہا اور وہیں سے واصل ہو گیا۔ (شذرات ۱ ص ۱۸۶)

عبد اللہ بن علی نے دمشق میں داخل ہونے کے بعد بنی امیہ کی قبروں کے کھودنے کا حکم نافذ کر دیا چنانچہ معاویہ کی قبر کھودی گئی تو اس میں راکھ کا ڈھیر دکھائی دیا۔ عبد الملک بن مروان کی قبر کھودی گئی تو اس میں کھوپڑی نظر آئی اور یزید کی قبر کھودی گئی[1] تو اس میں راکھ جیسی چیز دکھی گئی۔ ہشام بن عبد الملک کا جسم نکلوا کر اس پر تازیانے لگوائے اور پھر جلا کر راکھ کو ہوا میں اڑا دیا۔

(کامل ۵ ص ۲۰۵)

سلیمان بن علی نے بصرہ میں بنی امیہ کی ایک جماعت کو قتل کرا کے ان کے جسم سر راہ ڈال دیئے اور کتے انھیں کھا گئے۔ ادھر کچھ لوگوں نے فرار اختیار کیا تو ان کے لئے زمین تنگ

---

[1] یزید کی وفات اور اس کی قبر کے بارے میں کوئی تاریخی ثبوت فراہم نہیں ہو سکا ہے لیکن اگر بفرض محال اس دور میں کوئی قبر بنا بھی دی گئی ہو تو یزید یا معاویہ کی قبر میں سوائے خاکستر کے اور مل ہی کیا سکتا ہے قسیم النار والجنۃ کی دشمنی خاکستر نہ بنائے گی تو کیا مٹی کا ڈھیر بنائے گی۔ جوادی

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

ہوگئی۔ عمر بن معاویہ بن عمر بن سینان بن عتبہ مارا مارا پھرتا رہا اور بالآخر خاموشی سے سلیمان کے پاس پہنچ گیا اور جا کر کہنے لگا کہ تمام شہروں سے ٹھوکر کھا کر آپ کے بھروسے یہاں تک آگیا ہوں۔ اگر قتل کر دیں تو راحت مل جائے گی اور چھوڑ دیں گے تو محفوظ ہو جاؤں گا۔

سلیمان نے پوچھا تم کون ہو؟ عمر نے اپنا تعارف کرایا۔ پوچھا کیوں آئے ہو؟ کہا کہ عورتوں کی وجہ سے مجبور ہو گیا ہوں۔ سلیمان کو رحم آگیا۔ اس نے پناہ دیدی اور سفاح کو امان کے لئے خط لکھ دیا۔ (کامل ۵ صفحہ ۲۰۶)

ذی الحجہ ۱۳۲ھ میں مروان بن محمد بن مروان بن الحکم کے قتل کے بعد بنی امیہ کی بساطِ حکومت لپیٹ دی گئی اور عباسیت تختِ حکومت پر جلوہ گر ہو گئی۔

عبّاسی دورِ حکومت کا آغاز

دنیا کا قاعدہ ہے کہ ہر نئی حکومت سے بے پناہ امیدیں وابستہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ اموی سلطنت کے خاتمہ پر بھی عوام نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ اتنے انقلابات اور اتنی گھمسان کی لڑائیوں کے بعد برسرِ اقتدار آنے والی حکومت کتاب وسنّت کی باقاعدہ پیروی کرے گی اور ایک ایسا عادل نظام سامنے لائے گی جس کی ہلکی سی جھلک عمر بن عبدالعزیز کے دور میں نظر چکی ہے۔

نگاہیں تختِ حکومت کی طرف اٹھیں۔ آلِ محمدؐ کی حمایت کے اعلان نے امیدیں باندھیں اور ایک مرتبہ زمامِ اقتدار بنی عباس کے ہاتھوں میں نظر آئی۔ علویین نے قیادت کے مطالبہ کو ٹھکرا دیا اور عباسیوں کو اپنی امیدوں کی تکمیل کا موقع مل گیا۔

ظاہر ہے کہ ابتدائے امر سے اس انقلاب میں عباسیوں کا کوئی نام نہیں تھا۔ وہ تو صرف آلِ محمدؐ کے حقوق کی حمایت اور علویوں کی قیادت کا دم بھر رہے تھے۔ اس لئے انھیں تختِ حکومت پر دیکھ کر مسلمانوں نے پھر اعلانِ مخالفت کر دیا۔ عباسیوں نے یہ محسوس کیا کہ قوم ہم سے راضی نہیں ہے اور ایسے اضطرابی دورِ حکومت کو استحکام نہیں مل سکتا ہے۔ اس لئے ان لوگوں

نے خراسان والوں کو آگے بڑھایا اور انھیں شیعوں کا عنوان دے کر سامنے کر دیا۔ خراسانیوں کو اہمیت دینے کا راز صرف یہ تھا کہ بنی عباس ان کے نفسیات سے آگاہ تھے چنانچہ خراسان انقلاب کا مرکز بن گیا۔ آلِ رسولؐ سے ہمدردی کا اظہار عام ہو گیا، قاتلانِ حسینؑ کی خانہ تلاشی شروع ہو گئی اور حکومت اپنے مقصد میں کامیاب ہوتی نظر آئی۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب مروان الحمار کی لڑکیاں صالح بن علی کے پاس پیش ہوئیں اور ان میں سے ایک نے عرض کی۔ امیر! خدا تم کو تمھارے مقصد میں کامیاب کرے۔ اب ہمارے ظلم کی طرح آپ اپنے رحم و کرم کو عام کیجئے تو صالح نے جواب دیا کہ ہم کوئی رعایت نہیں کر سکتے ہیں کہ یزید نے امام حسینؑ کو قتل کیا ہے۔ ان کے اہلِ حرم کو دربدر پھرایا ہے۔ ان کے سر مبارک کو نیزہ پر بلند کیا ہے۔

بچی نے عرض کی۔ میری درخواست صرف عفو کی ہے۔ (کامل ۵ ص ۲۰۴)

مروان کا سر سفاح کے سامنے آیا تو اس نے سجدہ شکر کیا اور پھر سر اٹھا کر کہا۔ اس خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں تم پر کامیاب بنایا اور ہمارا کوئی انتقام تمھارے ذمہ نہیں چھوڑا۔ (کامل ۵ ص ۲۰۳)
یہ حالات تھے جنھیں دیکھ کر عوام خوش ہو رہے تھے۔ انھیں ان کی تمنائیں پوری ہوتی نظر آرہی تھیں۔ بنو امیہ قتل ہو رہے تھے۔ انھیں آوارہ وطن کیا جا رہا تھا اور شعراء ان اقدامات کی مدح میں قصائد نظم کر رہے تھے۔

عوام میں قدرے سکون پیدا ہوا۔ جب سفاح تختِ حکومت پر آیا اور اس نے افتتاحیہ خطبہ میں اعلان کیا — لوگو! مجھ پر خدا و رسولؐ اور عباس کی طرف سے یہ ذمہ داری ہے کہ میں عدل و انصاف سے حکومت کروں، سیرتِ رسولؐ کو جاری کروں اور بنی امیہ کے نشانات کو مٹا دوں۔
(کامل ۵ ص ۱۹۷)

اس خطبہ کا سننا تھا کہ عوام کی ہمدردیاں دوچند ہو گئیں اور سفاح کو چین کی سانس لینے کا موقع مل گیا۔ خون کی بنیاد پر قائم ہونے والی حکومت نے یہ محسوس کیا کہ اس انقلاب میں ہمارا اپنا کوئی حصہ نہیں ہے بلکہ اس کی ساری طاقتیں حمایتِ آلِ محمدؐ سے حاصل کی گئی ہیں۔ اس لئے اس نے سب سے زیادہ قابلِ توجہ علویین کے مسئلہ کو بنایا۔ ان سے ہمدردی کا اظہار کر کے عوام

Presented by Ziaraat.Com

کو مطمئن کیا اور استحکام حکومت کا یہ سلسلہ منصور کے دور کے درمیانی حصہ تک چلتا رہا۔ اتنے میں بنی عباس کو اپنے باطنی مقاصد کے اظہار کا موقع مل گیا اور منصور نے آلِ محمدؐ کی تباہی پر کمر باندھ لی۔ اس نے اپنی نظر میں یہ طے کر لیا کہ ان کے ہوتے ہوئے ہماری حکومت میں استحکام نہیں آسکتا ہے اور کسی وقت بھی بغاوت کا امکان پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس نے ان کی پامالی کا انتظام شروع کر دیا اور حالات اس نازک منزل پر پہنچ گئے ـــــ کہ ایک شاعر کو کہنا پڑا ؎

کاش بنی امیہ کا ظلم ہمارے سروں پر مسلط رہتا
اور بنی عباس کا عدل جہنم واصل ہوجاتا

امام صادقؑ وسط معرکہ میں

امام صادقؑ نے ۸۳ھ سے ۱۳۲ھ تک پچاس سال بنی امیہ کے دورِ حکومت میں گذارے اور اس درمیان اس کے شدائد و مظالم، عوام کے ساتھ ان کا برتاؤ اور بلا خوف آخرت ہونے والے تمام اعمال کا بخوبی مشاہدہ کیا۔ ہر آن کسی چاہنے والے کے قتل اور کسی دوست کی شہر بدری کی خبریں کانوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ ۱۲۲ھ میں یہ اطلاع بھی ملی کہ حضرت زید کو قتل کر دیا گیا ہے اور ان کا جسم سولی پر لٹکا دیا گیا ہے۔ پھر یہ بھی دیکھا کہ پانچ سال تک جسم اقدس تختۂ دار پر رہا اور اس کے بعد اتار کر نذر آتش کر دیا گیا۔ پھر جناب یحییٰ بن زید کے قتل کا منظر سامنے آیا۔ پھر والد بزرگوار اور جد نامدار کی زہرِ دغا سے شہادت دیکھی اور آئے دن ایک نئی خبر، ایک نیا سانحہ کانوں میں آتا رہا۔

امامؑ کے پیش نظر ماضی کے حوادث بھی تھے۔ کربلا کا المیہ مسلسل دل کو تڑپا رہا تھا جس سے سکون حاصل کرنے کے لئے مجالسِ عزا برپا کی جا رہی تھیں۔ شعرا مرثیے پڑھتے تھے اور امام سیلِ اشک بہاتے تھے۔ حرہ کا واقعہ الگ دل کو بے چین کئے ہوئے تھا۔ حکام کی بے دینی اور ان کا ظلم الگ سوہانِ روح بنا ہوا تھا۔

انھیں حالات میں امامؑ زندگی بسر کر رہے تھے۔ معاشرہ کی ہر خبر احساس کو مضطرب

Presented by Ziaraat.Com

کر دیتی تھی لیکن مجبوری یہ تھی کہ حکام کی طرف سے سخت نگرانی اور لوگوں کے روابط پر شدید پابندی تھی۔ امام کرتے تو کیا کرتے ؛ ایک مرتبہ ذمہ دارِ شریعت نے یہ طے کر لیا کہ سیاسی حالات کچھ بھی ہوں مجھے اصلاحِ حالات کے لئے قدم اٹھانا ہے اور لوگوں پر یہ واضح کر دینا ہے کہ بنی امیہ کے ان احکام کو دین و مذہب سے دور کا بھی لگاؤ نہیں ہے۔ یہ لوگ صرف تلوار کی زبان سے بولنا جانتے ہیں اور بس !

ادھر انقلابی مجاہدین نے بھی یہ پیش کش کر دی کہ آپ اس انقلاب کی قیادت فرمائیں تاکہ ہم آپ کی قیادت میں اس ظالم حکومت کا تختہ الٹ دیں۔ امامؑ نے ان مجاہدین کی نفسیات پر ایک ہلکی سی نظر ڈال کر اس قیادت کو ٹھکرا دیا اور آپ نے دیکھ لیا کہ اس وقت انقلاب کا رخ حمایت اہلبیتؑ کی طرف ضرور ہے لیکن استحکامِ حکومت کے بعد وہ جذبات منظرِ عام پر آجائیں گے جن کے لئے یہ قدم اٹھایا جا رہا ہے۔

امامؑ کا طرزِ فکر یہ تھا کہ خود بھی انقلاب سے الگ رہیں اور اپنے خاندان والوں کو بھی نصیحت کرتے رہیں۔ انھیں اپنی مستقبل بین نگاہوں سے دیکھے ہوئے مناظر سے آگاہ کرتے رہیں اور یہ سمجھا دیں کہ کسی کام میں قبل از وقت ہاتھ ڈال دینا اس کام کی تباہی کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ اس لئے ایک بے مقصد کام کے لئے اپنے خونِ ناحق کی قربانی کسی طرح روا نہیں ہے۔ بنی عباس ملک و اقتدار کے بھوکے ہیں۔ انھیں نہ آلِ محمدؐ سے کوئی دلچسپی ہے اور نہ قرآن و سنت سے کوئی لگاؤ۔ ان کا سارا ڈھونگ تخت و تاج کے لئے ہے جس کے بعد کا منظر بھی میری نگاہوں کے سامنے ہے چنانچہ ابو سلمہ خلال نے بھی جب عباسیوں کی نیت کا اندازہ کر لیا تو علویین کی طرف عدول کرنے کا ارادہ کر کے اپنے غلام کے ہاتھ ایک خط بھیجا اور اسے تاکید کر دی کہ پہلے امام صادقؑ سے ملنا۔ اگر وہ اقرار کرلیں تو خیر ورنہ عبداللہ المحض سے ملاقات کرنا اور اگر وہ بھی انکار کر دیں تو عمر والاشرف کے پاس خط لے جانا۔ قاصد امام صادقؑ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے خط کو دیکھتے ہی فرمایا۔ مجھے ابو سلمہ سے کیا تعلق ہے۔ وہ میرے غیر کا شیعہ ہے۔ قاصد نے عرض کی کہ حضور خط کو تو پڑھیں۔ حضرت نے چراغ قریب منگا کر خط کو اس پر رکھ دیا۔ قاصد نے کہا کہ اس کا جواب ؟ حضرت نے فرمایا تو نے تو دیکھ لیا۔

Presented by Ziaraat.Com

قاصد دوسرا خط لے کر عبداللہ المحض کے پاس گیا۔ انھوں نے اس دعوت کو قبول کرلیا اور فوراً امام صادقؑ کے پاس آگئے۔ کہنے لگے کہ ابوسلمہ نے ایک خط بھیجا ہے۔ جسے میرا خراسان کا ایک شیعہ لے کر آیا ہے اور مجھے اس میں خلافت کی دعوت دی گئی ہے۔

امام صادقؑ نے یہ سنا تو آپ کے تیور بدل گئے۔ فرمایا یہ اہلِ خراسان تمھارے شیعہ کیسے ہوگئے؟ کیا تم نے ابوسلمہ کو بھیجا ہے؟ کیا تم خراسانیوں کے نام سے واقف ہو؟ آخر تم نے انھیں شیعہ کیسے فرض کرلیا۔

عبداللہ نے کہا مجھے تو آپ کے اس کلام میں کوئی غرض معلوم ہوتی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ پروردگارِ عالم نے مردِ مسلم پر نصیحت واجب کی ہے اس لئے تم کو آگاہ کر رہا ہوں۔ یاد رکھو یہ حکومت بنی عباس ہی کے حق میں تمام ہوگی۔ (الآداب السلطانیہ ابن الصفطقی ص۱۱۱)

ادھر سدیر صیرفی امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ حضور! اب آپ کے بیٹھنے کا جواز کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا کیوں؟ عرض کی کہ اب آپ کے انصار و اعوان بہت ہوگئے ہیں حضرت نے فرمایا کہ تقریباً کتنے ہوں گے؟ سدیر نے عرض کی ایک لاکھ! حضرت نے تعجب سے پوچھا ایک لاکھ؟ سدیر نے عرض کی "حضور دو لاکھ کے قریب!" حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ تم کثرت دیکھتے ہو اور میں عاقبت پر نظر رکھتا ہوں۔ (اصول کافی ۲ ص۲۴۳)

بنی ہاشم نے محمد بن عبداللہ بن الحسن کی بیعت کرنا چاہی تو امام صادقؑ نے فرمایا کہ دیکھو ایسا نہ کرنا۔ اس کام سے تمھیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اس کے بعد آپ نے سفاح کی پشت پر ہاتھ رکھ کر عبداللہ کو سمجھایا کہ خلافت ان لوگوں کو ملے گی۔ اس میں نہ تمھارا کوئی حصہ ہے اور نہ تمھارے بچوں کا اور یاد رکھو کہ تمھارے دونوں بچے قتل کئے جائیں گے۔ یہ کہہ کر آپ اٹھے اور عبدالعزیز بن عمران زہری کو اشارہ سے سمجھایا کہ یہ زرد چادر والا منصور ہی محمد کا قاتل ہوگا۔

عبدالعزیز کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ شبہ پیدا ہوا کہ حضرت بر بنائے حسد یہ بات کہہ رہے ہیں لیکن میں نے اپنی زندگی ہی میں محمد اور ان کے بھائی کا قتل دیکھ لیا۔

(مقاتل الطالبین ص۱۱۷، طبری ۹ ص۲۲۳ ط۱)

علی بن عمرو نے ابن داحہ سے روایت کی ہے کہ امام صادقؑ نے عبداللہ بن الحسن کو

Presented by Ziaraat.Com

سفاح و منصور کی طرف اشارہ کر کے سمجھایا کہ یہ حکومت ان دونوں کو ملے گی تمھیں اور تمھاری اولاد کو نہ ملے گی۔ ان کے بچے تک حکومت کریں گے اور تمھارا ایک بیٹا مقام "احجار الزیت" میں قتل ہوگا اور دوسرا بھی اس کے بعد تہ تیغ ہوگا۔ یہ کہہ کر آپ غصّہ سے اٹھے اور چل دیئے۔ منصور بھی ساتھ چلا۔ کچھ دور چل کر اس نے کہا۔ آپ نے کچھ سوچا بھی کہ کیا کہہ دیا؟ آپ نے فرمایا کہ خوب سمجھ کر کہا ہے اور خدا کی قسم یہ ہو کر رہے گا.....!

مصائب و خطرات امام صادقؑ کی زندگی کا محاصرہ کئے رہے اور آپ ایک مومن و مخلص دل کے ساتھ ان تمام حالات کا مقابلہ کرتے رہے۔ ظالم کا ظلم آپ کو فریضہ تبلیغ اور اعلاء کلمہ حق سے باز نہ رکھ سکا۔ آپ نے اپنے لئے ایک نیا راستہ معین کیا۔ خود بھی تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے رہے اور اپنے اصحاب کو بھی خاموش تبلیغ پر آمادہ کرتے رہے۔ آپ نے دیکھا کہ ظالم حکومت سے ٹکر لینے کے لئے باہمی اخوت اور مواسات کی شدید ضرورت ہے اس لئے آپ نے تمام تر قوت ایسی اخوت کی ایجاد پر صرف کر دی اور چاہا کہ ایک ایسا معاشرہ ہمہ وقت تیار رہے جو موقع آجانے پر اپنی آواز کو ظالموں کے کانوں تک پہنچا سکے۔

امام صادقؑ کے دور کے سیاسی حالات یہ تھے جن کا آپ ثبات قدم سے مقابلہ کر رہے تھے۔

اسی کے مقابلہ میں اجتماعی اور مذہبی معاملات تھے جن کی راہ اور بھی تاریک اور پر از خطرات تھی۔ سیاسی انقلابات کے ساتھ نئے نئے افکار اور عجیب عجیب خیالات جنم لے رہے تھے۔ مذہب کے ٹھیکیدار نوزائیدہ عقدوں کو حل کرنے سے عاجز اور اسلام کی آبرو کے تحفظ سے قاصر تھے۔ جاہلیت سر ابھار رہی تھی۔ تعصب ملت کو تباہی کی طرف کھینچ رہا تھا۔ امام صادقؑ ان حالات کو برداشت نہ کر سکے اور ایک عزم محکم کے ساتھ ملحدین کا مقابلہ کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہر نئی فکر کا مقابلہ، ہر نئے فلسفہ سے ٹکر۔ ہر نئے مغالطہ کی نقاب کشائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وقت کا زیادہ حصّہ انھیں مناظرات و مباحث میں گذرنے لگا۔

Presented by Ziaraat.Com

چنانچہ تاریخ نے یہ واقعہ بھی محفوظ کیا ہے کہ عبدالملک دہری مصر سے آنحضرت سے بحث کرنے کے لئے آیا تو آپ نے توحید پر ایسے دلائل و براہین پیش کئے کہ اس نے آپ سے اپنے شاگردوں میں شمار کر لینے کی درخواست پیش کر دی اور حضرت نے اسے اپنے شاگرد ہشامؒ کی شاگردی میں دے دیا۔ (الامام الصادقؑ للمظفر ا صـ۲۱۲)

ایک زندیق نے حضرت سے سوال کیا کہ بغیر دیکھے ہوئے خدا کی عبادت کے کیا معنی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ اسے دلوں نے نور ایمان سے دیکھا ہے اور عقلوں نے بیدار مغزی سے مانا ہے، آنکھوں نے اس کی حکمت کے مناظر دیکھے ہیں اور کتب و رسائل نے اس کے وجود کا اظہار و اعلان کیا ہے۔ (احتجاج طبرسی، بحار جلد چہارم، اصول کافی)

جعد بن درہم زندیق نے ایک شیشی میں کچھ مٹی اور پانی ڈال کر کیڑے بنا لئے اور لوگوں سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ میں ان کیڑوں کا خالق ہوں۔ حضرت تک یہ اطلاع پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اس سے ان کے مذکر و مونث کے بارے میں سوال کیا جائے اور کہا جائے کہ وہ اپنے حکم سے ان کی رفتار کا رخ بدل دے ــــــ ابن حجر کا بیان ہے کہ یہ سنتے ہی اس نے مذہب الحاد کو ترک کر دیا۔ (لسان المیزان ۲ صـ۱۰۵)

عبدالکریم ابن ابی العوجاء وغیرہ سے آپ کے مناظرے تاریخ میں ایک عظیم شہرت کے مالک ہیں جن کی تفصیل کی نہ کوئی ضرورت ہے اور نہ کوئی گنجائش!

ابن ابی العوجاء وہی مردود ہے جسے ۱۶۱ھ میں الحاد کی سزا میں قتل کر دیا گیا اور جس نے قتل سے پہلے یہ اعلان کیا تھا کہ میں نے تمہارے درمیان چار ہزار روایتیں گڑھ کر منتشر کر دی ہیں۔

فتنۂ غلو

امام صادقؑ کے لئے سب سے اہم مشکل غالیوں کا مسئلہ تھا۔ ان مردودوں نے اسلامی جماعت میں تفرقہ پیدا کرنے اور اپنے مردہ مذہب کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے ائمۂ اہلبیتؑ

Presented by Ziaraat.Com

کی طرف منسوب کر کے روایتیں نشر کرنا شروع کر دیں ــــ تاکہ امت کی توجہ ان کی طرف سے ہٹ جائے اور یہ لوگ اپنے منحوس ارادہ میں کامیاب ہو جائیں۔

مغیرہ بن سعید نے امام باقرؑ سے تعلق کا اعلان کر کے آپ کے خلاف روایتیں گڑھنا شروع کیں۔ امام صادقؑ نے اس بلاء ناگہانی کا بھی بروقت مقابلہ کیا۔ ان ملاعین کے کذب و افترا کا اعلان کیا اور امت کو فی الفور ایک عام قاعدہ عطا کر دیا کہ "جو حدیث، قرآن و سنّت کے موافق ہو یا اس پر ہمارے ہی کلام میں کوئی شاہد موجود ہو اسے قبول کیا جائے ورنہ رد کر دیا جائے"۔ اس لئے کہ مغیرہ بن سعید نے والد بزرگوار کے اصحاب کی کتابوں میں جھوٹی حدیثیں شامل کر دی ہیں۔ خدا کے لئے خدا سے ڈرو اور خدا و رسولؐ کے خلاف ہماری طرف کسی قول کی نسبت نہ دو"۔

ادھر کچھ غالیوں نے آپ کی خدائی کا بھی اعلان کر دیا۔ آپ نے اس خباثت کا بھی بروقت تدارک کیا اور تمام شہروں میں اطلاع کرا دی کہ ایسے لوگ ملعون ہیں اور ہم ان سے بیزار ہیں۔ (دعائم الاسلام ص۶۲ ج۱)

غالیوں کے مسئلہ میں آپ نے اتنی شدّت اختیار کی کہ ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، ملنا جلنا، شادی بیاہ اور میراث سب کو حرام کر دیا اور جب یہ کوفہ میں قتل کئے گئے تو آپ نے ان سب پر لعنت کی اور ان کے قتل پر اظہار افسوس کرنے والوں کو بھی ملعون قرار دیدیا۔ ابوالخطاب پر خدا و رسولؐ اور ملائکہ و انسان کی لعنت کی، ابوبصیر سے فرمایا کہ جو ہمیں خدا کہے اس سے برأت کرو، ہم بھی اس سے بیزار ہیں اور اس پر خدا کی لعنت ہے بلکہ جو اس میں شک کرے اس پر بھی خدا کی لعنت ہے!

اس کے علاوہ متعدد ارشادات و فرامین میں اس منحوس فرقہ کی مخالفت کا حکم دیا اور قتل کے علاوہ ان کا کوئی علاج تجویز نہیں کیا۔

امام صادقؑ کے اسی جہاد کا نتیجہ تھا کہ تھوڑے ہی دنوں میں دشمنوں کا یہ مشن فیل ہو گیا۔ غالیوں کا ارادہ پہچان لیا گیا اور انھیں اسلامی معاشرہ سے الگ کر دیا گیا اور اب کتابوں کے علاوہ ان کا تذکرہ کہیں نہیں ملتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ سیاست کی رفتار ویسی ہی بے ڈھنگی رہی۔ اور آج بھی "اندھے اہلِ قلم" "تفرقہ پرداز مؤلفین" غالیوں کا وجود ثابت کر کے انھیں شیعوں کا ایک فرقہ شمار کرنا چاہتے ہیں تاکہ مذہب اہلبیتؑ سے منحرف کرنے کا جو مشن کل فیل ہو چکا ہے اسے آج کامیاب بنا سکیں۔

Presented by Ziaraat.Com

اِمام صادق کا مدرسۂ فکر
اور
اس کے تعلیمات

Presented by Ziaraat.Com

مدینہ

وہ مقدس شہر جہاں صحابہ و تابعین اور بڑے بڑے علماء امت آباد تھے، فقہ کے بڑے بڑے حلقے قائم تھے۔ چاروں طرف سے طالبانِ علوم آرہے تھے اور حافظانِ حدیث فقیہ عصر بن کر نکل رہے تھے۔ یہ رسولؐ کا دار الہجرۃ، شریعت کا وطن، نور کا مرکز اور اسلامی حکومت کا دار الخلافہ تھا۔ یہیں وہ اہلبیتؑ آباد تھے جنھیں آیت تطہیر نے مرکزِ طہارت قرار دیا تھا۔ جو سعید بن مسیب کی زبان میں "علم کے حامل، ہدایت کے پرچم اور اسلام کے حکمراں تھے" اور مسلم بن ہلال عبدی کی زبان میں "نورِ خلافت کا مرکز اور گفتارِ نبوت کا مظہر تھے"۔

اسی مقدس شہر اور پاکیزہ گھرانے میں امام صادقؑ نے زندگی کے ابتدائی دن گذارے، نبوت کے گھر میں پیدا ہوئے۔ ایمان کی چاردیواری میں پلے بڑھے اور مرکزِ وحی کے پیغام کو نشر کرنے کے ذمہ دار بن گئے۔ آپ کا مدرسہ مستقل، ثابت قدم اور ہر دورِ حکومت سے مقابل رہا۔ تہذیبِ نفس، بلندئ عقل اور معراجِ کمال کے تمام ذخیرے آپ کے یہاں مہیا تھے۔ اس مدرسہ کا مقصد لوگوں کی فکر و نظر کی بلندی اور ان کی اصول اسلام سے واقفیت تھی۔ احکام دین کا رواج اور اجتماعی مشکلات کا حل اس کا خاص ہدف تھا۔ مدینہ کی بہار کا زمانہ وہی تھا جب یہ مدرسہ عروج کی منزلیں طے کر رہا تھا، چار طرف سے وفد آرہے تھے اور علوم رسالت کی بھیک سے اپنی جھولیاں بھر رہے تھے۔ سیاسی حالات قدرے خوشگوار تھے اور لوگ مشکلات کو حل کرانے کے لئے ہجوم کئے ہوئے تھے۔ امت نے اس مدرسہ سے اتنا حاصل کیا جس کا چرچا شہر شہر اور ملک ملک ہو گیا۔ (صواعق صفحہ ۱۲۰)

Presented by Ziaraat.Com

مالک بن انس جو سیاسی اقتدار پانے سے پہلے اس مدرسہ کے باقاعدہ طالب علم تھے۔ ان کا بیان ہے کہ امام صادقؑ اکثر تبسم فرمایا کرتے تھے لیکن جب آپ کے سامنے رسول اکرمؐ کا ذکر آجاتا تھا تو چہرۂ مبارک زرد ہو جاتا تھا۔

حدیث بیان کرنے کے لئے طہارت فرمایا کرتے تھے۔ میں نے ان کو یا تو نماز کی حالت میں دیکھا ہے یا خاموش پایا ہے یا پھر تلاوتِ قرآن کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ بے معنی کلام آپ کی ذات سے بعید تھا۔ آپ ان علماء میں سے تھے جن کے دل میں خوف خدا ہوتا ہے۔ (التوسل والوسیلہ ابن تیمیہ ص۵۲ ط ۲)

حافظ نیشاپوری کی روایت ہے کہ آپ اکثر حدیث بیان کیا کرتے تھے، لطف مجلس اور افادۂ اجتماع آپ کے یہاں تھا۔ رسول اکرمؐ کا ذکر آجاتا تھا تو چہرہ کا رنگ بدل جاتا تھا۔ حج کے موقع پر احرام باندھنے کے بعد وہ ہیبت طاری ہوتی تھی کہ آواز گلوگیر ہو جاتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سواری پر ٹھہر نہ سکیں گے۔ (الروضہ حافظ نیشاپوری)

تعلیمات

انھیں علمی اجتماعات میں امام صادقؑ کے تعلیمات نشر ہوتے تھے۔ آپ کا کام اسلامی نفوس میں فضیلت کی تخم ریزی اور خیر و برکت کی آبیاری تھا۔ آپ کی گفتگو زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہوتی تھی۔ نفوس کی تطہیر، اصلاح وہدایت کے خطوط کا تعین، آپ کا خصوصی مقصد تھا۔ آپ نے ایک طرف امت کے دل میں خوفِ خدا اور اس کے احکام کی پابندی کا ذوق پیدا کرایا تو دوسری طرف انھیں عمل پر آمادہ کیا۔ تجارت کی تعبیر عزت سے کی جیسا کہ معلّی بن خنیس کا بیان ہے کہ ایک دن مجھے بازار جانے میں دیر ہوگئی تو حضرت نے فرمایا کہ اپنی عزت کی طرف جاؤ۔ ایک دوسرے شخص سے فرمایا کہ تم آج صبح اپنی عزت کی طرف نہیں گئے۔ اس نے کہا کہ میں ایک جنازہ میں چلا گیا تھا ——— فرمایا بہرحال اپنی عزت کو فراموش نہ کرنا۔ معاذ نے اپنی تجارت ترک کر دی تو آپ نے فرمایا کہ دیکھو تجارت مت چھوڑو، اس سے عقل جاتی رہتی ہے۔ اپنے

Presented by Ziaraat.Com

عیال کے رزق میں وسعت دو تاکہ وہ تمھاری شکایت نہ کریں۔

ایک دن آپ نے ایک صحابی کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ حج کے لئے کیوں نہیں گیا؟ لوگوں نے عرض کی کہ اس نے تجارت چھوڑ دی ہے، اب سرمایہ کم ہو گیا ہے۔ یہ سننا تھا کہ آپ سنبھل کر بیٹھ گئے۔ فرمایا تجارت کو مت چھوڑو ورنہ بیکار ہو جاؤ گے۔ تجارت کرو اسی میں برکت ہے۔

معاذ کہتے ہیں کہ میں نے امام صادقؑ سے عرض کی کہ حضور میں بازار چھوڑنا چاہتا ہوں۔ ——— فرمایا کہ اس کے نتیجہ میں تمھاری رائے کا وزن کم ہو جائے گا اور تم سے کسی بات میں مدد نہ لی جائے گی۔

اس قسم کے بے شمار ارشادات ہیں جن میں امت کو تجارت اور کاروبار پر آمادہ کیا گیا ہے تاکہ کسی کے دستِ نگر بن کر ذلیل نہ ہوں۔ اپنا وقار باقی رکھیں اور اپنے اہل وعیال کے رزق کا انتظام کرتے رہیں اور اپنے سے پست طبقہ کی امداد بھی کر سکیں۔ لیکن چونکہ مال کی محبت سے خطرات بھی لاحق تھے اس لئے اس نکتہ کی طرف بھی متوجہ فرمایا۔ "دیکھو طلب معیشت کو بیکار آدمی سے زیادہ اور دنیا کے حریص آدمی سے کم ہونا چاہئے۔ اپنے نفس کو حرص سے محنت کی منزل میں لے آؤ اور ضعف و سستی سے بلند و بالا بناؤ۔ اتنا حاصل کرو جتنا ایک مومن کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

آپ کے پیش نظر یہ بھی تھا کہ خرچ میں زیادتی انسان کی اقتصادی زندگی کو تباہ کر سکتی ہے اس لئے اس نکتہ کو بھی سمجھا دیا کہ "فضول خرچی سے فقیری پیدا ہوتی ہے اور میانہ روی سے مالداری وجود میں آتی ہے۔"

عمل

امام صادقؑ نے امتِ اسلامیہ کو کاروبار پر آمادہ کرنے کے لئے علمی اور قولی دونوں قسم کی جدوجہد جاری رکھی۔ کبھی اپنے بیان سے عمل کی ترغیب دلائی اور کبھی خود بنفسِ نفیس محنت

Presented by Ziaraat.Com

کر کے اس کی خوبیوں کو آشکار کیا۔

ابو عمر شیبانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت کو پھاوڑا لئے ہوئے کام کرتے دیکھا تو عرض کی کہ یہ آپ مجھے عنایت کر دیں۔ میں یہ کام کر دوں گا۔

فرمایا کہ مجھے طلب معیشت کے لئے دھوپ کی گرمی کو برداشت کرنا بھلا معلوم ہوتا ہے۔

(اسماعیل بن جابر نے بھی اسی قسم کا قصہ بیان کیا ہے۔)

فضل بن قرہ ناقل ہیں کہ میں نے حضرت کو ایک قمیص پہنے ہوئے پھاوڑا اچلاتے دیکھا تو صورتِ حال کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں یہ کام دوسروں سے بھی کرا سکتا ہوں لیکن میں چاہتا ہوں کہ خدا مجھے بھی رزقِ حلال کی طلب میں جدوجہد کرتا ہوا دیکھے۔

اس ترغیب وتحریص کا سب سے بڑا راز یہ تھا کہ بیکاری انسان کی عزت کو گرا دیتی ہے اور اس کے ذہن میں احساسِ کمتری پیدا ہونے لگتا ہے۔

اللہ نے انسان کو جسم وعقل کی قوتیں عنایت کی ہیں تو اس کے لئے کسی طرح بھی روا نہیں ہے کہ اس کی دی ہوئی قوتوں کو معطل کر دے اور خود دوسروں کا دست نگر بن جائے۔

روایت نے دین ودنیا دونوں کے لئے عمل کرنے کی دعوت دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"دنیا کے لئے اس طرح کام کرو کہ گویا ابھی بڑا موقع ہے اور آخرت کے لئے اس طرح عمل کرو کہ گویا کل مر جانا ہے۔"

ایک مقام پر اعلان ہوتا ہے کہ "دوسرے کے سر اپنا بوجھ ڈالنے والا ملعون ہوتا ہے۔ اپنے عیال سے غافل ہونے والا بھی ملعون ہوتا ہے۔"

امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے کہ "راہِ خدا میں جہاد کے لئے نکلنا اولاد واطفال کے لئے طلبِ رزق کی کوشش سے زیادہ اہم نہیں ہے۔" "طلبِ معاش کے لئے نکلنے والا راہِ خدا میں جہاد کرنے والے کے مانند ہے۔"

امیر المومنینؑ کا عام دستور تھا کہ کسی شخص کو بھی دیکھ کر اس کے کام بارے میں سوال کرتے تھے اور اگر اس نے اپنی بیکاری کا اظہار کر دیا تو وہ آپ کی نظروں سے گر جاتا تھا۔ اور اسی لئے

Presented by Ziaraat.Com

امام صادقؑ نے معاذ سے فرمایا تھا کہ اگر تجارت چھوڑ دو گے تو لوگوں کی نظروں سے بھی گر جاؤ گے اور لوگ تم سے مدد بھی نہ مانگیں گے۔

عمل کی پرزور ترغیب و تحریص کے بعد آپ نے مالیات کا مکمل نظام بھی سمجھایا۔ ملکیت اور اس کے انتقال کے قواعد بھی بتائے کہ شعبۂ مالیات ہی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا اہم ترین محرک ہے۔ اس کی تنظیم زندگی کے تمام شعبوں سے زیادہ ضروری ہے۔ چنانچہ حسن بن علی بن شعبہ تحف العقول میں روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ سے معاشیات کے معاملات اور اکتساب و خرچ کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ انسان کے تمام معاملات جن سے کچھ حاصل کیا جاسکتا ہے چار قسم کے ہیں۔ ان میں حلال بھی ہیں اور حرام بھی ہیں۔ انسان کا فریضہ ہے کہ حلال کو اپنائے اور حرام سے پرہیز کرے۔

اکتساب کی پہلی قسم ولایت (ملازمت) ہے۔ اس کے بعد صنعت، اس کے بعد مزدوری اور اجارہ۔ ملازمت کی حلال صورت ان حکّام کی ملازمت ہے جنھیں اللہ نے ولایت عطا کی ہے۔ ان کی ملازمت، تقویت، اعانت اور شرکت سب حلال ہے لیکن ظالم بادشاہ کی ملازمت اور اس کے لئے کام کرنا اور اس کی اعانت کرنا یہ سب حرام ہے۔ اس میں حق کی تباہی کا اندیشہ ہے۔ ہاں بربنائے مجبوری خون کا پینا یا مردار کا کھانا بھی حلال ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد حضرت نے چاروں قسموں کے تفصیلات کی طرف اشارہ فرمایا ہے جسے صاحب تحف العقول نے اپنی کتاب میں اور محدث عاملیؒ نے وسائل الشیعہ میں درج کیا ہے۔

اسلامی برادری

آپ نے اپنے مختلف بیانات میں اسلامی برادری اور اس کے حقوق پر شدت سے زور دیا ہے کہ اس طرح امّت کے دلوں میں محبّت والفت پیدا ہوگی اور محبّت تنظیم عالم و آدم کا بہترین ذریعہ ہے۔

کراہت و نفرت، باہمی عداوت کا سرچشمہ ہے۔ نفرت کی آنکھ خوبیوں کو نہیں دیکھ سکتی

Presented by Ziaraat.Com

ہے۔ اس کی نظر ہمیشہ عیوب پر رہتی ہے اور عیب جوئی ہزار اختلاف کی بنیاد ہوتی ہے۔ شیرازۂ اسلامی کو منظم رکھنے کے لئے اخوت اور برادری کا لحاظ انتہائی ضروری ہے۔

سرکار دو عالمؐ نے بھی اپنے اصحاب میں مواخات قائم کی تھی اور قرآن نے بھی اہلِ ایمان کی برادری کا اعلان کیا ہے۔

حضور اکرمؐ نے برادری کا یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ آپ اپنے بھائی کے لئے انھیں چیزوں کو پسند کریں جنھیں اپنے لئے پسند کرتے ہیں۔ ایسا کرنے سے بھائی بھی آپ سے ویسا ہی سلوک کرے گا اور آپ کا نفس دونوں جہتوں سے مطمئن ہوگا۔ اس جہت سے بھی کہ آپ نے دوسرے کے لئے خیر ہی چاہا ہے اور اس جہت سے بھی کہ دوسرا آپ کے لئے شر نہیں پسند کر سکتا ہے۔

یہی وہ اجتماعی خوش بختی اور معاشرتی اصلاح تھی جس کے پیشِ نظر امام صادقؑ نے باہمی اخوت پر زور دیا تھا اور کسی وقت بھی مسلمان کو اپنے بھائی کے حالات سے غافل نہیں ہونے دیا تھا۔

صفوان جمال راوی ہیں کہ مکہ سے ایک شخص میمون نامی امام صادقؑ کی خدمت میں آیا اور آپ سے کرایہ کے ختم ہو جانے کی شکایت کی۔ آپ نے اس کی حاجت پوری کرنے کا حکم دے دیا۔ میں اسے اپنے ساتھ لے گیا اور اس کی حاجت پوری کر کے پلٹ کر آیا تو حضرت نے مجھ سے سوال کیا۔ میں نے صورتِ حال کی اطلاع دی تو آپ نے فرمایا کہ "ایک مومن کی حاجت کا پورا کر دینا ہفتہ بھر کے طواف سے بہتر ہے۔" اس لئے کہ حاجت روائی سے محبت و الفت پیدا ہوتی ہے اور محبت و الفت سے اجتماعی فوائد تشکیل پاتے ہیں۔ نفرت اختلافات کا سرچشمہ ہے۔

محبت چشم پوشی کی دعوت دیتی ہے اور نفرت اظہار عیوب کی۔

محبت محبت پیدا کرتی ہے اور نفرت نفرت۔

اسی لئے کہا جاتا ہے کہ "عدالت محبت کی جانشین ہے۔"

سقراطیس کا کہنا تھا کہ دنیا کا کوئی شخص محبت کے بغیر نہیں جی سکتا ہے چاہے ساری دنیا اس کی طرف مائل کیوں نہ ہو جائے۔ جو شخص محبت کو حقیر سمجھتا ہے وہ خود حقیر و صغیر ہوتا ہے۔

امام صادقؑ کے یہ تعلیمات زبان ہی کی حد تک محدود نہیں تھے بلکہ عملی میدان میں بھی آپ نے

Presented by Ziaraat.Com

بڑے بڑے مجاہدات کئے ہیں ـــــ اجتماعی محبت و اخوت کی ایجاد کے لئے اپنے ذاتی سرمایہ سے کافی حصہ صرف فرمایا ہے جیسا کہ سعید ابن بیان "زبیں قافلہ حجاج" کا بیان ہے کہ میں اپنے داماد سے ایک میراث کے بارے میں جھگڑا کر رہا تھا کہ اتنے میں مفضل بن عمر کا گذر ہو گیا۔ انھوں نے کچھ دیر توقف کیا۔ اس کے بعد فرمایا میرے ساتھ چلو۔ ہم لوگ ان کے ساتھ گئے اور انھوں نے چار سو درہم پر صلح کرادی اور اسے اپنے پاس سے عطا کر دیا۔ ہم لوگوں نے مال لے لیا تو انھوں نے فرمایا کہ یہ میرا مال نہیں ہے بلکہ یہ مجھے امام صادقؑ نے بطور امانت عطا فرمایا ہے کہ میں اس سے اختلافات کو رفع کرا کے صلح کرایا کروں۔ (اصول کافی ۲ ص ۲۰۹ ط ۲ دار الکتب الاسلامیہ طہران)

ظلم سے مقابلہ

انسانی عقلوں کا متفقہ فیصلہ اور عقلائے عالم کا اجماعی مسلک ہے کہ ظلم ایک بدترین صفت اور عدل ایک بہترین خصلت ہے۔

عدل خوبیوں کا سرچشمہ اور فضیلت کی پھڑکتی ہوئی نبض ہے۔

اسلام نے عدل کے قیام کے لئے بے پناہ اہتمام کیا ہے اور اس سلسلے میں کسی نقطہ کو فروگذاشت نہیں کیا ہے۔

امام صادقؑ نے ظلم کی ممانعت، ظالمین کی اعانت سے انکار اور ان سے دوری پر شدت سے زور دیا ہے اور اس طرح ہر امکانی کوشش کی ہے کہ لوگوں کے قطع تعلق سے ظلم کی بنیادیں منہدم ہو جائیں اور عدل کا نظام برسر اقتدار آجائے۔

امام عادل امیر المومنینؑ کا ارشاد تھا کہ "کانٹوں پر لیٹ کر رات بسر کر لینا اور زنجیروں میں جکڑ کر کھینچا جانا ظالم ہونے سے کہیں زیادہ بہتر ہے"۔

"اگر مجھے ساتوں اقلیم کا بادشاہ بنا دیا جائے اور یہ مطالبہ ہو کہ ایک چیونٹی پر ظلم کر کے اس کے منہ سے دانہ جو چھین لوں تو یہ میرے بس سے باہر ہے"۔

اہلبیتؑ کا یہی مشن تھا جو ظالمین کی نظروں میں کھٹک رہا تھا اور وہ ہر وقت ان حضرات

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

کے درپے آزار رہتے تھے۔

تلواریں کھنچی رہیں لیکن یہ حضرات ظالمین کی طرف نہ کھنچ سکے۔

قرآن پر عمل اور ظالموں سے ترک تعلق ان کا شعار رہا۔ مقصد صرف یہ تھا کہ امت کی آبرو محفوظ رہے اور اس کی عزت کو ٹھیس نہ لگنے پائے۔ چنانچہ صفوان کہتے ہیں کہ میں امام موسیٰ کاظمؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ تمھاری تمام باتیں ٹھیک ہیں لیکن ایک بات ....

میں نے گھبرا کر عرض کی کہ حضور! میری جان قربان۔ وہ کیا ہے؟

فرمایا تم ہارون کو اونٹ کرایہ پر دیتے ہو۔

میں نے عرض کی کہ حضور کسی غلط کام کے لئے نہیں دیتا ہوں۔ صرف مکہ کے سفر کے لئے دیتا ہوں۔ وہ بھی خود نہیں جاتا غلاموں کو بھیج دیتا ہوں۔

آپ نے فرمایا کہ بہرحال تمھاری یہ خواہش تو ضرور ہوتی ہے کہ یہ زندہ وسلامت واپس آجائے تاکہ مجھے کرایہ مل جائے۔

عرض کی حضور! یہ تو بہرحال ہوتا ہے۔

فرمایا جو ان کی بقا کا خواہش مند ہوتا ہے وہ انھیں میں سے ہوتا ہے اور جو ان میں سے ہوتا ہے وہ جہنمی ہوتا ہے۔

میں نے فوراً سارے اونٹ بیچ ڈالے تاکہ اس مصیبت سے نجات ہی مل جائے۔

یہ تھا امام صادقؑ کا جہاد، ظلم کی مخالفت اور اس کے عیوب کے اعلان کے سلسلے میں۔

آپ نے امت کو واضح لفظوں میں بتا دیا تھا کہ دنیا کا ہر فساد اور ہر بغاوت ظلم کی پیداوار ہے۔

قحط، خشک سالی، بھوک، خوف، بلا، یہ سارے حادثات بندوں کے باہمی ظلم سے پیدا ہوتے ہیں۔

آپ نے ظلم کی ممانعت کے ساتھ ظالم سے تقرب اور اس کی ملازمت کو بھی حرام قرار دے دیا کہ اس میں حق کی تباہی اور باطل کے رواج کا اندیشہ ہے۔

عذافر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ تم ابوایوب

اور بیع سے معاملت کرتے ہو۔ آخر اس وقت کیا کرو گے جب تمہارا نام ظالموں کے مددگاروں میں پکارا جائے گا؟

یونس بن یعقوب کو ظالموں کی مسجد بنانے تک سے روک دیا۔

ایک شخص نے ظالمین کے یہاں معماری اور ان کو چیزیں کرایہ پر دینے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں ان کے لئے ایک گرہ باندھنا، ایک ظرف ڈھکنا، ایک قلم کھینچنا تک پسند نہیں کرتا۔ اس لئے کہ ظالموں کے مددگار روزِ قیامت جہنم کے طبقات میں رہیں گے۔

اس نے گھبرا کر عرض کی کہ اب ایسا نہیں کروں گا اور سوچتا ہوا پلٹا کہ حضرت نے مجھے صرف اس لئے منع کیا ہے کہ مجھ سے بھی ظلم وجور کا اندیشہ ہے۔ اب میں آپ کے پاس جا کر ہر ممکن قسم کھاؤں گا کہ میں ظلم نہ کروں گا۔ آپ مجھے اجازت دے دیجئے ـــــ یہ طے کر کے حضرت کے پاس آیا اور صورتِ حال کو بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تم نے کیا کہا؛ میں نے دوبارہ ساری قسمیں کھائیں۔ آپ نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ آسمان تک پہنچ جانا آسان ہے لیکن یہ اجازت ممکن نہیں ہے۔ (تجارت جواہر صـ۳۶)

اس بے پناہ شدت کے باوجود حضرتؑ نے ان مواقع پر ظالمین کی ملازمت کو جائز بھی قرار دیا ہے۔ جب مومنین کا فائدہ، امت کی اصلاح، تعلیماتِ اسلام کے رواج اور محرمات کی ممانعت کے امکانات قوی ہوں۔ چنانچہ مختلف احادیث میں اس حقیقت کا اعلان بھی کیا گیا ہے جیسا کہ اہواز کے امیر نجاشی کے نام آپ کے مکتوب سے اندازہ ہوتا ہے۔ (وسائل کتاب التجارہ)

ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ پروردگار عالم نے ظالمین کے دروازے پر ایسے افراد بھی رکھ دیئے ہیں جن کی دلیل واضح ہو اور جن سے قیامِ عدل کے امکانات ہوں۔ وہ اولیاء خدا کی طرف سے دفاع کریں اور امورِ مسلمین کی اصلاح کا انتظام کریں۔

آپ نے اپنی پوری زندگی منفی سیاست میں گذار دی اور آپ کا تمام تر مقصد یہ رہا کہ ہمارے چاہنے والے ظالمین سے امکان بھر علیحدگی رکھیں۔

چنانچہ استاد توفیق فلکی نے اپنی کتاب "حیات الصادقؑ" صـ۲۷ پر تحریر فرمایا ہے کہ سیاست میں عدم تعاون اور منفی طرزِ عمل کی بنیاد امام صادقؑ سے پڑی ہے۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ حقوق

Presented by Ziaraat.Com

کا احترام نہ کرنے والی حکومت کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھا جائے۔ ایسی حکومت قانون و قاعدہ، عہد و پیمان، دستور و اصول، حقوق و فرائض کا استہزا کرتی ہے اور فساد فی الارض کے جملہ وسائل مہیا کر دیا کرتی ہے۔

آپ نے ہر شخص پر حسب حیثیت عدم تعاون کو فرض کیا ملازمتوں سے روکا، عذاب الٰہی سے ڈرایا اور آئندہ نسلوں کے لئے ایک مستقل دستور بنا دیا کہ اب کوئی مصلح یا خادم یا پابند حقوق انسان قہر و غلبہ اور جبر و استبداد کے مقابلہ میں اس سے بہتر سیاست نہیں اختیار کر سکتا ہے۔ یہ قانون قوت ایمان سے معمور دل، حرارت عقیدہ سے تڑپتے ہوئے نفس، پاکیزہ روح اور "ظلم دشمن مزاج" رکھنے والے افراد کے لئے ہے۔ دوسرے شخص میں اس کی صلاحیت و استعداد نہیں پیدا ہو سکتی ہے۔

امام صادقؑ نے اس حقیقت کو بھی تشنۂ اظہار نہیں چھوڑا ہے کہ ظلم کسی اعتبار سے بھی جائز نہیں ہو سکتا ہے۔ اس کا دائرہ صرف سلطان جابر کی ملازمت تک محدود نہیں ہے بلکہ زندگی کے وہ تمام معاملات ظلم میں داخل ہیں جن میں کسی کی حق تلفی کا امکان ہو۔

ابو حمزہ نے آپ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ "ظلم کرنے والا کوئی خیر نہیں کر سکتا ہے ظالم مظلوم سے اتنا مال نہیں لیتا ہے جتنا مظلوم ظالم کے دین میں سے لیتا ہے۔"

"جو انسان دوسروں سے برائی کرتا ہے وہ اپنے ساتھ برائی کا بھی انتظام کرے۔"

"جس نے برادر مومن کا مال کھایا اس نے جہنم کے شعلے کھائے۔"

"خبردار! کسی مظلوم کے خلاف ظالم کی مدد نہ کرنا۔ ورنہ مظلوم کی فریاد کے مقابلہ میں کوئی دعا قبول نہ ہوگی۔"

رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ "مظلوم کی دعا ہمیشہ مستجاب ہوتی ہے لہذا ہر ایک کو دوسرے کے کام آنا چاہئے۔ مسلم کی اعانت خیر اور ایک مہینہ کے روزوں سے زیادہ بہتر ہے بلکہ مسجد الحرام میں اعتکاف سے بھی افضل ہے۔"

"جس نے مظلوم کے مقابلہ میں ظالم کی اعانت کی اللہ اس سے اس وقت تک ناراض رہے گا جب تک اپنے ظلم سے دست بردار نہ ہو جائے۔"

Presented by Ziaraat.Com

عزّتِ نفس

• عزّتِ نفس اور خودداری کا مفہوم یہ ہے کہ انسان خود اپنے نفس کا احترام کرے۔ اسے اس کا واقعی رتبہ عطا کرے اور کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے خودداری کے جذبہ کو ٹھیس لگے۔

امام صادقؑ نے اپنے جہادِ مسلسل میں اس پہلو پر بھی بیحد تاکید کی ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ "مومن کے لئے اپنے نفس کو ذلیل کرنا جائز نہیں ہے"۔

پوچھا گیا کہ نفس کو ذلیل کرنے کا کیا مطلب ہے؟

فرمایا کہ انسان کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے بعد میں معذرت کرنا پڑے۔

طلبِ معاش کی تاکید اور مختلف محرمات کی ممانعت کا فلسفہ بھی انسان کی خودداری ہی میں مضمر ہے اور اسی بیش بہا جوہر کی حفاظت کے لئے یہ تمام کوششیں کی جارہی تھیں۔

عزّتِ نفس کے اہم اسباب میں عفت، قناعت، امانت، صبر اور صدق و وفا ہیں اور اس کے سب سے بڑے مہلک جراثیم جھوٹ، خیانت، ریاکاری، جعل سازی اور لالچ وغیرہ ہیں۔

ان فضائل سے عزّتِ نفس میں اضافہ اور ان رذائل سے عزّتِ نفس میں کمی کوئی محتاجِ استدلال بات نہیں ہے۔ انسان فطری اعتبار سے ان حقائق سے آگاہ ہے اور اسلام نے بھی انھیں نکات کی تائید کی ہے۔

امام صادقؑ کا بیان ہے کہ "جس نے اپنے کو شر سے بچائے رکھا وہ عزّت دار ہے"۔

"مومن کے لئے دین میں قوّت، نرمی میں احتیاط، یقین میں ایمان، فقہ میں حرص، ہدایت میں نشاط، استقامت میں نیکی، علم میں حلم، نرمی میں ہوشیاری، حق میں سخاوت، مالداری میں میانہ روی، فاقہ میں تحمل، قدرت میں عفو، نصیحت میں اطاعت، خواہش میں رکھ رکھاؤ، رغبت میں پرہیز، جہاد میں شوق، مشغولیت میں نماز، شدّت میں صبر، سختیوں میں وقار، نرمیوں میں شکریہ کا انداز ہوتا ہے۔ وہ نہ غیبت کرتا ہے نہ غرور، نہ قطعِ رحم کرتا ہے نہ سستی۔ نہ بدکلام ہوتا ہے نہ ترش رو۔ اس کی نگاہ غلط انداز نہیں ہوتی ہے۔ اس کا پیٹ رسوا کن نہیں ہوتا ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

اس پر شہوت غالب نہیں آتی ہے۔ وہ نہ حسد کرتا ہے نہ چوری اور نہ ظلم"۔

"اللہ نے مومنین کو تمام اختیارات دے دیئے ہیں لیکن اپنے نفس کو ذلیل کرنے کا اختیار نہیں دیا ہے۔ ارشاد احدیت ہے کہ عزت صرف اللہ و رسول اور اہلِ ایمان کے لئے ہے۔ مومن عزیز ہوتا ہے۔ ذلیل نہیں ہو سکتا ہے۔ مومن پہاڑ سے زیادہ بلند ہوتا ہے پہاڑ اس کے مقابلہ میں چھوٹا ہوتا ہے۔ پہاڑ توڑا جا سکتا ہے لیکن مومن کا ایمان کم نہیں کیا جا سکتا ہے"۔

اس کے علاوہ بے شمار ارشادات ہیں جہاں بزدلی، کمزوری، خود فروشی اور خود فراموشی سے روکا گیا ہے کہ ان باتوں سے دین میں کاہلی، تبلیغ میں سستی، خدمتِ دین میں کمی اور معمولی مصائب میں اضطراب جیسی مذموم صفتیں وجود میں آجاتی ہیں۔

قوتِ ارادی

ارادہ قوتِ عمل کا وہ اوّلین محرک ہے جس کے بل بوتے پر طبیعت کے مختلف رجحانات اور نفس کے گوناگوں خواہشات کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ ارادہ کی طاقت انسانی کردار میں فضیلت کے لئے سب سے بڑی بنیاد اور رذائل کے لئے سدِ سکندری کی حیثیت رکھتی ہے۔ قوی الارادہ انسان ہی وہ صاحبِ عظمت ہوتا ہے جو اپنے عزائم سے عجائبِ روزگاری ایجاد کرتا ہے۔ جسم کی طاقت، ارادہ کی بلندی اور قوت کے مقابلہ میں ہیچ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ امام صادقؑ کا ارشاد ہے کہ "کوئی بدن ارادہ و عزم سے کمزور نہیں ہوتا ہے"۔

"قوتِ ارادی کا مالک ایک معاشرہ اور سماج کی اصلاح کا بیڑا اٹھا سکتا ہے۔ خیر و برکت کے چشمے اس کی ٹھوکر سے برآمد ہوتے ہیں شخصیت سازی میں اس کا بہت بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔

امام صادقؑ نے قوتِ ارادی اور اس قسم کے دیگر فضائل و خصائل کی طرف متوجہ کر کے انسان کو اس کی صحیح عظمت و منزلت سے روشناس کرایا ہے۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے اندر ایک ایسی روح پیدا ہو جائے جس میں اسلامی اخلاق کی جھلک اور مذہبی تعلیمات کی آئینہ داری ہو۔ حضرت کے یہ ارشادات مختلف مقامات پر منتشر طریقہ سے نظر آتے ہیں۔ کاش

Presented by Ziaraat.Com

آپ کی زندگی بھر کی جہد مسلسل کا یہ خلاصہ کسی ایک شکل میں مرتب ہوجاتا اور امتِ اسلامیہ اسے مشعلِ راہ بنالیتی۔

خطوط و نصائح

امام صادقؑ نے اپنے مختلف خطوط و مراسلات میں امت کو وہ گراں قدر نصائح اور مواعظِ حسنہ عطا فرمائے ہیں جن کی نظیر اخلاقی دنیا میں ناممکن ہے۔ عبداللہ نجاشی کے خط کی تفصیل عبداللہ بن سلیمان نوفل نے یوں بیان کی ہے کہ میں امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر تھا کہ اتنے میں نجاشی کا غلام آگیا اور اس نے حضرت کو ایک خط دیا۔ آپ نے اسے پڑھا تو اس میں یہ عبارت درج تھی: "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم خدا آپ کو باقی رکھے اور مجھے آپ کا فدیہ قرار دیدے۔ صورتِ حال یہ ہے کہ میں اہواز کی ولایت میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ مجھے ایسے حدود و امثال تعلیم کیجیے جس سے قربِ خدا و رسولؐ کی راہیں معلوم کرسکوں۔ شاید خدا مجھے اس بلا سے نجات دیدے۔ آپ تو اللہ کی حجت اور اس کے دین کے امانتدار ہیں۔ آپ پر اس کی مسلسل نعمتیں ہیں۔" حضرت نے فوری طور پر یہ جواب مرحمت فرمایا: "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ تم پر اپنا لطف و کرم فرمائے۔ تم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ میں تمھارے لئے ایک مختصر ہدایت نامہ لکھتا ہوں۔ اس پر عمل کرو گے تو سلامتی پاؤ گے۔ مجھے میرے پدر بزرگوار نے اپنے آباء کرام کے واسطے سے رسول اکرمؐ کا یہ ارشاد بتایا ہے کہ جس نے مردِ مومن کو صحیح مشورہ نہ دیا اس کی عقل سلب ہوجائے گی۔ یاد رکھو، تمھاری نجات اسی بات میں ہے کہ خون کی حفاظت کرو۔ اولیاء خدا کو اذیت نہ دو۔ رعایا پر نرمی کرو۔ معاشرت کا انداز اچھا رکھو۔ نرمی کرو لیکن ضعف کے ساتھ نہیں، سختی کرو لیکن تشدد کے انداز سے نہیں۔ اپنے ساتھیوں اور آنے والوں سے مدارات کا سلوک کرو۔ حق و عدل کے معاملات میں رعایا کا ساتھ دو۔ دیکھو چغل خوروں اور افترا پردازوں سے بچتے رہنا۔ ایسا نہ ہو کہ یہ تمھیں لغزش میں مبتلا کردیں اور تم ان کی باتوں میں آجاؤ۔ ایسا کرو گے تو پروردگار ناراض ہوجائے گا اور تمھاری عزت خطرہ میں پڑجائے گی۔ اپنے اسرار و رموز کو اس شخص کے حوالہ کرو جو دین میں

Presented by Ziaraat.Com

ہم خیال، امانت دار اور ازمایا ہوا ہو۔ اگر کوئی درہم، کوئی خلعت یا کوئی سواری غیر راہِ خدا میں کسی شاعر یا مسخرے کو دینا تو اتنا ہی راہِ خدا میں بھی صرف کرنا۔ اپنے عطیے اور انعامات سپاہیوں، قاصدوں، سفیروں اور فوجیوں کے لئے رکھو۔ نیکیاں۔ صدقات، آب وطعام، ہدایا، رقوم حج وغیرہ اپنے پاکیزہ ترین کسب سے نکالو۔ سونے چاندی کا ذخیرہ نہ رکھو۔ ایسے لوگوں کے لئے قرآن نے عذاب الیم کی بشارت دی ہے۔ جو طعام راہِ خدا میں دو اسے کم نہ سمجھو، اس سے غضبِ الٰہی سے نجات ملتی ہے۔ میں نے اپنے آباء و اجداد کے واسطے سے رسولؐ اکرم کا یہ ارشاد سنا ہے کہ جس کا ہمسایہ بھوکا رہے اور وہ سیر ہو کر سو جائے وہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتا ہے۔

امیرالمومنینؑ نے یہ سن کر عرض کیا تھا کہ اس طرح تو لوگ ہلاک ہو جائیں گے ——

فرمایا —— کہ یہ بات اپنی ضرورت سے فاضل آب و دانہ اور لباس و خلعت کے لئے ہے۔

چنانچہ امیرالمومنینؑ دنیا سے اس عالم میں گئے کہ آپ کے ذمہ کوئی بار نہ تھا اور نہ کوئی قابلِ ملامت بات آپ کی زندگی میں پیدا ہو سکی۔ آپ کے بعد ائمۂ ہدیٰ نے یہی سیرت اختیار کی اور کبھی اپنے کردار کو آلودہ نہیں ہونے دیا۔ عبداللہ دیکھو کسی مومن کو دھمکانے کی کوشش نہ کرنا ورنہ امیرالمومنینؑ کا ارشاد ہے کہ مومن کی طرف نگاہِ تند سے دیکھنے والا بھی روزِ قیامت سایۂ رحمتِ الٰہی سے محروم رہے گا۔ اسے دیمک کی شکل میں محشور کیا جائے گا یہاں تک واردِ جہنم ہو جائے۔ اس کے بعد آپ نے مقامِ اخلاق اور اموالِ حکومت کے متعلق قوانین تحریر فرمائے جس پر عمل کرنے والا یقیناً نجات یافتہ ہو سکتا ہے۔ (بحار ۱۷/۲۶۳، وسائل باب الولایہ)

ایک شخص اہواز سے حضرت کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ میرے ذمہ عبداللہ نجاشی کا کچھ خراج باقی ہے۔ آپ ایک سفارشی خط لکھ دیجئے۔ آپ نے صرف ایک کلمہ تحریر فرمایا۔ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اپنے بھائی کو خوش کرو اللہ تمھیں خوش کرے گا۔" نجاشی نے خط دیکھتے ہی آپ کے حکم کی تعمیل کی اور اس کے خراج کو معاف کر دیا اور اس سے دریافت کیا کہ میں نے تمھیں خوش کر دیا؟ اس نے عرض کی۔ جی ہاں!

Presented by Ziaraat.Com

صفاتِ الٰہیہ

عبدالملک بن اعین نے آپ کے نام عراق سے ایک خط لکھا کہ یہاں کچھ لوگ خدا کی شکل وصورت اور اس کے نقش ونگار معین کرتے ہیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ اس سلسلہ میں صحیح راستہ کی ہدایت فرمائیں ۔ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا۔ تم نے توحید کے بارے میں اور اپنے ہم وطن لوگوں کے عقیدہ کے بارے میں دریافت کیا ہے تو یاد رکھو کہ خدا بلند و بالا اور بے مثل ہے۔ وہ سمیع وبصیر ہے۔ اس کو مخلوق سے تشبیہ دینے والے افترا پرداز اور غلط گو ہیں۔ یاد رکھو کہ توحید کے بارے میں صحیح عقیدہ وہی ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے۔ اللہ کو کسی کی شبیہ نہ بناؤ اور نہ اس کے احکام کو بالکل الگ تصور کرو۔ وہ ثابت وموجود ہے لیکن دنیا کے وصف کرنے والوں سے اجل وارفع ہے۔ دیکھو! قرآن سے تجاوز نہ کرو ورنہ ایمان کے بعد بھی گمراہ ہو جاؤ گے۔ (کافی اصنا)

اصحاب کے نام

" اللہ سے ڈرو اور خیر کے علاوہ زبان بند رکھو! آخرت میں کام آنے والی باتوں کے علاوہ سکوت اختیار کرو۔ ذکر خدا اور تسبیح وتہلیل میں زیادتی کرو۔ اس سے دعائیں مانگو۔ وہ سب سے بلند ہے۔ اس تک کسی کی رسائی نہیں ہے۔ حرف باطل سے اپنی زبانوں کو محفوظ رکھو تاکہ جہنم سے بچے رہو اس لئے کہ ایسی باتوں سے انسان اگر توبہ نہ کرے تو جہنم کا اندیشہ ہے۔"

" اپنے پروردگار سے عافیت مانگو، سکون سے رہو، نیک کرداروں کی طرح پاک و پاکیزہ رہو، مسلمان مسکینوں کا خیال رکھو۔ ان کو حقیر سمجھنا دین میں لغزش کا سبب ہے مسلمان کی توہین کرنے والا عذاب خدا کا مستحق ہو جاتا ہے۔ آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرنا۔ یہ صالحین کا شعار نہیں ہے۔ ایسا کرنے والا خود بھی مظالم میں مبتلا ہوگا اور اللہ اس کا ساتھ نہ دے گا پھر

Presented by Ziaraat.Com

وہ مظالم کا شکار ہی رہے گا۔ آپس میں حسد نہ کرو۔ حسد کفر کی بنیاد ہے۔ مظلوم مسلمان کے خلاف ظالم کی اعانت نہ کرو ورنہ اس کی دعا قبول ہو کر رہے گی۔ حرام چیزوں کی طرف رغبت نہ کرو کہ اللہ کے محرمات کی توہین کرنے والا جنت سے محروم رہے گا۔"

نصائح

تاریخی اعتبار سے یہ بات کسی طرح بھی تعجب خیز نہیں ہے کہ اہلبیتؑ کی علمی شہرت، ان کی قوت استدلال اور ان کے طرز ہدایت کے استحکام کی بنا پر امت کے بڑے بڑے علماء ان سے استفادہ کو بے حد غنیمت شمار کیا کرتے تھے۔

امام صادقؑ اس گھرانہ کے اہم ترین اور اپنے دور کے کامل ترین فرد تھے اس لئے ان کے گرد امت کا اجتماع ایک فطری امر تھا۔ امت یہ چاہتی تھی کہ آلِ رسولؐ سے ہدایت — تاکہ ان کے مقرر کئے ہوئے خطوط پر چل کر نجات پا —

سفیان ثوری برابر کے حاضری دینے والے تھے۔ ابوحنیفہ باریابی کو غنیمت شمار کرتے تھے اور کوفہ میں امام کی خدمت میں شرفیابی ان کا مستقل شعار تھا۔ مالک آپ کے مواعظِ حسنہ سے برابر مستفید ہوتے رہتے تھے۔ سفیان ثوری نے تو ان نصائح کو مشہور بھی کیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے حکومت نے انھیں اپنی طرف موڑنے کی کوشش کی اور جب ناکام ہوگئی تو ان پر شاہی عتاب نازل ہوگیا۔

حفص بن غیاث آپ کے مواعظ کو مشعلِ راہ بناتے تھے اور اسے آیندہ نسلوں کے لئے محفوظ کرتے جاتے تھے۔ چنانچہ انھیں حضرت نے درج ذیل نصیحت فرمائی تھی۔

"اگر ممکن ہو تو لوگوں میں غیر معروف ہو جاؤ۔ اس لئے کہ لوگوں میں شہرت کا نہ ہونا کوئی عیب نہیں ہے۔ پھر کوئی اللہ کی نظر میں قابلِ تعریف ہو تو لوگوں کی مذمت سے کیا اثر پڑتا ہے۔ اگر گھر میں بیٹھنا ممکن ہو تو باہر نہ نکلو اس لئے کہ باہر نکلنے کی ذمہ داری یہ ہے کہ غیبت نہ کرو جھوٹ نہ بولو، حسد نہ کرو، ریاکاری نہ کرو، تصنع نہ برتو، سستی نہ کرو۔ (وسائل باب الجہاد ج ۲)

Presented by Ziaraat.Com

سفیان ثوری کو نصیحت :-

"شبہات میں توقف کرنا ہلاکتوں میں گر پڑنے سے زیادہ بہتر ہے۔ بغیر سمجھے روایت بیان کرنے سے روایت نہ کرنا ہی اچھا ہے۔ ہر حق پر ایک حقیقت اور ہر صداقت پر ایک نور ہے۔ لہذا جو بات کتاب خدا کے موافق ہو اسے لے لو ورنہ ترک کر دو" (تاریخ یعقوبی ج۲ ص۱۱۵)

نصر بن کثیر راوی ہیں کہ میں سفیان ثوری کے ساتھ حضرت جعفرؑ بن محمدؑ کے پاس گیا اور میں نے عرض کی کہ میرا ارادہ حج کے لئے ہے۔ آپ مجھے کوئی دعا تعلیم فرمائیں۔ آپ نے یہ دعا تعلیم کی "یَا سَابِقَ الْفَوْتِ یَا سَامِعَ الصَّوْتِ یَا کَاسِیَ الْعِظَامِ لَحْمًا بَعْدَ الْمَوْتِ"۔ خانہ کعبہ کی دیوار پر ہاتھ رکھ کر یہ فقرے ادا کرو اور پھر جو چاہو مانگو۔ اتنے میں سفیان نے کوئی بات کہی جو میں سمجھ نہ سکا۔ حضرت نے اس کے جواب میں فرمایا کہ جب کوئی محبوب شے ملے تو حمد خدا کرو اور جب کوئی ناپسندیدہ بات رونما ہو تو لاحول پڑھو اور جب رزق ملنے میں تاخیر ہو تو استغفار کیا کرو"

ایک اور موقع پر سفیان نے حضرت سے مل کر درخواست کی کہ آپ مجھے کچھ نصیحت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا "جھوٹے کے لئے کوئی مروت نہیں ہے۔ زود رنج کا کوئی بھائی نہیں ہے، حاسد کے لئے راحت نہیں ہے۔ بد خلق کے لئے سیادت و ریاست نہیں ہے۔

سفیان نے عرض کی حضور کچھ اور، فرمایا "سفیان! خدا پر بھروسہ رکھو تاکہ مومن رہو اس کی عطا پر راضی رہو تاکہ غنی کہلاؤ۔ ساتھیوں سے اچھا برتاؤ کرو تاکہ مسلمان رہ سکو۔ فاجر کا ساتھ نہ رکھو کہ وہ فجور سکھائے گا۔ اپنے امور میں خدا ترس لوگوں سے مشورہ کرو"

سفیان نے پھر درخواست کی۔ کچھ اور؟ فرمایا "جو شخص بلا قبیلہ کی عزت، بلا مال کی مالداری، بلا سلطنت کی ہیبت چاہتا ہے وہ معصیت کی ذلت سے اطاعت کی عزت میں آجائے"

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ سفیان نے آکر حضرت سے عرض کی کہ جب تک حضور حدیث نہ بیان فرمائیں گے میں نہ جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا کہ میں حدیث تو بیان کئے دیتا ہوں لیکن زیادہ احادیث میں تمھارے لئے بہتری نہیں ہے۔ دیکھو اگر کسی بھی نعمت کی بقاء و دوام چاہتے ہو تو زیادہ سے زیادہ شکر خدا کرو ——— کہ شکریہ پر اضافہ کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اگر رزق میں تاخیر

Presented by Ziaraat.Com

ہوجائے تو استغفار کرو اس لئے کہ قرآن نے استغفار پر آسمان سے نعمتوں کے نزول اور زمین سے باغ و بہار، اموال و اولاد اور اشجار و انہار کا وعدہ کیا ہے۔ دیکھو اگر کسی کی طرف سے کوئی رنج پہنچے تو لاحول پڑھا کرو۔ یہی کشائش حال کی کنجی اور جنت کا خزانہ ہے۔ سفیان نے یہ سنا تو بار بار انگلیوں پر گن گن کے کہنے لگے۔ واہ کیا تین باتیں ہیں ___ تین باتیں ___ تین۔ سبحان اللہ۔
(حلیۃ الاولیاء ۳ صـ۱۹۳ بروایت مالک بن انس)

عبداللہ بن جندب کو نصیحت

"ابن جندب! مومن وہی ہے جو اللہ کا خوف رکھے، ملی ہوئی توفیق کے سلب ہوجانے سے ڈرے، نعمت خدا کا ذکر آئے تو کانپ اٹھے۔ آیاتِ الٰہی کی تلاوت ہو تو ایمان میں اضافہ ہو اور پھر اللہ پر اعتماد بھی رکھے۔

ابن جندب! صرف اپنے عمل پر بھروسہ کرنے والا ہلاک ہوگا۔ گناہوں پر جرأت کر کے رحمت کی امید کرنے والے کو نجات نہیں ہے۔"

عبداللہ نے عرض کی "حضور! نجات کس کے لئے ہے؟"

فرمایا "وہ لوگ جو امید و بیم کی درمیانی کیفیت میں رہتے ہیں۔ جن کے دل اس طائر کے پنجہ میں رہتے ہیں جو شوقِ ثواب اور خوفِ عقاب کے بل بوتے پر پرواز کرتا ہے۔ افسوس ان لوگوں پر ہے جو نمازوں سے غافل رہتے ہیں۔ تنہائی میں سوتے رہتے ہیں۔ فراغت کے وقت میں اللہ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور نہ اللہ روزِ قیامت ان سے بات ہی کرے گا۔"

"ابن جندب! اپنی محبت و عداوت سب اللہ کے لئے رکھو۔ ریسمانِ ہدایت سے تمسک کرو تاکہ تمہارے اعمال قبول ہوسکیں۔ آخرت میں اپنا حصہ لو۔ دولت مل جائے تو غرور نہ کرو۔ فقیری میں فریادی نہ بنو، بدسرشتی نہ اختیار کرو کہ لوگ تم سے دور بھاگنے لگیں۔ خرافات مت بکو کہ لوگ ذلیل سمجھیں۔ اپنے سے بڑے کا عیب مت نکالو۔ چھوٹے کا مذاق نہ اڑاؤ۔ اہلِ امر سے

Presented by Ziaraat.Com

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

Presented by Ziaraat.Com

ایک دوسرے پر رحم کرو۔ ملاقات کرو اور آمد و رفت جاری رکھو۔"

"ظلم سے بچو ـــــــ کہ مظلوم کی دعا آسمان تک جاتی ہے۔

"جسے مسلمانوں کے امور کی فکر نہ ہو وہ مسلمان نہیں ہے۔ رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص بھی صبح اٹھ کر امور مسلین کا اہتمام نہ کرے وہ مسلمان نہیں ہے، جو کسی کو مسلمان کے نام سے فریاد کرتے سنے اور لبیک نہ کہے وہ بھی مسلمان نہیں ہے۔"

"اللہ کی نظر میں محبوب صدقہ لوگوں کے درمیان اصلاح کرنا اور ان کی باہمی دوری کو قربت سے بدلنا ہے۔"

"مومن وہی ہے جس کا کسب پاکیزہ، اخلاق اچھا اور باطن صحیح ہو۔ ضرورت سے زیادہ مال کو راہِ خدا میں خرچ کردے، بلاضرورت کلام نہ کرے، لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں اور وہ لوگوں سے ازخود انصاف کرے۔"

"مومن وہ ہے جو ہر ایک کی مدد کرے، اپنا خرچ کم رکھے، معاش کی اچھی تدبیر کرے اور ایک جگہ سے دو مرتبہ دھوکا نہ کھائے۔"

"اپنے کام اللہ کے لئے کرو، لوگوں کے لئے نہیں۔ اس لئے کہ جو اللہ کے لئے ہوتا ہے وہ اللہ تک پہنچتا ہے اور جو بندوں کے لئے ہوتا ہے وہ اس تک نہیں پہنچتا ہے۔"

"ریاست کے شوقین لوگوں سے بچو۔ اس لئے کہ جس کے پیچھے چار آدمی چلیں وہ خود بھی ہلاک ہوگا اور دوسروں کو بھی تباہ کرے گا۔"

"کسی عقلمند یا بیوقوف سے جھگڑا نہ کرو کہ عقلمند تم سے نفرت کرے گا اور بیوقوف تم کو اذیت پہنچائے گا۔"

"خصومت سے بچو یہ دل کو مشغول کر لیتی ہے اور کردار میں نفاق پیدا کرتی ہے۔ جو عداوت کا بیج بوئے گا اور اسے وہی کاٹنا بھی پڑے گا۔ اور جو اپنے نفس پر قابو نہ رکھے گا، اسے عقل پر بھی قابو نہیں ہو سکتا ہے۔"

"غصہ سے بدتر کوئی شے نہیں ہے، غضب ناک آدمی نفس محترم کو قتل کر دیتا ہے اور آبرومند کو عیب لگاتا ہے۔"

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

خطرہ محسوس کرو۔"

"جب تمھیں کسی بھائی کی طرف سے کوئی بری خبر ملے تو غمگین نہ ہو۔ اس لئے کہ اگر وہ صحیح کہتا ہے تو گویا تمھیں اپنے فعل کی سزا مل گئی اور اگر غلط کہتا ہے تو تمھیں مفت کا ثواب مل گیا۔"

"نیکی تین باتوں سے مکمل ہوتی ہے۔ جلدی کرے، کم سمجھے، پوشیدہ رکھے۔"

"انسان کی فطری خصلتوں میں نہ جھوٹ داخل ہے اور نہ خیانت۔"

"تین چیزوں سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ دین، تواضع، خرچ۔"

"جو تین باتوں سے بچے گا اسے تین چیزیں ملیں گی۔ شر سے بچا تو عزت پائے گا، تکبر سے بچا تو بزرگی ملے گی، بخل سے بچا تو باشرف ہوگا۔"

"تین چیزوں سے بغض پیدا ہوتا ہے۔ نفاق، خود پسندی، ظلم۔"

"دین کی آفتیں۔ حسد، خود پسندی، فخر۔"

"مومن ترقی کی خواہش کر سکتا ہے، دوسرے کی ترقی سے جل نہیں سکتا ہے۔"

"اللہ سے ڈرو اور انصاف کرو۔ اس لئے کہ نا انصافی کو ناپسند کرتے ہو۔"

"جس امت نے قوی کے مقابلہ میں ضعیف کا ساتھ نہیں دیا وہ پاکیزہ و محترم نہیں ہو سکتی ہے۔"

"اس قوم پر افسوس ہے جو نیکیوں کا حکم نہیں دیتی ہے اور برائیوں سے منع نہیں کرتی ہے۔"

"تین چیزیں بلندیوں کی طلب سے روک دیتی ہیں۔ کم ہمتی، بے حیائی، کمزور رائے۔"

"تین چیزوں سے پرہیز کرنا ہر انسان کا فرض ہے۔ بروں کا ساتھ، عورتوں سے بات چیت، بدعتیوں کے ساتھ نشست و برخاست۔"

"تین چیزوں کی احتیاج تمام دنیا کو ہے۔ امن، عدل، خوشحالی۔"

"تین چیزوں سے زندگی خراب ہوتی ہے۔ ظالم بادشاہ، برا ہمسایہ، بدزبان عورت۔"

"باہمی تعلقات اور حسن ہمسایہ ملک کی آبادی اور عمر کی زیادتی کے باعث ہوتے ہیں۔"

"جو ہمسایہ سے اچھا سلوک نہ کرے وہ ہم سے نہیں ہے۔"

"جسے تین چیزیں مل گئیں وہ سب سے بڑا مالدار ہے۔ اپنے مال پر قناعت اور دوسروں

Presented by Ziaraat.Com

کے مال سے مایوسی، فضول باتوں سے علیحدگی۔"

"جو انجام پر نظر نہ رکھے وہ عقل مند نہیں ہے۔ انجام بینی عقلوں کی پرورش کا ذریعہ ہے۔"

"جب کسی آدمی کو اپنے گناہوں سے غافل ہو کر دوسروں کے عیب تلاش کرتے دیکھو تو سمجھو کہ اس سے انتقام ہو گیا۔"

"اپنے نفس کو مضرت رساں مواقع سے بچاؤ۔ طلب معاش کی طرح اس کو بچانے کی فکر کرو اس لئے کہ تمہارا نفس تمہارے عمل میں گرفتار ہے۔"

"اللہ سے دن رات کے حملوں سے پناہ مانگو یعنی عذاب الٰہی اور گناہوں پر مواخذہ سے بچو۔"

"بیوقوف سے مشورہ نہ کرو۔ وہ بلاوجہ پریشان بھی ہوگا اور کام بھی نہ ہوگا۔ جھوٹے سے مدد نہ مانگو، وہ دور کو قریب اور قریب کو زبردستی دور بنا دے گا۔ بادشاہوں کی محبت پر بھروسہ نہ کرو، وہ عین اعتماد کے موقع پر ساتھ نہ دیں گے اور خاص تعلقات کے وقت پر الگ ہو جائیں گے۔"

"بادشاہ کے پاس تین طبقے ہوتے ہیں۔ ایک خیر کا موافق ہوتا ہے، یہ اس کے لئے برکت ہوتا ہے۔ ایک کا ہم آہنگ ہوتا ہے، یہ اس کے لئے عذاب ہوتا ہے۔ ایک کو اپنے کام سے کام ہوتا ہے، یہ ایسی کے کام آسکتا ہے اور نہ اس کے حق میں مذموم ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مذمت سے قریب ضرور ہے۔"

"شہر والے تین چیزوں کے بغیر منظم نہیں ہو سکتے ہیں۔ فقیہ محتاط، امیر خیر، طبیب حاذق و معتبر۔"

"بھائی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ دو تو جان و مال سے ساتھ دیتے ہیں، یہ سچے بھائی ہیں۔ اور ایک مال لے لیتا ہے کام نہیں کرتا، اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔"

"بہترین مددگار حلم اور برداشت ہے۔"

"جس نے غصہ کو ضبط کیا وہ دنیا و آخرت میں عزت والا ہے۔"

"مومن کے لئے فرائض کے بعد اللہ کی نظر میں محبوب ترین شے وسعتِ اخلاق ہے۔"

"اچھا سلوک اور خوش روئی محبت کی موجد اور جنت میں داخلہ کی باعث ہے۔"

"عداوت بونے والا عداوت ہی کاٹ سکتا ہے۔"

Presented by Ziaraat.Com

"خود پسندی کا شکار ہلاک ہو گا۔"

"حیرت اس انسان پر ہے جو اپنے عمل پر خوش ہوتا ہے حالانکہ انجام سے بے خبر ہے۔"

"غرور کرنے والا اور جبر سے کام لینے والا باطنی طور پر احساسِ کمتری کا شکار ہوتا ہے۔"

"جب زمانہ ظلم کا ہو اور لوگ غداری پر آمادہ ہوں تو ہر کسی پر بھروسہ کرنا عاجزی ہے۔"

"اگر بھائی کی محبت کو آزمانا ہو تو اسے غصہ دلا دو۔ اگر محبت رہ جائے تو وہ بھائی ہے ورنہ سب مکاری ہے۔"

"اپنے بھائی پر پورا پورا بھروسہ نہ کرو کہ جلدی کی لغزش سے سنبھلنا مشکل ہوتا ہے۔"

"مسلمانوں کا سچا یقین یہ ہے کہ اللہ کو ناخوش کر کے بندوں کو خوش نہ کرے۔ جو اللہ نے اسے نہیں دیا اس پر دوسروں کی ملامت نہ کرے، اس لئے کہ رزق نہ کسی لالچ سے آتا ہے اور نہ کسی نفرت سے جا سکتا ہے۔"

"اللہ سے یوں ڈرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم نہیں دیکھتے ہو تو وہ تمھیں دیکھ رہا ہے اور اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ وہ تمھیں نہیں دیکھتا ہے تو یہ کفر ہے۔ اور اگر یہ خیال ہے کہ وہ دیکھتا ہے لیکن ہم گناہ کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمھاری نظر میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔"

"جس گھر والوں کو نرمی ملی اسے وسعتِ رزق بھی ملے گی۔ اس لئے کہ نرمی سے کچھ کمی نہیں آتی ہے اور اسراف سے کچھ باقی نہیں رہتا ہے۔"

"علم حاصل کرو اور اسی کے ساتھ حلم و وقار پیدا کرو۔ جابر عالم نہ بنو کہ تمھارے باطل کے ساتھ حق بھی برباد ہو جائے۔"

"مومن وہی ہے جو غصہ میں حق سے الگ نہ ہو اور خوشی میں باطل میں داخل نہ ہو۔"

"اللہ سے ڈرو اور باہمی حسد سے بچو۔"

"بکریوں کے لئے دو بھیڑیئے اتنے خطرناک نہیں ہیں جتنی دینِ مسلم کے لئے مال اور شرف کی محبت خطرناک ہے۔"

Presented by Ziaraat.Com

"قیامت کے دن تین قسم کے لوگ اللہ سے بے حد قریب ہوں گے۔ ایک وہ جو اقتدار پاکر بھی کمزور پر ظلم نہ کرے، دوسرے وہ جو دو آدمیوں کے بیچ میں رہے تو کسی پر دباؤ نہ ڈالے، تیسرے وہ جو ہمیشہ حق کہے چاہے اس میں نقصان ہی کیوں نہ ہو۔"

"بر خود غلط آدمی کی تین علامتیں ہیں۔ اپنے مافوق سے جھگڑا، بے سمجھے بوجھے گفتگو اور ناممکن کوشش۔"

"دو کمزور مخلوق یتیم اور عورت کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔"

"مفضل! دو باتیں یاد رکھو اور ان سے بچو۔ انھیں سے لوگ ہلاک ہوتے ہیں۔ باطل کو دین نہ بناؤ۔ بغیر علم کے فتویٰ نہ دو۔"

"متکبر کو اچھی تعریف، بخیل کو کثرتِ احباب، بدخلق کو شرف، کنجوس کو صلۂ رحم، مسخرے کو سچی محبت، کم علم کو شرعی قضاوت، غیبت شعار کو سلامتی، حاسد کو اطمینانِ قلب، چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر گرفت کرنے والے کو سرداری اور ناتجربہ کار خود پسند کو ریاست کی امید نہیں رکھنی چاہیئے۔"

"بیوقوفی وہ ذلیل صفت ہے جس میں چھوٹے پر زیادتی، بڑے پر خضوع اور کثرت سے معذرت کا وجود عمل میں آتا ہے۔"

"فطرت انسانی یہ ہے کہ احسان کرنے والے سے محبت اور برائی کرنے والے سے نفرت کرے۔"

"جو تم پر تین مرتبہ غضب ناک ہو اور کوئی بری بات نہ کہے اسے دوست سمجھو اور جسے دوست رکھنا ہے اس سے جھگڑا، مذاق اور جھوٹا وعدہ نہ کرو۔"

"پانچ قسم کے آدمیوں کے ساتھ نہ رہو۔ احمق۔ کہ وہ فائدہ کی کوشش میں نقصان پہنچائے گا۔ جھوٹا۔ کہ وہ ایک سراب ہے جو دور کو قریب اور قریب کو دور بتاتا رہے گا۔ فاسق۔ کہ وہ تمھیں ایک لقمہ میں بیچ دے گا۔ بخیل۔ کہ وہ ضرورت کے وقت ساتھ چھوڑ دے گا۔ بزدل۔ کہ وہ تمھیں دشمن کے سپرد کر دے گا۔"

"تین قسم کے آدمیوں پر رحم واجب ہے۔ مالدار جو فقیر ہو جائے، عزیز قوم جو ذلیل

Presented by Ziaraat.Com

ہو جائے۔ عالم جسے جاہل کھلونا بنالیں۔"

"جب اللہ کسی رعیت پر خیر کرتا ہے تو انھیں رحم دل بادشاہ اور عادل وزیر عطا کر دیتا ہے۔"

"مومنین سب بھائی بھائی ہیں۔ ایک ماں باپ کے بیٹے۔ اس لئے جب ایک رگ پر چوٹ پڑے گی تو دوسری خود بخود پھڑک اٹھے گی۔"

"تنقید عداوت کا باعث ہے، بے صبری رسوائی ہے اور افشائے راز بے اعتباری کا سبب ہے۔"

"نامحرم پر نظر سے بچو۔ نظر دل میں شہوت کا بیج بوتی ہے اور یہ بہت بڑا فتنہ ہے۔ خوش بخت وہ ہے جس کی نظر آنکھ میں نہ ہو بلکہ دل میں ہو۔"

"حفص بن البختری کہتے ہیں کہ میں امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر تھا کہ استنے میں ایک شخص آگیا۔ آپ نے پوچھا تم اسے دوست رکھتے ہو؟ —— میں نے عرض کی جی ہاں! فرمایا۔ کیوں نہ ہو یہ تمھارا دینی بھائی ہے، دشمن کے مقابلہ میں تمھارے کام آئے گا اور رزق اپنا ہی کھائے گا۔"

یہ کلمات اس بے پناہ ذخیرہ کا ایک جزو ہیں جو مختلف کتب و رسائل میں منتشر ہے۔ کاش کوئی ایسا مجاہد پیدا ہو جاتا جو حضرت کے اس ذخیرہ کو یکجا کر کے امت کے سامنے پیش کر دیتا اور امت یہ دیکھتی کہ آلِ محمدؐ نے رشد و ہدایت، تبلیغ و ترویج اسلام اور اصلاح قوم کے لئے کیا بیش بہا ذخیرہ مہیا کیا ہے۔ یہی وہ تعلیمات ہیں جن میں نفس کی اصلاح، جذبات کے تزکیہ اور خواہشات کی تطہیر کا مکمل سامان ہے۔ ان پر عمل کرنے کے بعد ہی انسان سکونِ قلب اور اطمینان نفس کی بے بہا دولت حاصل کر سکتا ہے اور سماج چین کی زندگی گذار سکتا ہے۔

ان اخلاقیات کے علاوہ فقہ و تفسیر و حدیث و کلام کے موضوعات پر آپ کے بیانات و ارشادات اس کثرت سے ہیں کہ ہم اشارے کے علاوہ اور کوئی خدمت انجام نہیں دے سکتے ہیں۔ علماءِ عصر نے آپ سے استفادہ کیا ہے اور اربابِ قلم نے اپنے تالیفات میں ان افادات

Presented by Ziaraat.Com

کو جمع کر دیا ہے۔ اب ان سے فائدہ اٹھانا امت کا کام ہے۔

مصادر بحث

۱۔ کافی — محمد بن یعقوب کلینی

۲۔ تحف العقول — ابو محمد حسن بن علی بن شعبہ

۳۔ وسائل — محمد بن الحسن الحر العاملی

۴۔ حلیۃ الاولیاء — حافظ ابو نعیم اصفہانی

۵۔ جامع السعادات — نراقی

۶۔ روضہ — حافظ نیشاپوری

۷۔ خصال — صدوق

۸۔ محاسن — برقی

۹۔ الامام الصادق — مظفر

۱۰۔ الاثنا عشریہ — ابن قاسم حسینی

۱۱۔ بحار الانوار ج ۱۷ — مجلسی

۱۲۔ تذکرہ — ابن حمدون

وغیرہ

Presented by Ziaraat.Com

امام جعفر صادقؑ

تلامذہ، رواۃ حدیث

Presented by Ziaraat.Com

امام جعفر صادقؑ کے مدرسۂ فکر کا تذکرہ کرتے ہوئے ان رجالِ فکر اور ابطالِ علم کا نام لینا بھی ضروری ہے جنھوں نے اس مدرسہ میں داخلہ لیا اور اس سے وہ کچھ لے کر نکلے جسے آج امت اسلامیہ اپنی عقلی اور فکری میراث تصور کر رہی ہے۔

اس مدرسہ کی امتیازی صفت یہ تھی کہ اس نے کسی وقت بھی حکومت کے سامنے سر نہیں جھکایا اور نہ اس کے اشاروں پر چلنا گوارا کیا۔ اس کی نظر میں یہ تمام سیاستیں اسلام کے اس واقعی نظام سے بالکل اجنبی تھیں۔

یہی بات امت کی نیک بختی اور اس کی ہر شعبۂ حیات میں ترقی کی ضمانت تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں حکومت کو اس کی ترقی اور وسعت کی راہ میں ہر اعتبار سے حائل ہونا ہی چاہئے تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ طاقتیں صرف کر دی گئیں۔ رکاوٹیں پیدا کی گئیں لیکن یہ مدرسہ ان تمام سخت ترین حالات کا مقابلہ کر کے آگے ہی بڑھتا گیا اور آج ساری امت کے لئے مشعلِ راہ اور سنگِ میل بن گیا ہے۔

اس مقام پر یہ بھی سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ اموی اور عباسی حکومت کے طرزِ عمل اور اس کے اندازِ مزاحمت میں کافی فرق تھا۔

بنو امیہ اہلبیتؑ سے کھلم کھلا معارض تھے۔ ان کا کام ذکر اہلبیتؑ کو مٹانا، ان کے چاہنے والوں کو اذیت دینا اور ان کو امت سے الگ کر دینا تھا۔ وہ ان سے روایت کرنے والوں کو سزائیں دیتے تھے اور ہر اس آدمی کو آگے بڑھانے کی کوشش کرتے تھے جو حکومت کے مصالح کی رعایت کرے اور حقوقِ آلِ محمدؐ کی پرواہ نہ کرے۔ چنانچہ اس فہرست میں بھی حسب ذیل نام

Presented by Ziaraat.Com

نمایاں طور پر نظر آتے ہیں :۔

سلیمان بن اشرق۔ اموی غلام جسے مفتی دمشق بنایا گیا۔

عبداللہ بن زکوان۔ راوی ابوہریرہ جسے والی امور حکومت بنایا گیا اور اتنا بلند کیا گیا کہ بقول لیث ۳۰۰ طالب علم اس کے پیچھے چلنے لگے۔

نافع۔ غلام ابن عمر جسے فقیہ وقت مانا گیا جب کہ خود ابن عمر اس سے کہتے تھے کہ میرے خلاف اس طرح روایتیں نہ گڑھنا جس طرح عکرمہ نے ابن عباس کے خلاف روایتیں گڑھی ہیں۔ (تہذیب التہذیب ۷ ص ۲۶۷)

سلیمان بن یسار۔ جسے مفتی مدینہ بنایا گیا۔

مکحوم غلام بنی ہذیل۔ جسے عالم دمشق بنایا گیا۔

ابو حازم سلمہ بن دینار، اعرج غلام بنی مخزوم۔ جسے عالم مدینہ قرار دیا گیا۔

سلیمان بن طرخان، اسماعیل بن خالد بجلی اور عکرمہ جنھیں بڑے بڑے محدثین کا درجہ دیدیا گیا اور عکرمہ کی روایتیں عظیم ترین منزل کی مالک ہوگئیں۔

بنو امیہ نے اپنی غرض کے تابع افراد کو درجات تقسیم کیے اور اپنے کام نہ آنے والوں کو موردِ عتاب ٹھہرایا :۔

سعید بن مسیب متوفی ۹۳ھ کو صرف اپنی تائید نہ کرنے پر باقاعدہ مرمت کرکے شہر میں تشہیر کرایا۔

ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے ایک مسئلہ دریافت کرنے کی غرض سے اموی دربار میں بلایا گیا۔ میں نے دل میں سوچا کہ اب خیر نہیں ہے۔ اس لئے کہ میں اس مسئلہ میں حضرت علیؑ کا ہم خیال تھا۔ لیکن یہ سوچ کر چلا کہ میں حق ہی کہوں گا۔ پھر جو ہونا ہوگا، ہوگا۔ اس لئے کہ بنی امیہ حضرت علیؑ کا نام نہیں سننا چاہتے تھے۔ علماء ان کی حدیثوں کو "قال الشیخ" کے عنوان سے بیان کرتے تھے۔ حسن بصری آپ کی تعبیر "ابوزینب" سے کیا کرتے تھے۔ (مناقب ابوحنیفہ مکی ص ۱۷۱)

حسن بصری کا تقیہ اس منزل پر پہنچ گیا تھا کہ وہ حضرت علیؑ کے خلاف بھی کہہ جایا کرتے

Presented by Ziaraat.Com

تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ابان بن عیاش نے اسی بات پر ٹوک دیا تو انھوں نے کہا کہ میں اس طرح ان ظالموں سے اپنے خون کا بچاؤ کیا کرتا ہوں ورنہ اب تک قتل ہوگیا ہوتا۔ (الحسن البصری ابن جوزی ص۷)

شعبی تو اکثر کہا کرتے تھے کہ ہمیں آل محمدؐ سے کیا ملا؟ ان سے دوستی کریں تو قتل کئے جائیں۔ دشمنی کریں تو جہنم میں چلے جائیں۔ دونوں صورتوں میں مصیبت ہی مصیبت ہے۔ (عیون الاخبار ابن قتیبہ ص۱۱۲)

بنی امیہ کے دور میں وابستگانِ آلِ محمدؐ اور ان کے علوم سے استفادہ کرنے والوں کے لئے حالات انتہائی ناسازگار تھے لیکن ایک عرصہ کے بعد ان کی حکومت کمزور ہوئی تو لوگوں کو اس ڈیوڑھی تک پہنچنے کا موقع مل گیا اور امام باقرؑ کا ایک ایسا حلقہ درس قائم ہوگیا کہ مدینہ بھر میں آپ کی حدیث تمام ہونے سے پہلے کسی کے درس کا آغاز نہ ہوتا تھا اور یہی حال مکہ کا بھی تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حجاز نے ولائے اہلبیتؑ کے طفیل میں ان کے علوم و معارف سے اپنا دامن بھر لیا۔ باقی شہروں کے لوگ بھی مدینہ ہی کے محتاج تھے کہ وہ رسول اکرمؐ کا تبلیغی وطن اور صحابہ کرام کا مرکز تھا۔ چار طرف سے لوگ مدینہ کی طرف آتے تھے اور امام صادقؑ کا دور آتے آتے یہ گھر ایک اسلامیات کی یونیورسٹی بن گیا تھا۔ ۴ ہزار شاگردوں کا ہجوم، درس کی رونق دید کے قابل تھی۔ شاگردوں نے آپ کے بیانات کو اپنی اپنی ڈائری میں محفوظ کیا اور اس طرح چار سو مصنفین کی چار سو کتابیں مرتب ہوگئیں۔ امام صادقؑ کی یہ شہرت اور مرجعیت کوئی قابلِ تعجب یا نئی چیز نہ تھی کہ آپ اپنے دور میں اہلبیتؑ کی نمایاں ترین فرد اور جملہ علمی کمالات کے جامع تھے۔ آپ کے فیوض و برکات کی یہ کیفیت تھی کہ کوفہ میں نو سو شیخ آپ کی روایتیں بیان کیا کرتے تھے! آپ کے خاص خاص شاگردوں نے خاص خاص موضوعات پر کتابیں بھی تالیف کی ہیں جیسے:۔

۱۔ ابان بن تغلب ربعی ابوسعید کوفی متوفی ۱۴۱ھ صاحب معانی القرآن، القراآت، الاصول علی مذہب الشیعہ (فہرست ابن ندیم ص۳۰۸)

۲۔ علی بن یقطین متوفی ۱۸۲ھ صاحب کتاب ملاحم۔

۳۔ ابوحمزہ ثابت ابن ابی صفیہ ثمالی متوفی ۱۵۰ھ صاحب تفسیر۔ (کشف الظنون ج۲ ص۴۴۲، فہرست ابن ندیم ص۵۰)

Presented by Ziaraat.Com

۴۔ ابوبصیر یحییٰ بن قاسم متوفی سنہ ۱۵۰ھ صاحبِ تفسیر (ابن ندیم)

۵۔ علی بن حمزہ کوفی بطائنی صاحبِ کتاب جامع ابواب فقہ (نجاشی)

۶۔ اسماعیل بن خالد محمد بن مہاجر صاحبِ کتاب القضاء (شیخ طوسی)

۷۔ مفضل بن عمر صاحبِ کتاب توحید ـــــ اس کتاب میں امام صادقؑ کا وہ مناظرہ درج ہے جو آپ نے ایک طبیب سے توحید کے بارے میں فرمایا تھا۔ اس میں عالم کی کیفیت، اس کے اجزائے ترکیبیہ، تخلیق انسان، کیفیت ولادت و غذا و طبیعت و فطرت، دماغ اور اس کی عظمت، اعضاء کی ساخت، ان کی حکمت و قدرت، دل، خون، رگ، اعصاب، قوتِ جاذبہ و ماسکہ و ہاضمہ و دافعہ، ترکیب بدن، تنظیم اعضاء، درستی قامت، اعمال و اسرار حواس، ہوا، فضاء موت، کلام منطق، کتابت، علم، معرفت، بصیرت اور ان تمام اشیاء کا ذکر موجود ہے جو حیاتِ انسانی کے لئے لازم ہیں۔

۸۔ ہشام بن الحکم متوفی سنہ ۱۸۵ھ صاحب کتاب "الامام" "حدوث الاشیاء" "الرد علے الزنادقہ" "الالف"۔ یہ امام کاظمؑ و صادقؑ دونوں کے شاگرد تھے۔ ابن ندیم نے ان کی ۲۵ کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ (فہرست ص ۲۵۰)

۹۔ ابوجعفر احول محمد بن نعمان مومن طاق۔ آپ امام جعفرؑ کے خاص شاگرد تھے۔ علم کلام میں بے مثل و نظیر تھے۔ ایک چھتہ میں بیٹھ کر دشمنوں سے بحث کیا کرتے تھے اور ان کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ اسی لئے دشمن آپ کو "شیطانِ طاق" کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ آپ کی تالیفات میں "کتاب الامامت" "کتاب المعرفۃ" "الرد علی المعتزلہ" "کتاب فی امر طلحہ والزبیر" ہے۔ (فہرست ابن ندیم ص ۲۵۰)

ان کے علاوہ بہت سے اصحاب ہیں جنھوں نے مختلف علوم و فنون میں اپنی تالیفات کا ایک ذخیرہ چھوڑا ہے اور جن کا تذکرہ آیندہ جلدوں میں مناسب موقع و محل سے ہوتا رہے گا۔ اس وقت زیر بحث وہ اصحاب ہیں جنھوں نے حضرت سے حدیثوں کی روایت کی ہے اور امت اسلامیہ کے ہر راستہ میں ہدایت کی مشعلیں روشن کی ہیں۔ ایسے حضرات کی مکمل فہرست مرتب کرنے کے لئے کئی جلدیں درکار ہوں گی لیکن ہم اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے صرف

Presented by Ziaraat.Com

ان حضرات کا تذکرہ کریں گے جنھوں نے علم حدیث میں شہرت پائی ہے اور جن کی حدیثوں کو اصحاب صحاح ستہ نے اپنی صحیح کتابوں میں جگہ دی ہے۔

تلامذہ

۱۔ ابراہیم بن سعد بن عبد الرحمٰن زہری متوفی ۱۸۳ھ۔ اپنے وقت کے مرجع اور اصحاب صحاح میں سے ہیں۔ آپ سے یزید بن ہارون، احمد بن حنبل وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ابن معین۔ ابو حاتم۔ عجلی۔ احمد بن حنبل نے آپ کی توثیق کی ہے۔ تہذیب اور کافی میں آپ کی روایتیں یعقوب کے واسطے سے نقل ہوئی ہیں

۲۔ ابراہیم بن زیاد بغدادی متوفی ۲۲۸ھ۔ آپ کی روایتیں مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے نقل کی ہیں۔

۳۔ ابراہیم بن محمد بن یحییٰ الاسلمی ابو اسحاق مدنی متوفی ۱۹۱ھ۔

۴۔ ابراہیم بن طہمان بن شعیب ہروی متوفی ۱۶۸ھ۔ صحاح ستہ کے راویوں میں ہیں۔ احمد ابوداؤد۔ ابو حاتم نے آپ کی توثیق کی ہے۔

۵۔ ابراہیم بن علی بن حسن بن رافع مدنی۔ آپ سے احمد بن محمد۔ ابراہیم بن منذر۔ یعقوب بن حمید نے روایت کی ہے اور ابن ماجہ نے اسے درج کیا ہے۔

۶۔ ابراہیم بن مہاجر ازدی۔ آپ سے حفص بن راشد وغیرہ نے روایت کی ہے جس کا ذکر خطیب نے متفق میں کیا ہے۔

۷۔ ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ متوفی ۱۸۴ھ۔ آپ سے شافعی نے روایت کی ہے اور انھوں نے بھی توثیق کی ہے۔ ابن حنبل کے نزدیک ناقابل قبول ہیں لیکن ابن عقدہ اور ابن عدی کی نظر میں روایت کے اعتبار سے ٹھیک ہیں بلکہ بعض علماء عامہ کا خیال ہے کہ واقدی کی ساری کتابیں انھیں کی ہیں۔

۸۔ بسام بن عبد اللہ صیرفی ابو الحسن کوفی۔ احمد اور یحییٰ بن معین نے توثیق کی ہے۔ نسائی

Presented by Ziaraat.Com

نے روایت نقل کی ہے اور ابن حجر نے صدوق کہا ہے۔

۹۔ بشار بن قیراط نیشاپوری۔ آپ سے عبداللہ بن ولید بن مہران۔ عمر بن رافع۔ نوح بن انس نے روایت کی ہے اور ابن عدی نے اصحاب رائے میں شمار کیا ہے۔

۱۰۔ بشار بن میمون خراسانی متوفی ۱۸۰ھ۔ مکّہ کے ساکن تھے پھر بغداد آئے اور امام صادق سے روایت کی۔ اس کی سزا میں سیاست شعار لوگوں نے آپ کی روایت کو ترک کر دیا۔

۱۱۔ تلید بن سلیمان محاربی کوفی اعرج متوفی ۱۹۰ھ۔ آپ سے ابن حنبل، اسحاق بن موسیٰ وغیرہ نے روایت کی ہے اور ترمذی نے اسے نقل کیا ہے۔ ابن عقدہ نے آپ کے حالات میں امام صادقؑ کی پوری تالیف کا ذکر کیا ہے۔

۱۲۔ الجراح بن ملیح رواسی کوفی متوفی ۱۷۵ھ۔ آپ سے آپ کے فرزند۔ ابو قتیبہ سفیان بن عقبہ اور ابن مہدی نے روایت کی ہے۔ ابن سعد نے ضعیف الحدیث قرار دیا ہے۔ بخاری نے الادب المفرد میں اور مسلم و ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ نے اپنی کتابوں میں یہ روایتیں نقل کی ہیں۔ ابو احمد بن عدی نے آپ کے روایات کو مستقیم مانا ہے اور آپ کو سچا تسلیم کیا ہے۔ اس لئے آپ سے روایت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۳۔ جریر بن عبدالحمید بن قرط قاضی متوفی ۱۸۸ھ۔ آپ سے ابن راہویہ، فرزندان ابی شیبہ۔ یحییٰ بن معین۔ موسیٰ قطان۔ محمد بن قدامہ وغیرہ نے روایت کی ہے۔ عجلی نے ثقہ قرار دیا ہے۔ نسائی۔ ابوالقاسم اور ابن حجر نے تقریب میں توثیق کی ہے۔

۱۴۔ حبیب بن نعمان اسدی۔ ابن حجر نے مقبول قرار دیا ہے اور ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ ابوداؤد و ابن ماجہ نے روایتیں درج کی ہیں۔

۱۵۔ حسن بن عیاش بن سالم اسدی کوفی متوفی ۱۷۲ھ۔ ابن مہدی اور احمد بن یونس نے روایت کی ہے۔ ابن معین و نسائی و ابن حبان نے توثیق کی ہے اور مسلم و ترمذی و نسائی نے روایت کو اپنی صحاح میں جگہ دی ہے۔

۱۶۔ حکم بن عتبہ کندی متوفی ۱۱۳ھ۔ رجال صحاح ستہ میں ہیں اور اعمش، منصور۔ ابو اسحاق شیبانی وغیرہ نے روایت کی ہے۔ نجاشی نے رواۃ صادق میں شمار کیا ہے۔ کافی، تہذیب،

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

نہایہ میں روایتیں نقل ہوئی ہیں۔ ابن حجر نے فقیہ ثقہ۔ ابن عینیہ نے ابراہیم اور شعبی کے بعد بے مثل قرار دیا ہے۔ ابو حاتم ابن معین نے توثیق کی ہے۔ عجلی نے صاحب سنت قرار دیا ہے اور شعبہ بن حجاج و ابن قتیبہ کی طرح ان کی شیعیت کا بھی ذکر کیا ہے۔

۱۷۔ حبیب بن یسار کندی کوفی۔ آپ سے زکریا، یحییٰ حمیری، ابو الجارود، یوسف بن صہیب وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ابن معین۔ ابوزرعہ۔ ابوداؤد۔ ابن حبان۔ ابن حجر نے توثیق کی ہے اور ترمذی و ابوداؤد نے روایت نقل کی ہے۔

۱۸۔ حارث بن عمران جعفری مدنی۔ شکداتہ علی بن محمد موصلی اور محمود بن غیلان نے روایت کی ہے اور ابن ماجہ نے اسے نقل کیا ہے۔

۱۹۔ حارث بن عمیر بصری۔ ان کے فرزند حمزہ، عبدالرحمن بن مہدی اور ایک جماعت نے ان سے روایت کی ہے۔ ابن معین نے توثیق کی ہے اور چار اصحاب صحاح نے حدیث نقل کی ہے۔

۲۰۔ حمید ابن قیس اعرج متوفی ۱۳۰ھ۔ ان کا شمار صحاح ستہ کے راویوں میں ہے۔ ان سے معمر، سفیان، مالک ابن انس وغیرہ نے روایت کی ہے۔

۲۱۔ حماد ابن عیسیٰ مدنی متوفی ۲۰۸ھ۔ ان کی حدیث ترمذی و ابن ماجہ نے نقل کی ہے۔ ان سے ابو اسحاق، محمد ابن بکار، محمد ابن مثنیٰ وغیرہ نے روایت کی ہے۔

۲۲۔ حارث ابن عمران اسدی۔ ان سے ابوسعید نے روایت کی ہے اور اسے ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔

۲۳۔ حاتم ابن اسمٰعیل مدنی متوفی ۱۸۶ھ یا ۱۸۷ھ۔ ان سے یحییٰ ابن سعید و ابراہیم ابن حمزہ و ہارون ابن معروف و عثمان ابن ابی شیبہ اور محمد ابن مہران وغیرہ نے روایت کی ہے جسے تمام اصحاب صحاح نے نقل کیا ہے۔

۲۴۔ داؤد ابن زبرقان رقاشی مصری بغدادی متوفی ۱۸۶ھ۔ ان سے سعید ابن عروبہ و بقیہ و علی ابن حجر و شعبہ ابن حجاج و ابوصالح مصری و حسن ابن عرفہ وغیرہ نے روایت کی ہے۔ جس کا ذکر جامع الرواۃ میں ہے۔ ان کی حدیثیں ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کی ہیں۔

۲۵۔ ربیع ابن حبیب۔ ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے اور بخاری نے منکر الحدیث قرار دیا ہے۔ ابن ماجہ نے ان کی حدیث نقل کی ہے۔

۲۶۔ رحیل ابن معاویہ۔ ان سے زہیر اور شجاع ابن ولید نے روایت کی ہے۔ ابن حبان نے توثیق کی ہے۔ ابن حجر نے صدوق قرار دیا ہے۔ ابوداؤد اور ترمذی نے ان سے روایت نقل کی ہے۔

۲۷۔ رقبہ ابن مصقلہ عبدی کوفی متوفی سنہ ۱۳۱ھ۔ ان سے سلیمان تیمی و ابوعوانہ و ابن فضل نے روایت کی ہے اور ثقہ قرار دیا ہے۔ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ کی تفسیر میں ان کی روایتیں درج ہیں۔

۲۸۔ رکین ابن ربیع کوفی متوفی سنہ ۱۳۱ھ۔ ان سے شعبہ۔ ثوری۔ معمر ابن سلیمان نے روایت کی ہے۔ نسائی اور ابن حجر نے توثیق کی ہے۔ مسلم اور باقی اصحاب صحاح نے اپنی کتابوں میں ان کی روایت درج کی ہے۔ بخاری نے ادب المفرد میں ان کی روایت کو جگہ دی ہے۔

۲۹۔ زکریا ابن اسحاق مکی متوفی سنہ ۱۴۸ھ۔ بخاری اور ابوداؤد و ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے اور صحاح ستہ میں ان کی روایت نقل کی ہے۔

۳۰۔ زیاد ابن سعد خراسانی۔ ان سے ابن جریج و ہمام و مالک ابن انس نے روایت کی ہے۔ نسائی اور ابن حجر نے توثیق کی ہے اور صحاح ستہ میں روایتیں درج کی ہیں۔

۳۱۔ زید ابن عطا کوفی۔ ان سے ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کی ہے۔

۳۲۔ زہیر ابن محمد تیمی متوفی سنہ ۱۶۲ھ۔ ان کا ذکر جلد اوّل میں ہو چکا ہے۔

۳۳۔ زید ابن حسن قرشی۔ ان سے اسحاق اور ابن مدینی نے روایت کی ہے جیسے ترمذی نے اپنی کتاب میں جگہ دی ہے۔

۳۴۔ سعید ابن سالم کوفی ان سے شافعی و یحییٰ ابن آدم نے روایت کی ہے۔ ابوداؤد اور ابن حجر نے ان کی صداقت کا اعتراف کیا ہے۔ ابوداؤد اور نسائی نے ان کی حدیثوں کو نقل کیا ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

۳۵۔ سعید ابن عبدالجبار زبیدی۔ ان کی روایت ابن ماجہ نے نقل کی ہے جسے محمد مقدمی۔ ہشام ابن عبیداللہ و یحییٰ ابن مغیرہ وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

۳۶۔ سعید ابن عبدالرحمان مدنی متوفی ۱۷۶ھ۔ ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے۔ ابن وہب و محمد ابن سلیمان و علی ابن حجر نے روایت کی ہے۔ مسلم و ابوداؤد و نسائی و ترمذی و ابن ماجہ نے روایت نقل کی ہے۔

۳۷۔ سلمہ ابن کہیل کوفی متوفی ۱۲۱ھ۔ ان سے یحییٰ و شعبہ و حماد وغیرہ نے روایت کی ہے۔ صحاح ستہ نے ان کی روایتیں درج کی ہیں۔ احمد اور ابن حجر نے توثیق کی ہے۔ امام باقرؑ کی طرف سے مذمت بھی نقل کی گئی ہے۔

۳۸۔ سلیمان ابن مہران کاہلی کوفی متوفی ۱۴۷-۱۴۸ھ۔ صحاح ستہ کے راویوں میں ہیں اور قدیم مذاہب کے رئیسوں میں تھے۔

۳۹۔ سلیمان ابن بلال قرشی متوفی ۱۷۲ھ۔ ان سے ابوعامر و ابن مبارک و معلی ابن منصور و عہد ابن وہب وغیرہ نے روایت کی ہے اور صحاح ستہ نے نقل کیا ہے۔ ابن سعد و ابن عدی و احمد ابن حنبل اور ابن داؤد نے ان کی توثیق کی ہے۔

۴۰۔ سفیان ثوری کوفی متوفی ۱۶۱ھ۔ رئیس مذہب قدیم اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ امام صادقؑ کی خدمت میں بکثرت آمد و رفت رکھتے تھے۔ ان کی بہت سی حدیثیں ہیں جسے ابوداؤد، حلبی اور کشی نے نقل کیا ہے۔

۴۱۔ سفیان ابن عیینہ متوفی ۱۹۸ھ۔ ان کا ذکر پہلی جلد میں ہو چکا ہے۔

۴۲۔ سعید ابن عبدالرحمٰن متوفی ۱۷۶ھ۔ احمد وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے اور بخاری کے علاوہ تمام اصحاب صحاح نے ان کی روایتیں نقل کی ہیں۔

۴۳۔ سنان ابن ہارون کوفی۔ ان سے وکیع اور محمد ابن سلیمان نے روایت کی ہے جسے ترمذی نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔

۴۴۔ سعید ابن طریف کوفی۔ ان سے اسرائیل اور ابن علیہ نے روایت کی ہے جسے ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ شیخ نے ان کی روایتوں کو غیر معتبر اور ابن حجر نے ان کو رافضی

Presented by Ziaraat.Com

قرار دیا ہے۔

۴۵۔ سعید ابن ابی خیثم کوفی متوفی ۱۸۰ھ۔ ان سے احمد ابن حنبل اور عبداللہ ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے۔ ابن معین وغیرہ نے توثیق کی ہے۔ ترمذی اور نسائی نے اپنے یہاں جگہ دی ہے۔

۴۶۔ سعید ابن حسان قاضی۔ ان سے دونوں سفیان، ابواحمد، زبیری، وکیع، ابونعیم وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ابن معین نے توثیق کی ہے۔ ابن حجر نے صادق کہا ہے۔ مسلم و ترمذی ونسائی و ابن ماجہ نے اپنے یہاں نقل کیا ہے۔

۴۷۔ سعید ابن سالم مکی۔ ابن حجر نے ان کی صداقت کا اعتراف کیا ہے۔ ابن معین نے قابلِ قبول سمجھا ہے۔ ابوداؤد اور ابن عدی نے سچا قرار دیا ہے۔ شافعی ویحییٰ ابن آدم واسد ابن موسیٰ واحمد بن یونس نے ان سے روایت کی ہے اور ابوداؤد ونسائی نے اسے نقل کیا ہے۔

۴۸۔ سعید ابن مسلمہ ابن ہشام ابن عبدالملک ابن مروان اموی۔ ذہبی اور ابن داؤد نے انھیں امام صادقؑ کے راویوں اور شاگردوں میں شمار کیا ہے۔ امام شافعی وعمر ابن اسمٰعیل وعلی ابن میمون عطار نے ان سے روایت کی ہے جسے ترمذی اور ابن ماجہ نے جمع کیا ہے۔

۴۹۔ سالم بن عبدالواحد مرادی کوفی۔ ان سے صباح ابن محارب اور وکیع نے روایت کی ہے جسے ترمذی نے نقل کیا ہے۔ ابن حجر نے مقبول، ابن حبّان نے موثق اور ابن معین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

۵۰۔ شعبہ ابن حجاج متوفی ۱۶۰ھ۔ ان کا ذکر جلد اوّل میں ہو چکا ہے۔

۵۱۔ شعیب ابن خالد بجلی۔ ابوداؤد نے ان کی حدیث نقل کی ہے۔ نسائی نے قابلِ قبول قرار دیا ہے اور یحییٰ ابن قیس، حجاج ابن دینار، زہیر ابن معاویہ وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے۔

۵۲۔ ضحاک ابن مخلد شیبانی متوفی ۲۱۲ھ۔ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور صحاح ستہ

Presented by Ziaraat.Com

[illegible] [illegible]
[illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

Presented by Ziaraat.Com

اسے نقل کیا ہے۔

۶۲۔ عطار ابن مسلم حلبی متوفی ۱۹۰ھ۔ ان سے ابن مبارک وابوتوبہ وعبدالرحمٰن ابن یزید و ہشام ابن عمار نے روایت کی ہے اور ترمذی نے شمائل میں اور نسائی نے سنن میں ان سے نقل کیا ہے۔ ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے۔

۶۳۔ علی ابن حمزۂ اسدی متوفی ۱۸۰ھ المعروف بہ کسائی۔ علم نحو کے بہت بڑے استاد تھے۔ اور انہی کے قول کی بنا پر امام جعفر صادق کے راوی تھے۔

۶۴۔ علی ابن صالح ہمدانی کوفی متوفی ۱۵۱ھ۔ ان سے ابن نمیر و وکیع وابونعیم نے روایت کی ہے جسے بخاری کے علاوہ سب نے نقل کیا ہے۔ احمد و ابن معین و ابن حجر نے ان کی توثیق کی ہے۔

۶۵۔ عوام بن حوشب شیبانی متوفی ۱۴۸ھ۔ صحاح ستہ نے ان کی روایتیں نقل کی ہیں اور عجلی نے ان کی توثیق کرتے ہوئے انھیں تقریباً دوسو حدیثوں کا راوی قرار دیا ہے۔

۶۶۔ عیسیٰ ابن عمر اسدی کوفی متوفی ۱۵۶ھ۔ ان سے ابن مبارک اور وکیع نے روایت کی ہے جسے ترمذی اور نسائی نے نقل کیا ہے۔ ابن معین اور نسائی نے ان کی توثیق کی ہے۔

۶۷۔ عبدالجبار ابن عبّاس ہمدانی۔ ان سے مسلم ابن قتیبہ اور ابن مبارک نے روایت کی ہے اور ابوحاتم اور ابن حجر نے توثیق کی ہے۔ ان کی حدیث کو بخاری نے ادب مفرد میں اور ترمذی نے صحیح میں جگہ دی ہے۔

۶۸۔ عبدالعزیز ابن عبداللہ تمیمی متوفی ۱۶۶ھ۔ یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ لیث اور ابن مہدی وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ابن سعد و ابن حبّان و ابن معین نے توثیق کی ہے۔

۶۹۔ عبدالعزیز ابن محمد درآوردی متوفی ۱۸۷ھ۔ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ اسحاق ابن راہویہ اور یعقوب دورقی وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ابن مدینی وغیرہ نے توثیق کی ہے۔

۷۰۔ عبدالعزیز ابن عمران مدنی متوفی ۱۹۷ھ۔ ترمذی کے راوی ہیں۔ ان سے سلیمان و یعقوب ابن محمد و علی ابن محمد مدائنی و محمد ابن عیسیٰ، ابوغسان و ابراہیم ابن منذر وغیرہ نے

Presented by Ziaraat.Com

[illegible]

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

میں مذکور ہے۔

۸۷۔ فضیل ابن عیاض تیمی متوفی ۱۸۷ھ۔ ان کا ذکر جلد اوّل میں ہو چکا ہے۔

۸۸۔ فضیل ابن مرزوق کوفی۔ ان سے یحییٰ ابن آدم وغیرہ نے روایت کی ہے۔ دونوں سفیانوں نے توثیق کی ہے۔ ابن معین نے کٹر شیعہ کہا ہے۔ بخاری کے علاوہ سب نے ان سے حدیث نقل کی ہے۔

۸۹۔ فلیح ابن سلیمان خزاعی کوفی متوفی ۱۶۸ھ۔ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ ابن وہب، ابو عامر وغیرہ نے روایت کی ہے۔ نسائی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن حجر نے صداقت کا اعتراف کرتے ہوئے، کثیر الخطاء قرار دیا ہے۔

۹۰۔ قاسم ابن معن متوفی ۱۷۵ھ۔ ان سے مہدی اور ابونعیم نے روایت کی ہے۔ ابو حاتم نے توثیق کی ہے اور ابو داؤد و نسائی نے روایت درج کی ہے۔

۹۱۔ قاسم ابن عبد اللہ عمری متوفی ۱۵۰ھ۔ ان سے محمد ابن حسن ابن زبالہ اور عبداللہ ابن وہیب وغیرہ نے روایت کی ہے۔ جسے ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ احمد ابن حنبل نے انھیں جھوٹا قرار دیا ہے۔

۹۲۔ محمد ابن اسماعیل کوفی متوفی ۱۶۷ھ۔ ان سے یحییٰ ابن آدم وابونعیم و یحییٰ حمانی و محمد ابن حسن ابن مختار نے روایت کی ہے جسے نسائی نے خصائص میں نقل کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے امام صادق کے راویوں میں شمار کیا ہے۔ اور ابن حجر نے شیعہ لیکن صادق کہا ہے۔

۹۳۔ محمد ابن اسحاق متوفی ۱۵۱ھ۔ ان سے یحییٰ انصاری۔ شعبہ اور دونوں حماد وغیرہ نے روایت کی ہے جسے بخاری کے علاوہ سب نے نقل کیا ہے۔

۹۴۔ محمد ابن فلیح مدنی متوفی ۱۹۷ھ۔ ان سے ابراہیم ابن منذر۔ محمد ابن یعقوب زبیری اور ابوسعید نے روایت کی ہے جسے بخاری، نسائی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔

۹۵۔ محمد ابن حسن ہمدانی۔ ان سے اسماعیل ابن ابراہیم جسن ابن حماد اور ابن منیع نے روایت کی ہے۔ ترمذی نے نقل کیا ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

۹۶۔ محمد بن راشد دمشقی متوفی ۱۷۱ھ ۔ ان سے ثوری ۔ شعبہ ۔ ابن مبارک ۔ ابن مہدی ۔ زید ابن ابی زرقاء ۔ ولید ابن مسلم اور یزید ابن ہارون وغیرہ نے روایت کی ہے ۔ جسے ابوداؤد ۔ ترمذی ۔ نسائی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے ۔ ابن معین نے توثیق کی ہے ۔ عبدالرزاق نے اپنے وقت کا سب سے زیادہ محتاط قرار دیا ہے ۔ احمد ابن حنبل نے انتہائی معتبر کہا ہے ۔ ابو حاتم کا بیان ہے کہ رافضی تھے ۔ ابوزرعہ کہتے ہیں کہ ابومسہر نے ان سے روایت نہیں کی اس لئے کہ یہ حکام وقت پر خروج جائز جانتے تھے ۔ ذہبی نے ابو حاتم کی رائے پر بھی اعتراض کیا ہے کہ ایک شامی آدمی جس کا قیام بصرہ میں رہا ہو وہ کیونکر رافضی ہوسکتا ہے ؛ شاید اس کا سبب یہ ہے کہ محمد ابن راشد خزاعی تھے اور یہ قبیلہ محب اہلبیتؑ تھا ۔ ہمیں ذہبی کے بیان پر تنقید کرکے بات کو طول دینا منظور نہیں ہے ۔ صرف اتنا اشارہ کرنا ہے کہ ان لوگوں کی نظر میں رافضیت محبت اہلبیتؑ کا دوسرا نام تھا چاہے رافضی کو کافر کہا جائے یا مسلمان معتبر قرار دیا جائے یا غیر معتبر ۔ اس کا فیصلہ اسلام کے قوانین اور رسول اکرمؐ کے ارشادات ہی کرسکتے ہیں ۔

۹۷۔ محمد بن ثابت بصری ۔ ان سے عبدالصمد ابن عبدالوارث ۔ جعفر ابن سلیمان ۔ ابوداؤد ۔ ابوعبیدہ وغیرہ نے روایت کی ہے جسے ترمذی نے نقل کیا ہے ۔

۹۸۔ محمد بن حبیب کوفی ۔ انھوں نے امام جعفر صادقؑ سے بکثرت حدیثیں لی ہیں ۔ جسے عبدالرحمان ابن عفان ، عبدالرحمن ابن نافع ، عیسیٰ ابن محمد ، مسلم ابن فیض وغیرہ نے ان سے نقل کیا ہے ۔

۹۹۔ محمد ابن جعفر مدنی ۔ ان سے خالد ابن مخلد ۔ سعید ابن ابی مریم نے روایت کی ہے ۔ ابن معین اور ابن حجر نے تقریب میں معتبر لکھا ہے ۔ ان کی حدیث صحاح ستہ میں درج ہے ۔

۱۰۰۔ معلی ابن ہلال کوفی ۔ قتیبہ نے ان سے روایت کی ہے جسے ابن ماجہ نے نقل کیا ہے ۔ احمد وغیرہ نے ان کی تکذیب کی ہے ۔

۱۰۱ معمر بن راشد بصری متوفی ۱۵۲ھ ۔ ان سے ایوب ۔ ثوری وغیرہ نے روایت کی ہے ۔ ابن حجر نے ان کے فضل و کمال اور وثوق کا اعتراف کیا ہے ۔ یہ صحاح ستہ کے

راوی ہیں۔

۱۰۲۔ معمر بن یحییٰ کوفی۔ بخاری کے راوی ہیں۔ ابوزرعہ نے توثیق کی ہے۔

۱۰۳۔ منصور بن معتمر کوفی متوفی ۱۳۲ھ۔ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ امام باقرؑ اور امام صادقؑ کے شاگرد ہیں۔ عجلی کا بیان ہے کہ ان کی دو ہزار حدیثیں ہیں۔

۱۰۴۔ منہال بن عمر اسدی کوفی۔ مسلم کے علاوہ سب نے ان کی روایت درج کی ہے ابن معین اور نسائی نے توثیق کی ہے۔ شعبہ اور اعمش نے ان سے روایت کی ہے اور انھوں نے امام زین العابدینؑ، امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے۔

۱۰۵۔ میسرہ بن حبیب کوفی۔ ان سے شعبہ اور اسرائیل نے روایت کی ہے۔ ابن معین۔ عجلی اور نسائی نے توثیق کی ہے۔ ابن حجر نے ساتویں طبقہ کا صادق مانا ہے۔ بخاری نے ادب مفرد میں اور ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے۔

۱۰۶۔ مالک ابن انس متوفی ۱۷۹ھ۔ ان کا ذکر جلد اوّل میں آچکا ہے۔

۱۰۷۔ مکی بن ابراہیم بلخی متوفی ۲۱۵ھ۔ بخاری کے استاد اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔

۱۰۸۔ مسعود بن سعد کوفی۔ ان سے ابوخالد احمر اور ابوغسان نے روایت کی ہے۔ مسلم اور نسائی نے نقل کیا ہے اور ابن معین نے توثیق کی ہے۔

۱۰۹۔ مسلم بن خالد مکی متوفی ۱۸۹ھ۔ ان سے شافعی اور ابن وہب وغیرہ نے روایت کی ہے جسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے۔

۱۱۰۔ مصعب بن سلام کوفی۔ احمد ابن حنبل اور ابوالاشجع نے ان سے روایت کی ہے۔ ترمذی نے اسے نقل کیا ہے۔ ابن معین اور عجلی نے انھیں قابلِ قبول اور معتبر قرار دیا ہے۔

۱۱۱۔ معاویہ بن صالح حضرمی متوفی ۱۵۸ھ۔ یہ اندلس کے قاضی تھے۔ ان سے ثوری۔ لیث اور ابن وہب نے روایت کی ہے۔ احمد اور ابن معین نے توثیق کی ہے۔ اور بخاری کے علاوہ تمام اربابِ صحاح نے ان سے حدیث لی ہے۔

۱۱۲۔ معاویہ بن عمار بجلی دہنی متوفی ۱۷۵ھ۔ ان سے یحییٰ بن سعید، معاذ بن معاذ وغیرہ

Presented by Ziaraat.Com

نے روایت کی ہے۔ مسلم، ترمذی اور نسائی نے نقل کیا ہے۔ ابن معین و ابوداؤد نے توثیق کی ہے۔ نہج المقال میں ان کی کتاب الصلوٰۃ، کتاب یوم ولیلۃ، کتاب الطلاق، کتاب الدعاء کا تذکرہ موجود ہے۔

۱۱۳۔ معروف بن خربوذ مکی۔ ان سے وکیع وغیرہ نے روایت کی ہے۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ یہ امام باقرؑ و امام صادقؑ کے شاگرد تھے۔ (یہ معروف کوفی کے علاوہ دوسرے بزرگ ہیں۔)

۱۱۴۔ مفضل بن صالح اسدی کوفی۔ ان کی حدیث ترمذی نے نقل کی ہے اور ان سے محمد بن عبید، احمد بن بدیل اور محمد بن اسماعیل نے روایت کی ہے۔

۱۱۵۔ نعمان بن ثابت ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ۔ ان کا تذکرہ پہلی جلد میں ہو چکا ہے۔

۱۱۶۔ نوح بن دراج کوفی قاضی متوفی ۱۸۲ھ۔ ان سے سعید بن منصور نے روایت کی ہے اور ابن ماجہ نے اپنی تفسیر میں درج کیا ہے۔

۱۱۷۔ ہارون بن سعد عجلی۔ ابن معین نے انھیں قابلِ قبول قرار دیا ہے۔ مسلم نے صحیح میں ان کی حدیث نقل کی ہے۔ کشی نے انھیں زیدی المذہب کہا ہے۔ ابن حجر نے رافضی لیکن تائب قرار دیا ہے۔

۱۱۸۔ ہارون بن موسیٰ ازدی۔ ان سے ابن اسد، مسلم بن ابراہیم وغیرہ نے روایت کی ہے جسے بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔ ابن معین نے ثقہ اور ابن حجر نے ثقہ متہم المذہب قرار دیا ہے۔

۱۱۹۔ ہلال بن ابی حمید صیرفی کوفی۔ ان سے مسعر، شعبہ نے روایت کی ہے۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی نے نقل کیا ہے۔

۱۲۰۔ وہیب بن خالد بصری متوفی ۱۶۵ھ۔ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ ابن سعد نے حجت کثیر الحدیث کہا ہے۔ نہج المقال میں ثقہ قرار دیئے گئے ہیں۔ نجاشی نے ایک کتاب کا ذکر کیا ہے۔

۱۲۱۔ یحییٰ بن سعید بن فروخ قطان متوفی ۱۹۸ھ۔ اپنے وقت کے جید عالم اور حافظ تھے۔

Presented by Ziaraat.Com

صحاح ستہ نے ان کی حدیثیں لی ہیں۔ احمد اور ابن معین کے شیخ تھے۔

۱۲۲۔ یحییٰ بن قیس انصاری مدنی متوفی ۱۴۴ھ۔ ان سے اوزاعی، دونوں سفیان وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ابن مدینی نے ان کی تین سو حدیثوں کا ذکر کیا ہے جسے بخاری نے "الادب المفرد" میں درج کیا ہے۔ ابن سعد نے ثقہ حجت کا لقب دیا ہے۔

۱۲۳۔ یحییٰ بن سلیم طائفی متوفی ۱۹۳ھ۔ ان سے احمد و اسحاق و قتیبہ نے روایت کی ہے۔ ابن معین و نسائی و ابن سعد نے توثیق کی ہے اور بخاری نے قابلِ احتجاج تسلیم کیا ہے۔

۱۲۴۔ یعلیٰ بن الحرث کوفی متوفی ۱۶۸ھ۔ ان سے وکیع ابن مہدی وغیرہ نے روایت کی ہے جسے بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے۔

اس کے علاوہ آپ سے روایت کرنے والے شیعہ حضرات کی فہرست تیسری جلد میں ذکر کی جائے گی اور اس کے بعد چھٹی جلد میں ان شیعہ راویوں کا تذکرہ کیا جائے گا جن کی حدیثیں صحاح ستہ کے اوراق کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ ایسے راویوں کی تعداد بھی تین سو سے زیادہ ہے اس لئے یہاں اختصار کے پیشِ نظر یہ سلسلہ بند کیا جاتا ہے۔

اس بحث کے اہم ترین مآخذ یہ ہیں:-

۱۔ فہرست	شیخ الطائفہ محمد بن الحسن الطوسی	المتوفی ۴۶۰ھ
۲۔ خلاصہ تہذیب الکمال	احمد بن عبداللہ خزرجی انصاری	
۳۔ منہج المقال	سید محمد استرآبادی	متوفی ۱۰۲۱ھ
۴۔ تہذیب التہذیب	احمد بن علی بن حجر عسقلانی	متوفی ۸۵۲ھ
۵۔ تقریب التہذیب	"	"
۶۔ جامع الرواۃ	اردبیلی	متوفی ۱۱۰۱ھ
۷۔ خلاصہ	علامہ جمال الدین حلی	متوفی ۷۲۶ھ
۸۔ الرجال	تقی الدین ابن داؤد	قرن ہفتم
۹۔ حلیۃ الاولیاء	حافظ ابونعیم اصفہانی	متوفی ۴۳۰ھ

Presented by Ziaraat.Com

۱۰۔ تاریخ بغداد	خطیب بغداد	متوفی ۴۶۳ھ
۱۱۔ شذرات الذہب	ابن عماد حنبلی	متوفی ۱۰۸۹ھ
۱۲۔ تنقیح المقال	عبداللہ مامقانی	متوفی ۱۳۵۱ھ
۱۳۔ لسان المیزان	ابن حجر عسقلانی	
۱۴۔ تہذیب الاسماء واللغات	محی الدین ابن شرف نووی	متوفی ۶۷۶ھ
۱۵۔ میزان الاعتدال	ذہبی	متوفی ۷۴۸ھ
۱۶۔ طبقات الحفاظ	"	"
۱۷۔ تاریخ الاسلام	"	"
۱۸۔ الجرح والتعدیل	عبدالرحمٰن بن ابی حاتم	متوفی ۳۲۷ھ

توضیح — اس کے بعد کسی دوسری بحث میں داخل ہونے سے پہلے چند نکات کی وضاحت کر دینا ضروری ہے۔

۱۔ رواۃ

چونکہ امام جعفر صادقؑ کا مدرسۂ فکر اپنے وقت میں بے حد مشہور ہو چکا تھا اور اس میں مختلف عقائد و نظریات، افکار و خیالات کے لوگ داخلہ لے رہے تھے اس لئے یہ ضروری ہو گیا کہ اس میں ہر ایک کا ذہن، ہر ایک کا دماغ اور ہر ایک کا انداز فہم یکساں نہ ہو۔ چنانچہ ان میں سے بعض ایسے مفاد پرست بھی تھے جن کا کام صرف آپ کے بیانات کو مسخ کر کے اس کا غلط پروپیگنڈا کرنا تھا۔

وہب ابن وہب ابوالبختری اس سلسلے میں خاصی شہرت رکھتا ہے۔

سالم بن ابی حفصہ عجلی، مغیرہ بن سعید، صائد نہدی۔ محمد بن مقلاص وغیرہ بھی اپنے وقت کے مشہور جعلساز تھے۔

امام جعفر صادقؑ کو ایسے لوگوں کے حالات کا صحیح اندازہ تھا اور آپ یہ جانتے تھے کہ یہ انتہائی خطرناک لوگ ہیں۔ اس لئے آپ نے فی الفور یہ اعلان کر دیا کہ:

Presented by Ziaraat.Com

"ہم سے جنگ کرنے والا ہمارے حق میں اس سے زیادہ خطرناک نہیں ہے جو ہمارے خلاف باتیں گڑھ کر ہماری طرف منسوب کرتا ہے۔"

"لوگ ہمارے خلاف جھوٹ پر تل گئے ہیں۔ ہم جب کبھی کوئی بات کہتے ہیں تو باہر نکلتے ہی اس کی غلط تاویل کر لیتے ہیں۔ یہ حدیث سے ثواب کے طالب نہیں ہیں بلکہ طالب دنیا ہیں اور ان میں سے ہر ایک ریاست کا طلب گار ہے۔"

بعض لوگوں کا کاروبار تو یہ تھا کہ حضرت کی حدیثیں کم و زیاد کر کے بیان کرتے تھے۔ چنانچہ ایک شخص نے حضرت سے عرض کی کہ میں نے "آپ کا یہ ارشاد سنا ہے "جب تمھیں معرفت حاصل ہو جائے تو جو چاہو کرو۔" آپ نے فرمایا بالکل غلط ہے۔ میں نے یہ کہا ہے کہ "جب تمھیں معرفت ہو جائے تو جو چاہو کرو، اتنا ہی تم سے قبول کیا جائے گا ـــ اصل بات یہ ہے کہ شیطان ہم اہلبیت کے درمیان ایسے لوگوں کو داخل کر دیتا ہے جن کا ہم سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ پھر جب اس کی کوئی شخصیت بن جاتی ہے تو وہ ہمارے خلاف جھوٹ بولنے لگتا ہے۔"

اس کے بعد آپ نے عملی طور پر اس قسم کے افراد سے قطع تعلق کر کے اور امت کو ان سے ڈرا کے ان کے فتنوں کا قلع قمع کیا۔ علماء رجال نے بھی اسی کام کے لئے پوری پوری بحثیں کیں۔ سچے جھوٹے اور اچھے برے کا امتیاز قائم کرنے کے لئے علمی معیار مقرر کئے اور اس طرح صحیح و ضعیف کے تفرقہ کے لئے حسب ذیل قسم کی کتابیں تالیف کیں۔

کتاب الرجال	شیخ الطائفہ محمد بن الحسن الطوسی	متوفی ۴۶۰ھ
کتاب	الشیخ احمد بن علی بن احمد النجاشی	متوفی ۴۵۰ھ
کتاب الضعفاء	احمد بن عبید اللہ غضائری	
کتاب تقی الدین حسن بن علی بن داؤد شاگرد ابن طاؤس و محقق حلی		
خلاصہ	علامہ جمال الدین حلی	متوفی ۷۲۶ھ

علم رجال میں راویوں کی جانچ پڑتال کے لئے علماء اہلسنت نے بھی کافی احتیاط سے کام لیا ہے لیکن علماء شیعہ نے اس کے علاوہ بھی بعض شرائط کا اضافہ کر کے اس علم کو مزید

Presented by Ziaraat.Com

استحکام بخشا ہے اور دین کے معاملہ میں کسی کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی ہے۔ خود رسولِ اکرمؐ کا بھی مشہور ارشاد ہے کہ میرے خلاف حدیث گڑھنے والے کا ٹھکانا جہنم ہے۔

۲۔ مشاہیر ثقات

امام جعفر صادقؑ کے اصحاب میں کچھ ایسے افراد بھی ہیں جن کی وثاقت شہرۂ آفاق اور جن کا اعتبار مسلم الثبوت ہے لیکن افسوس کہ اس مقام پر ان کے تذکرہ کی گنجائش نہیں ہے۔ خدا نے چاہا تو تیسری جلد میں اس کی قدرے تفصیل بیان کی جائے گی۔ اس وقت صرف چند مؤلفین کے نام بطور فہرست درج کئے جا رہے ہیں:۔

۱۔ ابراہیم بن خالد عطار عبدی
۲۔ ابراہیم بن نعیم عبدی المعروف بہ ابی الصباح
۳۔ اسحاق بن بشر کاہلی
۴۔ اسحاق بن جندب
۵۔ انس بن عیاض لیثی
۶۔ بردالاسکاف ازدی
۷۔ ایوب بن عطیہ حذاء
۸۔ ثابت بن جریر
۹۔ ثابت بن ضریر
۱۰۔ ثعلبہ بن میمون فقیہ
۱۱۔ جحدر بن مغیرہ طائی
۱۲۔ جفیر بن الحکم عبدی
۱۳۔ جمیل بن دراج
۱۴۔ حارث بن مغیرہ نضری
۱۵۔ حبیب بن نعمان اسدی
۱۶۔ حذیفہ بن زائدہ اسدی
۱۷۔ حریز بن عبداللہ سجستانی
۱۸۔ حسان بن مہران کوفی
۱۹۔ حسن بن حسین جحدری کندی
۲۰۔ خطاب بن مسلم کوفی
۲۱۔ خلاد بن سرحان عطار کوفی
۲۲۔ رافع بن سلمہ بن زیاد اشجعی
۲۳۔ زریق بن زبیر خلقانی
۲۴۔ زکریا بن یحییٰ واسطی
۲۵۔ زید بن یونس شحام کوفی
۲۶۔ سالم حناط کوفی
۲۷۔ سالم بن مکرم بن عبداللہ
۲۸۔ سری بن عبداللہ سلمی کوفی
۲۹۔ سعید بن عبدالرحمٰن سمان کوفی

Presented by Ziaraat.Com

۳۰۔ سعید بن غزوان اسدی
۳۱۔ سلام بن ابی عمرہ خراسانی (ان کی کتاب آج تک موجود ہے۔ الذریعہ ۶؍۳۳۶)
۳۲۔ سلیم فراء کوفی
۳۳۔ سلیمان بن داؤد منقری
۳۴۔ سماعہ بن مہران حضرمی
۳۵۔ سوید بن مسلم
۳۶۔ سیف بن سلیمان تمار کوفی
۳۷۔ شعیب عقر قوقی
۳۸۔ شہاب بن عبدربہ
۳۹۔ صباح حذاء بن صبیح کوفی
۴۰۔ صباح بن یحییٰ مزنی (تلمیذ امام باقرؑ و صادقؑ)
۴۱۔ صفوان بن مہران کوفی
۴۲۔ طلاب بن حوشب شیبانی کوفی
۴۳۔ عاصم بن سلیمان بصری
۴۴۔ عامر بن جداعہ ازدی
۴۵۔ عبید بن زرارہ بن اعین
۴۶۔ عبید اللہ بن الولید رصافی (راوی امام باقرؑ و صادقؑ)
۴۷۔ عقبہ بن خالد اسدی
۴۸۔ علی بن عقبہ بن خالد اسدی
۴۹۔ عمار بن مروان یشکری
۵۰۔ عمار بن موسیٰ ساباطی
۵۱۔ عمرو بن ابراہیم ازدی
۵۲۔ عمرو بن الیاس بجلی
۵۳۔ عمرو بن حریث صیرفی
۵۴۔ عمرو بن خالد خیاط
۵۵۔ عمرو بن منہال صیرفی
۵۶۔ ابو محمد بن قتیبہ اعشی مغربی
۵۷۔ کعیب بن عبداللہ کوفی
۵۸۔ مالک بن عطیہ احمسی
۵۹۔ محمد بن حمران نہدی
۶۰۔ محمد بن عذافر صیرفی (صحابی امام صادقؑ و کاظمؑ)
۶۱۔ عباد بن صہیب بصری
۶۲۔ عباس بن الولید کوفی
۶۳۔ عبدالحمید بن ابی العلاء ازدی
۶۴۔ عبدالرحمٰن بن محمد فزاری
۶۵۔ عبدالغفار بن حبیب طائی
۶۶۔ عبدالغفار بن قیس انصاری (تلمیذ امام باقرؑ و صادقؑ)
۶۷۔ عبدالکریم بن ہلال جعفی خلقانی
۶۸۔ عبداللہ بن ابی یعفور
۶۹۔ عبداللہ بن بکیر بن اعین شیبانی

Presented by Ziaraat.Com

۷۰۔ عبداللہ بن زرارہ بن اعین
۷۱۔ عبداللہ بن سعید بن شبل
۷۲۔ عبداللہ بن غالب اسدی فقیہ
۷۳۔ عبداللہ بن الفضل نوفلی
۷۴۔ عبدالملک بن حکیم خثعمی کوفی
۷۵۔ عبدالملک بن عتبہ نخعی صیرفی کوفی

اس کے علاوہ فہرست طوسی، کتاب نجاشی اور جامع الرواۃ میں مؤلفین کا ایک سلسلہ ہے جسے آقائے بزرگ محمد محسن طہرانی (طاب ثراہ) نے کتاب "الذریعہ" کی چھٹی جلد میں حرف ح کے سلسلے میں اور پہلی جلد میں حرف ہمزہ کے ذیل میں ذکر فرمایا ہے۔ ہم نے سابق میں بعض حضرات کا ذکر کر دیا ہے اور باقی کا آیندہ تذکرہ کریں گے۔

۴۔ جابر بن حیان

علم کیمیا میں جابر کی شخصیت شہرۂ آفاق حیثیت رکھتی ہے۔ یہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے اس علم میں نام پیدا کیا ہے۔ ان کو صوفی اور حرانی کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ یہ ہمارے موضوعِ بحث سے زیادہ تعلق نہیں رکھتے ہیں لیکن بعض اسباب کی بنا پر کسی حد تک ان کے حالات پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔ جابر نے علم کیمیا کے توازن کی بحثیں اور فلسفہ کے اہم مباحث کو اجاگر کیا ہے اور نئی نئی تحقیقات منظر عام پر لے آئے ہیں۔ ان کی تالیفات کا مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے اور بعض لوگوں نے انھیں الجبرا کا موجد قرار دیا ہے۔ علم کیمیا کے بارے میں انھوں نے ہزار صفحہ کے پانچ سو رسالے تالیف کئے ہیں۔ ان کے بارے میں اختلاف کی نوعیت یہ ہے کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایک موہوم شخصیت ہے جسے نمونہ کے طور پر وضع کر لیا گیا ہے ورنہ تاریخ عرب میں ایسی کسی عظیم ہستی کا ذکر نہیں ہے۔

اس کا جواب ابن ندیم نے فہرست میں یہ دیا ہے کہ ایک ایسا شخص جس نے متعدد تجربات کئے ہوں۔ علوم کے ذخیرے مہیا کئے ہوں۔ لوگوں کو جدید تحقیقات سے آشنا کیا ہو اس کے بارے میں وجود و عدم کی بحث انتہائی جہالت اور حماقت ہے۔ جابر ایک شہرۂ آفاق شخصیت ہے جس کی تالیفات منظر عام پر آچکی ہیں۔

بعض لوگ انھیں خراسانی کہتے ہیں اور رازی نے انھیں اپنا استاد کہہ کر ظاہر کیا

Presented by Ziaraat.Com

ہے۔ ان کے تالیفات مذہب شیعہ اور مختلف علوم کے بارے میں بکثرت ہیں جن کا تذکرہ برمحل کیا جاچکا ہے اور کیا جا رہا ہے۔

مستشرقین کے درمیان بھی جابر کے بارے میں شدید اختلافات پائے جاتے ہیں۔ مستشرق کراؤس نے ان کی تالیفات کو شائع کیا ہے جس میں شیعیت کے دلائل واضح طور پر پائے جاتے ہیں۔

لیکن بعض مستشرقین کو یہ بات کھل گئی اور وہ یہ نہیں چاہتے کہ کیمیا میں اوّلیت کا شرف کسی مسلمان عرب کو مل سکے اس لئے انھوں نے کبھی ان کے وجود کو مشکوک بنایا کبھی ان کے دور میں شک کیا۔ کبھی ان کی کتابوں کو بے اعتبار ٹھہرایا۔ کبھی ان کے امام صادقؑ سے استفادہ کرنے کا انکار کیا اور کبھی کتابوں کی ترتیب و تہذیب پر اعتراض کیا کہ یہ سلیقہ اس دور کے انسان کے لئے غیر معروف ہے۔

استاد اسماعیل مظہر نے رسالۃ المقتطف میں (۶۸، ۵۴۴ و ۶۱۷ تا ۶۲۵) اور استاد احمد زکی صالح نے "الرسالۃ" عدد ۸ ۱۲۰۴، ۱۲۰۶ پر ان تمام اوہام کی دھجیاں اڑادی ہیں اور یہ واضح کر دیا ہے کہ جابر شیعہ مذہب انسان تھے اور شیعوں نے علوم کے سلسلے میں بڑی اہم خدمات انجام دی ہیں یہاں تک کہ مذہب کو فلسفی رنگ دینے میں امیر المومنین علیؑ بن ابی طالبؑ کا اپنا ایک مخصوص فلسفہ مشہور ہوگیا ہے۔ (حیاۃ الامام الصادقؑ المظفر)

بعض لوگوں نے ایک شاعر کے کلام سے تمسک کرتے ہوئے یہ ظاہر کیا ہے کہ جابر خالد بن یزید کے شاگرد تھے اور خالد وہ بزرگ ہیں جنھوں نے حضرت علیؑ کی خلافت کا اعتراف کرتے ہوئے خود حکومت سے دست کشی کر لی تھی۔ (کشف الظنون ۲ ۱۹۸) لیکن ظاہر ہے کہ یہ بات انتہائی مہمل ہے اس لئے کہ جابر نے خود اپنے رسالوں میں اس بات کا اعلان کیا ہے کہ میں نے یہ باتیں براہِ راست امام جعفر صادقؑ سے لی ہیں۔ (رسائل جابر نشر کردہ مستشرق کراؤس ص۳۳۵) خواص کبیر کے ص۲۰۵ پر جابر کا بیان ہے کہ میں ایک دن امام جعفر صادقؑ کے گھر جا رہا تھا... اس کے علاوہ جا بجا اس کی تصریح موجود ہے۔ ص۳۱۶ مقالہ ۲۴ میں لکھتے ہیں کہ حضرت نے مجھے ان خواص کے جمع کرنے کا حکم دیا اور آیندہ بھی ایسے تحقیقات کے اضافہ

Presented by Ziaraat.Com

کا مشورہ دیا۔

وفیات الاعیان ابن خلکان، مراۃ الجنان یافعی، تاریخ ابن الوردی، کشف الظنون، دائرۃ المعارف پطرس بستانی، قاموس الاعلام ترکی وغیرہ میں اس بات کی تصریح و تفصیل بقدر ضرورت موجود ہے۔

استاذ محمد یحییٰ نے اپنی کتاب "امام صادق ملہم الکیمیا" میں لکھا ہے کہ علوم کی تاریخ میں جابر کا مسئلہ اور ان کا امام جعفر صادقؑ سے ارتباط بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اس موضوع کو اکثر مستشرقین اور اہل کیمیا نے محل بحث بنایا ہے لیکن کوئی قابل اطمینان کام نہیں کیا ہے اس لئے کہ انھوں نے موضوع کے دیگر مصادر کی چھان بین کی ہے اور خود جابر کے بیانات کو نظر انداز کر دیا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ ہم جابر ہی کے رسائل کی روشنی میں اس بحث کا تجزیہ کریں اور امام صادقؑ کے فکری خدمات کا صحیح جائزہ لیں!.... اس کے بعد ص۳۹ پر لکھتے ہیں کہ جابر کے چھوڑے ہوئے علمی ذخیرہ کی چھان بین کرنے کے بعد یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ انھیں یہ سب کچھ امام جعفر صادقؑ سے ملا تھا مستشرقین کو یہ حقیقت معلوم تھی لیکن انھیں یہ بات پسند نہیں آئی اس لئے انھوں نے تنقید میں عجیب و غریب پہلو اختیار کئے اور آخر میں یہ کہہ دیا کہ امام صادقؑ کو اتنے علوم و فنون میں دستگاہ ناممکن ہے۔ دروسکا کا کہنا ہے کہ مدینہ میں بیٹھ کر امام صادقؑ کو کیمیا کے اصول و عملیات کا علم ہو ہی نہیں سکتا۔ برٹلو فرانسیسی اور ہولمیارڈ انگریزی کو جابر کی طرف منسوب شدہ معلومات نے حیرت میں ڈال دیا ہے۔"

اس کے علاوہ اور بہت سی باتیں ہیں جنھیں استاد موصوف نے ذکر کیا ہے لیکن ہم اس موضوع سے غیر متعلق ہیں اس لئے انھیں ترک کئے دیتے ہیں۔ ہم نے تو امام صادقؑ کے شاگردوں کی مناسبت سے جابر کا تذکرہ چھیڑ دیا تھا ورنہ تفصیلات کے لئے دوسرا محل درکار ہے۔

۴۔ فرقے

امام جعفر صادقؑ کا مدرسہ مختلف علوم و فنون کا مرکز تھا اس لئے اس کا کوئی تعلیمی دستور مرتب نہ ہو سکا تھا۔ مختلف مسائل کے ضرورت مند ارباب نظر آیا کرتے تھے اور اپنی ضرورت کے

Presented by Ziaraat.Com

مسائل دریافت کیا کرتے تھے، کبھی آپ خود سے علوم و فنون پر روشنی ڈالتے تھے اور کبھی اصحاب کو جمع کر کے اپنے آباء و اجداد کی حدیثیں اور علم کلام کے نکات نوٹ کرایا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ دور دور سے تحصیلِ علم کی غرض سے آتے اور اپنی علمی تشنگی رفع کیا کرتے تھے۔ آپ نے عراق و مکہ میں مختلف مذاہب کے اربابِ فکر سے بحثیں کیں۔ انھیں ان کے مسلک کی غلطی سے آگاہ کیا اور صراطِ مستقیم کی ہدایت کی۔ بعض نے صدقِ دل سے استفادہ کیا اور بعض نے عناد و فساد سے کام لیا اور تحصیل علم کو "فساد فی الارض" کا وسیلہ بنا لیا۔

امام صادق سے متعلق مختلف علمی بحثیں ہیں جنھیں اس مقام پر ذکر ہونا چاہیے تھا لیکن ہم نے انھیں صرف اس لئے ترک کر دیا ہے کہ یہ بحث ہر جلد میں مختلف مقامات پر ہوتی رہے گی۔ آپ کے سلسلۂ نسب کو بھی محل بحث سے خارج کر دیا ہے کہ آپ کا حسب و نسب پوری طرح واضح ہے۔ ائمہ اربعہ کے حسب و نسب کو تو اس لئے زیر بحث لایا گیا تھا کہ ان کے حسب و نسب پر اور زمان و مکان کے بارے میں بکثرت اختلافات پائے جاتے ہیں۔ تاہم ایک مختصر اشارہ امام محمد باقر کی زندگی کے بارے میں ضرور کریں گے کہ ان سے حضرت کا تعلق براہ راست ہے اور اس کی روشنی میں آپ کی زندگی کا جائزہ لینے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

پدرِ بزرگوار امام محمد باقرؑ
کے
سایۂ عاطفت میں

Presented by Ziaraat.Com

ابو جعفر محمدؑ بن علیؑ بن الحسینؑ بن علیؑ ابن ابی طالب علیہم السلام

امام جعفر صادقؑ نے اپنی حیاتِ طیبہ کا ایک بڑا حصّہ اپنے پدر بزرگوار امام محمد باقرؑ اور اپنے جدنامدار امام زین العابدینؑ کی آغوش عاطفت میں گذارا ہے۔ انھیں بزرگوں نے آپ کی پرورش کی اور انھیں کے ذریعہ اسرارِ الٰہی آپ تک منتقل ہوئے۔ ہم اس مقام پر ان حضرات کی مکمل سیرت کے تذکرہ سے معذور ہیں لیکن امام محمد باقرؑ کے بعض حالات کی طرف ضرور اشارہ کریں گے ــــــ کہ آپ ہی کے دور میں اہلبیتؑ کے مدرسۂ تربیت کی بنیاد پڑی اور آپ ہی کے مدرسہ میں بڑے بڑے اصحاب اور تابعین نے شرف شاگردی حاصل کیا ہے۔ آپ نے بے شمار تشنگانِ علوم کو سیراب کیا ہے اور دین و مذہب کو لامذہب علماء کے فتووں سے پاک و پاکیزہ بنایا ہے۔

ولادت

امام محمد باقرؑ مدینہ میں ۵۷ھ میں پیدا ہوئے اور بقول شیخ مفید، نہایہ ابن کثیر، تاریخ ابن اثیر، ۵۷ سال کی عمر میں ۱۱۴ھ میں انتقال فرمایا۔ مسعودی کے خیال میں آپ کا انتقال ولید کے دور میں ہوا۔ آپ نے ابتدا کے تین چار سال امام حسینؑ کے زیر سایہ گذارے جس میں کربلا کا المناک سانحہ بھی پیش آیا۔ ۳۴ سال پدر بزرگوار کے ساتھ رہے اور ۱۸۔۱۹ سال ان کے بعد زندگی گذاری۔ آپ کے دورِ حیات میں حسب ذیل حکام برسراقتدار آئے۔

Presented by Ziaraat.Com

معاویہ ابن ابی سفیان، یزید بن معاویہ، معاویہ بن یزید، مروان بن الحکم، عبدالملک بن مروان، ولید بن عبدالملک، سلیمان بن عبدالملک، عمر بن عبدالعزیز، یزید بن عبدالملک۔

کنیت و لقب

آپ کی کنیت ابوجعفر اوّل اور لقب باقرؑ ہے۔ باقر کے معنی شگافتہ کرنے والے ہیں۔ اور آپ کو باقر اسی لئے کہا جاتا ہے کہ آپ نے علوم میں موشگافیاں کرکے اس کی وسعتوں کو کہیں زیادہ بڑھا دیا ہے۔ (قاموس ۱ ۳۷۶، لسان العرب ۵ ۱۴۰، حیاۃ الحیوان ۱ ۱۴۷، تاریخ ابوالفداء ۱ ۲۱۵)

* ذہبی کا بیان ہے کہ یہ لقب آپ کو رسول اکرمؐ نے عطا فرمایا تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ ۱ ۱۱۷)
* جابر بن عبداللہ انصاری متوفی ۷۸ھ کا بیان ہے کہ رسول اکرمؐ نے مجھ سے فرمایا۔ جابر تم اس وقت تک زندہ رہو گے کہ میرے ایک فرزند سے ملاقات کرو گے جو حسینؑ کی نسل سے ہوگا اور علوم میں وسعت پیدا کرے گا۔ لہٰذا جب اس سے ملاقات ہو تو میرا اسلام کہہ دینا۔ (حاشیہ القاموس المحیط ۱ ۳۷۶، الفصول المہمہ ابن صباغ مالکی ص۱۹۳)
* یعقوبی کی روایت کی بنا پر آنحضرتؐ نے جابر سے فرمایا تم عنقریب میرے اس فرزند سے ملو گے جو میری شبیہ ہوگا اور اس کا نام میرا نام ہوگا۔ لہٰذا جب اس سے ملاقات ہو تو میرا اسلام کہہ دینا۔ اس حکم کے بعد جابر جب ضعیف ہو گئے تو برابر "یا باقر یا باقر" کہا کرتے تھے۔ (تاریخ یعقوبی ۳ ص۶۱)
* مدائنی نے جابر کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حسینؑ آپ کی گود میں بیٹھے تھے آپ انھیں کھلا رہے تھے۔ اسی دوران آپ نے فرمایا اے جابر اس کے یہاں ایک بچہ ہوگا جس کا نام علیؑ ہوگا اور وہ روزِ قیامت زین العابدین کے لقب سے یاد کیا جائے گا۔ اس کے بعد اس کے یہاں ایک فرزند متولد ہوگا جس کا نام محمدؐ ہوگا۔ جب اس سے ملاقات ہو تو میرا اسلام کہہ دینا۔ (تذکرۃ الخواص ص۳۴۴، احسن القصص

Presented by Ziaraat.Com

سید علی فکری ج ۴ ص۳۸)

* شبلنجی نے یہی روایت زبیر بن محمد بن مسلم سے نقل کی ہے۔ (نور الابصار ص۱۴۲)

عیون الاخبار ابن قتیبہ کی روایت ہے کہ حضرت نے جابر سے فرمایا کہ تمھاری زندگی میں میرا ایک فرزند متولد ہوگا جس کا نام میرا نام ہوگا۔ وہ علم کی وسعتوں میں اضافہ کرے گا۔ لہٰذا جب اس سے ملاقات ہو تو میرا سلام کہہ دینا۔ (عیون الاخبار ا ص۲۱۲)

بہر حال علوم اسلامیہ میں آپ کی منفرد شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ تاریخ علم پر آپ کے احسانات ناقابل فراموش ہیں۔ یہ اور بات کہ تاریخ نے بہت کم افراد کو ان کی اصلی جگہ پر بٹھایا ہے۔

اقوالِ علماء

* محمد باقر کو دیکھنے سے پہلے میں یہ تصور بھی نہ کر سکتا تھا کہ امام زین العابدینؑ کی اولاد میں کوئی ان کا جیسا بھی ہو سکتا ہے۔ (محمد بن المنکدر)

* علماء اعلام کو محمد باقر کے علاوہ کسی کے سامنے ناچیز ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ (عبداللہ بن عطار۔ حلیۃ الاولیاء)

* محمد بن علیؑ کو باقر اسی لئے کہتے ہیں کہ انھوں نے علوم میں موشگافیاں کی ہیں۔ ان کی والدہ ام عبداللہ بنت ام حسن تھیں۔ وہ تابعی جلیل تھے۔ ان کی جلالت و امامت پر اتفاق ہے۔ ان کا شمار مدینہ کے عظیم فقہاء میں ہوتا ہے۔ انھوں نے جابر و انس وابو المسیب و ابن الحنفیہ وغیرہ سے روایتیں[1] سنی ہیں اور ان سے ابو اسحاق سبیعی، عطاء بن ابی رباح، عمر بن دینار، زہری، ربیعہ وغیرہ جیسے بزرگ تابعین نے روایتیں

---

[1] پہلی جلد میں بھی اس امر کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے کہ ائمہ معصومینؑ کے بارے میں اخذ روایت، سماع روایت یا نقل روایت کے الفاظ عام اسلامی ذوق کے تحت استعمال ہوتے ہیں ورنہ درسگاہِ "علام الغیوب" کے تعلیم یافتہ دنیا کے کسی انسان سے کسب علم و فیض کے قطعاً محتاج نہیں تھے۔ (جوادی)

Presented by Ziaraat.Com

لی ہیں۔ بخاری اور مسلم نے ان کی حدیثیں نقل کی ہیں ــــــ محی الدین ابن شرف النووی المتوفی ۶۷۶ھ (تہذیب الاسماء واللغات)

* ابوجعفر محمدؑ بن زین العابدینؑ۔ امام جعفر صادقؑ کے والد اور شیعوں کے ایک امام ہیں۔ انھیں باقرؑ اس لئے کہا جاتا ہے کہ انھوں نے علم کو وسیع بنایا ہے۔ عبداللہ بن عطا اپنے کو ان کے مقابلہ میں ہیچ تصور کرتے تھے۔ وہ ۵۶ سال زندہ رہے اور اپنے والد کے ساتھ بقیع میں دفن ہوئے ــــــ عفیف الدین یافعی (مرأۃ الجنان ا ص۲۴۸)

* ابوجعفر محمد باقرؑ ۵۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کا شمار فقہاء مدینہ میں تھا۔ وسعت علم کی وجہ سے باقر لقب پایا۔ شیعوں کے بارہ اماموں میں سے ایک امام تھے۔ عبداللہ بن عطار ان کے سامنے اپنے کو ہیچ سمجھتے تھے۔ ان کے نصائح و مواعظ بکثرت ہیں۔ ۱۱۷ھ میں انتقال فرمایا اور بقیع میں دفن ہوئے ــــــ عبدالحی بن حماد حنبلی۔ (شذرات الذہب ا ص۱۴۹)

* محمدؑ بن علیؑ باقرؑ۔ علم کے توسیع دینے والے، اس کے علمدار، اس کے منافع حاصل کرنے والے اور اس کی تزئین کرنے والے تھے۔ ان کا دل صاف، عمل پاکیزہ، نفس طیب اور اخلاق شریف تھا۔ طاعت الٰہی میں وقت گذارتے تھے۔ تقویٰ میں قدم راسخ رکھتے تھے۔ طہارت و نجابت کی نشانیاں چہرے سے ہویدا تھیں۔ مناقب ان کی طرف سبقت کناں اور اوصاف کمال ان کی ذات پر نازاں تھے۔ ۳ صفر ۵۷ھ کو مدینہ میں پیدا ہوئے۔ باقر و شاکر و ہادی لقب پایا۔ علمی عظمت کی بنا پر باقر کے لقب سے مشہور ہو گئے ــــــ محمد بن طلحہ قرشی عدوی شافعی (مطالب السئول ۲ ص۵۰)

* ابوجعفر باقرؑ امام ہاشمی علوی تھے۔ انھوں نے اپنے والد بزرگوار، جابر، ابوسعید، ابن عمر، عبداللہ بن جعفر وغیرہ سے روایت کی ہے۔ عائشہ، ام سلمہ اور ابن عباس سے بھی مرسلاً روایت کی ہے۔ ان سے جعفر بن محمد، عمر بن دینار، اوزاعی، ابن جریح، قرۃ بن خالد وغیرہ نے روایتیں لی ہیں۔ وہ اپنے زمانہ میں بنی ہاشم کے سردار تھے۔ وسعت علم کی بنا پر باقر لقب پایا۔ نسائی وغیرہ نے ان کا شمار فقہاء مدینہ میں کیا ہے۔ ۱۱۴ھ یا ۱۱۸ھ میں انتقال فرمایا ــــــ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ۔ (تذکرۃ الحفاظ ا ص۱۱۷)

Presented by Ziaraat.Com

* ابو جعفر باقرؒ ـــــ تابعی جلیل القدر تھے علم و عمل و سیادت و شرف کے اعتبار سے امت میں ممتاز تھے۔ وسعت علم کی وجہ سے باقرؒ کہے گئے۔ یادِ خدا میں مشغول، صبر و شکر میں منہمک اور خانوادۂ رسالت کا خلاصہ تھے۔ نسب کے اعتبار سے بلند، حسب کے لحاظ سے شریف، خطرات سے آگاہ اور عبرتوں پر گریہ کناں تھے۔ لڑائی جھگڑے سے ہمیشہ دامن کشاں رہتے تھے ـــــ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر (البدایۃ والنہایۃ ۹ صـ۳۰۹)

* محمد بن علی ابو جعفر باقرؒ ـــــ امام حسنؑ کے نواسے تھے۔ انھوں نے اپنے والد، امام حسنؑ۔ امام حسینؑ اور حضرت علیؑ سے مرسلاً روایت کی ہے۔ ان سے امام جعفرؑ، اسحاق سبیعی، اعرج، زہری، عمر بن دینار، موسیٰ بن سالم، قاسم بن فضل، اوزاعی، ابن جریج، شیبہ بن نصاح، عبداللہ بن ابی بکر بن عمر بن حزم، عبداللہ بن عطاء، بسام صیرفی، حرف بن صریح، حجاج بن ارطاۃ، محمد بن سوقہ، مکحول بن راشد، معمر بن یحییٰ بن بسام وغیرہ نے روایت لی ہے ـــــ شہاب الدین ابن حجر (تہذیب التہذیب ۹ صـ۲۱۰)

* محمدؑ بن علیؑ بن الحسینؑ ـــــ امام جعفر صادقؑ کے والد اور تابعی عادل ثقہ تھے۔ وسعتِ علم کی بنا پر باقرؑ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ۱۱۴ھ میں وفات پائی اور اپنے والد کے ساتھ بقیع میں مدفون ہوئے ـــــ تلمسانی (شرح الشفا، خفاجی ا صـ۲۹۲)

* محمد باقرؑ ابن زین العابدینؑ ـــــ ۳ صفر ۵۷ھ کو واقعہ کربلا سے تین برس قبل متولد ہوئے۔ ابو جعفر کنیت اور وسعتِ علوم کی بنا پر باقرؑ لقب پایا۔ آپ کے علوم کی خبریں مشہور اور آپ کی مدح سے قصائد کی دنیا معمور ہے۔ مالک جہنی نے اپنے اشعار میں آپ کو علوم قرآن کا واقعی وارث و حامل قرار دیا ہے۔ ۵۸ یا ۶۰ سال کی عمر میں ۱۱۷ھ میں وفات پائی۔ ۴ سال امام حسینؑ کے ساتھ، ۳۴ سال پدر بزرگوار کے ساتھ اور ۱۹ سال ان کے بعد گذارے ـــــ محمد بن عامر (اتحاف صـ۵۲)

* محمدؑ بن علیؑ بن الحسینؑ ـــــ آپ کو باقرؑ کے لقب سے اس لئے یاد کیا جاتا ہے کہ آپ نے علوم و معارف کے اسرار کو اسی طرح واضح کیا ہے جس طرح ایک کاشتکار زمین کے خزانوں کو باہر نکال کر رکھ دیتا ہے۔ آپ کا علم و کمال، زہد و تقویٰ، اخلاق و شرف شہرۂ آفاق

Presented by Ziaraat.Com

ہے۔ کنیت ابوجعفر اور القاب باقر و شاکر و ہادی ہیں۔ آپ کے شرف کے لئے ابن المدینی کی یہ روایت کافی ہے کہ جابر بن عبداللہ نے آپ کے بچپنے میں رسول اکرمؐ کا سلام پہنچایا تو لوگوں نے دریافت کیا کہ آخر یہ سلام کیسا ہے تو انھوں نے بیان کیا کہ میں حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر تھا۔ حسینؑ آپ کی آغوش میں بیٹھے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا جابر! اس فرزند سے ایک مولود متولد ہوگا جو روزِ قیامت زین العابدین کے لقب سے پکارا جائے گا۔ اور اس سے ایک فرزند متولد ہوگا جس کا نام محمدؐ ہوگا۔ دیکھو جب اس سے ملاقات ہو تو میرا سلام کہہ دینا ــــ محمد بن عبدالفتاح حنفی (جوہرۃ الکلام ص ۱۳۲-۱۳۵)

* ابو جعفر محمدؐ بن علیؑ باقر ــــ شیعوں کے پانچویں امام اور انتہائی عابد و زاہد تھے۔ مختلف علوم اور تفسیر قرآن میں ان کے اقوال مشہور ہیں۔ مدینہ میں متولد ہوئے اور مدینہ ہی میں وفات پائی ــــ زرکلی (الاعلام ۳ ص ۹۴۳)
* محمدؐ باقر ابن زین العابدینؑ ــــ کا لقب باقر اس لئے تھا کہ ان کو علوم کے اسرار و اصول سے واقفیت حاصل تھی۔ ان کی منزل کو بیان کرنے سے زبانیں عاجز ہیں۔ سلوک و معرفت میں آپ کے کلمات شہرۂ آفاق ہیں۔ منجملہ

"بجلیاں مومن اور غیر مومن سب پر گرتی ہیں لیکن یاد خدا کرنے والے پر اثر انداز نہیں ہوتیں۔"

"جس دل میں غرور داخل ہوگا اس سے عقل نکل جائے گی۔"

"شکم و شرمگاہ کے تحفظ سے بڑی کوئی عبادت نہیں ہے۔"

"دنیا میں بھائیوں پر احسان سے زیادہ کوئی کارآمد شئے نہیں ہے۔"

"بدترین بھائی وہ ہے جو مالداری میں تعلقات رکھے اور فقیری میں قطع تعلق کرلے۔"

"دوسرے کے دل میں اتنی ہی محبت سمجھنا چاہئے جتنی دوسرے کے لئے اپنے دل میں ہو۔"

اس کے علاوہ ایسے بے شمار فقرات دامن تاریخ میں محفوظ ہیں ــ مناوی (الکواکب الدریہ ا ص ۱۶۴)

Presented by Ziaraat.Com

* ابو جعفر محمدؑ بن علیؑ بن الحسینؑ ـــــ آپ کی والدہ ام عبداللہ بنت الحسن تھیں۔ آپ کے فرزند جعفر بن محمدؑ اور عبداللہ بن محمد تھے جن کی والدہ ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر تھیں۔ اور ابراہیم کی والدہ ام حکم بنت اسد بن المغیرہ اور علی بن محمد و زینب بنت محمد کی والدہ ام ولد تھیں جس طرح ام سلمہ بنت محمد کی والدہ بھی ام ولد تھیں۔ آپ کا انتقال ۷۳ سال کی عمر میں ۱۱۴ھ یا ۱۱۸ھ میں ہوا۔ فضل بن دکین نے ۱۱۴ھ کو ترجیح دی ہے۔ حضرت باقرؑ کثیر الحدیث عالم تھے لیکن آپ سے کسی قابلِ اعتبار آدمی نے روایت نہیں کی ہے۔
(طبقات ابن سعد ۵ ص ۱۳۸)

اس مقام پر آنحضرت کے بارے میں تمام اقوال و آراء کا جمع کرنا مقصود نہیں تھا۔ اس لئے اسی مقدار پر اکتفا کی جاتی ہے اور نتیجہ کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ اپنے وقت کے یگانۂ روزگار اور ان تمام صفاتِ کمال کے جامع تھے جن کی ایک مرجع امت کو ضرورت ہوتی ہے۔

لیکن اس جگہ پر ابن سعد کے اس آخری فقرے سے بحث کرنا ضروری ہے جس میں انھوں نے حضرت سے کسی معتبر آدمی کے روایت کرنے کا انکار کیا ہے۔ مجھے حیرت و تعجب ہے کہ ابن سعد نے اتنا بڑا اتہام کیونکر لگا دیا اور تاریخ و حدیث سے اتنا عظیم تغافل کس طرح مناسب خیال کیا۔ کیا ان کے بیان کا یہ مطلب سمجھا جائے کہ جس جس نے امام محمد باقرؑ سے روایت کردی ہے وہ سب غیر معتبر ہو گئے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو اکثر تابعین و علماء اور اربابِ صحاح اس کی زد میں آجائیں گے کہ ان حضرات نے روایت کو نقل بھی کیا ہے اور اس سے استدلال بھی کیا ہے۔

ممکن ہے کہ ابن سعد کی مراد شیعہ راوی رہے ہوں اور ان کا غیر معتبر قرار دینا ان کی نظر میں ذاتی عقائد یا سماجی حالات کی بنا پر ضروری رہا ہو۔ ابن سعد کے ذاتی عقائد و افکار ہمیں بخوبی معلوم ہیں لیکن ہم ان پر بحث کر کے گفتگو کو طول دینا نہیں چاہتے ہیں۔ ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ اس مقام پر چند ان تابعین و علماء کے نام درج کردیں جنھوں نے امام باقرؑ سے روایت کی ہے اور انھیں خود ابن سعد نے طبقات میں معتبر قرار دیا ہے۔ بلکہ اصحابِ

Presented by Ziaraat.Com

صحاح نے بھی ان کی روایتوں سے استدلال کیا ہے۔

تلامذہ و رواۃ

* عمرو بن دینار کوفی اثرم متوفی ۱۱۵ھ۔ جلیل القدر عالم اور صحاح ستہ کے رجال میں ہیں۔ ان سے قتادہ، شعبہ، ہر دو سفیان و حماد وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ابن معین نے ان کی حدیثوں کی تعداد پانچ سو بتلائی ہے۔ مسعر نے انھیں تین مرتبہ تکرار کے ساتھ موثق کہا ہے۔ ابن نجیح کا بیان ہے کہ ان سے زیادہ فقیہ و عالم دیکھا ہی نہیں گیا ہے بلکہ بقول بعض عطار و طاؤس بھی ان کے برابر کے نہ تھے۔
* عبدالرحمٰن بن عمر اوزاعی متوفی ۱۵۷ھ۔ صحاح ستہ کے راوی اور قدیم مذاہب میں سے ایک مذہب کے رئیس تھے۔ ان کا مفصل تذکرہ جلد اوّل میں ہو چکا ہے۔
* عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریح اموی متوفی ۱۵۰ھ۔ ان سے یحییٰ بن سعید انصاری اور دونوں سفیان نے روایت کی ہے۔ بہت زبردست عالم تھے۔ اصحاب صحاح ستہ نے ان کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ احمد کی نظر میں علم کا ایک ظرف تھے۔ (طبقات الحفاظ ۱ ص۱۶۰)
* قرۃ بن خالد سدوسی بصری متوفی ۱۵۴ھ۔ ان کی تقریباً سو حدیثیں ہیں جن سے اصحاب صحاح ستہ نے استدلال کیا ہے۔
* محمد بن المنکدر قرشی تیمی متوفی ۱۳۳ھ۔ ان سے بھی اصحاب ستہ نے استدلال کیا ہے۔ ابن عیینہ کی نظر میں صداقت کا معدن اور صالحین کا مرکز تھے۔ ذہبی کی نظر میں ان کی وثاقت وافضلیت پر اجماع ہو چکا ہے۔
* یحییٰ بن کثیر طائی یمانی متوفی ۱۲۹ھ۔ یہ شعبہ کی نظر میں زہری سے بہتر تھے اور ابو حاتم کے نزدیک خود بھی ثقہ تھے اور ثقہ ہی سے روایت کرتے تھے۔ صحاح ستہ کے رجال میں ہیں۔ (طبقات الحفاظ ۱ ص۱۳۱)

Presented by Ziaraat.Com

* زہری ابوبکر محمد بن مسلم متوفی ۱۲۴ھ۔ ان سے مالک بن انس، ابن ابی ذئب، سفیان بن عیینہ، لیث بن سعد اور اوزاعی وغیرہ نے روایت کی ہے۔ یہ امام زین العابدینؑ اور امام محمد باقرؑ دونوں کے شاگرد تھے ـــــ (تہذیب الاسماء واللغات نووی ا ص۸۷)
* ربیعۃ الرائی متوفی ۱۳۶ھ۔ امام مالک کے استاد، امام محمد باقرؑ کے شاگرد تھے (تاریخ اسلام ذہبی ۴ص۲۹۹) اور صحاح ستہ کے معتبر راوی ہیں۔ ان سے اوزاعی، ثوری، سلیمان بن بلال وغیرہ نے روایت کی ہے۔
* اعمش سلیمان بن مہران کوفی متوفی ۱۴۸ھ۔ رئیس مذہب، اعلم عصر اور صحاح ستہ کے راوی تھے۔ امام محمد باقرؑ کے مشہور شاگردوں میں تھے جیساکہ جلد اوّل میں مذکور ہو چکا ہے۔
* عبداللہ بن ابی بکر انصاری متوفی ۱۳۵ھ۔ مالک کے استاد، صحاح ستہ کے راوی نسائی کی نظر میں انتہائی ثقہ، مالک کے نزدیک مرد صداقت، کثیر الحدیث اور خود ابن سعد کی روایت کے مطابق ثقہ کثیر الحدیث تھے۔ (تہذیب التہذیب ۵ ص۱۶۴، تاریخ الاسلام ۵ ص۳۶۴)
* زید بن علیؑ بن الحسینؑ متوفی ۱۲۳ھ۔ انھوں نے اپنے والد اور اپنے بھائی امام باقرؑ سے روایت کی ہے اور ان سے زہری، اعمش، شعبہ، سعید بن خیثم، اسماعیل السدی، زکریا بن ابی زائدہ، عبدالرحمٰن بن حارث، وغیرہ نے روایت کی ہے۔ یہ ۱۲۲ھ میں شہید کئے گئے اور بقول مصعب زبیری ۱۲۶ھ تک ان کا جسم تختۂ دار پر لٹکا رہا۔ ابن ابی الدنیا نے محمد بن ادریس۔ عنکی۔ جریر بن حازم سے روایت کی ہے کہ انھوں نے رسول اسلامؐ کو اس درخت سے ٹیک لگائے ہوئے خواب میں دیکھا جس پر زید کا جسم معلق تھا اور آپ فرمارہے تھے کیا میری اولاد سے یہی سلوک ہوگا؟ (تہذیب التہذیب ۳ ص۴۲۰) زید بن علیؑ کی منزلت ائمہ معصومینؑ کی نظر میں بہت بلند ہے۔ فقہ میں آپ کی ایک کتاب "مجموعہ زید" کے نام سے مشہور ہے جسے جرفینی نے میلانو کے کتب خانہ میں تلاش کیا ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

* موسیٰ بن سالم مولی آلِ عباس۔ ان سے عطا ابن سائب، لیث بن ابی سلیم، ثوری اور دونوں حمادوں وغیرہ نے روایت کی ہے۔ احمد، ابن معین، ابوزرعہ، ابو حاتم نے ان کی توثیق کی ہے اور ابن عبدالبر نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ ان کی وثاقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (تہذیب التہذیب ۱۰ صـ ۳۴۴)
* ابوہارون موسیٰ بن عیسیٰ الحناط المدنی۔ انٗ سے لیث بن سعد، ابن عیینہ، یحییٰ القطان وغیرہ نے روایت کی ہے۔ اور نسائی و ابن حبان نے توثیق کی ہے۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ نے ان کی روایتوں کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے۔
* قاسم بن فضل حدانی متوفی ۱۶۷ھ۔ ان کی حدیث بخاری نے "الادب المفرد" میں اور مسلم وغیرہ نے صحیح میں درج کی ہے۔ قطان و احمد نے توثیق کی ہے اور ابن مہدی، وکیع وغیرہ نے روایت کی ہے۔ (تاریخ الاسلام ذہبی ۴ صـ ۲۹۹)
* قاسم بن محمد بن ابی بکر تیمی مدنی متوفی ۱۰۶ھ۔ فقہاء سبعہ میں سے ایک اور صحاح ستہ کے رجال میں ہیں۔ ابن سعد نے ان کو ثقہ، عالم، فقیہ، امام اور کثیر الحدیث مانا ہے۔
* محمد بن سوقہ۔ ان سے مالک بن مغول، ثوری، ابن المبارک، ابومعاویہ، عبدالرحمٰن بن محمد محاربی، اسماعیل بن زکریا، مروان بن معاویہ، ابوالمغیرہ، عطار بن مسلم، ابن عیینہ وعلی بن عاصم واسطی وغیرہ نے روایت کی ہے۔ محمد بن عبید کا کہنا ہے کہ میں نے ثوری کو ان کے بارے میں لفظ رضا استعمال کرتے سنا ہے۔ حسین بن حفص کی نظر میں ثوری انھیں بہترین انسان سمجھتے تھے۔ عجلی نے انھیں ثقہ، ابوحاتم نے صالح الحدیث، نسائی نے ثقہ مرضی، ابن حبان نے یکے از ثقات اور صاحب فضل و دین وعبادت قرار دیا ہے۔ دارقطنی کے نزدیک فاضل و ثقہ تھے۔ (تہذیب التہذیب ۹ صـ ۲۱۱) صحاح ستہ کے رجال میں تھے۔ ابن المدینی کے بیان کی بنا پر ان کی تیس حدیثیں ہیں۔ ابن عیینہ کی نظر میں یہ معصیت کرنا جانتے ہی نہ تھے۔
* حجاج بن ارطاۃ نخعی قاضی کوفی متوفی ۱۴۵ھ۔ ان سے شعبہ، ہشیم، ابن نمیر، ہر دو حماد، ثوری، حفص بن غیاث، غندر، ابومعاویہ، یزید بن ہارون وغیرہ نے روایت کی ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

بخاری نے الادب المفرد میں اور باقی اصحاب صحاح نے اپنی صحاح میں جگہ دی ہے۔
ابن عیینہ کا بیان ہے کہ میں نے ابن نجیح کو یہ کہتے سنا ہے کہ حجاج کا جواب دیکھا نہیں گیا ہے۔ ثوری نے ان پر اعتماد کو فرض کیا ہے اس لئے کہ وہ سب سے زیادہ اپنے علوم پر ناظر تھے۔ عجلی کی نظر میں فقیہ اور کوفہ کے مفتی تھے۔ (تہذیب التہذیب ۲ ص ۱۹۶)

* معروف بن خربوذ کوفی۔ امام محمد باقرؑ کے راوی اور ان کے خواص میں سے تھے۔ ان سے وکیع، ابوداؤد طیالسی، ابوبکر بن عیاش، عبداللہ بن داؤد، ابوعاصم وغیرہ نے روایت کی ہے۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد وغیرہ نے روایت درج کی ہے، ابن حاتم نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور ساجی نے صدوق کے لقب سے یاد کیا ہے۔ (خلاصہ ص ۳۲۷)
(یہ یاد رہے کہ یہ معروف کرخی کے علاوہ ایک بزرگ ہیں اس لئے کہ وہ امام رضاؑ کے صحابی تھے اور انھوں نے ۲۰۰ھ میں وفات پائی ہے۔)

ان لوگوں کے علاوہ علماء امت میں بے شمار ایسے افراد ہیں جنھوں نے امام محمد باقرؑ سے استفادہ کیا ہے یا ان کی روایتیں نقل کی ہیں۔ انھیں علماء میں سے:۔

* امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی متوفی ۱۵۰ھ۔ جن کی امامؑ سے روایتیں ان کے فضائل و مناقب کی کتابوں میں درج ہوئی ہیں۔
* شیبہ بن نصاح قاری مدنی قاضی متوفی ۱۳۰ھ (التقریب لابن حجر ۱ ص ۲۰۷)
* اسلم منقری ابوسعید کوفی متوفی ۱۴۲ھ
* محمد بن اسحاق بن یسار ابوبکر مطلبی مدنی متوفی ۱۵۱ھ صاحب المغازی (تذکرۃ الحفاظ ۱ ص ۱۶۳)
* عبداللہ بن عطاء مدنی طائفی استاد اسحاق و شعبہ و ثوری۔ راوی صحاح ستہ۔
* عروہ بن عبداللہ بن قشیر جعفی۔ ان سے ثوری و زہیر بن معاویہ وغیرہ نے روایت کی ہے اور ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی نے اپنی صحاح اور شمائل میں ان کی روایت کو جگہ دی ہے۔ (الجرح والتعدیل ۳ ص ۱۹۷ قسم اوّل۔)
* عبداللہ بن حبیب ابن ابی ثابت اسدی کوفی۔ ان کی حدیث مسلم نے صحیح میں، نسائی

Presented by Ziaraat.Com

نے خصائص میں نقل کی ہے اور ان سے ثوری، وکیع، ابن المبارک وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ابی حاتم نے الجرح والتعدیل میں، ابن حجر نے تہذیب میں اور خزرجی نے خلاصہ میں ایسے افراد کی ایک کثیر تعداد نقل کی ہے جن کا تذکرہ طول کے خوف سے ترک کیا جا رہا ہے۔

شیعہ تلامذہ و رواۃ احادیث

* **ابان بن تغلب** ــــ ابوسعد کوفی ابان بن تغلب متوفی ۱۴۱ھ امام سجادؑ، امام باقرؑ، امام صادقؑ کے مشہور شاگردوں میں تھے۔

امام باقرؑ نے آپ کو مسجد مدینہ میں بیٹھ کر فتویٰ دینے کا حکم دیا تھا۔

مسلم و ترمذی و نسائی و ابوداؤد و ابن ماجہ نے آپ کی روایتوں کو اپنے یہاں جگہ دی ہے۔

احمد و ابن معین و نسائی و ابوحاتم نے آپ کی توثیق کی ہے۔

ابن عدی کا کہنا ہے کہ آپ کے مختلف نسخے ہیں جو عموماً درست ہیں بشرطیکہ ان کی روایت کسی ثقہ نے کی ہو۔

آپ صادق القول، اور روایت میں قابلِ قبول تھے اگرچہ مذہبی اعتبار سے شیعہ تھے۔

ابن سعد نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ ذہبی نے دہری وثاقت کا اعتراف کیا ہے۔ تفسیر و میراث و قرأت میں آپ کی تالیفات ہیں۔

امام صادقؑ سے تیس ہزار حدیثیں حفظ کی تھیں۔

(تہذیب التہذیب، لسان المیزان، میزان الاعتدال، الخلاصہ)

* **برید بن معاویہ عجلی** متوفی ۱۴۸ھ۔ امام باقرؑ و امام صادقؑ کے حواریین میں تھے اور انھیں دونوں حضرات سے روایت کی ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

کشی کا بیان ہے کہ آپ کی تصدیق پر پورے عالم تشیع کا اتفاق ہے۔

علامہ حلیؒ کے نزدیک آپ ثقہ فقیہ، سربراہ اصحاب متفق علیہ شخصیت کے مالک تھے۔

ائمہ معصومینؑ نے آپ کی اس حد تک تعریف کی ہے جو وثاقت سے کہیں زیادہ بلند ہے۔

داؤد بن سرحان کہتے ہیں کہ میں نے امام صادقؑ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میرے پدر بزرگوار کے اصحاب زرارۃ بن اعین، محمد بن مسلم، لیث مرادی، برید عجلی وغیرہ ہمارے لئے زندگی اور موت دونوں میں باعث زیب و زینت تھے۔

* **ابو حمزہ ثابت بن دینار ثمالی** ___ امام سجادؑ، امام باقرؑ، امام صادقؑ سے روایت کی ہے اور امام کاظمؑ کے دور حیات تک زندہ رہے ہیں۔ انتہائی جلیل القدر اور عظیم المرتبت بزرگ تھے۔ ان سے سفیان ثوری، شریک، حفص بن غیاث، ابواسامہ، عبدالملک بن ابی سلیمان، ابونعیم، وکیع، عبیداللہ بن موسیٰ نے روایت کی ہے جسے ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی نے خصائص علیؑ میں درج کیا ہے۔

ائمہ علیہم السلام نے ان کی مدح و ثنا کی ہے۔

انھوں نے ہی امام سجادؑ کی دعائے سحر کی روایت کی ہے جو انھیں کے نام سے مشہور ہے۔

* **جابر بن یزید بن الحارث الجعفی المتوفی ۱۲۸ھ** ___ آپ سے شعبہ، ثوری، اسرائیل، حسن بن حی، شریک، مسعر، معمر، ابوعوانہ وغیرہ نے روایت کی ہے اور ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ نے اسے درج کیا ہے۔

ابن مہدی نے حدیث میں سب سے بڑا محتاط۔ ابن علیہ نے حدیث میں صدوق اور شعبہ نے بروایت یحییٰ بن ابی بکر اوثق الناس قرار دیا ہے۔

وکیع کا بیان ہے کہ دنیا کی ہر شے میں تشکیک ہو سکتی ہے لیکن جابر کی وثاقت میں شبہ نہیں ہو سکتا ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

ابن عبدالحکم کہتے ہیں کہ میں نے شافعی سے یہ سنا ہے کہ سفیان ثوری نے شعبہ سے کہا کہ اگر تم نے جابر کے بارے میں کچھ کہا تو میں تمہارے بارے میں بھی زبان کھولوں گا۔ جابر کو ایک لاکھ حدیثیں حفظ تھیں۔ (تہذیب التہذیب ۲ ص۴۸)

جابر کے بارے میں ان کے معاصرین کے کلمات آپ کے سامنے ہیں۔ علماء کے خیالات بھی آپ نے سن لئے لیکن خدا برا کرے تعصب اور فرقہ واریت کا کہ عراق میں اہل حدیث و اہل رائے کا جھگڑا اٹھتے ہی جابر کی حدیثیں ناقابل قبول ہوگئیں۔ انھیں جھوٹا کہا جانے لگا۔ ان پر بے بنیاد حملے ہونے لگے اور اس طرح جابر کی شخصیت کو مجروح بنانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا گیا۔ ابوحنیفہ نے اپنی قیاس پرستی کی بنا پر جابر کو جھوٹا قرار دیا اور بقول ابویحییٰ الحمانی یہ اعلان کیا کہ جابر میرے ہر قیاس کے مقابلہ میں ایک حدیث پیش کر دیتا ہے لہذا اسے کاذب سمجھنا چاہئے۔

کاش امام اعظم نے اپنی شخصیت پر پہلے ہی غور کر لیا ہوتا اور جابر کے بارے میں لب کشائی کی زحمت نہ فرماتے۔ ظاہر ہے کہ ابوحنیفہ فقط سات حدیثوں کے راوی تھے اور ان کے مقابلہ میں جابر کے پاس ایک لاکھ حدیثیں تھیں اس لئے ان کے ہر قیاس کے مقابلہ میں جابر کو حدیث پیش کر دینے کا حق تھا اور ابوحنیفہ کو اس بنیاد پر تکذیب کرنے کا کوئی حق نہ تھا۔

امام جعفر صادقؑ نے جابر کے لئے دعائے رحمت اور مغیرہ پر لعنت کی ہے۔ صرف اسی بنیاد پر کہ جابر صادق الہجہ تھے اور مغیرہ کذاب۔

کشیؒ نے اپنے رجال میں ان کی تعریف میں چند حدیثیں نقل کی ہیں اور ان کی ایک اصل اور ایک تفسیر کا بھی ذکر کیا ہے۔ (فہرست شیخ طوسی ص۴۵)

بہرحال اس دوران کے حالات اور جابر کے طرز عمل کو دیکھتے ہوئے اس بات سے کوئی تعجب نہیں ہوتا کہ علماء رجال نے ان کی تکذیب و توہین میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ جابر امام باقرؑ کو وصی الاوصیاء سے تعبیر کرتے تھے اور زمانہ اہلبیتؑ کے بارے میں کوئی کلمہ خیر سننے کے لئے تیار نہ تھا۔

Presented by Ziaraat.Com

* **محمد بن مسلم بن ریاح کوفی ثقفی** متوفی ۱۵۰ھ ــــ انھوں نے امام باقرؑ اور امام صادقؑ سے روایت کی ہے اور علماء شیعہ نے ان تک صحیح طریقہ سے پہنچ جانے والی ہر روایت کی صحت کو اجماعی قرار دیا ہے۔

صلاح و اطاعت و علم میں نمونۂ روزگار تھے۔

امام باقرؑ کی تیس ہزار حدیثیں حفظ تھیں اور امام صادقؑ کی سولہ ہزار۔

اربعمائۃ مسئلہ کے نام سے کتاب بھی تالیف کی ہے۔ عبداللہ بن ابی یعفور کا بیان ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے عرض کی کہ آپ کے پاس ہر وقت پہنچنا ممکن نہیں ہوتا اور لوگ مجھ سے مسائل دریافت کرتے ہیں تو میں کس سے معلوم کیا کروں؟ تو آپ نے فرمایا کہ محمد بن مسلم ثقفی۔ وہ تو میرے والد ماجد کے راوی اور معتبر راوی تھے۔ ایک مرتبہ محمد بن مسلم اور ابو کریبہ ازدی کو شریک قاضی کے پاس گواہی کے لئے بلایا گیا تو ابن ابی لیلیٰ نے یہ کہہ کر دونوں کی گواہی مسترد کر دی کہ یہ دونوں جعفری اور فاطمی ہیں۔ محمد بن مسلم نے یہ سن کر شریک سے کہا کہ افسوس تو نے ہم لوگوں کو ایسی بزرگ ہستیوں کی طرف منسوب کیا ہے جو ہم جیسوں کو قبول نہیں کرتیں اس لئے اگر وہ اس نسبت کو تسلیم کر لیں تو یہ ان کا ہمارے اوپر احسان ہوگا۔ شریک یہ سن کر مسکرا دیا اور کہنے لگا کہ مرد ہو تو تم جیسا ہو۔ ابو حنیفہ سے اس عورت کے بارے میں سوال کیا گیا جو خود مر گئی ہو لیکن اس کے پیٹ میں بچہ زندہ اور متحرک ہو۔ انھوں نے فرمایا کہ اسے محمد بن مسلم سے دریافت کرو وہ تمھیں صحیح بتا سکیں گے۔ شریک قاضی اس وقت محمد بن مسلم کے پاس موجود تھا جب اس عورت نے آکر یہ مسئلہ پوچھا۔ انھوں نے فرمایا کہ یہ مسئلہ امام محمد باقرؑ سے دریافت کیا گیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ شکم کو چاک کر کے بچہ کو نکال لیا جائے۔ یہ سن کر عورت نے کہا کہ ابو حنیفہ نے بھی آپ ہی کا حوالہ دیا تھا۔

ابن ابی لیلیٰ کے محمد بن مسلم کی شہادت کو مسترد کر دینے کے بعد امام جعفر صادقؑ نے ایک شخص کو اس کے پاس چند مسائل بتا کر بھیجا اور فرمایا کہ جب وہ جواب سے عاجز ہو جائے تو اس سے کہنا کہ تم نے کس بنیاد پر محمد بن مسلم کی شہادت کو رد کیا ہے جب کہ وہ قرآن و حدیث

Presented by Ziaraat.Com

کو تم سے بہتر جانتے ہیں۔

وہ شخص ابن ابی لیلیٰ کے پاس آیا۔ سوالات پیش کئے۔ وہ جواب سے عاجز رہ گئے تو قاصد نے امام جعفر صادقؑ کو پیغام پہنچایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت سے ان کی گواہی قبول کی جانے لگی۔

محمد بن مسلم اپنی قوم کے نہایت ہی محترم اور مالدار آدمی تھے۔ مدینہ میں چار مہینہ قیام کیا اور امام محمد باقرؑ سے تحصیل علوم کرتے رہے۔

* **حمران بن اعین شیبانی کوفی** ــــ امام محمد باقرؑ و امام صادقؑ دونوں حضرات سے روایت کی ہے۔ امام باقرؑ تو ان کے بارے میں یہاں تک فرماتے تھے کہ حمران وہ مومن حقیقی ہیں جو کبھی اپنے ایمان سے پلٹ نہیں سکتے ہیں۔ یہ علوم قرآن ولغت ونحو وکلام وفقہ میں کامل مہارت رکھتے تھے۔

* **زرارہ بن اعین شیبانی کوفی متوفی ۱۵۰ھ** ــــ رجال شیعہ میں فقہ وکلام کے اعتبار سے شہرتِ تام رکھتے تھے۔ امام باقرؑ و صادقؑ کے اصحاب میں سے تھے۔ نجاشی کی رائے ہے کہ اپنے دور میں سرآمدِ روزگار تھے۔ قاری، فقیہ، متکلم، شاعر، ادیب اور مجموعۂ فضل وکمال تھے۔

ابو غالب کا بیان ہے کہ وجیہ، سفید رنگ اور باہیبت انسان تھے۔ نماز جمعہ کے لئے نکلتے تھے تو لوگ دم بخود ان کے جمال وجلال کا نظارہ کیا کرتے تھے۔ سر پر سیاہ کلاہ، پیشانی پر سجدہ کا نشان، ہاتھ میں عصا اور جلالت کا مجسم شاہکار۔

مناظرہ ومباحثہ میں بے مثل ولاجواب تھے۔ کوئی شخص بحث کرنے کی جرأت نہ کرسکتا تھا۔ لیکن ذوقِ عبادت نے اس میدان سے الگ کردیا تھا اور شاگردوں نے اس محاذ کو سنبھال لیا تھا۔

جمیل بن دراج سے کہا گیا کہ آپ کی محفل بڑی بارونق وعظمت ہے تو انھوں نے کہا کہ زرارہ کے سامنے ہم لوگ بچے معلوم ہوتے ہیں۔ فیض بن مختار امام صادقؑ کی خدمت میں آئے اور آپ سے اختلافِ احادیث کے بارے میں سوال کیا تو اتفاق

Presented by Ziaraat.Com

سے زرارہ وہاں حاضر تھے۔ آپ نے ایک مفصل تقریر کے بعد فرمایا کہ اگر کبھی فہم حدیث میں دشواری پیدا ہو تو ان زرارہ سے دریافت کر لیا کرو۔

سلیمان بن اقطع کہتے ہیں کہ میں نے امام صادقؑ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ہمارے ذکر اور ہمارے پدر بزرگوار کی حدیثوں کو صرف چار آدمیوں نے زندہ رکھا ہے۔ زرارہ، ابوبصیر مرادی، محمد بن مسلم، بزید بن معاویہ عجلی۔

زرارہ نے حقِ آل محمدؐ سے دفاع کے سلسلے میں وہ تمام مصائب و آلام برداشت کئے ہیں جو ایک ایسے انسان کو ایسے خطرناک موضوع پر برداشت کرنا چاہیئے تھے۔ دشمنوں نے ان کے خلاف اقوال مشہور کرنے شروع کر دیئے۔ ان کی طرف غلط باتیں منسوب ہونے لگیں اور ان باتوں کو امام جعفر صادقؑ تک پہنچا کر آپ سے استفسار بھی کر لیا گیا۔ آپ نے ایسے آدمی سے برأت و بیزاری کا اظہار فرما دیا۔ دشمنوں کو موقع مل گیا اور انھوں نے فتویٰ کو زرارہ پر منطبق کر کے ان کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ آل زرارہ تک یہ اطلاع پہنچی تو حمزہ بن حمران امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی، حضور نے میرے چچا سے برائت کی ہے؟

آپ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں۔ میں نے ان عقائد کے قائل سے برائت کی ہے جو مجھ تک پہنچائے گئے ہیں۔ اور یہ بات میرے لئے ضروری تھی ورنہ مجھے عقائد باطلہ سے راضی شمار کیا جاتا۔

حسین بن زرارہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زرارہ کا سلام پہنچا کر یہ عرض کی کہ بابا نے دریافت کیا ہے کہ کیا حضور نے میرے بارے میں کوئی فتویٰ دیا ہے؟ لوگ اس قسم کی باتیں مجھ سے نقل کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اپنے باپ سے میرا سلام کہنا اور کہنا کہ میں بخدا تمھارے لئے دنیا و آخرت کی نیکی کا طالب ہوں اور تم سے خوش ہوں۔

شیخ طوسیؒ فرماتے ہیں کہ زرارہ کے بہت سے تصانیف ہیں مثل کتاب الاستطاعۃ والجبر وغیرہ۔ ابن ندیم کا کہنا ہے کہ زرارہ فقہ و حدیث و کلام میں رجال شیعہ کے سر برآوردہ

Presented by Ziaraat.Com

حضرات میں سے ہیں۔ ان کی اولاد میں حسن بن زرارہ اور حسین بن زرارہ امام صادقؑ کے اصحاب میں ہیں۔

ان کے حالات کی تفصیل کے لئے کتب رجال کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اربابِ ذوق اس مطالعہ سے غفلت نہ فرمائیں۔

* **عبد الملک بن اعین شیبانی کوفی** ـــــ ان سے دونوں سفیان وغیرہ نے روایت کی ہے اور بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی نے روایت نقل کی ہے۔

امام باقرؑ و امام صادقؑ دونوں کے راوی تھے۔ امام صادقؑ ان کی کافی قدر کیا کرتے تھے۔ جب آپ کو ان کی وفات کی خبر ملی تو آپ نے دعائے مغفرت فرمائی۔ یہ تابعین اور حافظین احادیث میں شمار ہوتے تھے۔

ابو حاتم کی رائے ہے کہ یہ خالص شیعہ تھے۔ لیکن ان کی حدیث لکھی جائے گی۔ اس لئے کہ صادق اللہجہ تھے۔

ابن حجر کا قول ہے کہ عبد الملک صدوق شیعی تھے۔ (تقریب ص ۲۴۹)

چونکہ اس کتاب میں ہماری بناء اختصار پر ہے اس لئے ہم نے حضرت کے تمام راویوں کا تذکرہ مناسب نہیں سمجھا ہے اور نہ مؤلفین ہی کا ذکر کیا ہے۔ ورنہ راویوں کی تعداد تقریباً ۲ سو اور مؤلفین کی تعداد سو سے زیادہ ہے۔ توفیق شامل حال رہی تو امام محمد باقرؑ کے حالات میں مستقل کتاب تالیف کرکے ان تفصیلات کو درج کیا جائے گا۔ شیخ طوسیؒ اور ابن ندیم نے آپ کی تفسیر کا بھی ذکر کیا ہے جسے زیاد بن منذر نے آپ سے روایت کیا ہے۔

مدرسۂ امام محمد باقرؑ

بنی امیہ کی مسلسل روک تھام کے باوجود امام محمد باقرؑ کے مدرسہ میں علماء و مفکرین کا اجتماع بڑھتا ہی رہا۔ حکومت کی خواہش تھی کہ لوگ آلِ محمدؐ کا ذکرِ خیر کبھی نہ کریں۔ چنانچہ مخالفت

Presented by Ziaraat.Com

پر انعامات و وظائف تقسیم ہو رہے تھے، موافقت پر سزاؤں کی دھمکیاں دی جا رہی تھیں۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود تشنگان علوم و معارف برابر آپ کی خدمت میں آتے رہے۔ مصائب کا سامنا کیا، دشواریاں جھیلیں لیکن نصرتِ حق کی راہ میں ان چیزوں کو چنداں اہمیت نہ دی۔

امام محمد باقرؑ کا زمانہ سلطنت کے عروج و استحکام کا دور تھا لیکن آپ نے تبلیغ دین اور نشرِ حق میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ حکام جور کے خلاف آوازۂ حق بلند کر کے لوگوں کو دین سے متمسک ہونے کی دعوت دیتے رہے۔ حکومت کی نیند حرام ہو گئی لیکن وابستگانِ درِ آلِ محمدؐ کا سلسلہ نہ ٹوٹ سکا۔ مدینہ نشر معارف کا مرکز اور ہر گھرانہ علوم و معارف کا مصدر بن گیا۔ مدینہ کی مرکزیت کا مٹانا حکومت کے بس کا روگ نہ تھا اور آلِ محمدؐ کی مرجعیت بھی مدینہ کی مرکزیت کا دوسرا نام بن گئی تھی۔ چنانچہ مکحول بن ابراہیم نے قیس بن ربیع سے روایت کی ہے کہ میں نے ابو اسحاق سے موزے پر مسح کرنے کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے کہا کہ میں نے لوگوں کو مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے لیکن ایک مرتبہ بنی ہاشم کے ایک بے مثل بزرگ محمد بن علیؑ سے ملاقات ہو گئی تو میں نے ان سے اس مسئلہ کے بارے میں دریافت کیا۔ انھوں نے اس کی ممانعت فرمائی اور فرمایا کہ امیرالمومنینؑ ایسا نہ کرتے تھے بلکہ فرماتے تھے کہ یہ بات حکمِ الٰہی کے خلاف ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے بھی اس طریقہ کو ترک کر دیا۔ قیس کہتے ہیں کہ اس قصہ کو سننے کے بعد سے میں نے بھی اس طریقہ کو ترک کر دیا۔

زرارہ کا بیان ہے کہ میں امام محمد باقرؑ کے پہلو میں تھا۔ حضرت رو بہ قبلہ بیٹھے تھے اور فرما رہے تھے کہ قبلہ کی طرف نظر کرنا عبادت ہے۔ اتنے میں بجیلہ کا ایک آدمی آ گیا اور اس نے کہا کہ کعب الاحبار کا کہنا ہے کہ کعبہ ہر صبح بیت المقدس کو سجدہ کرتا ہے۔ حضرت نے فرمایا اس قول کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا کہ سچ ہی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تو بھی غلط کہتا ہے اور کعب بھی جھوٹا ہے۔ زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ کو اس صراحت کے ساتھ کسی کو جھوٹا کہتے ہوئے اس سے پہلے نہ دیکھا تھا۔

امام محمد باقرؑ جب مکہ تشریف لے جاتے تھے تو آپ کے گرد طلاب علوم کا ایک ہجوم

Presented by Ziaraat.Com

رہتا تھا۔ مسائل کے جوابات، حلال و حرام کی وضاحت کا ایک سلسلہ تھا۔ ایک دن میں ہزار ہزار مسائل کے جوابات دیئے جاتے تھے۔

ہشام بن عبدالملک نے آپ کے گرد یہ اجتماع دیکھ کر اپنی شخصیت کے بارے میں خطرہ محسوس کیا اور حضرت کی شخصیت کو گرانے کے لئے یہ سوال بھیجا کہ لوگ قیامت کے دن سوال و جواب کے خاتمہ تک کیا کھائیں پئیں گے؟ حضرت نے فرمایا کہ لوگوں کا حشر ایک ایسی زمین پر ہوگا جس میں درخت اور نہریں سب کچھ ہوں گی اور حساب کے خاتمہ تک لوگ اسی میں سے کھاتے پیتے رہیں گے۔

ہشام نے یہ سنا تو خیال کیا کہ اب حضرت کی گرفت کا موقع مل گیا۔ اس نے فوراً کہلا بھیجا کہ حساب و کتاب کی مصیبت میں کھانے پینے کا ہوش کیسے رہے گا؟

حضرت نے فرمایا کہ قرآن تو جہنم والوں کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ اہلِ جنّت سے دانہ پانی کا سوال کریں گے تو اگر جہنم میں پہنچ کر یہ ہوش رہ سکتا ہے تو محشر میں کیوں نہیں رہ سکتا ہے؟

ایک شخص خوارج میں سے حضرت کے پاس آیا اور اس نے دریافت کیا کہ آپ کس کی عبادت کرتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا۔ خدا کی۔ اس نے کہا کیا آپ نے خدا کو دیکھا ہے؟ ——— فرمایا بیشک لیکن فرق یہ ہے کہ اسے آنکھیں نہیں دیکھتیں بلکہ دل میں ایمان کے حقائق دیکھتے ہیں۔ وہ نہ قیاس سے پہچانا جاتا ہے نہ حواس سے اور نہ لوگوں کی شباہت سے۔ آیتوں سے اس کی صفت اور نشانیوں سے اس کی معرفت ہوتی ہے۔ وہ اپنے احکام میں ظلم نہیں کرتا ہے اور وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ یہ سننا تھا کہ وہ شخص کہتا ہوا چلا کہ خدا بہتر جانتا ہے کہ اپنی پیغامبری کو کہاں رکھے گا۔

بصرہ سے عثمان اعمیٰ حضرت کی خدمت میں آئے اور پوچھا کہ حسن بصری کا خیال ہے کہ جن لوگوں نے علم کو چھپایا ان کی بدبو سے اہلِ جہنم کو اذیت ہوگی تو کیا یہ صحیح ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اگر یہ قاعدہ ہے تو مومن آلِ فرعون تو ہلاک ہی ہو جائے گا حالانکہ قرآن نے اس کے ایمان چھپانے پر اس کی مدح کی ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

بہر حال حضرت کی شخصیت سے مرجع خلائق تھی۔ علماء اعلام عمرو بن عبید، طاؤس یمانی، حسن بصری، نافع غلام ابن عمر وغیرہ آپ سے استفادہ کرنے کی غرض سے برابر حاضری دیا کرتے تھے۔ دیگر فرقوں کے علماء و فضلاء مناظرہ کی غرض سے آیا کرتے تھے اور حضرت ان کو تشفی بخش جواب دے کر ان کے کفر و نفاق و شبہات کو رفع فرمایا کرتے تھے۔

حکمتیں

امام محمد باقرؑ کے حکمت آمیز کلمات بیشمار ہیں اور سب کا جمع کرنا اپنے موضوع سے باہر ہے۔ اس لئے نمونہ کے طور پر صرف چند حِکَم و مواعظ پر اکتفا کی جاتی ہے۔

* انسان کا سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ وہ دوسروں کے عیب کو دیکھے اور اپنے نقص کو نہ دیکھ سکے۔
* سخت ترین اعمال تین ہیں۔ ہر وقت اللہ کا ذکر، اپنے نفس سے انصاف اور اپنے برادر دینی سے مالی ہمدردی۔
* جب قاریِ قرآن کو دولت مندوں سے ہمدردی کرتے دیکھو تو سمجھو کہ وہ خود بھی دنیادار ہے اور جب اسے بادشاہوں کا ساتھی دیکھو تو جان لو کہ وہ چور ہے۔
* علم کے ساتھ حلم سے بہتر کسی چیز کا کوئی ضمیمہ نہیں ہے۔
* معاملات میں جہاں تک دوسرے سے بہتر سلوک کر سکو کرو۔
* جس کا ظاہر باطن سے بہتر ہو اس کے اعمال کا پلّہ ہلکا ہے۔
* سستی اور تندی سے بچو کہ یہ ہر برائی کی کنجی ہے۔ جو سست ہوگا وہ حق نہ ادا کر سکے گا اور جو تند خو ہوگا وہ حق پر صبر نہ کر سکے گا۔
* تواضع کے معنی مجلس میں اپنی جگہ سے کم پر بیٹھنا، ہر ملنے والے کو سلام کرنا، صاحب حق ہو کر بھی حق پر جھگڑا نہ کرنا۔
* اللہ کی طرف سے دل و جسم پر یہ عذاب ہوتے ہیں۔ معیشت میں تنگی، عبادت میں سستی اور

Presented by Ziaraat.Com

سب سے بڑا عذاب سخت دلی ہے۔

* حیا و ایمان باہم رفیق ہیں۔ ایک جائے گا تو دوسرا ضرور چلا جائے گا۔
* زبان ہر خیر کی کنجی ہے۔ مومن کو زبان کی حفاظت اسی طرح کرنی چاہئے جیسے سونے چاندی کو بچاتا ہے۔ رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ خدا اس مومن پر رحم کرے جو اپنی زبان کو برائی سے بچائے اس لئے کہ یہ بات اپنے نفس پر صدقہ کے برابر ہے۔
* احتیاط، جدوجہد، سچائی، امانت داری تمھارا فرض ہے۔ امانت کسی کی ہو واپس کردو اس لئے کہ میں تو ابن ملجم کی تلوار کو بھی واپس کر دیتا اگر میرے پاس امانت ہوتی۔
* طالبِ حاجت نے تم سے اپنے چہرہ کی عزت نہیں بچائی تو تم حاجت پوری کر کے اپنی آبرو بچاؤ۔
* سستی دین و دنیا دونوں کے لئے نقصان دہ ہے۔
* عمل کی قبولیت معرفت سے ہے اور معرفت کی حقیقت عمل سے ہے۔ معرفت عمل کی طرف لے جاتی ہے اور معرفت کے بغیر عمل نہیں ہو سکتا ہے۔
* جس کی زبان سچی ہے اس کا عمل پاک ہے۔ جس کی نیت اچھی ہے اس کا رزق وسیع ہے اور جس کا اپنوں سے سلوک اچھا ہے اس کی عمر زائد ہوتی ہے۔
* دین و دنیا میں تین بزرگیاں ہیں۔ ظالم کو معاف کرنا، قطع تعلق کرنے والے سے میل جول رکھنا، جاہل کے مقابلہ میں حلم سے کام لینا۔
* "پست لوگوں کا اسلحہ بدکلامی ہے۔" شاعر نے بھی کہا ہے۔" امام باقر ابن امام صادق علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ پست قوم کا اسلحہ بدزبانی ہے۔" (الامتحان)
* حق کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ غیر ضروری باتوں سے پرہیز کرو۔ دشمن سے الگ رہو۔ دوست سے بچتے رہو۔ فاجر کا ساتھ نہ دو اور نہ اسے اپنے راز بتاؤ۔ مشورہ صرف ان لوگوں سے کرو جو خدا سے ڈرتے ہوں۔
* نئے نئے مالدار سے حاجت طلب کرنا سانپ کے منہ میں چھپے ہوئے درہم پر نظر رکھنا ہے کہ تمھیں اس کی ضرورت بھی ہے اور اس سے خطرہ بھی ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

* لوگوں سے وہ بات کہو جو اپنے بارے میں کہی جانی پسند کرو۔ اللہ بدزبان، بدکلام اور مومنین پر طعن و طنز کرنے والوں کو دشمن رکھتا ہے۔ حیادار، حلیم، پاک دامن اور عفیف کو دوست رکھتا ہے۔
* ایک مومن دوسرے مومن کا بھائی ہوتا ہے لہذا اسے گالی نہ دے، رنجیدہ نہ کرے اور اس سے بدظنی نہ کرے۔

وصیتیں

وصیت برائے عمر بن عبدالعزیز

امام محمد باقر، عمر بن عبدالعزیز کے پاس تشریف لے گئے تو اس نے کہا کہ حضور کچھ نصیحت فرمائیں؛ آپ نے فرمایا کہ میری نصیحت صرف یہ ہے کہ مسلمان بچوں کو اپنا فرزند، جوانوں کو اپنا بھائی اور بزرگوں کو اپنا باپ سمجھو، بچوں پر رحم کرو، بھائیوں کے ساتھ صلہ رحم کرو، اور بزرگوں کے ساتھ نیکی کرو، نیکی کرو تو اسے مکمل اور دائمی بناؤ۔ (عین الادب والسیاسۃ ابن ہذیل طراز خفاجی)

ایک مرتبہ عمر بن عبدالعزیز مدینہ آیا تو امام محمد باقر نے اس کے پاس جا کر یہ نصیحت فرمائی۔ دنیا ایک بازار ہے جہاں لوگ نفع، نقصان سب کچھ خرید لیتے ہیں، کچھ لوگ صرف نقصان کے خریدار ہوتے ہیں۔ یہ جب مر جاتے ہیں تو ان کی ملامت کی جاتی ہے اس لئے کہ انھوں نے آخرت کے لئے کچھ نہیں جمع کیا۔ ان کا مال ایسے لوگوں کو ملتا ہے جو ان کی تعریف نہیں کرتے ہیں اور وہ خود ایسے کے سامنے جاتے ہیں جو انھیں معاف نہیں کرتا ہے۔ ہمیں اپنے اعمال پر نظر رکھنی چاہئے۔ ایسی باتوں سے بچو اور دو چیزیں ذیل پر خصوصی نظر رکھو۔ جو چیزیں تمھارے ساتھ جانے والی ہیں انھیں مہیا کرو اور جن چیزوں کو ساتھ لے جانا پسند نہیں کرتے ہو انھیں الگ کر دو۔ ایسی چیزوں کی طرف رغبت نہ کرو جن میں تمھارے پہلے والے غارت ہو چکے ہیں۔ اس لئے کہ وہ تم سے بھی جدا ہو سکتی ہیں۔ لوگوں کے لئے دروازے کھلے رکھو۔ دربانوں

Presented by Ziaraat.Com

کو سہولت سکھاؤ۔ مظلوم کے ساتھ انصاف کرو۔ ظالم کو رد کرو۔ جس میں تین باتیں پائی جائیں گی اس کا ایمان اللہ پر کامل ہوگا ایک یہ کہ خوشی اسے باطل میں نہ داخل کر دے، دوسرے یہ کہ غصہ اسے حق سے باہر نہ کر دے اور تیسرے یہ کہ اقتدار پاکر غیر کے مال پر قبضہ نہ کرے۔

وصیت برائے جابر بن یزید الجعفی

اپنے بارے میں لوگوں کی رائے کو غور سے دیکھ۔ اگر وہ بات تم میں پائی جاتی ہے تو سمجھو کہ لوگوں کی نظروں سے گر جانے سے بدتر پروردگار کی نگاہوں سے گر جانا ہے اور اگر اپنے اندر وہ عیب نہ پاؤ تو خیال کرو کہ تمہیں بغیر کسی زحمت کے ثواب مل گیا۔

یاد رکھو تم اس وقت تک میرے دوست نہیں ہو سکتے ہو جب تک نفس اتنا بلند نہ ہو جائے کہ تمام شہر والوں کی مذمت سے محزون نہ ہو اور تمام اہلِ وطن کی تعریف سے مسرور نہ ہو۔ اپنے نفس کو کتابِ خدا کے سامنے رکھو اگر اس کے راستے پر گامزن، اس کے منہیات سے پرہیزگار اس کے مرغوبات سے دلچسپی لینے والا پاؤ تو خوش ہو کہ اب کوئی برائی اثر انداز نہیں ہو سکتی ہے اور اگر نفس کو قرآن کا مخالف پاؤ تو سمجھو کہ تم دھوکہ میں ہو۔ مومن نفس سے جہاد کر کے اس پر غلبہ حاصل کرتا ہے۔ اس کی کجی کو دور کرتا ہے۔ خواہشات کا مقابلہ کرتا ہے۔ اللہ کی محبت کو پیشِ نظر رکھتا ہے۔

عقل کی راہنمائی میں خواہشات کی زیادتی سے بچو۔ علم کے اشارہ پر نفس سے ڈرو۔ خالص اعمال کو آخرت کے لئے ذخیرہ بناؤ۔ طمع کے اسباب کو مایوسی سے قطع کر دو۔ خود پسندی کے راستے کو نفس کی معرفت سے روک دو۔ ابلیس سے پرہیز کرو۔ جھوٹی امیدیں نہ کرو کہ اس سے سچا خوف پیدا ہوگا۔

لالچ کو مار کر عزت کو باقی رکھو۔ مایوسی کی عزت سے طمع کی ذلت کو دفع کرو۔ مایوسی کی عزت کو ہمت کی دوری سے حاصل کرو۔ دنیا سے تھوڑی امید رکھو۔ فرصت کے مواقع کو غنیمت شمار کرو۔

یاد رکھو! طلب سلامتی سے بہتر کوئی علم نہیں ہے اور دل کی سلامتی جیسی کوئی عقل نہیں

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

ہے معصیت سے روکنے والے خوف سے بہتر کوئی خوف نہیں ہے نیکیوں پر اعانت کرنے والی امید سے بہتر کوئی امید نہیں ہے۔ دل کی فقیری سے بدتر کوئی فقیری نہیں ہے نفس کی مالداری سے بہتر کوئی مالداری نہیں ہے اور توفیق کی ہمراہی جیسی کوئی عافیت نہیں ہے بلند ہمتی جیسی کوئی شرافت نہیں ہے۔ (تحف العقول ص۶۹)

ان ارشادات کے علاوہ تاریخ ابن کثیر، تاریخ یعقوبی، صواعق ابن حجر، کشف الغمہ اربلی، فصول مہمہ ابن صباغ مالکی، تحف العقول، مطالب السئول اور تذکرۃ الخواص وغیرہ میں ایسے بے شمار فرامین موجود ہیں جو بیدار عقل اور گہری بصیرت کے لئے کافی و وافی ہیں۔ آپ کا کام سامعین پر حکمتوں کا فیضان، ان کو وعظ و نصیحت اور معاشرہ کی اصلاح تھا اس لئے برابر مواقع تلاش کیا کرتے تھے اور حسب موقع اپنے فریضہ کو انجام دیا کرتے تھے۔

کبھی معاشی اصلاح کے بارے میں فرماتے تھے کہ "اگر کوئی شخص دنیا کو لوگوں سے مستغنی ہونے، اہل و عیال کے حالات کو بہتر بنانے، ہمسایہ پر رحم کرنے کے لئے طلب کرتا ہے تو وہ روز قیامت پروردگار کے سامنے ایسے چہرہ کے ساتھ جائے گا جو چودھویں کے چاند جیسا چمکتا ہوگا۔ آخرت کے لئے دنیا سے بہتر کوئی مددگار نہیں ہے۔

کبھی حسن اخلاق، اصلاح معاشرت، حفظ مراتب، قیام اخوت کے بارے میں فرماتے تھے "اپنے ساتھیوں کی تعظیم و توقیر کرو۔ ایک دوسرے پر حملہ نہ کرو۔ کسی کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ کسی سے حسد نہ کرو۔ بخل سے بچو اور اللہ کے صالح بندے بنو۔"

"زیادہ مذاق چہرے کی متانت کو کھو دیتا ہے۔ زیادہ ہنسنا ایمان پر اثر انداز ہوتا ہے۔"

"میں نے حضرت علیؑ کی کتاب میں پڑھا ہے کہ رسول اکرمؐ نے انصار و مہاجرین کے درمیان یہ قانون نافذ کیا کہ ہمسایہ اپنے نفس جیسا ہے۔ نہ اسے نقصان پہنچانا چاہئے اور نہ زیادتی کرنا چاہئے۔ ایک ہمسایہ کا احترام دوسرے ہمسایہ پر اپنی ماں کے احترام جیسا ہے۔"

"ہمسایہ سے حسن سلوک یہ نہیں ہے کہ اسے اذیت نہ دی جائے بلکہ حسن سلوک یہ ہے کہ اس کی اذیت کو برداشت کیا جائے۔"

"بدترین ہمسایہ انسان کی کمر کو توڑ دیتا ہے۔ نیکی کو دیکھتا ہے تو چھپا دیتا ہے اور برائی کو دیکھتا ہے تو اچھال دیتا ہے۔"

عبدالملک بن مروان ابتدائی طور پر امام محمد باقرؑ اور دیگر افراد خاندان کو ایذا رسانی سے کنارہ کشی کرتا تھا اور لوگوں کو تعلیم دیتا تھا کہ ان کا خون بہانے سے بچو کہ آل ابوسفیان اسی میں تباہ ہوئے ہیں۔ (تاریخ یعقوبی ۳ ص۴۷)

لیکن ملک و مال کی لالچ نے اسے بھی اہلبیت رسولؐ کی مخالفت پر آمادہ کر دیا۔ اس کے پیشِ نظر ان کا بڑھتا ہوا وقار اور اپنی مٹتی ہوئی آبرو تھی۔

اس کی ایک ہوشیاری یہ تھی کہ وہ خفیہ طور پر امام سے مسائل دریافت کرتا تھا اور کام نکل جانے کے بعد آپ کے درپے آزار ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ بادشاہِ روم نے اسے ایک تہدید آمیز خط لکھا۔ عبدالملک خط دیکھ کر حیران ہو گیا اور اس نے یہ فیصلہ کیا کہ والیِ حجاز حجاج کو لکھا جائے کہ تم حضرت علیؑ بن الحسینؑ کو ایک خط اسی انداز سے لکھو دیکھیں وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ حجاج نے خط پاتے ہی اس کے حکم کی تعمیل کی۔ حضرت نے جواب دیا پروردگار عالم کے لئے ہر روز کے تین سو ساٹھ لمحات ہیں اور مجھے امید ہے کہ وہ پہلے ہی لمحہ میں تیرے شر سے بچا لے گا۔ حجاج نے عبدالملک کو یہی جواب لکھ کر روانہ کر دیا۔ (یعقوبی ۳ ص۴۷)

ایک مرتبہ بادشاہِ روم نے عبدالملک بن مروان کو یہ تہدید کی کہ دینار پر رسول اکرمؐ کا ذکر نامناسب طریقہ سے کیا جاتا ہے تو یہ بات عبدالملک کو بہت زیادہ گراں گذری اور اس نے لوگوں سے مشورہ کیا۔ لوگ جواب دینے سے عاجز رہ گئے۔ (شذور العقود مقریزی ص۵) تو روح بن زنباع نے کہا کہ حضور کو اس کا حل معلوم ہے لیکن آپ قصداً چشم پوشی کر رہے ہیں۔ عبدالملک نے غصہ میں آکر پوچھا کہ آپ ہی بتائیے کہ وہ کون ہے جو اس مسئلہ کا حل نکال سکتا ہے؟ روح نے کہا کہ باقر اہلبیت پیغمبرؐ ـــــ عبدالملک نے کہا کہ یہ تو تم ٹھیک کہتے ہو لیکن یہ بات اختلافی ہے ـــــ یہ کہہ کر مدینہ کے عامل کو خط لکھا کہ حضرت محمدؑ بن علیؑ کو ایک لاکھ درہم سامانِ سفر کے لئے اور تین لاکھ مقامی اخراجات کے لئے دے کر احترام کے ساتھ میری طرف روانہ کر دو۔ آپ کے ہمسفر لوگوں کی سہولت کا بھی خیال رہے۔ یہ کہہ کر عبدالملک نے

Presented by Ziaraat.Com

بادشاہ روم کے سفیر کو روک لیا یہاں تک کہ امام باقرؑ تشریف لے آئے اور عبدالملک نے آپ سے یہ خبر بیان کی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تو کوئی اہم کام نہیں ہے۔ اس لئے ایک تو پروردگار نے بادشاہ روم کو اتنی چھوٹ نہیں دی ہے اور دوسرے یہ کہ چند زرگروں کو بلا کر درہم و دینار پر سورۂ توحید نقش کرا دو تاکہ اختلاف کی جڑ ہی ختم ہو جائے۔

بہرحال امام محمد باقرؑ اپنے دور کے اعلم امت اور بنی ہاشم کے سید و سردار تھے۔ آپ کی زندگی خاموشی اور گوشہ نشینی کی زندگی نہ تھی بلکہ آپ کے علم و فضل کی شہرت چاردانگ عالم میں پھیلی ہوئی تھی۔ حکومت وقت آپ کے کمال سے ہمیشہ خوفزدہ رہتی تھی۔ اس کی روش تباہ کن اور اس کی پالیسی خطرناک ہوا کرتی تھی۔ آپ کو اذیتیں پہنچائی جاتی تھیں۔ مصائب کا سامنا کرنا پڑتا تھا لیکن ان تمام باتوں کے باوجود آپ اپنے علمی جہاد میں مصروف رہا کرتے تھے یہاں تک کہ ۱۱۴ھ میں زہر سے شہید کر دیئے گئے اور بقیع میں دفن ہو گئے۔

زندگی کے آخری لمحات میں امام جعفر صادقؑ کو وصیت فرمائی ——— "فرزند! عقل روح کی رہنما اور علم عقل کا راہبر ہے۔ عقل علم کی ترجمان ہے۔ علم باقی رکھنے والا ہے اور زبان بہکنے والی ہے۔ ہر ساعت عمر کا ایک حصہ کم ہوتا ہے۔ ایک نعمت دوسری نعمت کے فنا کے بعد ہی ملتی ہے۔ زیادہ امیدوں سے پرہیز کرو کہ اکثر لوگ اپنی امیدوں کو نہیں پہنچتے ہیں۔ بہت سے مالدار اپنا مال نہیں کھا پاتے۔ بہت سے مال روکنے والے اسے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ یہ وہ وصیت ہے جو مجھے میرے پدر بزرگوار نے وقتِ آخر فرمائی تھی۔"

"فرزند! کسی بیچارے پر ظلم نہیں کرنا چاہیئے کہ سوائے خدا کے اس کا کوئی مددگار نہیں ہوتا ہے۔" (یعنی ہر مظلوم)

امام محمد باقرؑ نے پانچ فرزند چھوڑے ہیں۔ امام جعفر صادقؑ جن کی وجہ سے آپ کی کنیت ابوجعفر تھی۔ عبداللہ افطح۔ عبداللہ۔ ابراہیم۔ علی۔ پہلے دو فرزندوں کی والدہ امِ فروہ بنت قاسم بن محمدؒ تھیں۔ بعد کے دو فرزندوں کی والدہ امِ حکیم بنت اسد تھیں اور

Presented by Ziaraat.Com

آخری فرزند کی والدہ امِ ولد تھیں۔

ایسے ہی ایک مقدس ماحول میں امام جعفر صادقؑ نے آنکھیں کھولیں اور ایسے ہی شفیق و معصوم باپ کی آغوش میں پرورش پائی۔ وحی کی منزل آپ کا مکان اور عصمت کی آغوش آپ کا گہوارۂ تربیت تھی۔ آیت تطہیر آپ کے کردار کی ضامن اور معدنِ رسالت آپ کی شرافت و نجابت کا شاہد تھا۔

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

امام صادقؑ
اور
عہدِ منصور

Presented by Ziaraat.Com

عہدِ منصور

سفاح کے بعد ۱۳۶ھ میں زمامِ حکومت اس کے بھائی ابوجعفر منصور کی طرف منتقل ہوئی۔ سفاح بظاہر بنی ہاشم کے حق میں بڑا مہربان تھا۔ ان کے ساتھ نرم دلی کا سلوک کرتا تھا اور بنی امیہ کی طرف سے وارد ہونے والے مظالم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے میں آگے آگے رہا کرتا تھا۔ علویین اور عباسیین کے تعلقات بھی خوشگوار رہتے۔ کینہ و بغض کے اسباب ناپید تھے اور حالات بڑی حد تک سازگار چل رہے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ بنی عباس نے اولادِ علیؑ کی بیعت توڑ کر حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لی تھی۔

منصور دوانیقی نے حکومت سنبھالتے ہی اولادِ علیؑ کو سخت مصائب و آلام کا نشانہ بنا دیا۔ ان پر ناقابلِ تصور قسم کے ستم ڈھانا شروع کر دیئے جیسا کہ سیوطی کا بیان ہے کہ اولادِ علیؑ اور بنی عباس میں افتراق پیدا کرنے والا پہلا فتنہ گر منصور تھا۔ تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۰۲

منصور کی ایک فطرت یہ بھی تھی کہ جس سے بھی بدظن ہو گیا اسے تکلیف پہنچانے کے درپے رہا کرتا تھا۔ اپنے مقصد کے حصول کے لئے ہر وسیلہ کو مباح سمجھتا تھا اور اس راہ میں اپنے محسنوں کو بھی نظر انداز کر دیا کرتا تھا۔ امام صادقؑ کے ساتھ اس کے برتاؤ کا خاکہ جلد اوّل میں پیش کیا جا چکا ہے جس میں پروردگارِ عالم نے آپ کو قدم قدم پر اس کے شر سے محفوظ رکھا اور اس کا کوئی منصوبہ کامیاب نہ ہونے دیا۔ رہ گئی موت تو وہ انسان کا مقدر

Presented by Ziaraat.Com

ہے۔

۱۴۷ھ میں منصور نے حج کا ارادہ کیا کہ اسی بہانے امام صادقؑ کو گرفتار کرائے گا لیکن اس میں بھی ناکام رہا۔ (النجوم الزاہرہ اتابکی ۲ ص۶)

مورخین کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ منصور امام جعفر صادقؑ کو گرفتار بھی کر سکا یا ہمیشہ منصوبے بناتا رہا اور ناکام ہوتا رہا۔ بعض لوگوں نے اس گرفتاری کا تذکرہ کیا ہے جیسے سمط النجوم العوالی العصامی المکی ۳ ص۲۳۹۔ لیکن اکثر حضرات نے ان تمام مظالم کو نظر انداز کر دیا ہے جو بنی عباس کی طرف سے اولادِ علیؑ پر نازل ہوا کرتے تھے۔

ہم اپنے فیصلہ کے لئے حسب ذیل روایات کا نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں منصور کے دربان ربیع کا بیان ہے کہ جب منصور کی حکومت مستقر ہوگئی تو ایک دن اس نے مجھ سے کہا کہ جعفرؑ بن محمدؑ کو میرے پاس بلاؤ۔

میں حضرت کے پاس گیا اور منصور کا پیغام پہنچایا۔ آپ میرے ساتھ اٹھ کر منصور کے پاس آئے۔ دروازہ کے نزدیک پہنچ کر ٹھہر گئے۔ آپ کے لبوں کو جنبش ہوئی۔ اس کے بعد داخل دربار ہوئے۔ حاکم کو سلام کیا۔ اس نے کہا تشریف رکھئے۔ یہ کہہ کر عطردان منگایا۔ حضرت کے عطر لگایا اور کہا اب تشریف لے جائیے۔ اس کے بعد ربیع کو حکم دیا کہ امام کو جائزہ دو اور عام مقدار سے زیادہ دو۔

ربیع کہتا ہے کہ باہر نکل کر میں نے حضرت سے کہا کہ میں نے اب تک نہ ایسا کوئی منظر دیکھا ہے اور نہ سنا ہے۔ آخر یہ آپ زیر لب کیا پڑھ رہے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے پدر بزرگوار سے آباء طاہرینؑ کے واسطے سے رسول اکرمؐ کا یہ ارشاد سنا ہے کہ شدید امور کے پیش آنے پر یہ دعا پڑھی جائے۔

اللّٰھم احرسنی بعینک التی لا تنام واکفنی برکنک الذی لا یرام واحفظنی بعزک الذی لا یضام واکلأنی فی اللیل والنھار وارحمنی بقدرتک علی، انت ثقتی ورجائی، فکم من نعمۃ انعمت بھا علی قل لک بھا شکری وکم من بلیۃ ابتلیتنی بھا قل لک بھا صبری

Presented by Ziaraat.Com

وکم من خطیئة رکبتها فلم تفضحنی فیامن قل عند نعمته شکری فلم یحرمنی ویامن قلّ عند بلائه صبری فلم یخذلنی ویامن رآنی علی الخطایا فلم یعاقبنی، یاذالمعروف الّذی لا ینقضی ابدا، ویا ذا الایادی التی لا تحصی عددا ویاذالوجه الذی لا یبلی ابدا، ویاذالنور الذی لا یطفأ سرمدا اسئلك ان تصلی علیٰ محمد واٰلِ محمد کما صلیت وبارکت وترحمت علی ابراهیم وان تکفینی شرکل ذی شر بك ادرءُ فی نحره واعوذ بك من شره واستعینك علیه، اللّٰهم اعنی علیٰ دینی بدنیای وعلیٰ آخرتی بالتقویٰ واحفظنی فیما غبت عنه ولا تکلنی الیٰ نفسی فیما حضرته، یامن لا تضره الذنوب ولا تنقصه المغفرة اغفرلی فیما لا یضرك وهب لی مالا ینقصك، یا الٰهی اسئلك فرجا قریبا واسئلك العافیة من کل بلیه واسئلك الشکر علی العافیة واسئلك دوام العافیة واسئلك غنی عن الناس ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم اللّٰهم بك استدفع مکروه ماانا فیه واعوذ بك من شره یا ارحم الراحمین۔ (عیون الادب والسیاسه لابی الحسن بن ہذیل ص۱۶۳)

ایک دوسرا واقعہ ربیع ہی کی زبانی یہ نقل ہوا ہے کہ منصور نے چند شکایتوں کی بنا پر مجھے حضرت جعفر صادقؑ کو بلانے کے لئے بھیجا۔ حضرت تشریف لے آئے تو دربان نے کہا کہ خدا آپ کو اس جابر کے شر سے بچائے۔ اس لئے کہ آج مجھے شدید خطرہ کا اندیشہ ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ میری حفاظت کا ذمہ دار پروردگار ہے۔ تم میرے لئے اجازت لے آؤ۔ اجازت ملی۔ آپ داخلِ دربار ہوئے۔ دیر تک گفتگو ہوتی رہی اور آپ منصور کے سوالات کا جواب دیتے رہے یہاں تک کہ منصور کا غصہ فرو ہو گیا اور وہ حق وایمان کی طاقت کے سامنے یہ کہہ کر جھک گیا کہ میں نے آپ کو معاف کیا۔ اس لئے کہ آپ صادق اللہجہ ہیں۔ اب آپ کوئی ایسی حدیث بیان فرمائیں جس سے میں استفادہ کرسکوں اور مہلکات سے نجات پاؤں۔ حضرت نے فرمایا کہ "بردباری سے کام لو کہ یہ علم کا ستون ہے۔ قدرت رکھنے کے

Presented by Ziaraat.Com

بعدنفس پر قابو رکھو کہ اختیارات سے برمحل کام لینا نفس کی آگ بجھانے اور کینہ وبغض کا مداوا کرنے کے مرادف ہے۔ ایسا آدمی صولت وشکوہ سے اپنی شہرت چاہتا ہے۔ اگر کسی مستحق کو سزا دو تو اسی انداز سے کہ عدل کا نام باقی رہے۔ شکر کے حالات صبر کے اسباب سے بہتر ہوتے ہیں۔"

منصور یہ سن کر مدہوش ہوگیا اور کہنے لگا کہ حضور نے بہترین موعظہ فرمایا ہے اور بے نظیر ایجاز سے کام لیا ہے۔

منصور کا ایک دستور یہ تھا کہ جب بھی مدینہ آتا، اس کے پیشِ نظر صرف حضرت کو اذیت پہنچانا اور آپ کو طرح طرح کے الزامات سے ملوث کرنا ہوتا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ حضرت خدائی وعدہ پر اعتماد کر کے کبھی اس کی طاقت سے مرعوب نہیں ہوئے۔

ایک مرتبہ مدینہ کے دورانِ قیام اس نے ربیع کو حکم دیا کہ خاموشی کے ساتھ تنہائی میں حضرت صادقؑ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ منصور نے تمھیں سلام کہا ہے اور اسی وقت یاد کیا ہے۔ اگر وہ آنے پر تیار ہو جائیں تو لیتے آؤ اور اگر کوئی عذر کریں تو انھیں سے وقت مقرر کراؤ۔

ربیع کہتا ہے کہ میں ایسا ہی وقت تلاش کر کے حضرت کے یہاں پہنچا۔ دیکھا کہ آپ کا سر سجدہ میں ہے، رخسار خاک پر، چہرہ در رخسار پر خاک پڑی ہوئی ہے، دعاؤں میں مشغول ہیں۔ میں نے ایسے ہنگام میں کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔ یہاں تک کہ آپ کی نماز تمام ہوگئی اور آپ میری طرف متوجہ ہوئے۔

میں نے سلام کیا۔ حضرت نے جوابِ سلام دیتے ہوئے ورود کا سبب دریافت کیا۔

میں نے واقعہ بیان کیا۔ آپ نے برجستہ آیت پڑھی "کیا صاحبانِ ایمان کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ وہ ذکرِ خدا کے سامنے جھک جائیں اور ان اہلِ کتاب کی مانند نہ بنیں جن کی مدتِ مہلت دراز ہوتی رہی اور ان کے دل سخت ہوگئے۔"

ربیع! "کیا اہلِ قریہ اس بات سے مطمئن ہوگئے کہ ان پر سوتے سوتے عذاب نہ نازل ہو جائے گا۔ کیا انھیں اس بات کا اندیشہ نہیں ہے کہ ان کے کھیلتے کھیلتے دن دہاڑے ان پر

Presented by Ziaraat.Com

عذاب نازل ہو جائے۔ کیا وہ عذاب خدا سے بے خوف ہو گئے ہیں جب کہ اس کے عذاب سے بےخوف بننے والے لوگ صرف خسارہ میں رہیں گے"۔

یہ کہہ کر آپ نے فرمایا کہ منصور سے میرا سلام کہہ دینا اور پھر اپنی نماز میں مشغول ہو گئے۔

میں خاموش بیٹھا رہا۔ نماز کے بعد آپ نے توجہ فرمائی۔

میں نے عرض کی کہ سلام کے علاوہ کچھ اور بھی فرمائیں گے؟

آپ نے آیت پڑھی "کیا تم نے ایسے شخص کو دیکھا ہے جس نے ہم سے روگردانی کی اور تھوڑا ہی سامان دیا۔ کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے؟"

ربیع! اس سے کہہ دینا کہ تم نے بار بار ہمیں خوفزدہ کیا یہاں تک کہ ہماری عورتیں بھی خائف ہو گئی ہیں۔ اس لئے اب ہماری اذیت سے باز آؤ ورنہ ہم روزانہ پانچ مرتبہ تمہارے لئے بد دعا کریں گے اور رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ چار قسم کی دعائیں مسترد نہیں ہوتیں:۔

باپ کی دعا بیٹے کے لئے۔

ایک بھائی کی دعا دوسرے بھائی کے لئے اس کی عدم موجودگی میں۔

مظلوم کی دعا۔

مخلص کی فریاد۔

ایک مرتبہ منصور نے محمد بن الربیع کو حضرت امام جعفر صادقؑ کے پاس یہ حکم دے کر بھیجا کہ حضرت جس حالت میں بھی ہوں انھیں اپنے ساتھ لے کر آؤ اور اس کام کے لئے بہترین طریقہ یہ ہوگا کہ دروازہ کھولے بغیر دیوار کی طرف سے جاؤ تاکہ آپ اپنی حالت کو تبدیل نہ کر سکیں۔

محمد کہتا ہے کہ میں حسب الحکم منصور گیا۔ دیکھا کہ حضرت نماز میں مشغول ہیں۔ نماز تمام ہوئی تو میں نے عرض کی کہ امیر المومنینؑ کے پاس چلئے۔

آپ نے فرمایا۔ ٹھہرو ذرا کپڑے پہن لوں۔

میں نے کہا کہ یہ غیر ممکن ہے اور یہ کہہ کر آپ کو اسی حالت میں منصور کے پاس لے آیا۔

منصور نے آپ کو دیکھتے ہی یہ کہنا شروع کیا کہ اے جعفر تم اپنے بغض و حسد اور بنی عباس کے خلاف بغاوت سے باز نہ آؤ گے۔ یاد رکھو کہ تمہارا حسد بڑھتا جائے گا لیکن تمہارا مقصد نہیں

Presented by Ziaraat.Com

حاصل ہو سکتا (معاذاللہ)۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا ہے۔ میں نے تو بنی امیہ کے دور میں بھی زندگی گذاری ہے جو میرے اور تمھارے بدترین دشمن تھے۔ اور میں نے ان کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا۔ بلکہ ان کے مظالم کو برداشت ہی کرتا رہا۔ تو اب ایسے اقدامات کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟ تم تو میرے قرابتدار اور ابن عم ہو۔

منصور نے یہ سن کر سر جھکا لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا اور تکیہ کے نیچے سے ایک فائل نکال کر حضرت کے سامنے پھینک دی۔ کہنے لگا یہ آپ کے خطوط ہیں جو آپ نے اہل خراسان کو میرے خلاف بغاوت کے لئے لکھے ہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ خدا کی قسم یہ میرے خطوط نہیں ہیں۔ اب تو میری ضعیفی آگئی ہے۔ مجھ میں ایسے کاموں کی سکت کہاں۔ بہتر یہی ہے کہ تو مجھے قید خانہ ہی میں ڈال دے یہاں تک کہ میں مر جاؤں۔ اس لئے کہ میری موت قریب آچکی ہے۔

منصور نے کہا یہ کچھ نہیں ہو سکتا ہے۔ اور یہ کہہ کر نیام سے تلوار کھینچی۔ پھر کچھ سوچ کر رکھ دی اور کہنے لگا ـــــ جعفر اس ضعیفی میں بھی تم کو شرم نہیں آتی۔ تم غلط بیانی سے کام لے کر مسلمانوں میں اختلاف پھیلانا چاہتے ہو۔ رعایا اور حکام کو لڑوا کر خونریزی کرانا چاہتے ہو۔ (معاذاللہ)

حضرت نے فرمایا خدا کی قسم یہ میرا کام نہیں ہے۔ نہ یہ میرے خطوط ہیں۔ نہ میری تحریر ہے اور نہ میری مہر ہے۔

منصور نے ایک نہ سنی اور برابر عتاب کرتا رہا۔ حضرت معذرت فرماتے رہے۔ آخر کار منصور نے سر اٹھا کر کہا کہ آپ سچے معلوم ہوتے ہیں۔ (بحار جلد ۱۲)

عبداللہ ابن ابی لیلیٰ راوی ہیں کہ میں ربذہ میں منصور کے ساتھ تھا کہ منصور نے ایک شخص کو امام صادقؑ کے بلانے کے لئے بھیجا۔ حضرت آئے۔ جیسے ہی منصور نے آپ کے آنے کی خبر سنی حکم دیا کہ انھیں قتل کر دو۔ خدا مجھے قتل کرے اگر میں انھیں زندہ چھوڑ دوں اور اس کے بعد چند بدمعاش لوگوں کو مسلط کر دیا۔

حضرت ان کے حلقے میں دربار کی طرف چلے۔ دروازہ پر پہنچ کر کچھ دعا پڑھی اور داخل دربار ہو گئے۔ جیسے ہی منصور نے آپ کو دیکھا کہنے لگا۔ ابنِ عم مرحبا، فرزندِ رسول! مرحبا۔ اور یہ کہہ کر

Presented by Ziaraat.Com

آپ کو مسند پر بٹھا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت باہر تشریف لے گئے تو ابن ابی لیلیٰ نے پوچھا کہ حضور نے کیا دعا پڑھی تھی؟ آپ نے فرمایا ـــــ ماشاء اللہ لا یاتی بالخیر الا اللہ، لا یصرف السوء الا باللہ، ماشاء اللہ ماشاء اللہ کل نعمۃ فمن اللہ ماشاء اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

صفوان بن مہران جمال راوی ہیں کہ بنی مخزوم کے ایک شخص نے منصور کے پاس یہ شکایت کی کہ جعفر بن محمدؑ، معلیٰ بن خنیس کو اپنے شیعوں کے پاس بھیج کر ان سے مال جمع کرتے ہیں اور اسے محمد بن عبداللہ کی نصرت پر صرف کرتے ہیں۔

منصور یہ سن کر آگ بگولا ہوگیا اور امیر مدینہ کو خط لکھا کہ جعفر بن محمدؑ کو فوراً روانہ کر دے۔ راستہ میں کہیں قیام یا آرام کی بھی اجازت نہ دی جائے۔

حضرت کو اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے لئے سواری کا انتظام کر دو۔ میں کل صبح روانہ ہو جاؤں گا۔ رات گذری۔ سواری کا انتظام ہوا۔ حضرت عراق کی طرف روانہ ہوئے منصور کے پاس پہنچے۔ اجازت ملی۔ تشریف لے گئے ـــــ منصور نے دیکھا تو اٹھ کھڑا ہوا۔ احترام سے بٹھایا۔ اپنی شکایت بیان کی۔ حضرت نے فرمایا کہ پناہ بخدا۔ میں! اور ایسا کام ـــــ؟

منصور نے کہا آپ قسم کھا سکتے ہیں؛ میں ابھی اس شخص کو بلاتا ہوں جس نے یہ شکایت کی ہے۔ اور یہ کہہ کر حکم دے دیا۔ وہ شخص حاضر کیا گیا۔ اس نے حضرت کے سامنے بھی اپنی باتوں کو دہرایا۔ آپ نے فرمایا کہ تو قسم کھا سکتا ہے؛ اس نے کہا یقیناً اور یہ کہہ کر قسم شروع کر دی۔ حضرت نے فرمایا کہ جلدی نہ کر جیسے میں کہوں اس طرح قسم کھا۔ اس نے قسم کھائی اور فوری انتقام خدا کا شکار ہوگیا۔

محمد بن عبداللہ اسکندری کہتے ہیں کہ میں منصور کے مصاحبین میں تھا۔ ایک دن حاکم کے پاس گیا تو اسے کچھ مغموم پایا۔ میں نے سبب دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ میں نے اولاد فاطمہ میں سے تقریباً سو آدمی قتل کر دیئے ہیں لیکن ان کا سید و سردار ابھی تک باقی ہے۔

میں نے عرض کی کہ وہ کون ہے؟

اس نے کہا جعفر صادقؑ۔

Presented by Ziaraat.Com

میں نے کہا کہ وہ تو ایک عبادت گذار آدمی ہیں۔ انھیں ریاست و حکومت سے کیا واسطہ ہے؟

منصور نے کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ تم بھی ان کی خلافت و امامت کے قائل ہو لیکن یاد رکھو کہ ملک بانجھ عورت کے مانند ہوتا ہے۔ میں نے یہ طے کر لیا ہے کہ رشتہ و قرابت کوئی شے نہیں ہے اور آج شام تک اس کا فیصلہ کر دوں گا۔

یہ کہہ کر جلاد کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ جب میں جعفر بن محمدؑ کو طلب کروں اور انھیں باتوں میں مشغول کر کے ٹوپی اتار لوں تو تم ان کی گردن اڑا دینا۔!

اس کے بعد حضرت کو طلب کیا اور خود آگے پیچھے چلتا رہا۔ تخت پر لاکر احترام سے بٹھایا اور کہا کہ اپنی ضرورت کو بیان کرو۔

حضرت نے فرمایا کہ میری حاجت صرف یہ ہے کہ آپ مجھے نہ طلب کیا کریں ـــــ منصور یہ سن کر دنگ رہ گیا۔ (بحار ۱۱ صفحہ ۱۲۴)

مذکورہ بالا واقعات و حوادث سے حسب ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:۔

۱۔ امام جعفر صادقؑ سے منصور کی عداوت کسی قدیم خاندانی اختلاف کی بنا پر نہیں تھی۔ وہ سختی کے ایام میں امام کی طرف رجوع کرتا تھا۔ آپ سے حدیثیں سنتا تھا اور اولاد علیؑ کی حمایت میں نفس زکیہ محمدؑ کی طرف دعوت دیا کرتا تھا۔ بنی امیہ کے خلاف اقدام میں پیش پیش رہا کرتا تھا۔ درحقیقت اس اختلاف کا سرچشمہ اپنے اقتدار کا تحفظ تھا۔ چنانچہ منصور کی روش تختِ حکومت پر قدم رکھتے ہی بدل گئی۔ اس کے پیشِ نظر یہ خطرہ تھا کہ حمایت آلِ محمدؑ کے نام پر حاصل کیا ہوا ملک کسی وقت بھی اہلبیتؑ کی طرف منتقل ہو سکتا ہے۔ اس لئے اس نے چاہا کہ ایسی عظیم ہستیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے جو میرے اقتدار کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی ہوں۔

امام صادقؑ کی حیثیت اس دور میں ایک مرجع عام کی تھی۔ اس لئے منصور یہ بھی جانتا تھا کہ ان کی ایک آواز سارے ملک میں انقلاب برپا کر سکتی ہے۔ ان کا ایک ایک کلمہ میرے خلاف ایک محاذ کی تشکیل کر سکتا ہے۔ حکومت خود فی الحال ان احتجاجات کی

Presented by Ziaraat.Com

سکت نہیں رکھتی ہے۔ اس لئے خفیہ اقدام ہی زیادہ مناسب رہے گا۔ اس نے اسی فکر کے پیش نظر کئی مرتبہ امام کے قتل کا ارادہ کیا لیکن امام کی دور اندیشی اور انجام بینی اس اقدام میں حائل ہوتی رہی۔

۲۔ امام کے خلاف ایک پوری فائل کا وجود اس بات کا ثبوت ہے کہ بنی عباس کے دربار میں ایسے پورے گروہ کا عمل دخل تھا جو امام کے خلاف سازشوں میں مصروف تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح جعل و فریب کر کے منصور کو امام سے بدظن کر دیا جائے اور اس طرح فتنہ کی آگ میں آل رسولؐ کے صحیفۂ وقار کو جلا دیا جائے۔ منصور اس سازش سے پوری طرح باخبر نہ تھا اس لئے بعض اوقات امام سے اس لہجہ میں گفتگو کرتا تھا جو ایک جاہل اور ناواقف ہی استعمال کر سکتا ہے۔

میرے خیال میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ ان خطوط کی پشت پر خود منصور کی مکاری کام کر رہی ہو۔ لیکن یہ بہر حال کہا جائے گا کہ کچھ لوگ حکومت میں رخنہ ڈالنے اور ملک میں انتشار پیدا کرنے کا شدت سے انتظار کر رہے تھے۔ انھیں اہلبیتؑ کی عظمت اور ان کی طرف سے لوگوں کی محبت و عقیدت کا بھی علم تھا اور حکومت کی واقعی قوت کا بھی اندازہ تھا ـــــ لیکن قدرت اپنے بندہ کے تحفظ کا اہتمام بھی کر رہی تھی۔ چنانچہ حکومت اور حکومت والوں کا کوئی حربہ کامیاب نہ ہو سکا۔

۳۔ صفوان جمال کی روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے بغداد میں بھی افادات فرمائے ہیں۔ چنانچہ جسر قدیم کے پاس بغداد کے مغرب میں ایک مکان حضرت کے مدرسہ کے نام سے تھا جس کے نشانات اب مٹ چکے ہیں۔ (حیات الامام الصادق للشیخ المظفر) لیکن افسوس کہ خطیب بغدادی نے تاریخ میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا اور یہ بات تعجب خیز بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ خطیب اس دور کے مؤلف ہیں جس دور میں ایسے تمام مظالم اور اس قسم کی تمام خیانتیں روا تھیں۔

۴۔ منصور اپنے مکمل انحراف و بغض کے بعد بھی امام جعفر صادقؑ کی شخصیت سے ناواقف نہ تھا بلکہ اسے حضرت کی عظمت و اہمیت کا کامل علم تھا اور یہی وجہ تھی کہ اس نے پہلے

Presented by Ziaraat.Com

ساری امکانی قوتیں آپ کو خوش کرنے پر صرف کیں اور جب کوئی تدبیر کامیاب نہ ہوسکی اور آپ مسلسل حکومت سے کنارہ کشی اور بے تعلقی کا اعلان کرتے رہے تو اس نے آپ کے اعزا و اقربا کو قتل کرنا شروع کر دیا جس میں آپ کے چچا عبداللہ ابن علی بھی تہ تیغ ہو گئے۔ جیسا کہ مسعودی کا بیان ہے کہ منصور نے عبداللہ بن علی کو ابوالازہر مہلب بن ابی عیسیٰ کے حوالے کر دیا اور وہ اس کی قید میں رہے یہاں تک کہ ان کے قتل کا حکم نافذ ہو گیا اور ابوالازہر ان کے پاس اس وقت وارد ہوا جب ان کے پاس ایک کنیز بھی موجود تھی۔ ابوالازہر نے پہلے عبداللہ کا گلا گھونٹ دیا۔ پھر جب آپ کی روح جسم سے نکل گئی تو کنیز کی طرف رخ کیا۔ اس نے کہا کہ میرے لئے کوئی دوسرا طریقہ تجویز کیجئے۔ ابوالازہر کہتا ہے کہ مجھے اس التماس پر رحم آگیا اور میں نے منہ پھیر لیا لیکن دوسرے آدمی کو حکم دے کر اسے پھانسی دلوا دی اور دونوں کو ایک بستر پر لٹا دیا۔ (مروج الذہب ۳ ص۲۳)

۵۔ مذکورہ بالا روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ منصور اپنے ظاہری رعب و داب اور جاہ و حشم کے باوجود حضرت کی ہیبت و جلالت سے برابر خائف رہتا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ آپ بارگاہِ احدیت میں مقرب ہیں۔ آپ کی دعا رد نہیں ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ ہر مشکل اور مصیبت کے موقع پر مناجات کیا کرتے تھے اور آپ کی مشکلیں آسان ہو جایا کرتی تھیں۔

منصور نے اس بات کا مشاہدہ بھی کیا تھا کہ جب آپ نے ابن عیاش کلبی کے بارے میں سنا کہ وہ حضرت زید کی شہادت پر فخریہ انداز سے شعر پڑھتا پھر رہا ہے اور عثمان کو حضرت علیؑ پر ترجیح دیتا ہے تو اس کے لئے بددعا فرمائی کہ خدایا اگر یہ غلط بیانی سے کام لے رہا ہے تو اس پر اپنے کتے کو مسلط کر دے۔ چنانچہ ادھر حکیم باہر نکلا اور ادھر شیر نے اسے چیر پھاڑ کر برابر کر دیا۔ (اصابہ ۱ ص۲۹۵)

امام جعفر صادقؑ اور حکام

امام کی زندگی میں منصور کی طرف سے مقرر کئے ہوئے حکام سے مختلف مواقف پیش آئے ہیں جہاں ان حکام نے اپنے رئیس کو خوش کرنے کے لئے آپ کو اذیت دینے کی انتھک

Presented by Ziaraat.Com

کوشش کی ہے۔

ایک والیٔ مدینہ نے تو امام کی موجودگی میں جمعہ کا خطبہ پڑھا اور حمد خدا کے بعد حضرت علیؑ کو برا بھلا کہا۔ حضرت یہ سن کر کھڑے ہو گئے اور حمد باری اور صلوات کے بعد فرمایا کہ تو نے جس خیر کا ذکر کیا ہے اس کے اہل ہم لوگ ہیں اور جن برائیوں کا تذکرہ کیا ہے اس کا اہل تو اور تیرا رئیس ہے۔

ذرا اپنے حالات کا جائزہ لے۔ دوسرے کے دم خم پر کب تک؟ آخر ایک دن پروردگار کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ یہ گناہ تجھے ہی لے جانا ہوگا۔

اس کے بعد آپ نے قوم سے خطاب کر کے فرمایا "یاد رکھو قیامت کے دن سب سے زیادہ خالی میزان اور سب سے زیادہ خسارہ میں رہنے والا انسان وہ ہوگا جس نے آخرت کو دنیا کے عوض بیچ ڈالا اور وہ یہی فاسق ہے۔

والیٔ شہر یہ سن کر دم بخود ہو گیا اور مسجد سے باہر چلا گیا۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کے اہم حادثات منصور سے پوشیدہ نہیں رہ سکتے تھے۔ جاسوس برابر امام کے نقل و حرکت کی اطلاع پہنچا رہے تھے اور منصور اپنے انتقام کی تدبیروں میں مصروف تھا۔

داؤد بن علی مدینہ کا والی مقرر ہوا تو اس نے بھی علویوں کو اذیت پہنچانا شروع کی۔ سیرافی کے ذریعہ معلی بن خنیس کو شہید کرا دیا جو امام کے خاص اصحاب اور موالی میں سے تھے۔ ان کے اموال پر قبضہ کر لیا لیکن انھوں نے سب کچھ برداشت کر لیا۔

حضرت معلی بن خنیس کے قتل کے چند اسباب بیان کئے جاتے ہیں:۔

۱۔ داؤد نے ان سے شیعیانِ علیؑ کی سراغ رسانی کا تقاضا کیا اور انھوں نے انکار کر دیا اور اپنے انکار پر آخر وقت تک قائم رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

۲۔ انھوں نے محمد بن عبد اللہ صاحب نفس زکیہ کے اقدام میں ان کا ساتھ دیا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ حضرت کو اس حادثہ سے سخت تکلیف پہنچی اور آپ نے اسے اپنے حق پر ایک سنگین حملہ تصور کیا۔ چنانچہ خبر کو سنتے ہی آپ خلافِ عادت امیر کے پاس

Presented by Ziaraat.Com

سے گئے اور غضب ناک لہجہ میں خطاب فرمایا "تو نے میرے چاہنے والے کو قتل کیا ہے۔ میرے مال کو غصب کیا ہے۔ تجھے یہ نہیں معلوم کہ اولاد کے مرنے پر صبر ہو سکتا ہے لیکن جنگ کے اعلان پر خاموشی نہیں اختیار کی جا سکتی ہے۔ (گویا حضرت نے معلیٰ کے قتل کو اپنے حق میں اعلانِ جنگ تصور کیا تھا۔) اس کے بعد آپ سے اور امیر سے سخت لہجہ میں گفتگو ہوئی۔ امیر نے ساری ذمہ داری سپاہی کے سر ڈالنا چاہی لیکن جب یہ حربہ کامیاب نہ ہوا تو سپاہی کے قتل کا حکم دے دیا۔

اس نے حکم سنتے ہی کہا "یہ خوب ہے کہ پہلے لوگوں کے قتل کا حکم دیں اور جب انھیں قتل کر دیا جائے تو سزا کے طور پر اپنے قتل کا حکم بھی نافذ ہو جائے"۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ معلیٰ کے قتل میں تمام تر داؤد کا ہاتھ تھا اور سپاہی پر اس کی ذمہ داری نہیں ڈالی جا سکتی تھی۔

(ابن فوطی)

کافی کی روایت ہے کہ اس کے بعد حضرت نے پروردگار عالم کو اس کی نورانیت، عزت، نعمت، سلطنت اور اس کے عزائم کا واسطہ دے کر داؤد کے لئے بددعا کی اور ابھی آپ کی دعا تمام نہ ہوئی تھی کہ داؤد کے گھر سے رونے کی آواز بلند ہو گئی۔ معلوم ہوا کہ داؤد نے دنیا سے رحلت کی۔

امام نے جن سخت حالات میں زندگی گذاری ہے ان کا اندازہ آپ کے اس ایک فقرہ سے ہو سکتا ہے "سلامتی اتنی نادر ہو گئی ہے کہ اب اس کی جگہیں نظر نہیں آتیں"۔

سفیان ثوری کا دستور تھا کہ وہ حضرت کی خدمت میں برابر آیا کرتے تھے لیکن جب آپ پر سختیاں زیادہ ہونے لگیں تو سفیان نے بھی آنا کم کر دیا۔ ایک دن اتفاق سے حضرت کی خدمت میں آ گئے اور حدیث سننے کا تقاضا کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم بادشاہ کے مطلوب ہو اور میں بادشاہ سے پرہیز کرتا ہوں۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ تم چلے جاؤ۔ میرا مقصد تمھیں بھگانا نہیں ہے"۔

بنی امیہ کے حکام سے کہیں زیادہ مصائب حضرت کو منصور کے ہاتھوں برداشت کرنا پڑے۔ اس نے بار بار آپ کے قتل کی تدبیر کی لیکن پروردگار کی مخصوص عنایت اور توجہ کی بنا پر آپ کو نجات ملتی رہی۔

Presented by Ziaraat.Com

علی بن میسرہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت صادقؑ منصور کے پاس آئے منصور نے آپ کے سر پر ایک غلام مقرر کردیا کہ جیسے ہی جعفر بن محمدؑ بیٹھیں ان کا سر قلم کردینا۔

حضرت نے دربار میں قدم رکھتے ہی منصور کے تیور دیکھے اور زیر لب دعا کی "اے ساری خلقت کے کام آنے والے مجھے اس کے شر سے محفوظ رکھنا"

دعا مستجاب ہوئی اور آپ کو اس کے شر سے نجات مل گئی۔ (کافی ۲ ص۵۶۱)

امام منصور کے مکر و فریب سے بخوبی آگاہ تھے۔ آپ کو معلوم تھا کہ وہ آپ کے خلاف محاذ قائم کرنے کے لئے مختلف وسائل اختیار کررہا ہے۔ کبھی اولاد علیؑ کے پاس لوگوں کو مال دے کر بھیجتا کہ اپنے کو خراسانی ظاہر کرکے انھیں مال دے اور ان سے رسید لے لے جیسا کہ ایک دفعہ خود امام صادقؑ کے پاس ایک شخص کو کافی رقم دے کر بھیجا۔ حضرت اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ انتظار کرتا رہا۔ آپ نے نماز ختم کرتے ہی فرمایا "اے شخص خدا کا خوف کر اور منصور سے بھی کہہ دے کہ خدا سے ڈرے اور ہم اہلبیتؑ کو دھوکا دینے کی کوشش نہ کرے۔ ہم نے بنی مروان کا دور دیکھا ہے اور یاد رکھ کہ سب اللہ کے محتاج ہیں" (ابن شہر آشوب ۴ص۲۴۲)

کبھی شیعوں کے نام سے جعلی خطوط حضرت کے پاس بھیجا کرتا تھا کہ آپ کے جواب سے آپ کی گرفت کرسکے لیکن ظاہر ہے کہ خدائی بصیرت رکھنے والے افراد کہیں ایسی چالوں میں آیا کرتے ہیں۔

منصور اپنے ارادوں میں ناکام ہوتا رہا اور لوگ اپنی چغل خوری میں ناکام ہوتے رہے۔ خالق کائنات کی عنایتیں آپ کے ساتھ تھیں۔ ظالموں نے جعل و فریب کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ آپ کی طرف سے شیعوں کو خطوط لکھے۔ انھیں حکومت کے خلاف بغاوت کی دعوت دی۔ مال بھیجا، دیگر تدبیروں سے کام لیا، لیکن ہر وقت ناکام رہا۔ اس کے ذہن میں ہمہ وقت ایک انقلاب کا تصور رہتا تھا جس نے اس کی نیند حرام کردی تھی اور اس کی زندگی دوبھر ہوگئی تھی۔

Presented by Ziaraat.Com

منصور کی سیاست

منصور کی سیاست کا تقاضا یہ تھا کہ اولاد علیؑ سے سخت سے سخت تر سلوک کیا جائے۔ اسے ان کی اہلیت و صلاحیت کا مکمل علم تھا اور یہ بھی معلوم تھا کہ رسول اکرمؐ سے نسبی قرابت اور اپنے ذاتی خصوصیات کی بنا پر امت کی نظر میں خلافت کے لئے ان سے زیادہ سزاوار کوئی نہیں ہے۔

ابتدائی حالات میں بنی عباس نے اولاد علیؑ کا باقاعدہ ساتھ دیا۔ ان کی حمایت کے لئے حکومت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ بنی امیہ کو کھلم کھلا برا بھلا کہا اور امت پر برابر یہ ظاہر کرتے رہے کہ ہم حقوق آل محمدؐ کے محافظ اور ان کے حمایتی ہیں لیکن اقتدار سنبھالنے کے بعد ہی بیعت کے ہاتھ خونریزی کے ہاتھ بن گئے۔ حمایت کرنے والے دل بغض و حسد کی آماجگاہ بن گئے۔ اور حکومت ہر اس موقع کا انتظار کرنے لگی جب آل محمدؐ کا چراغِ زندگانی خاموش کر دیا جائے یا انھیں مختلف مصائب و آلام کا شکار بنا دیا جائے۔

منصور نے بھی اپنے دورِ حکومت میں اسی سیرت کو اپنایا۔ اولاد علیؑ کو طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ ایک جماعت کو ربذہ میں جمع کر کے اتنے کوڑے لگوائے کہ کوڑے خون سے رنگین ہو گئے۔ اس کے بعد بد ترین سواری پر بٹھا کر کوفہ کی طرف روانہ کر دیا جہاں انھیں ایسے قید خانہ میں رکھا گیا جس میں دن اور رات کا کوئی امتیاز نہ تھا اور ان پر ایسے سپاہی مسلط کر دیئے گئے جن کے لغت میں رحم دلی اور انسانیت کی سی لفظیں نہ تھیں۔ اس کے بعد یہ بھی حکم دے دیا کہ مُردوں کے جنازے نہ اٹھائے جائیں تاکہ زندہ قیدی لاشوں کی بدبو سے ہلاک ہو جائیں۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ منصور نے ابراہیم بن عبداللہ کو قتل کرا کے ان کا سر ربیع کے ہاتھوں ان کے باپ کے پاس قید خانہ میں بھیج دیا۔ عبداللہ اس وقت نماز میں مشغول تھے۔ ان کے دوسرے بیٹے ادریس نے جیسے ہی یہ منظر دیکھا آواز دی۔ بابا نماز جلدی ختم کیجئے۔ عبداللہ نے نماز تمام کی اور بیٹے کا سر اپنی آغوش میں لے لیا۔

فرمایا "مرحبا میرے لال! تو قرآن کی زبان میں ان لوگوں میں سے ہے جنھوں نے خدائی

Presented by Ziaraat.Com

عہد کو پورا کیا، پیمان شکنی نہیں کی اور جہاں جہاں پروردگار عالم نے وصل کا حکم دیا تھا وہاں وصل سے کام لیا۔

ربیع نے پوچھا کہ ابوالقاسم کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

عبداللہ نے فرمایا بقول شاعر وہ ایک جوان تھا جو تلوار کے ذریعہ ذلت سے بچتا تھا اور گناہوں سے پرہیز کرتا تھا۔

اس کے بعد ربیع سے خطاب کر کے فرمایا کہ منصور سے یہ کہہ دینا کہ ہمارے دن تو پورے ہو گئے ہیں۔ اب تم سے قیامت ہی کے دن ملاقات ہوگی۔

آل محمدؐ اسی طرح قید خانہ کی مشقتیں برداشت کرتے رہے۔ تلاوت قرآن کی مقدار سے نماز کے اوقات کا اندازہ کرتے لیکن منصور سے یہ حالت بھی دیکھی نہ گئی۔ اس نے ایک دن قیدخانے کی عمارت کو ان کے سروں پر منہدم کرنے کا حکم دے دیا جس کے نتیجہ میں کچھ طوق و سلاسل میں جکڑے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے اور کچھ کے جسم میں دیوار کی کیلیں گڑ گئیں اور اس طرح منصور کی سیاست حد آخر تک پہنچ گئی ــــ (طبری، ابن اثیر، مروج الذہب)

خدا خدا کر کے ایک وقت وہ بھی آیا جب منصور نے بنی حسن کے ساتھ اپنے برتاؤ کی بدی کا احساس کیا اور اسے لوگوں کے دلوں میں ابھرتے ہوئے نفرت کے جذبات دکھائی دیئے۔ اس کی سیاست نے پلٹا کھایا اور اس نے ہاشمیہ میں ایک خطبہ پڑھا جن میں حمد و ثنا کے بعد اس طرح خطاب کیا "اے اہل خراسان! تم میرے شیعہ اور میرے مددگار ہو۔ تم میرے علاوہ کسی دوسرے کی بیعت کرو گے تو وہ مجھ سے اچھا نہ ہوگا۔ خدائے وحدہٗ لاشریک کی قسم میں نے اولاد علیؑ کے ساتھ کوئی معمولی سی بدسلوکی بھی نہیں کی۔ بنی امیہ نے ہمارے اوپر حملہ کیا، ہماری شرافت کو مردہ بنانا چاہا۔ ہماری عزت کو برباد کرنے کی کوشش کی۔ ہمارا ان سے کوئی سابقہ نہ تھا۔ ہم نے ساری مصیبتیں اولاد علیؑ کی محبت میں برداشت کیں۔ دربدر کئے گئے۔ کبھی طائف گئے کبھی شام اور سراۃ کی طرف جلاوطن کئے گئے یہاں تک کہ خداوند عالم نے تم لوگوں کو میرا ساتھی بنا دیا اور اس طرح ہمارا شرف زندہ ہوا، ہمارا حق ظاہر ہوا اور ہماری میراث ہم تک پہنچ گئی۔ اللہ نے اپنے منارہ ہدایت کو بلند کیا اور اپنے انصار کو عزت بخشی۔ ظالموں کا سلسلہ ختم ہوا۔ والحمد للہ رب

Presented by Ziaraat.Com

العالمین۔ اب جب کہ ہمارے امور طے ہو چکے ہیں اور اللہ کا عادلانہ فیصلہ ہو چکا ہے تو یہ لوگ ہم سے حسد کرنے لگے ہیں۔ ہمارے اوپر ظلم کرتے ہیں اور ہمارے حقوق پر غاصبانہ حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ (مروج الذہب ۳ ص۳۲۷)

منصور نے اس خطبہ میں جس قدر غلط بیانی سے کام لیا ہے وہ ارباب نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ لوگوں کو ایسے نرم لہجہ سے راضی کرے اور ان کے اندر نفرت کے جذبات نہ ابھرنے پائیں۔ ورنہ اسے خود بھی یہ معلوم تھا کہ اولاد علیؑ نے کسی وقت بھی حکومت کے لئے ہاتھ نہیں بڑھایا اور نہ انھیں سلطنت کی کوئی خواہش تھی۔ ان کے اقدامات کا محرک صرف یہ جذبہ تھا کہ ہم ظلم کے سامنے سر نہ جھکائیں گے۔ جیسا کہ ابن ساعی کا بیان ہے کہ "تاریخ اسلام کا بغور مطالعہ کرنے والا اس حقیقت سے باخبر ہے کہ اہلبیتؑ کا کوئی اقدام ذلت واہانت کے ردِ عمل کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ بنی امیہ نے غلاموں پر احسانات، عربوں کو لاکھوں درہم و دینار کی داد و دہش، زمینوں اور جائدادوں کی تقسیم، عہدوں پر ان کی تقرری کے ساتھ بنی فاطمہؑ پر مصائب و آلام کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ اپنے فسق و فجور کے ساتھیوں کو پوری سہولت دے رکھی تھی۔ بنی فاطمہؑ اس صورتِ حال کو برداشت نہ کر سکتے تھے۔ ان کی غیرت و حمیت اور ان کی شرافت و عزت انھیں ابھارتی تھی اور وہ قانون شکنی کے عنوان سے نہیں بلکہ یہ سوچ کر اٹھ کھڑے ہوتے تھے کہ ارضِ خدا تنگ نہیں ہے۔ ہم ایسی جگہوں پر زندگی گذار سکتے ہیں جہاں ہمارے جد کی امت آباد ہو اور بنی امیہ کے مظالم سے راحت مل سکے۔ لوگ ان کا احترام کرتے تھے، ان کے جذبہ کو استحسان کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔ بنی امیہ کو یہ خبر ناگوار گذرتی تھی۔ وہ ان کے پیچھے سپاہیوں اور فوجیوں کو لگا دیتے تھے تاکہ انھیں درجۂ شہادت پر فائز کر دیں۔ یہی حال بنی عباس کے دورِ حکومت بھی رہا۔"

(تاریخ ابن الساعی ص۳۶)

اس منزل تک پہنچنے کے بعد اس امر کی طرف توجہ بھی ضروری ہے کہ آل رسول کے ساتھ بنی عباس کا برتاؤ بنی امیہ سے بالکل مختلف رہا ہے۔ بنی امیہ اپنی دشمنی میں کسی پوشیدگی کے قائل نہ تھے۔ ان کی عداوت بالکل علانیہ تھی اور ظاہر ہے کہ واقعۂ کربلا، اسیری اہلبیتؑ اور سب و شتم

Presented by Ziaraat.Com

امیرالمومنینؑ کے بعد پوشیدگی کا سوال ہی کیا رہ جاتا ہے۔

لیکن بنی عباس نے ابتدائے کار میں حمایت اہلبیتؑ کی آڑلی اور جب نظمِ حکومت منصور کے دور میں مستحکم ہوگیا تو سب سے پہلے انھیں حضرات کو نشانۂ ستم بنایا۔ تہ تیغ ہونے والوں میں سرِفہرست انھیں کا نام تھا اور قید خانہ کی طرف جانے والے قافلے کے میرِ کارواں یہی حضرات تھے۔ منصور کے مظالم کی فہرست تو بہت طولانی ہے لیکن اس سلسلے کا سب سے اہم واقعہ صندوق کا ہے جس کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ منصور نے اپنی زندگی میں ایک صندوق بنوا رکھا تھا جسے روزِ قیامت، روزِ حساب، روزِ جزا، روزِ فیصلہ کے لئے محفوظ کئے ہوئے تھا اور اپنے بیٹے مہدی کی بیوی ریطہ کو اس کی کنجی دے دی تھی کہ میرے مرنے کے بعد اس کنجی کو مہدی کے حوالے کر دینا۔ ریطہ کا خیال تھا کہ اس صندوق میں بہترین قسم کے جواہرات اور قیمتی موتی ہوں گے۔ چنانچہ منصور کے مرنے کے بعد وہ مہدی کو لے کر صندوق کے پاس آئی۔ دونوں فرطِ مسرت سے جھوم رہے تھے اور دونوں کی نگاہوں میں سنہرے روپہلے جواہرات چمک رہے تھے لیکن جب ریطہ نے مہدی کو کنجی دی اور مہدی نے خزانے کو کھولا تو اس میں کچھ ٹکڑے ٹکڑے کی ہوئی لاشیں جن کے کانوں میں ان کے نسب نامے آویزاں تھے کچھ اور بوڑھوں کی میتیں جنھیں منصور کے مظالم نے اس دنیا میں نہ رہنے دیا تھا، نظر آئیں۔ مہدی یہ دیکھ کر مبہوت رہ گیا۔ جسم میں لرزہ پڑ گیا اور فوراً ایک گڑھا تیار کرا کے سب کو دفن کر دیا اور اس پر ایک دکان تیار کرا دی۔
(طبری ۹ صـ۳۰۲ حوادث ۱۵۸ھ ط ۱)

ظاہر ہے کہ اس واقعہ کے بعد منصور کے مظالم کے سلسلہ میں کسی اور بیان کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اس بات کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ منصور کی مکاری نے اتنے مظالم کے بعد بھی برابر اس بات کی کوشش کی کہ ان مظالم کو کھلے زہد و تقویٰ اور ریاکارانہ عبادت کے پردے میں چھپا دیا جائے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ منصور کے چند ہوا خواہ امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں یہ خبر لے کر آئے کہ منصور بہت سادہ سا لباس پہنتا ہے بلکہ اس میں پیوند بھی لگاتا ہے تو حضرت نے فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ وہ اپنی سلطنت میں رہ کر فقیری

Presented by Ziaraat.Com

میں مبتلا ہے۔ (کامل ابن اثیر ۶ صـ۱۳ ط ۱)

ایک مرتبہ منصور نے اپنے کاتب محمد جمیل کو پندرہ تازیانے اس بات پر لگائے کہ اس نے کتان کے کپڑے پہن رکھے تھے اور کہا کہ یہ اسراف ہے۔ گویا لوگوں کو یہ سمجھانا چاہتا تھا کہ بادشاہ اپنے معاملات میں بھی اس قدر احتیاط اور میانہ روی سے کام لیتا ہے۔

ایک مرتبہ روز عرفہ کے خطبہ میں بیان کیا "ایہا الناس میں زمین پر اللہ کی طرف سے بادشاہ ہوں۔ اس کی توفیق و تائید سے حکومت کرتا ہوں۔ اللہ کے مال کا خزانہ دار ہوں۔ اس کی مشیت کے مطابق خرچ کرتا ہوں۔ اس کی اجازت سے داد و دہش کرتا ہوں۔ اس نے مجھے اپنے خزانوں کا قفل بنا دیا ہے۔ جب تمھیں کچھ دینا چاہتا ہے تو میرا منہ کھل جاتا ہے اور جب نہیں چاہتا تو قفل بند ہی رہتا ہے لہذا آج کے دن اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلاؤ اور اس سے سوال کرو۔

(طبری ۶ صـ۲۳)

مقصد یہ تھا کہ لوگ میرے بخل یا میری زیادتی پر نظر نہ رکھیں بلکہ ان تمام باتوں کا ذمہ دار اپنے خالق و مالک کو قرار دیں۔ وہ چاہتا تو میں ضرور دیتا۔ میں نہیں دیتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہی تمام لوگوں پر مہربان نہیں ہے۔

اس کے بعد تقدس کے بلند ترین زینہ پر قدم رکھتے ہوئے اعلان کرتا ہے "خدائے برتر کا شکر ہے۔ اسی سے مدد، اسی پر ایمان اور اسی پر اعتماد ہے۔ میں اس کی توحید کی شہادت دیتا ہوں۔" یہ سننا تھا کہ ایک شخص پہلو سے بول اٹھا "اسی خدا کو یاد کیجئے"۔ منصور نے اس کلام پر خطبہ کو روک دیا اور کہنے لگا کہ میں خدائے برتر کی اطاعت کرتا ہوں اور اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھے جبار و ظالم کہا جائے۔

اس کے بعد قوم سے خطاب کر کے کہتا ہے کہ خبردار تم میں سے کوئی ایسی بات نہ کرے۔ تمھیں نہیں معلوم کہ حکمت ہم پر نازل ہوئی ہے۔ ہمیں اس کے اہل ہیں۔ اس کا ورود و صدور ہماری ہی منزلوں سے ہے۔

منصور ان تمام باتوں سے اپنے تقدس کا رعب جما کر عوام کی زبان بندی کرنا چاہتا تھا اور انھیں یہ سمجھانا چاہتا تھا کہ میں صرف خدا کے حکم سے کام کرتا ہوں۔ میرا کوئی عمل اس کی مرضی

Presented by Ziaraat.Com

سے جدا نہیں ہے۔ بداعمالیاں بنی امیہ کا حصہ تھیں ان کے ساتھ ختم ہوگئیں ـــــ حالانکہ منصور کا دور بنی امیہ ہی کے دور حکومت کا ایک تسلسل تھا چنانچہ ایک دن اس نے عبدالرحمٰن افریقی سے کہا کہ میری سلطنت اور بنی امیہ کی سلطنت میں کیا فرق ہے؟ عبدالرحمٰن نے برجستہ جواب دیا کہ بنی امیہ کا کوئی ظلم ایسا نہ تھا جو آپ کی سلطنت میں نہ دیکھ لیا گیا ہو۔

عبدالرحمٰن ابتدا میں منصور کے ساتھ پڑھا کرتا تھا اور اسی بچپنے کی دوستی کی بنا پر منصور کے پاس آیا تھا۔ پہلے تو اسے ایک مہینہ تک باریابی کا شرف ہی نہیں مل سکا۔ اس کے بعد جب اجازت ملی تو منصور نے دیکھتے ہی یہ سوال کیا کہ کیسے آنا ہوا؟ عبدالرحمٰن نے فوراً جواب دیا کہ ہمارے شہروں میں ظلم وجور عام ہوگیا ہے۔ میں اس بات کی طرف متوجہ کرنے آیا ہوں کہ آپ کی حکومت میں ایسے حالات قطعی غیر مناسب ہیں۔ منصور کو یہ سن کر غصہ آگیا اور اس نے عبدالرحمٰن کو باہر نکلوا دیا۔ (تاریخ الخلفا سیوطی ص۱۰۵)

اپنی زندگی کے آخری سال منصور حج کے لئے گیا تو خانہ کعبہ کے گرد طواف کرتے ہوئے ایک آواز سنی۔ "خدایا میں روئے زمین پر فساد اور ظلم کے پھیل جانے کی شکایت کرتا ہوں۔ اہلِ طمع نے حق سے علیحدگی اختیار کرلی ہے۔"

منصور یہ سن کر ایک گوشہ میں بیٹھ گیا اور اس نے دعا کرنے والے کو طلب کرکے اس کی دعا کا مفہوم پوچھا۔ اس نے امان طلب کی اور اس کے بعد کہا کہ جس نے طمع کی بنا پر اہلِ حق کو ان کے حق سے محروم کیا ہے، وہ تیری ذات ہے۔

منصور نے کہا خدا تیرا برا کرے، میرے پاس خزانے موجود ہیں۔ مجھے طمع کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

اس نے کہا امیر! پروردگار نے آپ کو مسلمان اور ان کے اموال کا امین بنایا تھا آپ نے ان اموال پر پہلے اینٹ پتھر کے دربان بٹھائے پھر لوہے کے دربان بنائے پھر مسلح آدمیوں کو مقرر کرکے یہ حکم دے دیا کہ سوائے چند افراد کے کوئی دوسرا نہ آسکے۔ تیرے یہاں مظلوم، ستم رسیدہ، کمزور، فقیر اور بھوکے ننگے لوگوں کی رسائی کا کوئی ذکر نہیں ہے حالاں کہ اس مال میں ان کا بھی حق ہے۔ دوسری طرف تیرے مخصوص افراد نے جب یہ دیکھ لیا کہ تو ان

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

میں ڈھال دے چنانچہ تبلیغ کرنے والے علماء باہر نکال دیئے گئے اور خوشامدی علماء مقرب بارگاہ بنتے رہے۔ اولادِ رسولؐ کا خون بہایا جایا جا رہا تھا۔ قید خانے آباد ہو رہے تھے اور اسی کے ساتھ ایک پرانے بوریا کو محفوظ کر کے اس پر ایک سپاہی معین کر دیا تھا جس کو شہرت یہ دی گئی تھی کہ یہ رسول اکرمؐ کی چٹائی ہے۔ پھر اسے نماز کے وقت عوام کو دکھلا کر یہ نمائش کی جاتی تھی کہ ہم آثارِ رسولؐ کے محافظ ہیں۔

دوسری طرف زاہدوں اور واعظوں کو مدعو کر کے ان سے وعظ و نصیحت کرنے کی فرمائش کی جاتی تھی اور ان کے وعظ پر مصنوعی آنسو بہائے جاتے تھے تاکہ لوگ رقت اور پاک باطنی سے مرعوب ہو سکیں۔ یہ مثل مشہور ہے " ایک ہاتھ سے ذبح کرے اور ایک ہاتھ سے تسبیح پڑھے "۔

یہ سلسلہ بنی عباس میں بہت بعد تک جاری رہا اور ہر دور میں رسول اکرمؐ کے نام سے بشارتیں گڑھی جاتی رہیں تاکہ اپنی سلطنت کو دینی رنگ دیا جا سکے۔ چنانچہ ایک روایت یہ تیار کی گئی " خدا عباس، ان کی اولاد اور ان کے چاہنے والوں کو بخش دے "۔

(تاریخ بغداد ۱۰ ص ۲۹)

دوسری روایت یوں وضع ہوئی " خدایا عباس، ان کی اولاد اور ان کے چاہنے والوں کو بخش دے۔ خدایا عباس کے ظاہر و باطن تمام گناہوں کو بخش دے اور ان کی ذریت کے قیامت تک کے گناہ معاف کر دے "۔ (شرح ہمزیہ ابن حجر ص ۳۱۸)

ایک روایت سفاح کی شان میں تیار کی گئی " فتنوں کے ظہور کے وقت اور کافی زمانہ کے بعد ہم سے ایک شخص ظاہر ہو گا جس کا نام سفاح ہو گا "۔ اس روایت کو ابو سعید خدری کی طرف منسوب کیا گیا اور ایک مہدی بن منصور کے نام سے بنی " ہم سے سفاح، منصور اور مہدی پیدا ہوں گے "۔ (تاریخ بغداد ۱۰ ص ۴۸)

ڈاکٹر احمد امین کا بیان ہے کہ عباس اور اولادِ عباس کے بارے میں متعدد روایتیں گڑھی گئیں۔ جن میں ایک روایت تھی کہ ایک مرتبہ عمر بن خطاب نے قحط کے زمانہ میں عباس سے تقاضا کیا۔ انھوں نے دعا کی اور فوراً بارش ہو گئی۔ جس پر انھوں نے فرمایا کہ خدا کی قسم خدا تک پہنچنے کا وسیلہ بنی عباس ہیں۔ بلکہ لوگوں نے بھی انھیں ساقی الحرمین کے لقب سے یاد کرنا شروع

Presented by Ziaraat.Com

کر دیا۔ (اسد الغابہ ۳ ص۱۱۱)

اور بعض راویوں نے یہ روایت وضع کی کہ ابن عباس اپنے وقت کے وہ عظیم سیاسی انسان تھے جن سے حضرت علیؑ استفادہ کیا کرتے تھے، حالانکہ ایسا کچھ نہیں تھا۔ ابن عباس صرف صاحب علم تھے۔ انھیں سیاست سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ (ضحی الاسلام)

علماء رجال و حدیث نے ان روایتوں کی بے اعتباری کو واضح کر دیا ہے اور بنی عباس کے اس ڈھونگ کو طشت از بام کر کے امت کو متنبہ کر دیا ہے کہ ان کے دورِ حکومت کو اسلام کی حکومت اور بانیٔ اسلام کی خلافت سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ منصور نے امام صادقؑ کو اذیت دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ یہ اور بات ہے کہ حضرت اس کے شر سے برابر بچتے رہے اور آپ پر کوئی اثر نہیں ہو سکا۔

آپ کی سیاست کا ماحصل یہ تھا کہ لوگوں کی اصلاح کی جائے۔ انھیں حکومت سے قطع تعلق پر آمادہ کیا جائے اور حکومت کو بتا دیا جائے کہ یہ عوام ان مظالم پر صبر کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ حالات زمانہ اور مصلحتِ اسلام کھلی ہوئی جنگ کی اجازت نہیں دیتے ہیں۔

یہ تذکرہ ان مصائب و آلام کا ہے جو خود امام علیہ السلام کی ذات سے متعلق تھے اور ظاہر ہے کہ جو حکومت امام کو اس جلالت و ہیبت کے باوجود نہیں معاف کر سکتی تھی وہ ان کے چاہنے والوں اور شیعوں سے کس طرح چشم پوشی کر سکتی تھی جب کہ شیعہ ان کے انصار و اعوان اور ان کے گھرانے والوں کا مشہور لقب تھا۔

اب کیا تھا، مصائب کا رخ ان کی طرف بھی موڑ دیا گیا۔ خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ قید خانے آباد ہونے لگے اور ایسے ایسے حالات سامنے آنے لگے جن کی تفصیل بیان کرنے سے قلم لرزتا ہے۔ لیکن کیا کہنا ان جواں ہمت چاہنے والوں کا انھوں نے کبھی ان مظالم کی پرواہ نہیں کی۔ ظلم کا مقابلہ عزم و استقلال سے کرتے رہے۔ حکومت کا رعب و داب یا اس کی داد و دہش ان کے دلوں کو آلِ محمدؐ کی طرف سے منحرف نہ کر سکی اور نتیجہ یہ ہوا کہ لفظ شیعہ جہاں عمومی نفرت و عداوت کا سبب بن گیا وہاں حکومتیں اس نام سے لرزنے بھی لگیں۔ حکومتوں کے پاس عقیدہ کی

Presented by Ziaraat.Com

اس آہنی دیوار کو توڑنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اس نے "علماء سوء" کا سہارا لیا اور ان لوگوں نے بھی دل کھول کر فتوے دیئے۔ اور عوام کو یہ باور کرا دیا کہ شیعوں کی طرف سے حق آل محمدؑ کی حمایت۔ ان کی اہلیت و صلاحیت یا رسول اکرمؐ سے ان کی قرابت کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اس کا راز صرف یہ ہے کہ یہ لوگ اہلبیتؑ کو اپنا خدا سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ کافر ہیں۔ ان کے لئے ہر اذیت و آزار جائز اور معشیت و آزادئ فکر و اظہار عقائد و اقامہ شعائر جیسی تمام آزادیاں حرام ہیں۔

زمانہ یہ ہے کہ ایک کافر خدا کا انکار کر کے فراغت کے ساتھ زندگی گذار رہا ہے لیکن ایک شیعۂ آلِ محمدؑ چاروں طرف سے حملوں کا نشانہ بنا ہوا ہے جب کہ وہ توحید خدا اور رسالتِ رسولؐ کا اعتراف کرتا ہے۔ اس کا جرم صرف یہ ہے کہ وہ حکومت کی خواہشات کے سامنے سر نہیں جھکانا چاہتا ہے اور اسی بنا پر اس کی حدیث لینا حرام بلکہ باعثِ عقوبت اور سبب بے دینی ہے اور اس کا اپنا خون تو بہر حال حلال ہے۔

یہ اس دور کا ایک اجمالی خاکہ ہے جب شیعیانِ آلِ محمدؑ حکومت کی نظروں پر چڑھے ہوئے تھے۔ ان کی تباہی و بربادی کے وسائل کا تلاش کرنا حکومت کا منصبی فرض بن گیا تھا۔ ان کے خلاف تہمتیں گڑھی جا رہی تھیں اور ان کی طرف سے رائے عامہ کے منحرف کرنے میں کسی سچ جھوٹ سے پرہیز نہیں کیا جاتا تھا۔ ان واقعات کے نقل کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ دور حاضر کے تنقیدی ذہن اسلامی تاریخ کے میدان میں پھونک پھونک کر قدم رکھیں۔ جہاں تہمتوں کا جال پھیلا ہوا ہے الزامات کے کانٹے بچھے ہوئے ہیں، ایسا نہ ہو کہ دامن تحقیق کسی مقام پر الجھ جائے اور سالک حقیقت تلاش منزل میں ناکامیاب ثابت ہو۔

اس کے بعد ہم ائمہ اربعہ کے دوسرے امام مالک کی زندگی کی طرف متوجہ ہوں گے اور اسی احتیاط کے ساتھ قدم اٹھائیں گے کہ صرف تاریخی حقائق سے بحث کی جائے۔ نہ کسی حمایت کا پہلو ہو اور نہ عداوت و عصبیت کا۔

Presented by Ziaraat.Com

چہل حدیث امام جعفر صادق علیہ السلام

۱۔ جو شخص سلام سے پہلے بات کرنا شروع کر دے اس کو جواب نہ دو۔ [۱]

۲۔ شخصی زندگی اور اجتماعی معاشرت کی اصلاح ایک ایسا بھرا ہوا پیمانہ ہے جس کا دو تہائی حصہ، ہوشیاری ہے اور ایک تہائی حصہ، چشم پوشی ہے۔ [۲]

۳۔ جب تمہارے دنیاوی امور ٹھیک ٹھاک ہو جائیں تو اپنے دین کو مہتم کرو۔ [۳]

۴۔ مالک و سردار لوگوں کی طرح تم لوگوں کے عیوب کو نہ دیکھو اور بندہ و غلام کی طرح اپنے عیوب کو دیکھتے رہو۔ [۴]

۵۔ جس کے اندر یہ تین (۳) صفتیں موجود ہوں وہ منافق ہے چاہے وہ روزہ رکھے اور نماز بھی پڑھے وہ یہ ہیں: (۱) کچھ کہے تو جھوٹ بولے۔ (۲) جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔ (۳) جب اس پر اعتماد کیا جائے تو امانت میں خیانت کرے۔ [۵]

۶۔ اگر کسی کا دل کسی کو چاہتا ہو تو اس کو پھیرنے سے زیادہ آسان پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹانا ہے۔ [۶]

۷۔ خبردار! ایک دوسرے پر حسد نہ کرنا کیونکہ کفر کی جڑ، حسد ہے۔ [۷]

۸۔ چار چیزیں کم ہونے کے باوجود بھی زیادہ ہیں: (۱) آگ، (۲) دشمنی، (۳) فقر، (۴) بیماری۔ [۸]

۹۔ جو دوسروں کے عیوب سے پردہ اٹھائے گا اس کے گھر کے اسرار و عیوب ظاہر ہو جائیں گے۔ [۹]

---

[۱] تحف العقول: ص ۲۴۵

[۲] تحف العقول: ص ۳۷۶

[۳] تحف العقول: ص ۳۷۷

[۴] تحف العقول: ص ۲۹۵

[۵] تحف العقول: ص ۲۲۹

[۶] تحف العقول: ص ۲۴۰

[۷] اعیان الشیعہ: ۱/ ۶۷۳

[۸] اعیان الشیعہ: ۱/ ۶۷۴

[۹] اعیان الشیعہ: ۱/ ۶۷۴

Presented by Ziaraat.Com

۱۰۔اپنے بھائیوں کو دو(۲) خصلتوں سے آزماؤ اگر ان کے اندر یہ صفتیں ہوں تو ان سے دوستی برقرار رکھو ورنہ دوری اختیار کرو!(۱) اوقات نماز کی پابندی۔(۲) تنگدستی و آسائش میں بھائیوں کے ساتھ نیکی۔[۱]

۱۱۔اے جندب کے بیٹے! ہر وہ مسلمان جو ہماری معرفت رکھتا ہے اس پر یہ حق ہے کہ روزانہ اپنے اعمال کو خود چیک کرے، اپنا حساب کرے پس اگر نیکی دیکھے تو مزید اضافہ کرے اور اگر گناہ دیکھے تو توبہ کرے تا کہ قیامت کے دن ذلیل نہ ہو۔[۲]

۱۲۔جب خدا کو کسی کی نیت کی سچائی کا علم ہو جاتا ہے تو صرف اسی نیت ہی پر اس کے لئے وہ ثواب لکھ لیتا ہے جو انجام دینے کے بعد لکھتا ہے یقیناً خدا کریم و مہربان ہے۔[۳]

۱۳۔جہنمیوں کو اس وجہ سے ہمیشہ جہنم میں رکھا جائے گا کہ دنیا میں ان کی نیت یہ تھی: اگر وہ ہمیشہ دنیا میں رہیں گے تو اسی طرح خدا کی نافرمانی کرتے رہیں گے۔اہل جنت کو اس وجہ سے ہمیشہ جنت میں رکھا جائے گا کہ دنیا میں ان کی نیت یہ تھی: اگر وہ دنیا میں باقی رہیں گے تو اسی طرح ہمیشہ خدا کی اطاعت کرتے رہیں گے۔پس دونوں کو ان کی نیتوں کی وجہ سے جنت یا جہنم میں ہمیشہ رکھا جائے گا۔

۱۴۔توریت میں لکھا ہے: ہم نے تمہارے لئے نوحہ کیا لیکن تم نہ روئے۔تمہاری تشویق کی مگر تمہیں کوئی شوق پیدا نہ ہوا۔قاتلوں کو یہ بتا دو کہ خدا کی ایک ایسی تلوار ہے جو چین سے نہیں رہتی اور وہ "جہنم" ہے۔اے چالیس (۴۰) سال والو! حساب کے لئے آمادہ رہو! اے پچاس (۵۰) سال والو! تم لوگ اس کھیت کے مانند ہو جس کے کاٹنے کا وقت قریب ہو گیا ہے۔اے ساٹھ (۶۰) سال والو! تم لوگوں نے کون سی چیز پہلے بھیجی اور کون سی چیز پیچھے چھوڑی؟ اے ستر (۷۰) سال والو! اپنے کو مُردوں میں شمار کرو! اے اسّی (۸۰) سال والو! تمہاری صرف نیکیاں لکھی جا رہی ہیں، گناہ نہیں لکھے جا رہے ہیں۔اے نوے (۹۰) سال والو! تم روئے زمین پر خدا کے اسیر ہو.......... تم کیا سوچتے ہو کہ خدا اپنے اسیر کے ساتھ کیسا سلوک کرے گا؟[۴]

۱۵۔آگاہ ہو جاؤ! اندھیرے میں مسجدوں کی طرف جانے والوں کو یہ بشارت و خوشخبری دے دو کہ قیا

---

[۱] اعیان الشیعۃ: ۸/ ۵۰۳

[۲] تحف العقول: ص ۳۱۱

[۳] اصول کافی: ۳/ ۱۳۵

[۴] موسوعۃ الامام الصادق: ۱۱/ ۱۷ [باب ۴: بحار: ۶/ ۱۳۶] بحوالہ روضۃ الواعظین: ص ۴۹۰

Presented by Ziaraat.Com

مت کے دن ان کے اندر نورانیت ہوگی۔ [1]

۱۶۔ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں مالداروں کی برائی بیان کی تو امام علیہ السلام نے فرمایا: خاموش ہوجاؤ! کیونکہ جب مالدار انسان صلۂ رحم انجام دیتا رہتا ہے اور اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ نیکی انجام دیتا رہتا ہے تو خدا اسے دو گنا اجر و ثواب دیتا ہے کیونکہ وہ ارشاد فرماتا ہے: "تمہارے اموال اور اولاد میں کوئی ایسا نہیں ہے جو تمہیں ہماری بارگاہ میں قریب بنا سکے علاوہ ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے تو ان کے لئے ان کے اعمال کا دہرا بدلہ دیا جائے گا اور وہ جھروکوں میں امن و امان کے ساتھ بیٹھے ہوں گے۔" [2]

۱۷۔مجھ کو بالکل پسند نہیں کہ تمہارے کسی جوان کو دیکھوں مگر یہ کہ وہ ان دو (۲) حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں ہو: یا عالم ہو یا طالب علم۔ اگر ایسا نہ ہو تو اس نے کوتاہی کی اور اگر تفریط و کوتاہی کی تو تباہ و برباد کیا جب برباد کیا تو گناہ کیا اور جب گناہ کیا تو اس خدا کی قسم! جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برحق مبعوث کیا وہ جہنم میں رہے گا۔ [3]

۱۸۔ جو شخص ناحق، ریاست طلب کرے گا وہ کمزور لوگوں کی برحق اطاعت سے محروم رہے گا۔ جو ناحق، مال کو طلب کرے گا وہ مال کے برحق باقی رہنے سے محروم رہے گا۔ [4]

۱۹۔جو شخص تین (۳) ناحق چیزوں کی تمنا کرے گا وہ تین (۳) برحق چیزوں سے محروم رہے گا: جو ناحق، دنیا کو طلب کرے گا وہ برحق آخرت سے محروم رہے گا۔ [5]

۲۰۔جس چیز کے بارے میں انسان کا ارادہ، قوی (و پختہ) ہوتا ہے اس کے انجام دینے میں بدن، ناتواں نہیں ہوتا ہے۔ [6]

۲۱۔جب سے خداوند عالم نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا ہے اسی وقت سے اس کے اولیاء، مستضعف

---

[1] ثواب الاعمال: ص ۴۵، ح ۱
[2] علل الشرائع: ص ۶۰۴۔ ۷۳
[3] امالی طوسیؒ: ص ۳۰۳۔ ۶۰۴
[4] تحف العقول: ص ۳۳۵
[5] تحف العقول: ص ۳۳۵
[6] وسائل الشیعۃ: جلد اوّل، باب استحباب نیۃ الخیر

Presented by Ziaraat.Com

اور کم رہے ہیں۔ [۱]

۲۲۔ خداوند عالم نے دنیا میں اپنے ولی و دوست کو اپنے دشمن کا مقصد و منشا قرار دیا ہے۔ [۲]

۲۳۔ سخاوت اور خوش اخلاقی اختیار کرو کیونکہ جس طرح ہار کا درمیانی بڑا موتی اس کی زینت ہے اسی طرح یہ دونوں بھی مرد کی زینت ہیں۔ [۳]

۲۴۔ اپنے دین کے بارے میں ڈرو اسے تقیہ کے ذریعہ پوشیدہ رکھو کیونکہ جو تقیہ نہیں کرتا وہ ایمان نہیں رکھتا۔ [۴]

۲۵۔ جو لوگوں کے کسی امر کی ذمہ داری سنبھالتا ہے پھر عدالت کرتا ہے، لوگوں کے لئے اپنا دروازہ کھولے رکھتا ہے، اپنے شر کو دور رکھتا ہے، لوگوں کے معاملات کی دیکھ بھال کرتا ہے تو خدا پر یہ حق بن جاتا ہے کہ قیامت کے دن اسے خوف و ہراس سے محفوظ رکھے اور جنت میں داخل کر دے۔ [۵]

۲۶۔ اے ابو بصیر! کیونکہ اگر روح، بدن سے الگ ہو جائے گی تو بدن میں واپس نہیں آئے گی ہاں! روح بالکل سورج کی طرح جگر کے اندر موجود ہوتی ہے جیسے سورج بیچ میں ہوتا ہے اور اس کی روشنی پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ [۶]

۲۷۔ بیشک ہم اہل بیت (علیہم السلام) کی جوانمردی یہ ہے کہ جو ہم پر ظلم کرتا ہے ہم اسے بخش دیتے ہیں۔ [۷]

۲۸۔ جب آبرو ریزی ہو جائے تو اس کا جبران بہت دشوار ہے۔ [۸]

۲۹۔ خبردار اپنی مشکلوں کو لوگوں سے بیان نہ کرنا ورنہ تمہاری عزت گھٹ جائے گی۔ [۹]

---

[۱] بحار الانوار: ۶۸/ ۱۵۴

[۲] بحار الانوار: ۶۸/ ۲۲۱

[۳] میزان الحکمۃ: ص ۲۳۰۰، ح ۸۰۱۰، بحوالہ بحار: ۷۱/ ۳۹۱

[۴] میزان الحکمۃ: ج ۱۴، ح ۲۲۴۹۴، ص ۷۰۴۶، بحوالہ کافی: ۲/ ۲۸۱

[۵] میزان الحکمۃ: ح ۲۷۷۳، ص ۱۲۲۷، بحوالہ بحار: ۷۵/ ۳۴۰

[۶] میزان الحکمۃ: ص ۲۱۵۸، ح ۷۵۰۵، بحوالہ بحار: ۶۱/ ۴۳، ح ۱۹

[۷] میزان الحکمۃ: ص ۴۸۳۴، بحوالہ امالی صدوق: ۲۳۸، ح ۷

[۸] میزان الحکمۃ: ص ۳۵۵۰، ح ۱۲۱۵۴، بحوالہ اعلام الدین: ص ۳۰۴

[۹] میزان الحکمۃ: ح ۸۰۹۸، ص ۲۳۳، بحوالہ کافی: ۴/ ۲۱، ح ۷

Presented by Ziaraat.Com

۳۰۔ جو شخص کسی مومن کے خلاف کوئی ایسی بات نقل کرے جس سے اس کی برائی کا ارادہ کرے اور اس کی عزت وآبرو کو ختم کرنا چاہے تا کہ لوگوں کی نظروں میں گر جائے خداوند عالم اس کو اپنی دوستی سے نکال کر شیطان کی دوستی میں لگا دیتا ہے۔ [۱]

۳۱۔ جب تک مومن بندہ خاموش رہتا ہے وہ نیکوکار لکھا جاتا ہے جب بولتا ہے تو (بولنے کے مطابق جیسا بھی اچھا برا بولے) نیکوکار یا بدکار لکھا جاتا ہے۔ [۲]

۳۲۔ گھر والوں کو ان باتوں کا حکم دو جن کا خدا نے حکم دیا ہے اور ان چیزوں سے روکو جن سے خدا نے روکا ہے اگر انہوں نے تمہاری اطاعت کی تو تم نے ان کو جہنم سے محفوظ رکھا۔ اگر وہ لوگ تمہاری نافرمانی کریں (تمہاری بات نہ مانیں) تو تم نے اپنی شرعی ذمہ داری پر عمل کر لیا۔ [۳]

۳۳۔ سجدہ، انسانی عبادت کی معراج ہے۔ [۴]

۳۴۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سفر میں اپنی سواری سے نیچے اترے پانچ (۵) مرتبہ سجدہ بجالائے جب سوار ہوئے تو ایک صحابی نے عرض کیا کہ ہم نے آپ سے ایک ایسا عمل دیکھا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا!

فرمایا: ہاں! جبرئیل نے آکر مجھے یہ بشارت دی کہ حضرت علی علیہ السلام جنت میں رہیں گے لہٰذا میں نے اس کے شکرانے کے طور پر سجدہ ادا کیا۔

جب سر اٹھایا تو انہوں نے دوبارہ کہا: حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا بھی جنت میں رہیں گی، یہ سن کر میں نے دوبارہ سجدہ کیا۔

جب سر اٹھایا تو انہوں نے کہا: حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام جنت کے جوانوں کے سردار رہیں گے، میں پھر سجدۂ شکر بجالایا۔

اب جو سر اٹھایا تو یہ بشارت دی: جو شخص ان حضرات سے محبت کرے گا وہ بھی جنت میں رہے گا، میں نے سن کر سجدۂ شکر ادا کیا۔

---

[۱] ثواب الاعمال: ص ۲۴۷

[۲] ثواب الاعمال: ص ۳۶۴

[۳] میزان الحکمۃ: ۴۰۲ / ۳، ح ۱۰ / ۱۲، بحوالہ تحف العقول: ص ۲۳۷

[۴] میزان الحکمۃ: ۲۳۸۰، ح ۸۲۴۲

Presented by Ziaraat.Com

اب جو آخری مرتبہ سر اٹھایا تو جبرئیل نے پھر بشارت دی: جو شخص اہل بیت علیہم السلام کے دوستوں سے محبت کرے گا وہ بھی جنت میں رہے گا، یہ سن کر میں سجدۂ شکر بجالایا۔[1]

۳۵۔ تمہارے لئے دعا کرنا ضروری ہے کیونکہ دعا کی طرح کسی چیز کے ذریعہ بھی خدا کی بارگاہ میں تقرب حاصل نہیں کر سکتے اور کبھی کسی حاجت کو چھوٹی سمجھ کر اس کے لئے دعا ترک نہ کرو۔[2]

۳۶۔ جب کسی (مومن) بندہ کا گناہ بہت زیادہ ہو جاتا ہے اور اس سے کوئی ایسا عمل صالح انجام نہیں پاتا جو گناہوں کا کفارہ بن سکے تو خدا اسے محزون و غمگین کر دیتا ہے تاکہ اس طرح سے اس کے گناہوں کو پاک کر دے۔[3]

۳۷۔ مومن سختی و آسائش دونوں حالتوں میں اپنے بھائیوں کے ساتھ نیکی کرتے ہیں، تنگدستی میں دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔[4]

۳۸۔ مزدور کا پسینہ سوکھنے سے پہلے ان کی اجرت دے دو۔[5]

۳۹۔ لوگ احسان و نیکی کرکے اپنی طبیعی زندگی سے زیادہ زندگی پا جاتے ہیں اور اسی طرح گناہ کرکے اپنی طبیعی موت سے پہلے مر جاتے ہیں۔[6]

۴۰۔ تین (۳) افراد کو صرف تین (۳) اوقات میں پہچانا جا سکتا ہے: (۱)۔ بردبار کو غصہ کے وقت۔ (۲)۔ بہادر کو جنگ کے وقت۔ (۳)۔ بھائی (دوست) کو ضرورت کے وقت۔[7]

---

[1] امالی: شیخ مفید: مجلس سوم، ح ۲، ص ۳۲، ۳۳

[2] امالی: مفید: مجلس دوم، ح ۹، ۳۱

[3] امالی: مفید: مجلس سوم، ح ۷، ص ۳۶

[4] بحار الانوار: ۳۵۱/۶۷، ح ۵۴

[5] اصول کافی: ۲۸۹/۲، ح ۳

[6] بحار الانوار: ۱۴۰/۵، ح ۷

[7] تحف العقول: ص ۳۲۹

Presented by Ziaraat.Com